مکتوبات امام ربانی
اردو

مؤلفہ
حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہ
مترجمہ
مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی

مدینہ پبلشنگ کمپنی
بندر روڈ کراچی

صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ

لِلّٰہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد زِ پسِ پردۂ تقدیر پدید

یعنی

اردو ترجمہ

مکتوبات امام ربانی

حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ

دفتر اوّل ـــــ حصہ اوّل

تصحیح و حواشی و ترجمہ

مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی

خطیب و امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

فہرست کتاب مستطاب مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حصہ اول از دفتر اول

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدّمہ

از حکیم محمد موسیٰ امرتسری

امام ربانی مجددِ الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی، نقشبندی، سرہندی قدس سرہٗ السامی۔ (متوفی ۱۰۳۴ھ) کے مکتوبات شریف، کتب تصوف میں نہایت بلند درجہ رکھتے ہیں۔ حضرت شیخ نے ان کو مجددانہ شان اور مجتہدانہ انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ اور ان میں بیان فرمودہ اسرار و معارف کو ملاحظہ کر کے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ حضرت شیخ اس فن میں درجۂ امامت و مقام اجتہادؒ پر فائز ہیں

مکتوبات قدسیہ میں زیادہ تعداد ایسے مکاتیب کی ہے، جو مسائل شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت پر مشتمل ہیں۔ اور بعض میں مصلحانہ اور مجددانہ انداز میں جادۂ شریعت سے ہٹے ہوئے صوفیۂ خام کی غلط روش اور ان کے ناپسندیدہ افعال پر تنقید کی گئی ہے۔ علماء سوء کی جاہ پسندی سے اسلام کو جو نقصان عظیم پہنچ رہا تھا، اس پر اظہار تاسف کیا گیا ہے۔ اکبر بادشاہ اور اس کے ملحد امراء کے کفریہ عقائد کی وجہ سے دین مبین پر جو مصیبتیں نازل ہو رہی تھیں، ان کے دفعیہ کے لیے امراء، علماء اور صوفیہ کو متوجہ کیا گیا ہے۔ ہندوؤں کے میل جول سے مسلمانوں میں جو قبیح رسوم رائج ہو گئی تھیں، ان سے اجتناب اور بدعت کو محو کر کے سنت کو زندہ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ غیر مقلد شیخ مبارک کے بیٹوں ابوالفضل اور فیضی کے ملحدانہ خیالات اور ناپاک عزائم کے اثراتِ بد، روافض، خوارج، نواصب و دیگر فرق باطلہ کے بُرے عقائد کے مفاسد و مضار کے استیصال کی کوشش کی گئی ہے۔ تفضیلیہ کو اہل سنت و جماعت سے خارج بتایا گیا ہے۔ عقائد اہل سنت پر پختگی سے کاربند رہتے ہوئے حضرات اہل بیت، شیخین، ختنین اور جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی محبت و احترام کا سبق دیا گیا ہے۔ بغرض کہ سیکڑوں مسائل شریعت و طریقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور ہر مکتوب کا لب لباب یہی ہے کہ اسلام کو زندگی کے ہر شعبہ پر مکمل طور پر نافذ کیا جائے۔ شریعت کو طریقت پر مقدم رکھا جائے۔ جو طریقت مخالفِ شریعت ہے وہ الحاد و زندقہ ہے[2]

[1] مسائل تصوف میں [2] حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے تجدیدی کارناموں کی اہمیت و عظمت، اتب

حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمۃ والغفران کی تصانیف اور علوم و معارف کے مختلف مدارج ہیں ۔ اور مکتوبات شریف میں بھی یہ مدارج موجود ہیں، جو مکاتیب تبلیغی اور دعوتی ہیں، وہ عام فہم ہیں اور جو مسائل تصوف پر لکھے گئے ہیں، ان میں سے بعض بہت زیادہ دقیق ہیں ——— اس سلسلے میں شیخ بدرالدین سرہندی[۲۵] رحمہ اللہ کا تبصرہ نہایت بصیرت افروز ہے وھو ہذا :

"واضح ہو کہ مبداء فیاض سے باطن شریف آنجناب پر جو کچھ معارف و اسرار مخصوصہ وارد ہوتے تھے، ان کی چند قسمیں ہیں :-

——— ایک قسم ایسی ہے کہ آنجناب قدس سرہٗ کبھی ان کو زبان فیض ترجمان پر نہ لائے، اور رمز و اشارہ سے بھی کبھی ظاہر نہ کیا ۔ مثلاً تاویل مقطعات و متشابہات قرآنی کہ آنجناب پر منکشف ہوئے تھے

——— دوسری قسم وہ ہے کہ اُن کا اظہار صرف اپنے صاحبزادوں سے خاص طور پر فرمایا، و دوسرے اشخاص کو اس میں شریک نہیں فرمایا، اور نہ ہی وہ معرض تحریر میں لائے گئے ۔

تیسری قسم کے وہ معارف ہیں، جن کو آپ نے اپنے ان مریدوں سے جو محرمانِ راز و کاملین اصحاب تھے، بیان کیا ۔ اور ان کے اظہار کے وقت خلوتِ خاص ہوتی تھی اور دروازے بند کر لیے جاتے تھے، اور اگر اتفاقاً کوئی اور شخص آجاتا تو سکوت اختیار فرماتے اور روئے سخن بدل دیتے اور بقیہ اسرار کو اور کسی وقت بیان فرماتے تھے ۔ یہ معارف حتی الامکان تحریر نہیں کیے جاتے تھے ۔ مگر جب کوئی محرم راز التماس کرتا تو بہ لحاظ اجابت سوال ایسے طریقے سے تحریر فرماتے کہ ہر کوئی شخص اس کا ادراک نہ کر سکے ۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ بہ التماس سائل یا بہ نیتِ افادۂ طالبان عموماً و شمولاً تحریر کیے گئے ۔

رسائل و مکاتیب دفاترِ ثلثہ وافر البرکات ان ہی اسرارِ قسم چہارم پر مشتمل ہیں اور ہر معرفت دل کے ہی پورے طور پر واضح ہو سکتی ہے، جبکہ اکبری دور کے ملحدانہ عقائد اور ماحول سے کماحقہٗ واقفیت حاصل کر لی جائے اس موضوع پر محب محترم پروفیسر محمد اسلم صاحب استاذ شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی کی تحقیقی کتاب "دین الٰہی اور اس کا پس منظر" جو حال ہی میں دہلی اور لاہور سے شائع ہوئی ہے کا مطالعہ از حد ضروری ہے ۔ فاضل مؤلف نے اس دور کے متجددین بالخصوص شیخ محمد اکرام کے مجدد صاحب پر اعتراضات کے شافی جوابات دے دیے ہیں ۔ پروفیسر محمد اسلم صاحب نے یہ کتاب لکھ کر تاریخ اور دین اسلام کی بڑی خدمت کی ہے جزاہ اللہ ۔ ۱۲

۲۵؎ شیخ بدرالدین سرہندی خلیفہ حضرت شیخ مجدد کے حالات کے لیے (۱) حضرات القدس دفتر دوم اور روضۃ القیوم ملاحظہ ہو ۔

بیماروں کے لیے شفا اور مجوروں کے لیے وصال ہے۔"[۵۴]

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں:-

نیز آپ کے رسائل مثل "مبداء و معاد" اور "معارف لدنیہ" کہ آپ کے احوال و مقامات خاصہ کو متضمن ہیں ——— اور رسالہ "مکاشفات غیبیہ" رسالہ "اثبات النبوت" رسالہ "آداب المریدین" "شرح رباعیات حضرت خواجہ" "تعلیقات عوارف" اور "رسالہ در ردِّ شیعہ" وغیرہ بھی اسرارِ قسم چہارم میں سے ہیں۔"

اس کے بعد قسم چہارم کی پُر معارف تصانیف، جن میں مکاتیب قدسیہ بھی شامل ہیں، کے علو شان اور ان کی جامعیت کو اس طرح بیان کیا ہے:-

"بلحاظ مطالب کی باریکیوں اور عبارتوں کے دقائق اور اسرار کی تحقیق اور حالات و اشارات کی تدقیق کے، آں جناب قُدِّسَ سِرُّہٗ کے علو شان اور رفعت مکان و بلندی مراتب پر کراماتِ ساطعہ اور آیۂ قاطعہ ہیں۔ کشف حقائق الٰہی میں جو کچھ باریکیاں اور نازک بیانیاں آں جناب قُدِّسَ سِرُّہٗ نے کی ہیں۔ اکابر علماء و مشائخ اس کے شیفتہ ہیں۔ اور جو کچھ دقائق متعلق بہ حضرات خمس اور توحید وجودی و شہودی اور مشاہدہ و مکاشفہ اور ایقان و ایمان، غیب و بیان، اطوار سبعہ و ظہور انوار مختلفہ و تجلیات متکیفہ وغیر متکیفہ و جمع بین التشبیہ والتنزیہ، و تنزیہ صرف اور خفا باقی اطلاق و ظلال تعینات و تجلی برقی و دوامی و معاملہ وراء تجلی، سکر و صحو و علوم وراثت وغیر وراثت اور ولایت کی قسموں کی تحقیق یعنی صغریٰ و کبریٰ و عُلیا و مقام نبوت و رسالت و صدیقیت و قربت و تدلّی و تمنّی و محبت و خلّت اور درجاتِ سبعہ متابعت و حدِ صباحت و ملاحت و جمع درمیانِ ہر دو اور سیر آفاقی و انفسی اور سیر ماوراء آفاق و انفس میں آنجناب نے بیان فرمائے ہیں وہ عقل منزل پر ظاہر و ہویدا ہیں۔ صرف یہی علوم و معارف جو تحریر فرمائے گئے، وہ علوِ مقال، فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے مرتبۂ اعجاز میں داخل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ابنائے روزگار اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں ——— اور جب خلوت میں زبانِ الہام ترجمان سے بیان کرتے تھے، تو ادھر ہی حال وارد ہوتا تھا۔ گویا مرقومات "قال" ہیں۔ اور ملفوظات "حال" و بیان معرفت ہیں اور یہ اتقاء نسبت و اعطاء نعمت ہیں۔"[۵۵]

---

۵۴ حضرات القدس مترجم اردو دفتر دوم ص ۱۰۸۔

۵۵ حضرات القدس دفتر دوم۔ ص ۱۰۹۔

شیخ بدر الدینؒ کے بیان بالا کے مطابق خواجہ محمد ہاشم کشمی نے بھی مکتوبات کو قسم چہارم کے اسرار و معارف میں شمار کیا ہے[56] ـــــ حقیقت یہ ہے ولایت کے بلند درجات "بقاباللہ" اور "ظہور من اللہ" پر فائز شخص جس کی پرواز ہمیشہ بلند رہتی ہو۔ اور ہر آن اس پر حقائق الٰہیہ منکشف رہتے ہوں، وہ اپنے مقام سے ارادۃً خواہ کتنا بھی نزول کر کے اسرار و رموز بیان کرے، وہ پھر بھی علماء ظاہر اور ابتدائی مدارج کے صوفیہ کے فہم و ادراک سے بالا ہوں گے۔ اگرچہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ مکتوبات اسرار قسم چہارم میں سے ہیں۔ لیکن ان میں بیشتر وہ مکاتیب بھی شامل ہیں، جن میں تیسری قسم کے اسرار و معارف مندرج ہیں۔ جیسا کہ تیسری قسم کے معارف کی تعریف کرتے ہو لکھا ہے:۔

"مگر جب کوئی محرم راز التماس کرتا تو بہ لحاظ اجابتِ سوال ایسے طریقے سے تحریر فرماتے کہ ہر کوئی شخص اس کا ادراک نہ کر سکے"

اس قسم کے دقیق اور عسیر الفہم مکاتیب کے بارے میں حضرت شاہ احمد سعید مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۲۷۷ھ) فرماتے ہیں:۔

"فہمیدن تدقیقاتِ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نہایت مشکل است کسیکہ در علوم ظاہریہ ید طولیٰ داشتہ باشد و سلوک و مقاماتِ مخصوصۂ آں جناب ہم بوجہ لائق نمودہ، البتہ اُو را منا سبتے بہ فہم آں معارف پیدا خواہد شد و الّا فلا ـــــ ایں فقیر مکتوباتِ قدسی آیاتِ ایشاں را از جناب شاہ صاحب قبلہ (شاہ غلام علی دہلویؒ متوفی ۱۲۴۰ھ) خواندہ و سال ہا در خدمتِ ایشاں حلِ مواضع مغلقۂ آں نمودہ و شنیدہ و بعد وفاتِ ایشاں تا ایں دم کہ قریب چہل سال شدہ گا ہے درس و مطالعہ آں موقوف نہ داشتہ، فی الجملہ قدرت در حلِ آں بدست آوردہ است از دیگراں چہ گوید[57]"

مکتوبات کی تعداد اور ترتیب و تدوین کی کیفیت

پہلا دفتر "درالمعرفت" (۱۰۲۵) کے تاریخی نام سے موسوم ہے، اس میں ۳۱۳ مکتوبات ہیں۔ اس دفتر کو خواجہ یار محمد جدید[58] بدخشی طالقانی رحمۃ اللہ مرید حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ۱۰۲۵ھ میں

[56] زبدۃ المقامات فارسی مطبوعہ نولکشور۔ ص ۱۲۴۔

[57] مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ مولفہ شاہ محمد مظہر مجددی مطبوعہ ۱۲۸۲ھ در اکمل المطابع دہلی۔ ص ۱۳۶۔

[58] ان کے نام کے ساتھ "جدید" اس لیے لکھتے ہیں کہ ان کے ہم نام ایک اور بزرگ ان سے قبل حضرت

جمع کیا۔ مکتوب ۳۱۲ میں حضرت شیخ مجدد کا ارشاد نقل ہے کہ اس دفتر کو اسی مکتوب پر ختم کریں اور ۳۱۳ کے عدد کی رعایت کریں، کیونکہ پیغمبرانِ مرسل، صحابۂ اہل بدر کی تعداد کے مطابق ہے۔ اور دفتر دوم کے دیباچے میں تحریر ہے :۔

"چوں جلد اوّل مکتوبات بہ عددِ سہ صد و سیزدہ[۱۳] مکتوب رسید حضرت ایشاں سَلَّمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرمودند کہ بر ہمیں عدد ختم کنند کہ موافق عددِ پیغمبرانِ مرسل است صَلَوٰتُ اللہِ تَعَالیٰ عَلیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِمْ و نیز موافقِ عددِ اہلِ بدر است رِضْوَانُ اللہِ تَعَالیٰ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ تبرکاً و تیمناً برآں عدد ختم نمودہ آمد"۔

مکتوب ۳۱۳ میں جو خواجہ محمد ہاشم کشمی رَحمۃُ اللہ کے نام ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اس کے بعد صاحبزادہ محمد صادق علیہ الرحمۃ (متوفیٰ ۱۰۲۵ھ فرزند اکبر حضرت مجدّد قدس سرہٗ) کے وہ تین عریضے، جو انہوں نے حضرت مجدّد کی خدمت عالیہ میں لکھے تھے، وہ بھی شامل کر دیے جائیں۔ تاکہ ان عرائض کے پڑھنے والے صاحب زادہ محمد صادق کے حق میں دعائے خیر کریں۔ حضرت کے ارشاد گرامی کے مطابق دفتر اوّل کے آخر میں یہ تین عریضے بھی شامل کر دیے گئے۔

دوسرا دفتر جس کا تاریخی نام "نور الخلائق"[۱۰۲۸] ہے۔ اس میں اسماءِ حُسنیٰ کے مطابق کل ۹۹ مکتوبات ہیں۔ اس دفتر کے جامع خواجہ عبدالحی ابن خواجہ چاکر حصاری (رحمہا اللہ) ہیں۔ جناب مرتب دیباچۂ دفتر دوم میں لکھتے ہیں کہ اس دفتر کی تدوین و ترتیب کا کام میں نے حضرت خواجہ محمد معصوم (متوفیٰ ۱۰۷۹ھ) کے حکم سے کیا ہے ـــــــ دفتر سوم کے دیباچے میں لکھا ہے :

"چوں آں جلد بہ نود و نہ[۹۹] مکتوب رسید کہ مطابق اسماءِ حُسنیٰ است بر ہماں ختم شد در سالے دسال، کہ تاریخ آں از "نورُ الخلائق"[۱۰۲۸] ہویدا است"

تیسرا دفتر "معرفت الحقائق" کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے جامع خواجہ محمد ہاشم کشمی برہان پوری رحمہ اللہ مُریدِ حضرت امام ربّانی قُدِّسَ سرہٗ ہیں۔ انہوں نے اس دفتر کو حضرت امام ربانی کی خدمت میں رہ کر مدوّن کیا۔ اس کے دیباچے میں لکھا ہے کہ مطابق عددِ سُوَرِ قرآنی ۱۱۴ مکتوبات ہیں سالِ اتمام جلد ثالث لفظ "ثالث"[۱۰۳۱] سے برآمد کیا ہے۔ مگر واقعتہً اس دفتر میں ۱۲۴ مکاتیب ہیں۔ اور بعض نسخوں میں کم ہیں مطبع نولکشور[۱۱۳] کے چھٹے ایڈیشن میں صرف ۱۲۲ ہیں۔ اور ایک میں ۱۲۳۔

شیخ کے مُرید ہو چکے تھے۔ فرق و امتیاز کی خاطر مرید سابق کو "قدیم" اور ان کو "جدید" لکھتے ہیں طالقان ایران کے ایک شہر کا نام ہے۔

اس دفتر کے مکتوب ۱۱۵ کے حاشیہ میں حضرت مولانا نور احمد مرحوم محشی مکتوبات لکھتے ہیں:-

"بداں کہ در خطبۂ ایں جلد مصرح ست کہ جملہ مکاتیب ایں جلد یک صد و چہاردہ اند مطابق عددِ سُوَرِ قرآنی، پس این نہ مکاتیب اخیرۂ ایں جلد شاید بعدازاں بمعرضِ تسوید آمدہ باشد و ملحق شدہ فافہم واللہ اعلم"[9]

پھر مکتوب ۱۲۴ کے حاشیہ میں یہ لکھا ہے:-

"بداں کہ ایں مکتوب در بعضے نسخ خطیہ یافتہ شد فالحقناہ وجعلناہ خاتمۃ المکاتیب و حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نسبت بایں مکتوب فرمودہ اند کہ آں مکتوب داخل جلد ہائے مکتوبات قدسی آیات نہ شدہ"[10]

حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مکتوب ۱۲۴ حقیقتِ کعبہ کے اسرار کے بیان میں ہے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ نے بھی اسی مضمون کا ایک خط مرزا امان اللہ برہان پوری کے نام لکھا ہے۔ اس میں اپنے والد گرامی کے مذکورہ بالا مکتوب کا حوالہ دیتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے:-

"حضرت ایشانِ ما ــــ قَدَّسَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِسِرِّہِ الْاَقْدَس ــ در مکتوبیکہ داخلِ سہ جلد مکتوبات نیست انوشتہ اند . . . ."[11]

حضرت مولانا نور احمدؒ نے حضرت خواجہ کے اس ارشاد سے یہ اخذ کیا ہے کہ یہی مکتوب خاتمۃ المکاتیب بننے جو شامل ہونے سے رہ گیا تھا۔ لیکن سمجھنا یہ چاہیے کہ دفتر سوم کے جو ۱۲۴ مکتوبات ہیں ان میں یہ شامل نہیں۔

دفتر سوم کے ساتھ ملحق ہونے والے مکاتیب کے بارے میں دفتر سوم کے جامع خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمہ اللہ کا بیان بہت واضح ہے۔ وھو ہذا

"بعد از اتمامے جلدِ ثالث و مہجوری[12] بندہ از آستان بعضے مکاتیب دیگر کہ شروع دفتر چہارم بود بظہور آمدہ بود و ہنوز بہ چہاردہ مکتوب نہ رسیدہ کہ آں ماہ چہاردہ آسمانِ قطبیت رو در نقاب مغرب تراب کشیدہ قَدَّسَ اللّٰہُ تَعَالٰی سِرَّہُ الْاَنْوَر وَنَوَّرَ مَضْجَعَہٗ

---

[9] دفتر سوم (معرفۃ الحقائق) حصہ نہم مکتوب ۱۱۵۔ ص ۱۰۴ طبع امرتسر۔

[10] دفتر سوم (معرفۃ الحقائق) حصہ نہم مکتوب ۱۲۴۔ ص ۱۴۶ طبع امرتسر۔

[11] مکتوبات خواجہ محمد معصوم مطبوعہ ۱۸۸۶ء در مطبع نظامی کانپور مکتوب ۲۲۔ ص ۴۱۔

[12] دفتر سوم کی تکمیل کے بعد یہ سرہند شریف سے چلے گئے تھے

المعظم بحرمۃ سید البشر والصلوٰۃ والسلام علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ واحبائہ الیٰ یوم المحشر ناچار آں مکتوب را داخل جلد ثالث نمودہ شد[13]

خواجہ محمد ہاشم کے مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں یہ سمجھنا چاہیے کہ تین مکتوب اور بھی ہیں، جو مکتوبات کے اکثر خطی نسخوں میں شامل نہیں ہو سکے واللہ اعلم بالصواب ———— اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جس اہتمام کے ساتھ حضرت شیخ کی زندگی میں مکتوبات کے تین دفتروں کو محفوظ کیا گیا۔ بعد میں معرضِ تسوید میں آنے والے مکاتیب کو اُس اہتمام کے ساتھ جملہ خطی نسخوں کے آخر میں شامل نہیں کرایا جا سکا ورنہ کسی نسخہ میں کم اور کسی میں زیادہ کا معاملہ نظر نہ آتا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ اور صاحبِ "روضۃ القیومیہ" خواجہ کمال الدین محمد احسان اللہ کے بیانات جو آئندہ اوراق پر نقل ہوں گے۔ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خاتمۃ المکاتیب وہ مکتوب ہے جو امرت سر والے ایڈیشن اور پیش نظر ترجمہ میں نمبر ۱۲۳ بنام نور محمد تہاری ہے۔ مگر مولانا نور احمدؒ نے مکتوب ۱۲۴ کو جو انہیں بعد میں ملا خاتمۃ المکاتیب قرار دیا ہے۔ یہ تقدم و تاخر بے اہتمامی کی دلیل ہے۔

ہر سہ دفتر مکتوبات شریف کی کل تعداد ۵۳۶ ہے۔ پہلے دفتر کے بیس مکتوبات وہ ہیں جو حضرت شیخ مجددؒ نے اپنے مرشد خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۲ھ) کی خدمت میں ارسال کیے دو مکتوب حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نام ہیں۔ اور ان کے بیٹے مولانا نور الحق کے نام ایک طویل مکتوب ہے۔ ایک جہانگیر بادشاہ کے نام لکھا ہوا ہے۔ دو مکتوب کسی معتقد خاتون اور ایک ہردے رام ہندو کے نام ہے۔ جہانگیر کے دربار کے ممتاز اُمراء اراکین کے نام بہت زیادہ خطوط ہیں، جن میں سے خانِ خاناں، خانِ اعظم، خانِ جہاں، مرزا داراب خاں، تلیج خاں، خواجہ جہان، لالہ بیگ اور سید فرید بخاری گورنر لاہور کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ امراء میں سے سب سے زیادہ خطوط نواب سید فرید بخاری کے نام ہیں۔ بقیہ اپنے فرزندانِ گرامی قدر، مریدین، معتقدین، معاصر علماء اور مشائخ کو لکھے ہوئے ہیں۔

مکتوبات مختصر مضامین پر مشتمل بھی ہیں اور اکثر بے حد طویل مباحث کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ یہ طویل مکتوبات رسائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور حضرت مجدد کے اندازِ تحریر اور زورِ بیان کا یہ عالم ہے کہ فیضان نسبتِ فاروقی کے دھارے بہ رہے ہیں۔ ہر ایک سطر سے عیاں ہوتا ہے کہ رگ فاروقی جنبش میں اور غیرتِ ایمانی جوش میں ہے۔

[13] زبدۃ المقامات مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۲۴۱۔

استدراک

جناب ملک حسن علی صاحب، بی - اے جامعی نے لکھا ہے :-

"آخری مکتوب ۱۲۳ جو نور محمد بخاری کے نام ہے، بعض مبصرین[13] اسے جعلی اور مصنوعی قرار دیتے ہیں - کیونکہ اس مضمون اور مکتوب کی بعض باتیں خلاف شرع اور خلاف مشرب حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ہیں[14]"

ملک صاحب جو علامہ ابن تیمیہ کی تعلیمات کے عاشق صادق ہیں، نے محض اپنے ذاتی خیالات و معتقدات کی بنا پر اس پُر حقائق و معارف مکتوب کو جعلی اور خلاف شریعت لکھ دیا ہے - ملک صاحب کو یہ مکتوب اس لیے خلاف شریعت نظر آیا کہ اس میں مدارج ولایت بیان کرتے ہوئے حضرات ائمہ اثنا عشر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو قطبیت کے درجۂ خاص پر فائز تسلیم کیا گیا ہے - اور بتایا گیا ہے کہ ان حضرات کے بعد حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ مقام و منصب عطا ہوا - اور تا ایں دم تمام واصلین و کاملین کو ان ہی کے ذریعے فیض پہنچتا ہے - اور شیخ مجدد رحمہ اللہ، حضرت شاہ جیلان قدس سرہ کے نائب مناب ہیں - یہ حقائق حضرت غوثِ اعظم رحمہ اللہ علیہ کی بیت -

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَ شَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

(ترجمہ : پہلوں کے آفتاب غروب ہو گئے اور ہمارا آفتاب انتہائی بلندیوں پہ ہے - اور کبھی غروب نہ ہوگا -)

کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیے ہیں - علامہ ابن تیمیہ کے "نظریہ مخدومیت"[15] اور "توحید خالص" کے

---

[13] راقم نے ملک صاحب کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ اُن "مبصرین" کے نام بتائیے، جنہوں نے اس مکتوب کو جعلی اور خلاف شریعت قرار دیا ہے ؟ ملک صاحب نے جواب میں لکھا کہ "مولانا کریم بخش صاحب پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور نے اپنی کتاب تعلیمات امام اہل سنت میں یہ تحقیق پیش کی ہے" ——— ایک مولوی کریم بخش "مبصرین" ہو گئے یا للعجب !

[14] تعلیمات مجددیہ - ص ۴۸ -

[15] شیخ ابن تیمیہ حرانی کے "نظریہ مخدومیت" پر علامہ مناظر احسن گیلانی نے خوب تبصرہ کیا ہے - ملاحظہ ہو "مقالات احسانی" مطبوعہ کراچی - اس نظریہ کے تحت حضرت شیخ مجدد کے اکثر وہ نظریات جن کی بنیاد کشف و

قائل شخص کو ایسی باتیں ضرور خلاف شرع نظر آئیں گی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلے کو جملہ سلاسل کے اولیاء اللہ اور علماء اہل سنت نے تسلیم کیا ہے۔ اور تمام مشائخ سلسلۂ مجددیہ نے شیخ مجدد قدس سرہٗ کے اس کلام کو دل و جان سے مانا ہے۔ اور کسی نے بھی حضرت کے اس خط کو جعلی اور خلاف شریعت قرار نہیں دیا صاحب "روضۃ القیومیہ" اور حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ نے اس مکتوب کے ظہور میں آنے کا سبب بتایا ہے۔ پہلے "روضۃ القیومیہ" کی تصریح ملاحظہ ہو:۔

"ایام مرض (وفات) میں ایک روز آں حضرت نے فرمایا کہ آج حضرت غوث الاعظم تشریف فرما ہو کر فرماتے ہیں کہ لوگ میرے اس شعر:

أَفَلَتْ شُمُوسُ الْأَوَّلِيْنَ وَشَمْسُنَا
أَبَدًا عَلَى أُفُقِ الْعُلَى لَا تَغْرُبُ

کے معنوں کی بابت حیران ہیں ——— اگر آپ اس کا حال لکھیں تو آپ کو اس مرض سے صحت ہو جائے گی۔ چونکہ حضرت قیوم اول رضی اللہ عنہ کو لقائے پروردگار کا شوق بہت تھا۔ اس لیے بہ کثرت شوق آپ آب دیدہ ہوئے۔ اور یہ دعا اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی بار بار پڑھتے اور فرماتے کہ طبیب کہہ دے کہ تم لاعلاج ہو تو میں بہت سا روپیہ راہ خدا میں صرف کروں۔ مرضِ موت میں آں حضرت نے قیوم ثانی معصوم زمانی کو وصیت فرمائی کہ مذکورہ بالا شعر کا حل ضرور لکھنا اور خود زبان مبارک سے اس کی تشریح کر دی۔ حضرت قیوم ثانی رضی اللہ عنہ نے آنجناب کی اس وصیت کو آپ کی عزاداری کے دنوں میں پورا کیا اور مکتوبات کی تیسری جلد میں داخل کر دیا

مشاہدے پر ہے، غلط ٹھہرتے ہیں۔ اور ان کی کرامات و خوارق عادات جو ان کے خلفاء نے بیان کی ہیں وہ بے حقیقت ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اور دیگر تحقیقات بھی علامہ کی "نکھری ہوئی توحید" کے معیار پر ہرگز پوری نہیں اُترتیں۔ چنانچہ علامہ مسعود عالم ندوی نے جرأت رندانہ سے کام لیتے ہوئے صاف لکھا ہے:۔

"تصوف و سلوک و تزکیہ کے بارے میں عاجز نے مطالعہ کے بعد اور انشراح صدر کے ساتھ ایک مسلک اختیار کیا ہے۔ اپنی طبیعت و مزاج کے لحاظ سے صرف امام ابن تیمیہ (ف ۷۲۸ھ) کی نکھری ہوئی توحید دل کو لگتی ہے اور تو اور ابن قیم (ف ۷۵۱ھ) کے ہاں بھی کمزوری محسوس ہوتی ہے"۔

(دیباچہ مکاتیب سید سلیمان ندوی بنام مسعود عالم ندوی مطبوعہ لاہور ص ۱۲) حق یہ ہے کہ مسعود عالم ندوی صاحب نے جملہ مقلدان ابن تیمیہ کے ضمیر کی ترجمانی کر دی ہے۔ اور جب یہ معیار قائم کر لیا گیا ہے تو حضرت مجدد کا نام کیوں لیا جاتا ہے؟

بہ ہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش ؛ من انداز قدت را می شناسم۔

چنانچہ اس جلد کے اخیر میں درج ہے۔ جو مکتوب شیخ نور محمد تہاری کے نام ہے ———

اس کے بعد آں حضرت کو چند روز کے لیے صحت ظاہری نصیب ہوئی جو صحت میں بھی حاصل نہ تھی"۔[16]

اب حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ کے اپنے بیان پر غور کیا جائے۔ وھو ہذا :-

در ایام نقاہت مرض پیشین می فرمودند کہ من مستغرق کمالاتِ اہل بیت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم و دراں ضعفہا با کمال استبشار بیان می فرمودند کہ مرا در باغ اہل بیت سر دادہ اند و بہ عجائب و غرائب آں موطن مشرف می سازند و شطری ازاں در معرض اظہار نیز آوردند و بعضے خصائص و کمالاتِ حضرت امیر را کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کہ دیدۂ فکر و وہم اندیشہ ازاں خیرہ و درراہ است، مشروح ساختند و ہم چنیں کمالاتِ حضرت فاطمہ زہرا و حضرات حسنین را رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیان نمودند، علیٰ ہذا القیاس کمالات سائر دوازدہ ائمہ را فرمودند، بدیں تقریب کمالات و خصائص حضرات شیخین و حضرت ذی النورین را بیان نمودند و نسبت و منزلت ہر کدام ازیں خلفائے اربعہ و اہل بیت را باآں سرور علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ الصلوٰۃ والسلام مشروح ساختند و بعضے از خدمات شائستہ خود را کہ بوقوع آمدہ نیز درمیان آوردند و قدرے از کمالات حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی را ہم بیان کردند، چنانچہ درمرض اخیر ایں ذرۂ حقیر را وصیت بہ نوشتن بعضے ازیں اسرار کہ قابلِ اظہار بود، نمودند۔ چنانچہ ایں فقیر بہ مقتضائے وصیت در ایام عزای آں حضرت بحسبِ فہم قاصرِ خویش باچشم گریاں و دلِ ریش متوجہ روضۂ منورہ نشستہ آں دُر رہائے ناسفتہ را در سلکِ نظم (یعنی ترتیب دادہ) کشید و داخل مکتوبات قدسی آیاتِ آں حضرت گردانید۔ چنانچہ ختم مکتوبات بہ ہماں مرقومات مقرر گشت"[17]۔

مؤلفِ روضۃ القیومیہ کی صراحت اور خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ کی شہادت سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا ہے کہ اس مکتوب شریف کے معارف حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے بیان فرمودہ ہیں اور خواجہ محمد معصوم نے حسب وصیت ان کو مرتب کر کے مکتوبات کے آخر میں شامل کر دیا تھا۔ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت کا یہ مکتوب بالکل آخری ہے۔ لہٰذا اسے سب سے آخر میں درج ہونا چاہیے اور حضرت شیخ قدس سرہٗ کا یہ کلام اس وقت کا ہے جبکہ آپ کے مدارج علیا

---

[16] روضۃ القیومیہ۔

[17] مکتوبات خواجہ محمد معصوم مکتوب ۱۹۳۔ ص ۲۷۷،۳ (مطبوعہ مطبع نظامی کانپور)

میں نقطہ عروج پر تھے ـــــــ اس خط کو جو نور محمد تہاریؒ [۱۸] کے نام لکھا گیا ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے کبھی حضرت غوث اعظم کی مذکورہ صدر بیت کے معنی دریافت کیے ہوں گے۔ لہٰذا ان ہی کو مکتوب الیہ قرار دے دیا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت نے کسی اور جگہ ان معارف کو بیان کیا ہے یا نہیں؟

"مکاشفات غیبیہ" [۱۹] مجدد الف ثانی رحمہ اللہ مرتبہ خواجہ محمد ہاشم کشمی، جس کے شروع میں جامع نے لکھا ہے کہ "معارف آں اوراق از علوم سابقہ اند" ـــــــ اس کے مکاشفہ ۱۶ کے اندر مشروح ہے:

"باید دانست کہ واصلانِ ذات ازیں بزرگواران کہ بہ "افراد" ملقب اند نیز اقل قلیل اند و اکابر صحابہ و ائمہ اِثنا عشر از اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بایں دولت فائض اند و از اکابر اولیاء اللہ قطب غوث الثقلین قطب ربانی محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی است قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس بایں دولت ممتاز اند و دریں مقام شانِ خاص دارند کہ اولیاء دیگر ازاں خصوصیت قلیل النصیب اند ہمیں امتیاز فضلے باعثِ علو شان ایشاں شدہ است۔ فرمودہ اند قدمی ھذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ ـــــــ اگرچہ دیگراں را ہم فضائل و کرامات بسیار است اما قرب ایشاں باں خصوصیت از ہمہ زیادہ تر است، در عروج باں کیفیت کسے بہ ایشاں نمی رسد، با اصحاب دائرہ اثنا عشر دریں باب مشارک اند۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ [۲۰]۔

حضرت شیخ مجدد رضی اللہ عنہ کے اس مکاشفہ کے نقل کیے جانے کے بعد مزید کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم اس مسئلے میں چند اور بزرگوں کے حوالے اور آراء نقل کی جاتی ہیں۔ تاکہ

[۱۸] شیخ نور محمد کے حالات روضۃ القیومیہ میں بایں الفاظ مرقوم ہیں! "آپ آنحضرت رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہیں، سلوک باطنی حاصل کر کے خلافت پائی۔ تیسری جلد کا آخری مکتوب آپ کے نام لکھا گیا ہے، جس میں مرض موت کے وقت حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر کی جو شرح بیان فرمائی، مندرج ہے" (ص ۳۳۹) بعض مکتوبات میں آپ کے نام کے ساتھ "تہاری" لکھا ہے۔ مگر روضۃ القیومیہ مترجم اور بعض دوسری کتابوں میں "بہاری" تحریر ہے۔ بہاری صحیح معلوم ہوتا ہے۔

[۱۹] سب کتابوں میں "مکاشفات غیبیہ" نام لکھا ہے۔ مگر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب کا خیال ہے "عینیہ" صحیح ہے

[۲۰] مکاشفات غیبیہ (عینیہ) شائع کردہ ادارہ مجددیہ کراچی۔ ص ۴۰۔

ثابت ہو جائے کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نامور خلیفہ اور بانیٔ سلسلہ آدمیہ حضرت سید آدم بنوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۵۳ھ) نے اپنی تصنیف "خلاصۃ المعارف" میں وہی کچھ لکھا ہے، جو ان کے مرشد نے ارشاد فرمایا ہے۔[۲۱]

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) نے "المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ" میں اپنے مشاہدے کو اسی طرح بیان کیا ہے۔ اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) نے حضرت شاہ صاحب کے کلام کی تائید و تشریح اس طرح کی ہے :-

"آں چہ حضرت شیخ در قطبیت ائمۂ اثنا عشر نوشتہ ایں مضمون را حضرت امام ربانی قطب صمدانی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ در شرح بیت حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نوشتہ این ست بیت :

أَفَلَتْ شُمُوسُ الْأَوَّلِيْنَ وَشَمْسُنَا
أَبَدًا عَلٰى أُفُقِ الْعُلٰى لَا تَغْرُبُ

و فقیر آں را در "شمشیر برہنہ" (تصنیفِ قاضی صاحب) نوشتہ"[۲۲]

سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے عظیم پیشوا شاہ غلام علی دہلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۴۰ھ) نے حضرت شیخ مجدد کے اس مکتوب کا خلاصہ شیخ مجدد کے حوالے سے بیان کیا ہے[۲۳]

عارف باللہ شاہ فقیر اللہ علوی نقشبندی شکارپوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۹۵ھ) کے مکاتیب

۲۱ھ خلاصۃ المعارف بحوالہ مکتوبات شاہ فقیر اللہ نقشبندی شکارپوری - ص ۲۰۵ —— خلاصۃ المعارف ابھی تک طبع نہیں ہوئی - اس کے مخطوطات بھی کم یاب ہیں - اس کی پہلی قسم (جلد) میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے، جس کے ۱۶۴ اوراق ہیں - محولہ بالا مضمون دوسری قسم (جلد) میں مسطور ہے - جیسا کہ پہلی قسم کے ورق ۱۳۲ پر لکھا ہے :-

"بیان ایں چہار ولایت در باب دوم در فصل دوم در قولِ ثانی از قسم ثانی ایں کتاب واضح و مفصل شدہ است"

خلاصۃ المعارف کا ایک قلمی نسخہ ذخیرہ شیرانی دانش گاہ پنجاب ۳۴۱۲ ف ۰۷،۰۴ میں بھی موجود ہے - مگر میں یہ نسخہ اس وقت دیکھ نہیں سکا۔ - لہ ۵ - ۵۱ ھ

۲۲ھ مجموعہ وصایا اربعہ مرتبہ محترم پروفیسر محمد ایوب قادری ایم - اے شائع کردہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی

میں مکتوب ہفتم، ہشتم و چہل و نہم اسی مسئلے پر ہیں اور ہر مکتوب ایک رسالے کی حیثیت رکھتا ہے[۲۴]۔
حاجی فضل اللہ نقشبندی قندھاری قدس سرہ الباری (متوفیٰ ۱۲۳۰ھ) نے اپنی تالیف "عمدۃ المقامات" (فارسی) میں حضرت شیخ مجدد کے زیر بحث مکتوب کی عبارت نقل کر کے اس مسئلے کو موکد کیا ہے[۲۵]۔
اس مسئلے پر نقشبندی صوفیہ کی متعدد تحریریں اس وقت میرے پیش نظر ہیں جن کے حوالے طوالت کا باعث ہوں گے۔ لہٰذا ذیل میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے ارشادات نقل کر دینے کافی سمجھتا ہوں:۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ ۱۱۹۵ھ) فرماتے ہیں:۔

"صوفیہ اہل سنت بر قطبیت دوازدہ امام صلوٰۃ اللہ علیہم متفق اند"[۲۶]

یہ ملحوظ رہے کہ جس طرح اہل رفض نے حضرت علی اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حالات اور تعلیمات کو اپنی کتابوں میں بالکل غلط انداز میں پیش کیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے ائمہ اثنا عشر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعلیمات کو تبدیل کر دیا ہوا ہے۔ اور لاتعداد من گھڑت روایتیں ان کی طرف منسوب کر دی ہوئی ہیں۔ مگر اہل سنت و جماعت ان کے دعویٰ حب اہل بیت اور ان کی وضعی روایات کے پس منظر سے پورے طور پر واقف ہونے کی بنا پر، ان پر کان نہیں دھرتے اور اہل بیت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اولاد علی رضی اللہ عنہم کی محبت کا دم بھرتے ہیں ——— یہ بھی واضح رہے کہ صوفیہ کے عقائد پر تاریخ اثر انداز نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ اپنے مشاہدات و مکاشفات کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور حصول فیوض اور وصول مقام قرب ان کے مدنظر رہتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ (متوفیٰ ۱۲۳۹ھ) کا محدثانہ و صوفیانہ ارشاد ملاحظہ ہو:۔

"نیز ائمہ پسین مثل حضرت سجاد و باقر و صادق و کاظم و رضا ہمہ مقتدایان و پیشوایان اہل سنت

۲۳ھ در المعارف فارسی (ملفوظات شاہ غلام علی) مرتبہ شاہ رؤف احمد شائع کردہ مکتبہ اسلامیہ گجرات ضلع مظفر گڑھ، صفحہ ۲۳۱۔ اور شاہ صاحب نے اسی مکتوب کا خلاصہ رسائل سبع سیارہ میں اپنے قلم سے نقل کیا ہے۔

۲۴ھ مکتوبات شاہ فقیر اللہ مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور

۲۵ھ عمدۃ المقامات شائع کردہ خانقاہ مجددیہ ٹنڈو سائیں داد (حیدر آباد) مطبوعہ ۱۳۵۵ھ ص ۱۴۰۔

۲۶ھ مقامات مظہری مؤلفہ شاہ غلام علی دہلوی مطبوعہ مطبع احمدی دہلی ۱۲۶۹ھ۔ ص ۱۲۷

بودہ اند کہ علماء ایشاں مثل زہری و امام ابوحنیفہ و امام مالک تلمذ از انجناب کردہ اند و صوفیۂ آں وقت مثل معروف کرخی وغیرہ از انجناب فیض اندوختہ و مشائخ طریقت سلسلۂ آنحضرات را سلسلۃ الذہب نامیدہ و محدثین اہل سنت زاں بزرگواراں در ہر فن خصوصاً در تفسیر و سلوک دفتر، دفتر احادیث روایت کردہ .....“[۲۷]

مندرجہ بالا ارشادات اولیاء و علماء جملہ اہل سنت کا عقیدہ ہیں۔ البتہ نواصب کے لیئے ضرور خلافِ شریعت ہیں۔

مکتوبات کی مقبولیت

فارسی زبان میں تصوف کی سب سے پہلی مستند کتاب حضرت شیخ علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی قریب بہ سنہ ۴۹۰ھ[۲۸]) کی ”کشف المحجوب“ ہے اور اس کو جو مقبولیت و شہرت حاصل ہوئی، وہ اظہر من الشمس ہے۔ اس کے ۵۳۵ سال بعد منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونیوالی کتاب مجموعہ مکاتیب حضرت مجدد الف ثانی نور اللہ مرقدہ کو وہی مقبولیت و شہرت حاصل ہوئی۔ اوّل الذکر تصنیفِ منیف پاک و ہند کے اولین مبلغ و داعی اسلام پر وارد شدہ رموز و اسرار طریقت و حقیقت و معرفت کا بیش بہا گنجینہ ہے تو ثانی الذکر یہاں کے مجدد اسلام کے بیان فرمودہ حقائقِ شریعت و طریقت کا بہترین مجموعہ اور دقائق و غوامض حقیقت و معرفت کا نہایت اعلیٰ خزینہ ہے ——— پاک و ہند ماوراء النہر، اور دیار عرب کے علماء و فضلاء اور اصفیاء و عرفا نے اسے مرشد طریق قرار دیا۔ قریباً پونے تین سو سال تک طالبان حق اس کے خطی نسخوں سے مستفید و مستفیض ہوتے رہے اور دل دادگانِ تصوف و معرفت اور سالکانِ حریت بجۃ اپنی عمر عزیز کے قیمتی اوقات اس کی نقول لینے میں صرف کرتے رہے۔ چنانچہ اس کے خطی نسخے بہت جلد عالم اسلام میں پھیل گئے تھے۔

مطابع وجود میں آگئے تو مکتوبات قدسیہ کو متعدد مطابع نے طبع کر کے شائع کیا۔ اور سب سے بہتر طریق پر حضرت مولانا الحاج نور احمد نقشبندی مجددی امرتسری علیہ الرحمۃ (متوفی سنہ ۱۳۴۸ھ)

۲۷ھ تحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ مطبع حسنی دہلی سنہ ۱۲۷۱ھ۔ ص ۲۸۱۔

۲۸ھ حضرت داتا گنج بخشؒ کا سال وصال عام طور پر ۴۶۵ھ مشہور ہے لیکن کشف المحجوب کی عبارتیں اس کے خلاف شہادتیں پیش کرتی ہیں۔ اس مسئلے میں عبدالحی حبیبی نے بڑی عمدہ تحقیق کی ہے۔ ملاحظہ ہو مقدمہ طبقات صوفیہ امالی خواجہ عبداللہ انصاریؒ مطبوعہ افغانستان۔

مرید و مجاز شیخ العرفا حضرت شاہ ابو الخیر مجددی دہلوی قدس سرہٗ (متوفی ۱۳۴۱ھ) نے نہایت تصحیح اور بلیغ تحشیہ کے ساتھ نو حصوں میں منقسم کر کے ۱۳۲۷ھ تا ۱۳۳۴ھ میں امرتسر سے طبع و شائع کیا۔ حق یہ ہے کہ مولانا مرحوم نے یہ عظیم کارنامہ سرانجام دے کر حضرت امام ربانی سے اپنی سچی عقیدت اور روحانی تعلق کا حق ادا کر دیا ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزا۔[29]

مکاتیب کی افادیت و اہمیت کے پیش نظر عربی میں اس کے کئی ترجمے ہوئے۔ کتب خانہ اوقاف بغداد شریف میں دو عربی ترجموں کے خطی نسخے موجود ہیں:

۱۔ تعریب المکتوبات الصوفیہ۔ لاحمد النقشبندی الفاروقی ۹۷۷۲=۲۱×۱۴ س مؤلفہ الشیخ یونس النقشبندی۔

مجلد ــــــ ابتداء: ــــــــ

الحمد للہ رب العلمین ..... وبعد فیقول اسیر الذنوب سمی صاحب الحوت ..... طالما کنت اطلب مجلدات رسائل غوث المحققین ..... احمد النقشبندی ..... ولما ظفرت وبعد مدۃ .....[30]

۲۔ مکاتیب الشیخ احمد النقشبندی ۴۷۵۲۔ ۲۸×۱۸ س۔

انشأھا الشیخ احمد النقشبندی الاحراری۔

• رسائل بعث بھا الی بعض الصوفیہ۔ اولھا مکتوب فی بیان احوال تناسب اسم الظاھر والظھور قسم خاص من التوحید وبیان عروجات وقعت ..... کتبہ الی مرشدہ الکبیر ..... الشیخ محمد بن الباقی النقشبندی الاحراری[31]

(۳) تیسرا ترجمہ علامہ محمد مراد مکی کا ہے۔ اس ترجمے کی مقبولیت اور اس کے اثرات پر علامہ مناظر احسن گیلانی صاحب کا تبصرہ ملاحظہ ہو:-

---

[29] مولانا نور احمد کے مصححہ و محشیٰ یہ مکتوبات ۱۹۶۴ء میں دوبارہ نور کمپنی انارکلی لاہور نے چھاپ دیئے ہیں ان کے شروع میں مولانا کے حالات زندگی و خدمات علمی کا اجمالی تعارف۔ میرا لکھا ہوا موجود ہے میں نے مولانا کے حالات پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جو آں مرحوم کے فرزند مخدومی مولانا محمد سلیمان کی عدم توجہ کی بنا پر حلیہ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکی۔

[30] الکشاف عن مخطوطات خزائن الاوقاف صفحہ ۱۳۲۔ تالیف محمد اسعد طلس مطبوعہ مطبعۃ العانی بغداد ۱۳۷۲/۱۹۵۳ منشورات مدیریۃ الاوقاف العامۃ بغداد

[31] ایضاً۔ ص ۱۴۸، ۱۴۹۔

"سلسلہ مجددیہ کی ایک بڑی شاخ خالدیہ سلسلہ کے نام سے عراق و شام عرب خصوصاً ترکی ممالک میں بہت زیادہ مقبول ہوئی اور ہے۔ نیز آپ کے "مکاتیب طیبہ" خود براہ راست اُن ممالک میں بکثرت پڑھے گئے اور پڑھے جاتے ہیں، جہاں کے باشندے فارسی زبان سمجھتے ہیں اور جو اس زبان سے ناواقف ہیں۔ ان تک آپ کے مکتوبات عربی اور اُردو زبانوں میں پہنچائے گئے۔ غالباً روس کے رہنے والے ملا مراد جو مہاجر ہو کر بالآخر مکہ معظمہ میں رہ پڑے تھے، انہوں نے مکاتیب کا ترجمہ عربی میں کیا۔ اور مصری ٹائپ میں چھپ کر سارے عربی ممالک پھیل گیا۔ یہ خداداد بات تھی کہ اس کے بعد حدیث و تفسیر میں جتنی اچھی کتابیں لکھی گئیں ان میں ایسی معتدبہ کتابیں مل سکتی ہیں، جن میں "مکتوبات" کے مضامین نقل کیے گئے ہیں خصوصاً عصر جدید کی مشہور تفسیر "روح المعانی" جو سلطان عبدالحمید خاں مرحوم خلیفۂ ترکی کے عہد میں لکھی گئی، اس میں علامہ شہاب محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے گویا اس کا التزام کر رکھا ہے۔ کہ جہاں بھی ذکر کا موقع میسر آئے، وہاں "قال المجدد الفاروقی رحمۃ اللہ علیہ" کے نام سے وہ آپ کے خاص خاص نظریات اور جدید تعبیرات کو پیش کرتے ہیں اور بڑے افتخار و ناز سے پیش کرتے ہیں، اہم مسائل کے تصفیہ میں سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔"[۳۲]

پھر اُردو تراجم کا سلسلہ شروع ہوا۔ اُردو ترجمہ پیش کرنے کی ایک کوشش مولوی محمد حسین ابن مولوی قادر بخش ساکن احمد آباد ضلع جہلم نے کی، اس ترجمے کا پہلا حصہ "الطاف رحمانی ترجمہ اُردو مکتوبات امام ربانی" کے نام سے مولوی امام الدین تاجر کتب راولپنڈی نے ۱۳۱۴ھ میں طبع کیا، جو صرف پہلے بیس مکتوبات کا ترجمہ ہے۔ اس کے اگلے حصے کبھی دیکھنے میں نہیں آئے۔

مولوی عبدالرحیم نائب مدیر اخبار وکیل امرتسر نے مکتوبات کے ترجمے کا کام شروع کیا تھا، پہلا حصہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ کے نام لکھے گئے مکتوبات کو چھوڑ کر آگے کے ۱۷ مکتوبات کے ترجمہ اور تشریحی حواشی پر مشتمل تھا، جو روز بازار اسٹیم پریس امرتسر میں ۱۳۳۰ھ میں طبع ہوا مگر یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا ——— "گنجینہ انوار رحمانی اُردو ترجمہ مکتوبات امام ربانی" کے نام سے ابتدائی چالیس مکتوبات کا ترجمہ اسلامی دکان کشمیری بازار لاہور نے ۱۳۳۳ھ میں چھاپا تھا۔ مگر یہ کام بھی یہیں رک گیا ——— مکمل

۳۲ مضمون "ہزارہ دوم یا الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ" مشمولہ تذکرہ مجدد الف ثانی مرتبہ محمد منظور نعمانی مطبوعہ کتب خانہ الفرقان لکھنؤ ۱۹۷۹ء ص ۲۸۔

مکتوبات شریف کا اُردو ترجمہ پیش کرنے کی سعادت مولانا عالم دین نقشبندی مجددی کے حصے میں آئی۔ ان کے مترجمہ مکتوبات اللہ والے کی قومی دکان لاہور سے دو بار شائع ہو کر نایاب ہو چکے ہیں۔

کئی حضرات نے مکتوبات قدسیہ کے فارسی اُردو انتخاب اور خلاصے شائع کیے۔ اس انداز کا سب سے اچھا کام شاہ ہدایت علی نقشبندی مجددی مرحوم (متوفی سنہ ۱۳۰۷ھ) کا ہے۔ انہوں نے "دُر لاثانی" کے نام سے مکمل مکتوبات کی اُردو تلخیص کی جسے "اعلیٰ کتاب خانہ" کراچی نے "انتخاب مکتوبات" کے نام سے سنہ ۱۹۶۱ء میں دوبارہ شائع کیا۔ غرض کہ علماء اور صوفیہ نے مکتوبات پر بہت زیادہ کام کیا ہے۔

مکتوبات کی ایک غیر مطبوعہ فارسی شرح "ضیاء المقدمات فی توضیح المکتوبات" در دو جلد از مولوی ضیاء الدین اچکزئی (متوفی شصت سال قبل) شارح کے فرزند مولوی محمد ساکن قصبہ نوزاد ضلع قندھار کے پاس محفوظ ہے[۳۳] ——— مولانا شمس الدین[۳۴] رحمۃ اللہ علیہ (متوفی سنہ ۱۳۸۷ھ) تاجر کتب نادرہ لاہور کے ذاتی کتب خانے میں، دو ایسی کتابیں میں نے دیکھی تھیں، جن میں مکتوبات قدسی آیات کی روایات کی تخریج کی گئی ہے۔ ان دو میں سے ایک کا نام "تشئید المبانی فی تخریج احادیث مکتوبات امام ربانی" حافظے میں محفوظ رہ گیا ہے۔

بایں ہمہ ابھی مزید کام کی ضرورت ہے۔ حضرت شیخ مجدد کے کشوف اور متشابہہ کلام پر اعتراضات کے سلسلے میں خاص طور پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے۔ اس موضوع پر نقشبندی بزرگوں نے اگرچہ بہت کچھ لکھا ہے مگر تحقیق سے زیادہ عقیدت سے کام لیا گیا ہے[۳۵]۔ عزیزی محمد اقبال مجددی سلمہ اللہ مکتوب الیہم حضرات کے حالات زندگی جمع کرنے میں مصروف ہیں۔ خدا کرے کہ وہ جلد از جلد اپنی اس تحقیقی کتاب کو منظر عام پر لا سکیں۔

۳۳۔ مکتوب حاجی عبد الغنی قندھاری بنام راقم الحروف۔

۳۴۔ مولانا شمس الدین نور اللہ مرقدہ کو حضرت شیخ مجدد قدس سرہٗ کی تعلیمات سے عشق تھا۔ انہوں نے تصوف اور بالخصوص سلسلہ مجددیہ کی نادر و نایاب کتابوں کو بڑے شوق سے جمع کیا تھا۔ اگر مولانا اس وقت زندہ ہوتے تو میں ان کے کتب خانے سے کما حقہٗ فائدہ اُٹھاتا۔ وَكَمْ حَسَرَاتٍ فِي بُطُونِ الْمَقَابِر۔

۳۵۔ چند مکتوبات کی بعض عبارتوں پر اعتراضات کے سلسلے میں تذکرہ نگاروں نے جو کچھ لکھا ہے اس کو ناکافی سمجھ کر براہ راست معترضین کی کتب کو دیکھنے کی کوشش کی۔ معارج الولایت (قلمی) مخزونہ دانش گاہ پنجاب نسخہ ذخیرہ آذر ورق ۵۸۶ ب، بعد میں معاندانہ اور گستاخانہ انداز میں جو کچھ جمع کیا گیا ہے، وہ دیکھا۔ اور فہرست مخطوطات کتب خانہ آصفیہ کے ذریعے سید محمد برزنجی اور ابو علی حسن بن علی عجمی مکی کے رسائل کے بے ہودہ مضامین سے آگاہی حاصل کی تو اندازہ ہُوا کہ اس موضوع پر سیکڑوں صفحات لکھنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ مقدمہ ان مباحث کی طوالت کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ توفیق ایزدی شامل حال رہی تو اس موضوع پر پھر کبھی لکھا جائے گا۔ اس موقع پر برزنجی

ان کی یہ پیشکش خاصے کی چیز ہوگی۔ ان شاء اللہ ——— حضرت مجدد الف ثانی نے بڑی فراخ دلی سے اپنی بعض ابتدائی تحقیقات سے رجوع فرمایا ہے۔ مثلاً دفتر اوّل حصہ سوم کے مکتوب ۲۰۹ میں مبداء و معاد کی ایک عبارت سے رجوع کا اعلان کیا ہے[۳۶]۔ اسی طرح اور مکاتیب میں بھی بعض کشفی تحقیقات سے رجوع فرمایا ہے۔ ان رجوع نمودہ عبارات کی نشان دہی کی ضرورت ہے۔ اور بعض کشفی مشاہدات آخر عمر میں ابتدائی مشاہدات سے قدرے مختلف یا واضح ہو گئے ہیں، اس پر بھی کام ہونا ضروری ہے اور یہ تبدیلیٔ خیالات اُن کے مدارج عالیہ میں ہر دم عروج و ترقی کی بنا پر ہے۔

کی تحریرات کی حقیقت واضح کرنے کے لیے فہرست مذکور میں درج الملخص رسالہ کی ایک عبارت نقل کی جاتی ہے:۔

"در سال یک ہزار و نود و سہ ہجری در شہر جمادی الآخر از ہندوستان . . . . خیالات شیخ احمد سرہندی بطور استفتاء در دیار عرب رسید کہ اُو دعویٰ رسالت کردہ است" (فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ حصہ دوم مخزونہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی۔ مطبوعہ دار المطابع سرکار عالی حیدر آباد ۱۳۷۵ھ۔ ص ۳۶۳/۳۶۴)

نوٹ:۔ یہ فہرست فارسی میں لکھی گئی ہے۔

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ برزنجی کے رسالے کا رد علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے "الکلام المنجی فی ایراد البرزنجی" کے نام سے لکھا تھا۔ برزنجی نے ایک نہیں، دس رسالے لکھے تھے۔ اور یہ علامہ کی وفات کے بعد لکھے گئے۔ برزنجی کے آخری دو رسائل ۱۰۹۳ھ میں معرض تسوید میں آئے اور علامہ ۱۰۶۷ھ میں وفات پا چکے تھے۔

حضرت شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شیخ مجدد سے عارضی طور پر کچھ اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ جو جلد ہی رفع ہو گئے۔ اس پر بھی مفصل گفتگو کی ضرورت ہے اس لیے کہ بعد متجددین شیخ عبدالحقؒ کے عقیدت مند نہ ہونے کے باوجود اس مخلصانہ اور برادرانہ "اختلاف" کو "خلاف" بنا کر پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ شیخ اور مجدد صاحب ہم عقیدہ و پیر بھائی تھے۔ اس مقام پر یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے "حیات شیخ عبدالحق" میں شیخ کا وہ رسالہ جس میں مجدد صاحب پر تنقید کی گئی ہے۔ معارج الولایت سے لے کر شامل کیا ہے۔ اس کا متن مخدوش ہے۔ محققین کو شیخ عبدالحق کا وہ رسالہ تلاش کرنا چاہیے جو اغلاط سے پاک ہو۔

[۳۶] رجوع کی قوت صرف عظیم انسانوں میں ہوتی ہے۔ چھوٹے آدمی رجوع کو کسرشان سمجھتے ہیں۔ حضرت

اُردو ترجمے کی ضرورت

حضرت مولانا نور احمد مرحوم کے محشّٰی مکتوبات کی اشاعتِ ثانی سے عربی اور فارسی کے ماہرین کے ذوق کی تسکین کا سامان تو ہو گیا ہے۔ مگر اُردو ترجمے کی نایابی کی بنا پر فارسی سے ناواقف لوگ حضرت امام ربانی کے فیوض و برکات علمیہ اور معارفِ لدنیہ سے بہرہ یاب ہونے سے محروم ہیں۔

اکبری دَور کی پیدا کردہ بداعتقادیوں اور بداعمالیوں اور ہمارے زمانے کے دینی اور اعتقادی فتنوں میں بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس زمانے کے "لصوصِ دین"[۳۷] اکبری دَور کے "لصوص دین" کے زلہ ربا اور خوشہ چین ہیں۔ اُس وقت اگر تارکِ تقلید ملا مبارک اور اس کے ملحد و زندیق بیٹے ابو الفضل اور فیضی دین اسلام کی بنیادیں کھوکھلی کرنے میں مصروف تھے تو آج ان کے شاگردان رشید دین کے نام پر دین میں تحریفات کرنے میں کوشاں ہیں۔ مسٹر غلام احمد پرویز، ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور کانگرسی ملاؤں کے ممدوح و مربی مسٹر مسعود سابق ناظم محکمہ اوقاف کی کردہ تحریروں اور کارروائیوں سے اہل حق کے دل مجروح ہیں اور اسی قبیل کے لصوص دین کا ایک بہت بڑا گروہ پیدا ہو چکا ہے۔ شیخ محمد اکرام جو سر سید کے مکتبہ فکر سے متعلق ہیں، نے بھی اپنی کتابوں کے ذریعے اہل حق کو بدنام کرنے کی پوری پوری سعی کی ہے۔

گر بگویم شرح ایں بیحد شود[۳۸]

مکتوبات قدسی آیات میں ہر دور اور ہر ملک کے مسلمانوں کے ہر طبقے کے لیے تعلیمات و ہدایات موجود ہیں۔ جس دَور میں یہ لکھے گئے تھے وہ چونکہ ہمارے دَور سے بہت زیادہ ملتا جلتا ہے۔ اس لیے ان میں خاص طور پر ہمارے لیے فوز و فلاح کی تعلیم موجود ہے۔ اس بے دینی والحاد کے دَور میں جب کہ بداعتقاد لوگ گمراہ کن لٹریچر بہ کثرت پھیلا چکے اور پھیلا رہے ہیں ـــــ مجدد اعظم کی تحریریں بلاشبہ تریاق کا حکم

شیخ مجدد کا رجوع کرنا جہانگیر سے ٹکر لینے سے زیادہ ہمت کا کام ہے۔

۳۷؎ لصوص "لص" کی جمع ہے۔ جس کے معنی ڈاکو اور چور کے ہیں۔ مجدد صاحب فرماتے ہیں ـــــ طالب علمان بے باک (آزاد خیال علماء) از ہر فرقہ کہ باشند لصوصِ دین اند، اجتناب از صحبت ایں ہا نیز از ضروریات دین است" (دفتر اوّل مکتوب ۲۱۲) بد دینوں سے اجتناب کرنے والوں کو تنگ نظر کہنے والے حضرت شیخ مجدد کے اس ارشاد پر غور کریں۔

۳۸؎ ان ہی لوگوں میں سے ایک پروفیسر محمد حبیب ہیں۔ جو ہندوستان میں ان کی نیابت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

رکھتی ہیں۔

مقامِ صد شکر ہے کہ ہمارے فاضل دوست حضرت مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مجددی زید علمہ و مجدہ نے فارسی سے ناواقف لوگوں کو حضرت شیخ مجدد کی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لیے مکمل مکتوبات شریف کا ترجمہ کرنے کی طرف توجہ مبذول کی ہے۔

فاضل مترجم نے حضرت سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۷۲ھ) ساکن حضرت کیلیانوالہ خلیفہ ارشد شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرق پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۴۸ھ) سے روحانی فیض پایا ہے۔ ظاہری علوم کے بھی ماہر ہیں۔ دارالعلوم نعمانیہ لاہور میں صدر مدرس رہ چکے ہیں۔ چھ سات سال سے دارالعلوم حزب الاحناف لاہور میں صدر مدرس کے منصب پر فائز ہیں۔ اولیاء کرام کی ان پر خصوصی توجہ ہے۔ کئی برس تک مسجد شاہ محمد غوث قادری لاہوری قدس سرہٗ میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں۔ اب حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ کی مسجد مبارک میں امامت و خطابت کے فرائض باحسن وجوہ انجام دے رہے ہیں۔

سلسلہ نقشبندیہ سے انہیں والہانہ عقیدت ہے۔ تعلیمات صوفیہ علیہ بالخصوص افادات مجددیہ کی اشاعت میں کوشاں رہتے ہیں۔ مولانا نور احمد کے محشی مکتوبات دوبارہ ان ہی کی تحریک و مساعی سے زیور طباعت سے آراستہ ہوئے ہیں۔ انہوں نے بڑی محنت و جانفشانی سے ان کی کاپیاں اور پروف پڑھے اور پلیٹیں بھی دیکھیں ——— حضرت امام غزالی قدس سرہٗ کی تصانیف بدایۃ الہدایہ اور منہاج العابدین کے انہوں نے ترجمے کیے ہیں، جو طبع ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا قابل ذکر ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ جناب ملک حسن علی صاحب جامعی کی کتاب "تعلیمات مجددیہ" کے جواب میں "مسلک امام ربانی" لکھی جو بے حد مقبول ہوئی۔ دو ہزار کا ایڈیشن چند مہینوں میں ختم ہو گیا۔ اب یہ کتاب دوبارہ مع اضافات کے آرہی ہے[۳۹]۔

جناب فاضل مترجم کی علمی کاوشوں اور روحانی نسبتوں کے ذکر کی ضرورت یوں محسوس کی گئی کہ قارئین کرام کو اطمینان ہو جائے کہ مترجم حضرت امام ربانی اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے قوی نسبت رکھنے کی وجہ سے کلامِ مجدد کو سمجھنے کی استعداد رکھتے ہیں۔ ایسی کتابوں کا ترجمہ کرنے کے لیے علم اور نسبت دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بفضلہ تعالیٰ جناب مترجم ان دونوں نعمتوں سے سرفراز ہیں۔

اس عظیم و ضخیم کتاب کی طباعت کے لیے بھی کسی بہت اچھے ادارے کی ضرورت تھی۔ یہ فضل ایزدی

---

۳۹ ملک صاحب مسلکاً غیر مقلد ہیں۔ انہوں نے مجدد صاحبؒ کے نام پر علامہ ابن تیمیہ کا پروپیگنڈا کرنے کے لیے "تعلیمات مجددیہ" لکھی ہے۔

یہ مسئلہ بھی از خود حل ہوگیا۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی جو بہترین کتابوں کو خوبصورتی اور نفاست سے چھاپنے میں گوئے سبقت لے گئی ہے، کے مالک محترم حکیم محمد تقی صاحب اشرفی اس کو بہ صد ذوق وشوق چھاپ رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جناب مترجم کی یہ کوشش مقبولیت و دوام کا درجہ حاصل کرے اور قارئین کو عمل کی توفیق ملے۔ جناب ناشر بھی جزائے خیر سے نوازے جائیں۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

یہاں عزیزی محمد اقبال مجددی سلمہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ آں عزیز نے کئی نایاب کتابیں اپنے کتب خانے سے لاکر مجھے دیں۔ اور بعض حوالے تلاش کرنے میں میری مدد کی۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

محمد موسیٰ عفی عنہ

لاہور
یکم محرم الحرام ۱۳۹۰ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ ربّ العالمین، اضعاف ما حمدہٗ جمیع خلقہ کما یحبّ ربّنا ویرضی، والصّلوٰۃ والسلام علیٰ من ارسلہٗ رحمۃ للعالمین، کلما ذکرہ الذاکرون وکلما غفل عن ذکرہ الغافلون کما ینبغی لہ ویحرٰی وعلیٰ اٰلہ واصحابہ البررۃ النقی والنقی۔

تمام تعریفیں اللہ ربّ العالمین کے لیے ان تمام تعریفوں سے دُگنی جو اس کی سب مخلوق نے کی ہیں۔ ایسی تعریفیں جو ہمارے رب تعالیٰ کو پسند اور محبوب ہیں اور درود و سلام اس ہستی پر جسے اس نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا جب تک ذکر کرنے والے اس کے ذکر میں مصروف رہیں اور جب تک غافل لوگ اس کے ذکر سے غافل رہیں۔ ایسا درود و سلام جو آپ کی ذات کے لائق و مناسب ہے۔ اور آپ کی آل و اصحاب پر جو نیک اور متقی اور پاک ہیں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ یہ حضرت امام ربّانی کے مکتوبات قدسی آیات کا دفتر اول ہے۔ وہ امام ربّانی جو محققین کے غوث، عارفین کے قطب، ولایت محمدیہ کی برہان، شریعت مصطفوی کی دلیل و حجت، اسلام اور مسلمانوں کے شیخ ہیں۔ یعنی ہمارے شیخ اور امام الشیخ احمد فاروقی نقشبندی اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت اور قائم رکھے۔ جسے یہ حقیر قلیل البضاعۃ اس درگاہ کے خاک نشینوں میں سے کمترین خاک نشین یار محمد جدید بدخشی طالقانی جمع کر کے اس امید پر احاطہ تحریر میں لایا کہ اس سے طالبان حق جل وعلا کو نفع پہنچے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے حفاظت اور توفیق کی درخواست ہے۔

مکتوب ۱ اوّل

ان حالات کے بیان میں جو اسم مبارک اَلظَّاہِرُ سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اور توحید کی قسم خاص کے ظہور اور اُن عروجات کے بیان میں جو محدّد (عرش) سے اوپر واقع ہوئے۔ اور بہشت کے درجات کے انکشاف اور بعض اہل اللہ کے مراتب کے ظہور کے بیان میں اپنے پیر و مرشد کو لکھا جو بزرگ، کامل، کامل کرنے والے، درجات ولایت تک پہنچانے والے، اس طریقے کی ہدایت کرنے والے جس میں ابتدا انتہا میں درج ہے، پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے ہمارے شیخ و امام الشیخ محمد الباقی نقشبندی احراری قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس۔ اور اللہ انہیں ان کی آرزو کے اقصیٰ مقام تک پہنچائے۔

عرضداشت۔ کمترین بندگان احمد حضور کی خدمت میں عرض اور حسب حکم مبارک گستاخی کرتا ہے اور اپنے احوال پریشان بیان کرتا ہے کہ دورانِ راہ وہ ذات اسم الظاہر میں اس قدر متجلی ہوئی کہ خاص خاص تجلی میں علیحدہ علیحدہ ظہور فرمایا۔ خصوصاً عورتوں کے لباس میں، بلکہ ان کے الگ الگ اجزاء میں ظہور فرمایا۔ اور اس وقت میں اس گروہ مستورات کا اس قدر مطیع و منقاد ہوا کہ کیا عرض کروں۔ اور میں اس انقیاد و اطاعت میں بے اختیار تھا۔ وہ ظہور جو عورتوں کے لباس میں ہوا وہ کسی اور جگہ نہیں تھا۔ خصوصی لطائف اور حُسن و جمال کے عجیب و غریب نظارے جو اس لباس میں ظاہر ہوئے کسی اور مظہر میں ظاہر نہ ہوئے۔ میں ان کے آگے اپنے آپ کو پانی کی طرح پگھلا ہوا محسوس کرتا تھا۔ اسی طرح کھانے اور پینے کی ہر چیز میں علیحدہ علیحدہ ظہور ہوا۔ وہ لطافت اور حسن جو لذیذ اور پُرتکلف کھانے میں تھی اس کے ماسوا میں نہ تھی۔ اور میٹھے پانی اور غیر میٹھے پانی میں بھی ایسا ہی فرق تھا۔ بلکہ ہر لذیذ اور شیریں چیز میں اپنے اپنے درجات کے مطابق خصوصی کمال کا ظہور تھا۔ اس تجلی کی خصوصیات کو تحریر میں نہیں لا سکتا۔ اور اگر حاضر خدمت ہوتا تو شاید عرض کرتا۔ لیکن ان تجلیات کے دَوران رفیقِ اعلیٰ (محبوب حقیقی) کی آرزو رکھتا تھا۔ اور ان تجلیات کی طرف اپنی وسعت کے مطابق توجہ نہیں کرتا تھا۔ لیکن غلبہ حال کی وجہ سے کوئی چارہ نہیں پاتا تھا۔ اس اثناء میں معلوم ہوا کہ یہ تجلی خدا تعالیٰ کی نسبت تنزیہی سے کوئی مخالفت نہیں رکھتی۔ اور یہ کہ باطن اسی طرح اس نسبت تنزیہی کا گرفتار ہے۔ ظاہر کی طرف بالکل متوجہ نہیں۔ اور میرے ظاہر کو بھی جو اس نسبت سے خالی اور معطل تھا، اس تجلی سے مشرف فرمایا۔ میں نے بالیقین ایسا پایا کہ باطن بالکل کج نظری میں مبتلا نہیں ہے۔ بلکہ تمام معلومات اور ظہورات

سے اعراض کیے ہوئے ہے۔ اور ظاہر جو کثرت اور دوئی کی طرف متوجہ تھا وہ بھی ان تجلیات سے بہرہ ور ہوا ہے۔ کچھ وقت کے بعد یہ تجلیات تھا اور پوشیدگی میں چلی گئیں۔ اور وہی حیرت و نادانی کی حالت قائم اور موجود رہی۔ اور وہ تجلیات اس طرح معدوم ہوگئیں گویا وہ کبھی مذکور بھی نہیں ہوئی تھیں۔ اس کے بعد ایک خاص فنا رونما ہوئی۔ اور غالب گمان ہے کہ وہ یقین علمی جو تعین کے عود کرنے کے بعد پیدا ہوا وہ اس فنا میں گم ہوگیا۔ اور نفسانیت و انانیت کے گمان کا کچھ اثر باقی نہ رہا۔ اس وقت اسلام کے نشانات ظاہر ہونا اور شرک خفی کے نشانات مٹنا شروع ہوئے۔ اسی طرح اپنے اعمال کی کوتاہی اور اپنی نیتوں اور خیالات کو لائق ملامت جاننے کا احساس شدت سے ظاہر ہوا۔ بالجملہ کچھ نشانات عبودیت اور نیستی کے پھر ظاہر رونما ہوئے۔ خدا سُبحانہٗ و تعالیٰ آپ کی توجہ کی برکت سے بندگی کی حقیقت تک پہنچائے۔

عرش پر بہت سے عروجات واقع ہوئے:

مرتبہ اوّل: مسافت طے کرنے کے بعد جب عرش پر پہنچا تو یہ ایسا عروج تھا جہاں دار خلد (جنت) نیچے محسوس ہوتی تھی۔ اس دوران دل میں آیا کہ اس جگہ بعض لوگوں کے مقامات دیکھوں۔ جب اس طرف متوجہ ہوا تو ان کے مقامات نظر پڑے اور ان اشخاص کو بھی ان کے تفاوت درجات کے مطابق ان مقامات میں پایا۔

مرتبہ دُوم: پھر ایک اور عروج واقع ہوا۔ جس میں مشائخ عظام، ائمۂ اہل بیت، خلفاء راشدین کے مقامات اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام خاص اسی طرح اپنے اپنے درجات کے مطابق تمام باقی انبیاء و رُسل اور فرشتوں کے بلند ترین گروہ کے مقامات عرش سے اوپر مشہود ہوئے۔

اور عرش سے اوپر اس مقدار میں عروج واقع ہوا کہ مرکز خاک سے عرش تک یا اس سے کچھ نیچے۔ اور حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کے مقام تک منتہی ہوا۔ اور اس مقام سے اوپر کچھ مشائخ تھے بلکہ اسی مقام میں یا ذرا اوپر جیسے شیخ معروف کرخی اور شیخ ابو سعید خراز۔ اور باقی کچھ مشائخ کے مقامات کچھ نیچے اور بعض وہی مقامات رکھتے تھے۔ نیچے تو شیخ علاؤ الدولہ اور شیخ نجم الدین کبریٰ جیسے مشائخ تھے اور ان سے اوپر ائمۂ اہل بیت تھے، اور ان سے اوپر خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ اور باقی انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقامات ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام سے الگ ایک طرف تھے۔ اسی طرح بلند ترین گروہ ملائکہ کے مقامات بھی علیحدہ ایک طرف کو تھے، علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام لیکن حضور سرور کائنات علیہ السلام کے مقام کو سب پر فوقیت اور سرداری حاصل تھی۔ واللہ سبحانہ اعلم بحقائق الامور کلھا (اللہ تعالیٰ ہی تمام امور کے حقائق کو بہتر جانتا ہے)۔

اور میں جب بھی چاہتا ہوں عروج واقع ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات چاہنے کے بغیر بھی واقع ہوتا ہے۔ اور بعض دوسری چیزیں بھی دکھائی جاتی ہیں' اور بعض عروجوں پر اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ اور بہت سی باتیں بھول جاتی ہیں اور میں بہت کوشش کرتا ہوں کہ بعض حالات لکھوں اور کوشش کرتا ہوں کہ آپ کی خدمت میں عرضداشت کے وقت یاد آئیں' لیکن یاد نہیں آتے۔ اس لیے کہ یہ بات بخیر محسوس ہوتی ہے۔ یہ تو استغفار کا موقعہ ہے' کچھ لکھنے کا نہیں۔ اس عریضہ کی تحریر کے دوران بعض باتیں یاد تھیں' آخر حافظے نے وفا نہ کی اور کچھ نہ لکھ سکا۔ زیادہ گستاخی کی جرأت نہیں۔

ملا قاسم علی کا حال بہتر ہے۔ استہلاک و استغراق کا غلبہ ہے اور تمام مقامات جذبہ سے اوپر قدم رکھ چکا ہے۔ پہلے صفات کو اصل دیکھتا تھا' اب باوجود صفات کے اپنے سے جدا دیکھتا ہے اور اپنے کو خالی محض پاتا ہے۔ بلکہ وہ نور جس سے صفات قائم ہیں اسے اپنے سے جدا دیکھتا ہے اور خود کو اس نور سے الگ ایک طرف پاتا ہے۔ دوسرے دوستوں کے حالات بھی روز بروز بہتر ہو رہے ہیں۔ دوسری عرضداشت میں اِن شاء اللہ تعالیٰ تفصیل سے عرض کیا جائے گا۔

مکتوب نمبر (۲)

ترقیوں کے حصول اور عنایاتِ خداوندی جل سلطانہ پر فخر کرنے کے بیان میں۔

یہ مکتوب بھی اپنے پیر بزرگوار قدس سرہٗ کو لکھا۔

عرضداشت۔ کمترین بندگان احمد بلند بارگاہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے۔ ماہ رمضان مبارک کے متصل استخارہ کا حکم مولانا شاہ محمد نے پہنچایا۔ ماہ رمضان تک اتنی فرصت نہ مل سکی کہ اپنے آپ کو آستانہ بوسی کے شرف سے مشرف کر سکتا۔ لاچار اس مدت کے گزر جانے سے اپنے آپ کو تسلی دی۔ آپ کی بلند توجہات کی برکت سے مسلسل اور متواتر جو عنایاتِ خداوندی اس ناچیز پر فائض اور وارد ہو رہی ہیں ان کے متعلق کیا عرض کرے ؎

من آں خاکم کہ ابر نوبہاری | کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم | چو سبزہ شکر لطفش کے توانم

میں وہ خاک ہوں کہ موسم بہار کا بادل اپنے لطف و کرم سے مجھ پر برس رہا ہے۔ سبزے کی طرح میرے جسم پر اگر سو زبانیں بھی اُگ آئیں پھر بھی میں اس کی مہربانیوں کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

اگرچہ اس قسم کے حالات کا اظہار گستاخی کا وہم ڈالتا ہے، اور اس سے فخر و مباحات کا احساس ہوتا ہے ؂

ولے چوں شاہ مرا بر داشت از خاک سزد گر بگذرانم سر ز افلاک

لیکن جب شاہ مجھے خاک سے اوپر اُٹھائے تو لائق ہے کہ میں اپنا سر افلاک سے بھی اوپر لے جاؤں۔

عالم صحو و بقا کی ابتداء اواخر ماہ ربیع الآخر سے شروع ہے اور اس وقت تک بقاء خاص سے ہر لمحہ مشرف کر رہے ہیں۔ حضرت شیخ محی الدین قدس سرہ کی تجلی ذاتی کی ابتداء ہو چکی ہے۔ مجھے صحو میں لاتے ہیں اور پھر سُکر کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور اس عروج و نزول میں علوم غریبہ اور معارف عجیبہ فائض کر رہے ہیں۔ اور ہر مرتبہ میں خاص احسان و شہود سے جو اس مقام بقا کے مناسب ہے مشرف کر رہے ہیں۔ ماہِ رمضان مبارک کی چھ تاریخ کو ایک ایسے بقا اور احسان سے مشرف فرمایا گیا ہے جس کے متعلق بندہ کیا عرض کرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نہایت استعداد اسی مقام تک تھی۔ اور وہ وصل جو اس مقام کے مناسب تھا اس سے بھی مشرف فرمایا گیا۔ جذبہ کی جہت اب تمام ہو چکی ہے اور سیر فی اللہ جو اس مقام جذبہ کے مناسب ہے، اس کے آغاز کا وقوع ہو چکا ہے۔ جس قدر فنا اکمل ہو گی اس پر بقا بھی ویسی ہی مرتب ہو گی۔ اور جس قدر بقا اکمل ہو گی، حالت صحو بھی زیادہ حاصل ہو گی۔ اور جس قدر حالت صحو زیادہ ہو گی، اسی قدر علوم کا افاضہ بھی شریعت غرا کے مطابق زیادہ ہو گا۔ کیونکہ کامل صحو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے۔ اور وہ علوم جو ان سے صادر ہوتے ہیں وہ سراسر شریعت اور عقائد ہیں، جو ذات و صفات کے بیان میں ہیں۔ اور ان علوم کے ظاہر کی مخالفت بقیہ سکر سے واقع ہوتی ہے۔ اس وقت جو معارف اس کمینہ پر فائض و وارد ہوتے ہیں اکثر معارف شرعیہ پر مشتمل ہیں۔ اور ان میں انہی کا بیان ہے اور علم استدلالی کشفی اور بدیہی اور مجمل مفصل ہو جاتا ہے۔ ع

گر بگویم شرح ایں بیحد شود

یعنی اگر ان کی شرح کی جائے تو بے حد ہو جائے۔ میں ڈرتا ہوں کہ مبادا معاملہ گستاخی تک پہنچ جائے ؂

بندہ باید کہ حد خود داند

بندے کو چاہیے کہ حد کے اندر رہے

مکتوب نمبر (۳)

بعض دوستوں کے مقام مخصوص میں بند ہو جانے اور بعض کے ترقی کر کے تجلی ذاتی کے مقامات تک پہنچنے کے بیان میں اپنے پیر بزرگوار کو لکھا:

عرضداشت۔ جو دوست یہاں ہیں نیز وہ دوست جو وہاں ہیں ایک مقام میں محبوس و بند ہو چکے ہیں۔ ان کے ان مقامات سے نکلنے کا راستہ مشکل ہو چکا ہے۔ وہ قوت و قدرت جو اس مقام کے مناسب ہے بندہ اپنے اندر نہیں پاتا۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کی توجہات عالیہ کی برکت سے ترقی عطا کرے۔ اس کمینہ کے خویشوں میں سے ایک شخص اس مقام سے گزر چکا ہے اور تجلیات ذاتی کی ابتداء تک پہنچ گیا ہے۔ اس کا حال بہت اچھا ہے۔ اس حقیر کے قدم پر قدم رکھ رہا ہے۔ دوسروں کے متعلق بھی پر امید ہے۔

وہاں کے کچھ دوست مقربین کے راستہ سے مناسبت نہیں رکھتے۔ ان کے موافق حال طریقہ ابرار ہے۔ تاہم جس قدر ان کو دولت یقین حاصل ہو چکی ہے وہی غنیمت ہے۔ اسی طریقہ پر ان کو حکم فرمانا چاہیے۔ ع

ہر کسے را بہر کارے ساختند

ہر ایک کو اس کے مناسب حال کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

ان کے نام ظاہر کرنے کی گستاخی نہیں کی۔ آپ سے وہ مخفی نہیں ہوں گے۔ زیادہ گستاخی کی جرأت نہ کی۔

اس عرضداشت کی تحریر کے دن میر سید شاہ حسین نے اپنی مشغولی باطن میں یوں دیکھا گویا بڑے دروازہ تک پہنچ گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دروازہ حیرت ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اس دروازہ کے اندر نگاہ ڈالتا ہوں تو اندر آپ کو اور مجھے (حضرت مجدد قدس سرہٗ کو) دیکھتا ہوں۔ ہر چند کوشش کرتا ہوں کہ اندر قدم رکھوں لیکن پاؤں میری موافقت نہیں کرتے۔

مکتوب نمبر (۴)

عظیم القدر ماہ مبارک رمضان شریف کے فضائل اور حقیقت محمدیہ علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان میں ——— یہ مکتوب بھی اپنے پیر بزرگوار کو لکھا۔

حقیر ترین خادم کی عرضداشت یہ ہے کہ ایک مدت سے بذریعہ خط مبارک اُس بلند آستانہ کے خادموں

کے متعلق بندہ کچھ اطلاع اور واقفیت نہیں رکھتا۔ ہر وقت منتظر ہے۔

ماہ رمضان مبارک کی آمد آمد ہے۔ اس ماہ مبارک کی قرآن مجید کے ساتھ جو تمام کمالات ذاتی اور شیونی کا جامع ہے، اور دائرۂ اصل میں اس طرح داخل ہے کہ ذرہ برابر ظلیت اس کی طرف راہ نہیں پا سکتی۔ اور حقیقت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کا ظل اول ہے، مکمل مناسبت رکھتا ہے۔ اسی مناسبت کی بنا پر اس مقدس کتاب کا نزول اس ماہ مبارک میں واقع ہوا۔

شَہْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ۔ رمضان المبارک وہ مہینہ ہے کہ اس میں قرآن حکیم کا نزول ہوا۔

اس بات کا مصداق ہے۔ اور اسی مناسبت کی وجہ سے یہ مہینہ تمام خیرات و برکات کا جامع ہے۔ ہر طرح کی خیر و برکت تمام سال میں جس کسی کو پہنچتی ہے۔ جس راہ سے بھی پہنچتی ہے، اس عظیم القدر ماہ مبارک کی بے نہایت برکات کا ایک قطرہ ہے۔ اگر اس ماہ مبارک میں جمعیت نصیب رہی تو سارا سال جمعیت حاصل رہے گی۔ اور اگر اس ماہ مبارک میں پراگندگی رہی تو سارا سال پراگندگی پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ تو کتنا مبارک ہے وہ شخص جس کے پاس یہ مہینہ آیا اور اس سے راضی اور خوش گیا۔ اور خرابی ہے اس شخص کے لیے جس سے یہ مہینہ ناراض گیا اور اس کی برکات و خیرات سے محروم رہا۔ اور اس ماہ مبارک میں قرآن مجید کے ختم کی سنت بھی اسی تعلق کی بنا پر معلوم ہوتی ہے۔ تاکہ تمام اصلی کمالات اور ظلی برکات میسر ہوں۔ تو جس نے ان دونوں کو جمع کر لیا، امید ہے کہ وہ اس کی برکات سے محروم نہیں رہے گا اور اس کی خیرات سے روکا نہیں جائے گا۔

وہ برکات جو اس مبارک مہینہ کے ایام سے متعلق ہیں اور ہیں، اور وہ خیرات جو اس کی راتوں سے وابستہ ہیں کچھ اور ہیں۔ اسی راز کے باعث شاید یہ بات ہے کہ جلدی روزہ افطار کرنے کا حکم ہے اور سحری میں تاخیر کرنے کے متعلق وارد ہوا ہے۔ تاکہ دن رات کے دونوں وقتوں کے اجزا میں امتیاز و فرق حاصل ہو۔ قابلیتِ اولیٰ جس کا اوپر ذکر ہوا، اور حقیقت محمدیہ علیٰ مظہرہا الصلوات والتسلیمات کہ اس سے عبارت ہے وہ قابلیت ذات نہیں جو صفات سے متصف ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے۔ بلکہ عز سلطانہ کی ذات کی قابلیت مراد ہے جو اعتبار علمی کے ساتھ ملحوظ ہے اور جو تمام کمالات ذاتی اور شیونی سے متعلق ہے۔ یہی حقیقت قرآن مجید کو حاصل ہے۔ باقی رہی اتصاف کی قابلیت جو خاص صفات سے تعلق رکھتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے درمیان برزخ اور پردہ ہے۔ یہ دوسرے انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی حقیقت ہے۔ یہی قابلیت بعض اعتبارات کے لحاظ سے جو اس میں پائے جاتے ہیں متعدد حقیقتوں کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ حقیقت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی گو ظلیت رکھتی ہے تاہم صفات کا رنگ اس سے آمیزش

نہیں رکھتا اور کوئی واسطہ درمیان میں حائل نہیں۔ اور محمدی المشرب جماعت کی حقیقتیں ذات عزّ شانہ کی قابلیات ہیں اعتبار علمی کے ساتھ جو بعض ان کمالات سے متعلق ہے۔ اور محمدی قابلیت ذات واجب تعالیٰ اور ان قابلیات متعددہ کے درمیان برزخ و پردہ ہے۔ اور ان بعض کا حکم اس واسطہ سے ہے کہ ان کا قدم خانہ صفات میں ہے اور بس۔ اور اس خانہ صفات کا نہایت عروج اس قابلیت تک ہے۔ تو ضروری طور پر اس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔ اور چونکہ یہ قابلیت اتصاف ہرگز مرتفع نہیں ہوسکتی۔ تو ان بعض نے بھی یہ حکم لگا دیا کہ قابلیت محمدی علیٰ مظہرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ ہمیشہ حائل رہتی ہے۔ ورنہ قابلیت محمدیہ کو علیٰ مظہرہا الصلوٰۃ والسلام جو صرف ایک اعتبار ہے' اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات میں نظر سے ارتفاع ممکن ہے بلکہ اس کا وقوع بھی ہوچکا ہے۔ اور اتصاف کی قابلیت بھی اگرچہ ایک اعتبار ہے۔ لیکن برزخیت کی وجہ سے صفات کا رنگ اختیار کرچکا ہے جو خارج میں زائد وجود کے ساتھ موجود ہیں اور جن کا ارتفاع غیر ممکن ہوچکا ہے۔ لہٰذا ضروری طور پر یہ اتصاف دائمی بیچ میں حائل رہتا ہے۔

اس قسم کے علوم جن کا منشا اصالت اور ظلیت کی جامعیت ہے، بہت وارد اور فائض ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر کاغذ پر لکھ لیے جاتے ہیں۔ قطبیت کا مقام جو دقیق علوم کا منشا ہے ظلی مقام ہے اور فردیت کا مقام دائرہ اصل کے معارف کے ورود کا واسطہ ہے۔ ان دو دولتوں (مقام قطبیت اور مقام فردیت) کے حصول کے بغیر ظل اور اصل کے درمیان فرق و امتیاز نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا بعض مشائخ قابلیتِ اُولیٰ کو جسے تعینِ اول بھی کہتے ہیں ذات سے زائد نہیں مانتے۔ اور اس قابلیت کے شہود کو ہی تجلی ذاتی خیال کرتے ہیں لیکن حق بات وہی ہے جو میں نے بیان کی اور جس کی میں نے وضاحت کردی ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ حق کو حق ظاہر کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کا ہادی ہے۔

جس رسالے کی تحریر کا بندہ کو حکم ہوا تھا اس کے مکمل کرنے کی توفیق میسر نہیں آسکی اور جتنی لکھ چکا تھا اتنی ہی تحریرات پڑی ہیں۔ پتہ نہیں اس توقف میں خدا تعالیٰ جل سلطانہٗ کی کیا حکمت پوشیدہ ہے۔ زیادہ گستاخی ادب سے دور ہے۔

مکتوب نمبر (۵)

خواجہ برہان الدین کی سفارش کے سلسلہ میں جو آپ کے مخلصوں میں تھے اور کچھ دوسرے حالات کے بیان میں ——— یہ مکتوب بھی اپنے پیر بزرگوار کو لکھا۔

کمترین خادم کی عرضداشت یہ ہے کہ حضرات خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی طریقت

کے بارے میں لکھ کر ارسال خدمت کیا ہے آپ کی نظر مبارک سے گزرے گا۔ ابھی مسودہ ہے خواجہ برہان آپ کی طرف جلد ہی چل پڑے۔ نقل مسودہ کی فرصت نہ مل سکی۔ اس امر کا احتمال ہے بعض دوسرے علوم بھی اس سے لاحق کر دیے جائیں۔ ایک روز رسالہ سلسلۃ الاحرار نظر سے گزرا اور اس کے مطالعے سے میرے دل شکستہ میں گزرا کہ حضرت کی خدمت میں عرض کروں آپ خود اس رسالہ کے علوم کے بارے میں کچھ تحریر فرمائیں یا اس فقیر کو حکم دیں، تاکہ بندہ اس سلسلہ میں کچھ لکھ سکے۔ یہ خیال کافی قوت پکڑ گیا تو اس کے ساتھ ہی اس مسودہ سے متعلق بعض مزید علوم کا فیضان و ورود ہوا۔ بہرحال اس رسالہ کے بعض علوم کی وضاحت ہو سکی۔ اگر اس مسودہ کو تکملہ تصور کر لیں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ اور اگر بعض مناسب کو منتخب کر کے اس رسالہ سے ملحق کر دیں تو یہ صورت بھی ٹھیک ہے۔ زیادہ جرأت ادب سے دور ہے۔

خواجہ برہان نے اس مدت میں خوب کام کیا ہے اور تیسری سیر سے جو مقام جذبہ سے تعلق رکھتی ہے اس سے بھی ان کو حصہ مل چکا ہے۔ صوبہ مالوہ میں معاش کے لحاظ سے ان کا وقت پراگندہ اور مشوش ہو گیا ہے۔ ملازمت کے لیے حاضر ہو رہے ہیں۔ آپ جو حکم بھی فرمائیں گے مبارک ہو گا۔

مکتوب نمبر (۶)

جذبہ اور سلوک کے حصول کے بیان میں، اور جمال و جلال دونوں صفتوں کے ساتھ تربیت پانے اور فنا و بقا، اور ان کے متعلقات اور نسبت نقشبندیہ کے فائق اور اعلیٰ ہونے کے بیان میں ـــــ یہ مکتوب بھی اپنے پیر بزرگوار کو لکھا۔

کمترین غلام، احمد کی عرضداشت یہ ہے کہ مرشد علی الاطلاق (اللہ تعالیٰ) جل شانہ، نے آپ کی توجہ کی برکت سے جذبہ اور سلوک دونوں طرح پر (اس ناچیز کی) تربیت فرمائی ہے اور جمال و جلال دونوں صفتوں کی تربیت کے ساتھ نوازا ہے۔ اب جمال عین جلال اور جلال عین جمال ہے۔ رسالہ قدسیہ (مصنفہ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ) کے بعض حواشی کی اس عبارت کو اپنے مفہوم صریح سے بدل دیا گیا ہے۔ اور ایک موہوم معنی پر حمل کر لیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ عبارت اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے، اس میں تاویل وانحراف کی گنجائش نہیں۔ اور اس تربیت کی علامت یہ ہے کہ مجھے محبت ذاتی سے متحقق کر دیا گیا ہے۔ محبت ذاتی کے ساتھ موصوف ہونے سے قبل اس کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ اور محبت ذاتی فنا کی علامت ہے۔ اور فنا ماسوی اللہ کو بھول جانے کا نام ہے۔ تو جب تک تمام علوم سینہ سے دور نہ ہو جائیں اور انسان جہل مطلق

سے موصوف نہ ہو جائے فنا سے حصہ نہیں پا سکتا۔ اور یہ حیرت اور جہل دائمی ہے، اس کے زوال کا امکان نہیں۔ اور نہ یہ بات ہے کہ کبھی زائل ہو جائے اور حاصل ہو جائے۔ غایۃ درجہ یہ بات ہے کہ بقا سے پہلے محض جہالت ہوتی ہے اور بقا کے بعد جہالت اور علم دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔ عین نادانی میں شعور ہوتا ہے اور عین حیرت میں شہود حاصل ہوا ہوتا ہے۔ اور یہ حق الیقین کا مقام ہے، جہاں علم اور عین ایک دوسرے کے لیے حجاب نہیں ہیں۔ اور وہ علم جو اس جہالت سے پہلے حاصل ہوا ہوتا ہے وہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے اگر علم ہے تو اپنے میں ہے۔ اگر شہود ہے تو وہ بھی اپنے اندر ہے۔ اور اگر معرفت یا حیرت ہے تو وہ بھی اپنے ہی اندر ہے۔ جب تک نظر باہر ہے، بے نتیجہ ہے۔ اگرچہ اپنے اندر ہی نظر ہو ادھر اُدھر سے نظر کو بالکل منقطع کرنا ضروری ہے۔ حضرت خواجہ بزرگ (خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ) فرماتے ہیں کہ اہل اللہ فنا اور بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں اپنے اندر دیکھتے اور جو کچھ پہچانتے ہیں اپنے اندر پہچانتے ہیں۔ ان کو اپنے وجود میں حیرت ہوتی ہے۔ اس سے بھی صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ شہود، معرفت اور حیرت، یہ سب چیزیں صرف نفس میں ہیں، باہر کہیں بھی نہیں ہیں۔ جب تک ان تینوں سے باہر ہے چاہے اپنے اندر ہی ہو فنا سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا، تو بقا سے کیسے حصہ پا سکتا ہے۔ فنا اور بقا کا نہایت مرتبہ یہی ہے۔ اور یہ فنا مطلق ہے اور مطلق فنا عام ہے۔ بقا فنا کے انداز سے کے مطابق ہوتی ہے۔ لہٰذا بعض اہل اللہ فنا اور بقا سے موصوف ہونے کے باوجود باہر کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔ لیکن ان حضرات نقشبندیہ قدس سرہم کی نسبت تمام نسبتوں سے فائق ہے ؎

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند | نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

ہر آئینہ رکھنے والا سکندری کے اسرار و رموز سے واقف نہیں ہوتا۔ اور نہ ہر سر تراشنے والا قلندری ہی جانتا ہے۔

جب اس سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اکابر میں سے صدیوں کے بعد صرف ایک یا دو کو اس نسبت سے مشرف کرتے ہیں تو دوسرے سلاسل میں تو اس نسبت کے حصول کا تناسب بہت ہی کم ہے یہ نسبت دراصل حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ کی نسبت ہے۔ اور نسبت کو تمام و کمال تک پہنچانے والے خواجہ خواجگان حضرت خواجہ بہاؤالدین المعروف نقشبند قدس سرہم ہیں۔ اور آپ کے خلفاء میں سے حضرت خواجہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں ؎

ایں کار دولت است کنوں تا کرا دہند

یہ ایک عظیم دولت ہے۔ اب دیکھیے یہ کسے عطا ہوتی ہے

عجیب بات ہے، پہلے ہر بلا و مصیبت جو واقع ہوتی تھی، فرحت و سرور کا باعث تھی۔ اور یہ ناچیز مزید کا مطالبہ کرتا تھا۔ اور جس قدر سامان دنیوی کم ہوتا تھا اس سے خوشی ہوتی تھی اور اسی طرح کی آرزو رکھتا تھا۔ لیکن اب جب کہ پھر عالم اسباب کی طرف لایا گیا ہے، تو نظر اپنے عجز اور اپنی محتاجی پر پڑی۔ اگر تھوڑا سا ضرر لاحق ہوتا ہے تو فوراً ہی ایک درجہ غم و حزن محسوس ہوتا ہے، اگرچہ وہ جلد زائل بھی ہوتا ہے اور اس کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح پہلے جب بارگاہِ الٰہی میں دفع بلا و مصیبت کے لیے دعا کرتا تھا تو اس سے مقصود اس کا رفع اور ازالہ نہیں ہوتا تھا، بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم اُدْعُوْنِیْ کی بجا آوری مقصود ہوتی تھی۔ لیکن اب دعا سے مصائب و بلیات کا رفع مقصود ہوتا ہے اور وہ خوف و غم جو زائل ہو چکا تھا واپس لوٹ آیا ہے۔ اور معلوم ہوا ہے کہ یہ سب کچھ سُکر کی درجہ سے تھا۔ حالت صحو میں جس طرح عوام الناس کو خوف، غم، عجز، محتاجی اور خوشی کے عوارض لاحق ہوتے ہیں اسی طرح اس بندہ خدا کو بھی ہوتے ہیں۔ ابتدا میں بھی جب دعا سے مقصود دفع بلا و مصیبت نہیں تھی، دل کو یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی۔ لیکن غلبہ حال کے باعث دل میں یہ بات گزرتی تھی کہ انبیاء کرام کی دعائیں بھی حصول مراد کے لیے نہیں ہوتی تھیں۔ اب جبکہ اس حالت سے مشرف کیا گیا ہے اور معاملہ کی اصل حقیقت واضح کر دی گئی ہے تو پتہ چلا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعائیں عجز و محتاجی، خوف و غم کے تحت تھیں، صرف حکم کی بجا آوری مقصود نہ تھی۔

بعض باتیں جو وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہتی ہیں ان کے پیش خدمت کرنے کی گستاخی کر جاتا ہوں۔

مکتوب نمبر (۷)

اپنے بعض عجیب و غریب حالات اور ضروری امور کے استفسار کے بیان میں
یہ مکتوب بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

کمترین غلام، احمد کی عرضداشت یہ ہے کہ وہ مقام جو عرش سے اوپر تھا، یہ ناچیز اپنی روح کو بطریق عروج اس مقام میں پاتا تھا۔ اور وہ مقام حضرت خواجہ بزرگ (خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ) کے ساتھ خاص تھا۔ ایک زمانہ کے بعد اپنے بدن عنصری کو بھی اسی مقام میں پایا۔ اور اس وقت خیال میں یوں گزرا کہ تمام عالم عنصریات و فلکیات نیچے کو چلا گیا ہے اور اس کا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہا۔ اور جبکہ اس مقام میں صرف بعض اکابر اولیا تھے۔ اب تمام عالم کو اپنے سمیت اس مقام میں پا کر حیرت ہوتی ہے کہ

مکمل بیگانگی کے باوجود اپنے آپ کو ان کے ساتھ پاتا ہے۔ الغرض وہ حالت جو کبھی کبھی رونما ہوتی تھی اور جس میں بندہ نہ اپنے آپ کو دیکھتا تھا نہ جہان کو۔ نہ نظر سے کچھ دیکھتا تھا اور نہ علم میں کوئی چیز تھی۔ وہ حالت اب دائمی ہو چکی ہے۔ اور خلقت عالم کا وجود دید و دانش سے باہر ہو چکا ہے۔

اس کے بعد اس مقام میں ایک بلند محل ظاہر ہوا کہ اس کو سیڑھیاں لگی ہوئی ہیں۔ بندہ ان سیڑھیوں سے باہر آیا۔ اس کے بعد وہ مقام بھی باقی جہان کی مانند آہستہ آہستہ لمحہ بہ لمحہ نیچے چلا گیا' اور فقیر نے اپنے آپ کو بلندی پر پایا۔ بندہ اتفاق سے تحیۃ الوضو کے نفل ادا کر رہا تھا کہ ایک بہت ہی اونچا مقام نمایاں ہوا اور چار اکابر نقشبندیہ کو اس مقام میں دیکھا۔ اور دوسرے مشائخ بھی جیسے سید الطائفہ جنید بغدادی وغیرہ کو اس مقام میں پایا۔ اور بعض دوسرے مشائخ اس سے اوپر کے مقام میں ہیں۔ لیکن ان کے پائے پکڑے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور بعض نیچے ہیں اپنے اپنے درجات کے مطابق۔ اور اپنے آپ کو ان سے بہت دور پایا۔ بلکہ ان سے کچھ نسبت ہی نہ دیکھی۔ اس واقعہ سے سخت پریشانی اور اضطراب ہوا۔ قریب تھا کہ دیوانہ ہو جاؤں۔ اور غم و غصہ کی زیادتی سے جسم کو ہی خالی کر دے۔ کچھ وقت ایسے ہی گزرا۔ آخر آپ کی توجہات سے اپنے آپ کو بھی اس مقام کے مناسب پایا۔ پہلے میرا سر اس مقام کے برابر ہوا۔ پھر بتدریج اوپر بلند ہوتا گیا اور اس مقام بلند میں بیٹھ گیا۔ توجہ کے بعد یوں دل میں گزرا کہ وہ مقام تکمیل تام کا مقام ہے۔ کہ تمام سلوک طے کرنے کے بعد اس مقام پر پہنچتے ہیں۔ سلوک پورا نہ کرنے والے مجذوب سالک کو اس مقام سے حصہ نہیں مل سکتا۔ اور اس وقت یہ بھی خیال میں گزرا کہ اس مقام پر پہنچنا اس واقعہ کے نتائج سے ہے جو حضور کی خدمت میں رہنے کے زمانہ میں دیکھا تھا۔ اور خدمت اقدس میں عرض بھی کیا تھا کہ حضرت امیر (علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ) تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تجھے آسمانوں کا علم سکھانے آیا ہوں۔ جب خوب توجہ سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ تمام خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے یہ مقام حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خاص ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

دوسری بات یہ ظاہر ہوئی کہ بُرے اخلاق و عادات ہر گھڑی مجھ سے الگ ہو رہے ہیں۔ بعض اوقات یوں خیال گزرتا ہے کہ سب الگ ہو گئے ہیں۔ اور دوسرے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اور شے ظاہر ہوئی ہے اور وہ بھی الگ ہو گئی ہے۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ بعض امراض اور شدائد کو دور کرنے کی غرض سے توبہ کرنے کے لیے کیا یہ شرط ہے کہ مرضی خدا تعالیٰ معلوم ہو کہ اس معاملہ میں توجہ چاہیے یا نہ چاہیے یا یہ شرط نہیں ہے؟ رشحات کی ظاہر عبارت سے جو حضرت خواجہ عبید اللہ الاحرار سے نقل کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشگی جاننا شرط

نہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے۔ حالانکہ مجھے توجہ کرنا اچھا بھی نہیں لگتا۔

تیسری گزارش یہ ہے کہ طالبوں کو حضور میسر آجانے کے بعد ذکر سے روک دینا اور حضور کی نگہداشت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور پھر وہ کونسا مرتبہ حضور ہے جس میں ذکر نہیں کرتے۔ لیکن بعض ایسے بھی ہیں جو اول سے آخر تک ذکر میں مصروف رہتے ہیں اور انہیں ذکر سے کسی وقت بھی نہیں روکا گیا۔ اور اپنا کام نہایت کے قریب پہنچا چکے ہیں۔ اصل حقیقت کیا ہے؟ اس بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟

چوتھی گزارش یہ ہے کہ حضرت خواجہ (عبیداللہ احرار قدس سرہٗ) نے اپنے ملفوظات میں فرمایا ہے کہ آخر میں بھی ذکر کا حکم دیا جاتا ہے۔ کیونکہ بعض مقاصد ایسے ہیں کہ وہ اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ ان مقاصد کا تعین فرمایا جائے۔

خدمت اقدس میں پانچویں گزارش یہ ہے کہ بعض طالب طریقہ نقشبندیہ کی تعلیم کی طلب کا اظہار کرتے ہیں لیکن غذا میں احتیاط سے کام نہیں لیتے۔ لیکن اس بے احتیاطی کے باوجود حضور قلب اور قدرے استغراق پیدا کر لیتے ہیں۔ اور غذا کے متعلق تاکید سے کام لیا جائے تو سستی اور کاہلی کے باعث بالکلیہ طریقہ ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں کیا حکم ہے؟ اور کچھ ایسے بھی ہیں جو ارادت کے ساتھ اس سلسلہ سے صرف اتصال چاہتے ہیں، ذکر کی تعلیم نہیں چاہتے۔ کیا اس قسم کا اتصال جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کا کیا طریقہ ہے؟ اس سے زیادہ طویل سلسلۂ کلام گستاخی اور بے ادبی ہے۔

مکتوب نمبر (۸)

ان حالات کے بیان میں جو بقا اور صحو سے تعلق رکھتے ہیں ——— یہ مکتوب بھی اپنے پیر بزرگوار کو لکھا۔

کمترین غلام، احمد کی عرضداشت یہ ہے کہ جب سے مجھے صحو میں لائے ہیں اور بقا سے نوازا ہے علوم غریبہ اور معارف نادرہ غیر متعارفہ مسلسل اور لگاتار فائض اور وارد ہو رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر کے بیان اور ان کی مستعمل اصطلاح سے موافقت نہیں رکھتے۔ جو کچھ مسئلہ وحدت وجود اور اس کے متعلقات کے بارے میں کہا گیا ہے، مجھے اول حال ہی میں اس سے مشرف کر دیا گیا ہے۔ اور کثرت میں وحدت کا مشاہدہ میسر آچکا ہے۔ پھر اس مقام سے کئی درجے بلند مجھے ترقی عطا فرمائی گئی ہے۔ اور اس ضمن میں انواع و اقسام کے علوم عطا فرمائے گئے ہیں۔ ان مقامات و معارف کی صریحاً تصدیق قوم کے

کلام میں نہیں پائی جاتی۔ اجمالی اشارات و رموز بعض بزرگوں کے کلام مبارک میں پائے جاتے ہیں لیکن ان علوم و معارف کی صحت کا گواہ حال یہ ہے کہ علوم و معارف ظاہر شریعت' اجماع علماء اہل سنت کے بالکل موافق و مطابق ہیں' روش شریعت کے ظاہر سے ذرہ بھی مخالفت نہیں رکھتے' اور حکما' اور اصول عقلیہ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ بلکہ علماء اسلام میں وہ جماعت جو اصول اسلام میں مخالفت رکھتی ہے ان کے اصولوں سے بھی ان علوم کی کوئی موافقت نہیں۔

یہ بھی انکشاف ہوا ہے کہ استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے۔ فعل سے قبل انسان قدرت نہیں رکھتا قدرت فعل کے ساتھ بخشتے ہیں اور احکام شریعت کی تکلیف اسباب اور اعضاء کی سلامتی پر دیتے ہیں جیسا کہ علماء اہل السنۃ نے اس کی تحقیق کی ہے۔ اور فقیر اس مقام میں اپنے آپ کو حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کے قدم مبارک پہ پاتا ہے۔ آپ اسی مقام میں تھے۔ اور حضرت علاءالدین رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس مقام سے حصہ ملا ہے۔ اس سلسلہ عالیہ کے بزرگوں میں سے حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس اللہ سرہ الاقدس اور پہلے مشائخ میں سے حضرت معروف کرخی' امام داؤد طائی' حضرت خواجہ حسن بصری اور حضرت حبیب عجمی قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم المقدسہ بھی اسی مقام میں تھے۔

ان سب مقامات اور علوم و معارف کا حاصل و خلاصہ بعد اور بیگانگی ہے۔ علاج معالجہ سے کام گزر چکا ہے۔ جب تک پردے لٹکے ہوئے تھے انہیں اٹھانے کے لیے سعی اور اہتمام کی گنجائش تھی۔ اس وقت تو اس کی بزرگی اس کا حجاب ہے

فَلَا طَبِيْبَ لَهَا وَلَا رَاقِيْ!

اب نہ تو اس کا کوئی معالج ہے اور نہ جھاڑ پھونک کرنے والا۔

مگر نہایت ہی عجیب معاملہ ہے کہ کمال بے مناسبتی اور بیگانگی کا نام وصل و اتصال رکھا ہوا ہے۔ وہی کتاب یوسف زلیخا کا ایک بیت مناسب حال ہے ؎

در افگندہ دف ایں آوازہ از دوست
کزو بر دست دف کو با بود پوست

دف نے دوست کی طرف سے آواز بلند کر رکھی ہے۔ مگر اس دوست کی طرف سے دف بجانے والوں کے ہاتھوں میں سوائے ہاتھ کے پوست اور چمڑے کے اور کوئی شئے نہیں۔

شہود کہاں ہے' شاہد کون ہے' اور مشہود کیا ہے ؎ ع

"خلق را رو سے کے نماید او" (وہ مخلوق کو کب چہرہ دکھاتا ہے)

مالِلتراب ورب الارباب　　　یعنیٰ "چہ نسبت خاک را با عالم پاک"

فقیر خود کو بندۂ مخلوق بے قدرت تصور کرتا ہے اور اسی طرح تمام جہان کو خالق اور قادر اللہ تعالیٰ ہی کو جانتا اور مانتا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نسبت ثابت نہیں کرتا۔ ماسوا اللہ کو اس کا عین اور مرأۃ بننے کی کہاں گنجائش ہے ع

درکدام آئینہ درآید او
وہ کس آئینہ میں آسکتا ہے

فرقہ صحیحہ اہل سنت وجماعت کے علماء ظاہر اگر بعض اعمال میں کوتاہی کر جاتے ہیں لیکن ذات وصفات سے متعلق ان کے عقائد کی درستی کا جمال اس قدر نورانیت رکھتا ہے کہ ان کی کوتاہی اس نورانیت کے آگے مضمحل اور ناچیز ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس بعض صوفی ریاضات ومجاہدات کے باوجود چوں کہ ذات وصفات سے متعلقہ عقائد میں وہ درستی نہیں رکھتے تو علماء ظاہر جیسا جمال ونورانیت بھی نہیں رکھتے۔ علماء کرام اور دینی طلبہ کے ساتھ بہت محبت پیدا ہو چکی ہے۔ ان کی روش بہت اچھی لگتی ہے۔ فقیر آرزو کرتا ہے کہ علماء اور طلبہ علوم کے گروہ میں بیٹھا ہو اور (اصول فقہ کی آخری اور مشہور کتاب) تلویح کے مقدمات اربعہ کا کسی طالب سے تکرار کر رہا ہو۔ نیز (فقہ حنفی کی مشہور کتاب) ہدایہ کا تکرار بھی شروع کر رکھا ہو۔ اور یہ فقیر معیت اور احاطہ علمی کے مسئلہ میں علماء کے ساتھ شریک ہے۔

اسی طرح یہ فقیر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو نہ عین عالم جانتا ہے اور نہ عالم سے متصل، نہ عالم سے منفصل اور نہ عالم کے ساتھ اور نہ اس سے جدا، اور نہ محیط اور نہ سرایت کیے ہوئے ہے۔ اور تمام ممکن اشیاء یا ان کی صفات اور ان کے افعال کو مخلوق جانتا ہے اور یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ ممکنات کی صفات اس کی صفات ہیں، اور ان کے افعال اس کے افعال ہیں۔ بلکہ ہر شے کے افعال میں اسی ذات واحد کی قدرت کو مؤثر جانتا ہے ممکنات کی قدرت میں فی الحقیقۃ اثر نہیں جانتا۔ جیسا کہ حکماء اور متکلمین کا مذہب ہے۔

اسی طرح سات صفات حقیقیہ واجب تعالیٰ کو موجود جانتا ہے، اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو ہر شے کا ارادہ کرنے والا جانتا ہے۔ اور قدرت بمعنی صحت فعل اور ترک فعل بالیقین تصور کرتا ہے۔ قدرت بمعنی

ان شاء فعل وان لم یشاء لم یفعل　　　اگر چاہے کرے، اگر نہ چاہے نہ کرے

نہیں مانتا۔ کیونکہ جملہ شرطیہ ثانیہ ممتنع ہے۔ جیسا کہ بعض حکماء اور صوفیہ مانتے ہیں۔ کیونکہ اس معنی سے واجب تعالیٰ پر وجوب لازم آتا ہے۔ اور یہ لزوم تسلیم کرنا حکماء کے اصولوں کے موافق ہے۔ اور قضاء وقدر کے مسئلے کو علماء کے طور پر مانتا ہے۔ تو مالک کو اس بات کا کامل اختیار ہے کہ اپنی ملک میں جس طرح

چاہے تصرف کرے۔ اور قابلیت اور استعداد کا کچھ دخل نہیں مانتا کیونکہ اس سے بھی وجوب لازم آتا ہے۔ اور وہ سبحانہٗ و تعالیٰ مختار ہے، جیسا چاہے کرے۔ اسی طرح اور سب باتیں۔ چونکہ ان حالات کا عرض کرنا ضروری امور میں سے ہے، اس لیے ان کے عرض کرنے کی جرأت اور گستاخی کی ہے۔ ع

بندہ باید کہ حدِ خود داند

بندے کو چاہیے کہ اپنی حد کے اندر رہے

مکتوب نمبر (۹)

ان حالات کے بیان میں جو نیچے آنے کے مقام سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ مکتوب بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

بدقسمت، سیاہ رُو، کوتاہی میں مبتلا، بدخو، وقت و حال کے مغرور اور وصل و کمال کے فریب خوردہ کی عرضداشت، جس کا ہر کام مولیٰ کریم کی نافرمانی ہے۔ اور اس کا سارا عمل عزیمت اور اولیٰ کا ترک ہے، اپنے ظاہر کو آراستہ کر رکھا ہے اور خدا تعالیٰ کی نظارہ گاہ باطن کو خراب اور ویران کر رکھا ہے۔ اس کی ہمت نے ظاہر آرائی پر ہی کفایت کر رکھی ہے اور باطن ہمیشہ اس راستے سے رسوائی میں مبتلا ہے۔ اس کا قال حال کے منافی ہے، اور حال خواب و خیال پر مبنی ہے۔ اس خواب و خیال سے کیا حاصل ہو سکتا ہے اور ایسے قال و حال سے کیا عقدہ کشائی ہو سکتی ہے۔ بے نصیبی اور خسارہ نقدِ وقت ہے۔ غباوت و ضلالت ہاتھ میں ہے فساد و شرارت کا مبداء اور ظلم و معصیت کا منشا ہے۔ مختصر یہ کہ مجسمۂ عیوب اور مجمع ذنوب ہے۔ اس کی نیکیاں لعنت و رَدّ اور اس کی حسنات طعن و دفع کر دینے کے لائق ہیں۔

رُبَّ قارىءِ القراٰن والقراٰن يلعنهٗ	بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔

حدیث کا یہ مضمون اس کے حق میں گواہ عادل ہے۔

وكم من صائم ليس له من صيامه الا الظماء والجوع۔	کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنہیں روزہ سے سوا پیاس اور بھوک کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اس حدیث کا مضمون بھی اس کے حال پر شاہد صادق ہے۔ تو اس شخص پر افسوس جس کا یہ حال ہو، اور یہ مرتبہ اور یہ کمال اور یہ درجہ ہو۔ اس کا استغفار کرنا بھی اس کے گناہوں کی طرح گناہ ہے، بلکہ ان سے بدتر ہے اور

اس کی توبہ اس کے دوسرے معاصی کی طرح سراسر معصیت ہے۔ بلکہ ان سے قبیح تر۔ قبیح جو فعل کرتا ہے وہ بھی قبیح ہوتا ہے۔ ناچیز اس کا مصداق بن چکا ہے۔ ع

زگندم جو ز جو گندم نیاید

گندم سے جو اور جو سے گندم حاصل نہیں ہو سکتی

اس ناکارہ کا مرض ذاتی ہے' علاج پذیر نہیں' اور اس کی بیماری اصلی (پختہ) ہے۔ علاج کو قبول نہیں کرتی۔ جو چیز خلقت اور ذات میں داخل ہو وہ اس سے جدا نہیں ہو سکتی۔ ع

سیاہی از حبشی کے رود کہ خود رنگ است

حبشی سے سیاہی دور نہیں ہو سکتی' کیونکہ یہ اس کا طبعی رنگ ہے

کیا کیا جائے۔ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

ان سب خرابیوں کے باوجود اتنی بات ضرور ہے کہ خیر محض کے ساتھ ساتھ شر محض بھی چاہیے' تاکہ خیر کی حقیقت واضح ہو سکے۔ اشیاء ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ خیر و کمال کے ساتھ شر و نقص بھی چاہیے حسن و جمال کے لیے آئینہ درکار ہے' اور آئینہ شے کے مقابل ہوتا ہے۔ لہٰذا خیر کے لیے شر اور کمال کے لیے نقص کا آئینہ ضروری ہے۔ تو ہر وہ شے جس میں نقص و شرارت زیادہ ہو گی وہ خیر و کمال کی نمائندگی بھی زیادہ کرے گی۔ عجیب کاروبار ہے کہ ذم نے مدح کے معنی پیدا کر دیے اور یہ شرارت و نقصان خیر و کمال کا محل بن گیا۔ اسی وجہ سے مقام عبدیت تمام مقامات سے بلند ہے۔ کیونکہ یہ معنی مقام عبدیت میں اتم و اکمل ہے۔ محبوبوں کو ہی اس مقام سے مشرف کرتے ہیں' اور محب ذوق شہود سے لذت لیتے ہیں۔ بندگی میں لذت اور اس سے اُنس محبوبوں کے ساتھ خاص ہے۔ محبوں کا اُنس محبوب کے مشاہدہ سے ہے' مگر محبوبوں کو محبوب کی بندگی میں انس نصیب ہوتا ہے۔ اس اُنس میں سے اُس وقت ادید تصور تک پہنچاتے ہیں اور اس نعمت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ اس میدان میں یکہ دوڑانے والے شہسوار سرور دنیا و دین اور سید اولین و آخرین حبیب رب العالمین ہیں علیہ من الصلوات اتمها ومن التحیات اکملها۔ آپ کے علاوہ جسے چاہتے ہیں کہ اپنے فضل سے نوازیں تو اسے یہ دولت حضور کی کمال متابعت کی برکت سے عطا کرتے ہیں۔ اس کمال سے اسے موصوف کر دیتے ہیں اور اس متابعت کے ذریعہ بلند مقام تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم کا مالک ہے۔ (صوفی میں کمال شر کے پائے جانے سے مراد) شر و نقص کا علم ذوقی ہے۔ یہ مراد نہیں کہ وہ شر و نقص سے متصف بھی ہوتا ہے۔ اس علم والا متخلق باخلاق اللہ ہوتا ہے۔ یہ علم ذوقی بھی اُس

تعلق کے ثمرات میں سے ہے۔ ورنہ شرارت ونقص کی وہاں کیا گنجائش ہے۔ اس سے صرف علمی تعلق ہوتا ہے۔ یہ علم خیر محض کے شہود تام کے واسطے سے ہے۔ جو اس تمام خیر کے پہلو میں شر محض دکھائی دیتا ہے۔ اور یہ نفس مطمئنہ کے اپنے مقام پر نیچے اتر آنے کے بعد ہوتا ہے اسے یاد رکھو۔ ایسا شخص جب تک اپنے آپ کو زمین پر نہیں مارے گا اور اس کا کام یہاں تک نہیں پہنچے گا۔ اپنے مالک و مولیٰ جل شانہٗ کے کمال سے بے نصیب رہے گا۔ تو وہ شخص کیونکر بے نصیب نہیں رہے گا جو اپنے آپ کو عین مولیٰ خیال کرے اور اپنی صفات کو اس کی صفات تصور کرے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔ یہ تو اسماء و صفات واجب تعالیٰ میں کج روی کا راستہ ہے۔ اس عقیدہ کے لوگ

وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ — ان لوگوں سے الگ رہو جو اس کے ناموں میں الحاد کی راہ چلتے ہیں۔

میں داخل ہیں۔ یہ بات نہیں ہے کہ ہر وہ شخص جس کا جذبہ اس کے سلوک سے مقدم ہے وہ محبوبوں میں سے ہے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ محبوبیت کے لیے جذبے کا مقدم ہونا شرط ہے۔ اور یہ بات بھی ہے کہ ہر جذبہ میں محبوبیت کے کچھ معنی پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ جذب محبوبیت کے بغیر نہیں ہوسکتا لیکن اس قسم کی محبوبیت عارضی ہے، ذاتی نہیں۔ محبوبیت ذاتی بلاعلت ہے۔ جس طرح ہر منتہی کو آخر کار جذبہ میسر آجاتا ہے۔ لیکن یہ محبوں کے زمرہ میں ہی رہتا ہے (محبوبین کے زمرہ میں شامل نہیں ہوسکتا) عارضی طور پر اس میں محبوبیت کے معنی پیدا ہوجاتے ہیں۔ اور محبوبیت ذاتی کے لیے یہ معنی کافی نہیں۔ اور وہ معنی عارضی تزکیہ اور تصفیہ ہے۔ بعض مبتدی حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کے باعث اگرچہ بعض امور میں ہی اتباع ہو کسی حد تک اس معنی کو حاصل کر لیتے ہیں۔ بلکہ منتہی میں بھی اتباع ہی کا ہونا ضروری ہے اور بس۔ محبوبوں میں اس معنی (محبوبیت ذاتی فضلی) کا ظہور بھی آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع سے وابستہ ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہ معنی ذاتی بھی آپ کے ساتھ مناسبت ذاتی اور اس اسم کی بنا پر ہے جو اس کا رب ہے۔ اور اس اسم کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسم کے ساتھ مناسبت کی بنا پر ہے جو آپ کا رب ہے۔ اس وجہ سے یہ خصوصیت اس میں پیدا ہوئی ہے۔ اور وہاں سے یہ سعادت حاصل کی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ واللہ یحق الحق وھو یھدی السبیل۔

مکتوب نمبر (۱۰)

قرب و بُعد کے حصول اور فرق و وصل یعنی غیر مشہور اور اس سے مناسب بعض علوم کے بیان میں ـــــ یہ خط بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

حقیر ترین خادم کی عرضداشت یہ ہے کہ ایک مدت سے اس بلند آستانہ کے خادموں کے حالات سے کوئی اطلاع نہیں رکھتا۔ منتظر ہے ؎

عجبے نیست اگر زندہ شود جان عزیز
چوں ازاں یار جدا ماندہ پیامے برسد

کوئی عجب نہیں کہ اگر جان عزیز زندہ ہو جائے جب اس جدا شدہ دوست کا پیغام پہنچے۔

بندہ جانتا ہے کہ حاضر درگاہ ہونے کی دولت و نعمت کے لائق نہیں۔ ع

ایں بسکہ رسد ز دور بانگِ جرسم
یہ کافی ہے کہ دور ہی سے جرس (گھنٹی) کی آواز آتی رہے

عجیب کاروبار ہے۔ نہایت بُعد کا نام قرب رکھا ہوا ہے اور غایت فراق کو وصل و ملاقات کہا جاتا ہے۔ گویا فی الحقیقت اس کے ضمن میں قرب و وصال کی نفی کی طرف اشارہ ہے ؎

کیف الوصول الی سعاد و دونھا
قلل الجبال و دونھن خیوف

سعاد (معشوقہ) کا وصل کیسے نصیب ہو سکتا ہے۔ حالانکہ میرے اور اس کے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور ان چوٹیوں تک پہنچنے سے پہلے دشوار گزار نشیب و فراز واقع ہیں۔ تو حزن ابدی اور فکر دائمی دامنگیر ہو چکا ہے۔

مراد کو بھی آخرالامر مرید کے ارادہ سے مرید ہونا پڑتا ہے۔ اور محبوب کو بھی محب کی محبت میں محب بننا پڑتا ہے۔ دین و دنیا کے سردار علیہ من الصلوات اکملہا و من التحیات افضلہا مرادیت اور محبوبیت کے مقام کے باوجود محبین اور مریدین میں سے تھے۔ اسی لیے آپ کے حال کی یوں خبر آئی ہے کہ:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواصل الحزن دائم الفکر

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ غمگین اور متفکر رہتے تھے۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود فرمایا:

مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ کسی نبی کو اتنی اذیت نہیں پہنچائی گئی جتنی مجھے پہنچائی گئی ہے۔

محب لوگ تو محبت کا بوجھ اُٹھا سکتے ہیں۔ محبوبوں کے لیے اس بوجھ کا اٹھانا دشوار ہے۔ یہ قصہ بڑا دراز ہے۔ ع

قِصَّةُ الْعِشْقِ لَا انْفِصَامَ لَهَا

قصہ عشق ختم نہیں ہو سکتا

اس عرضداشت کا حاصل وخلاصہ یہ ہے کہ شیخ اللہ بخش قدرے جذب ومحبت رکھتا ہے مجبور کر کے یہ چند کلمات آپ کے خادموں کی طرف لکھوائے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ ملازمت کا شوق ظاہر کر کے ان حدود کی طرف متوجہ ہوا ہے۔ اول کچھ مخصوص ارادوں کا اظہار کیا مگر میری طرف سے ان کے متعلق عدم دلچسپی محسوس کر کے اب صرف ملاقات پر راضی ہو گیا ہے۔ اور یہ چند کلمات لکھوائے۔ زیادہ گستاخی ادب سے دور ہے۔

مکتوب نمبر (۱۱)

بعض مکاشفات، اپنے قصور دیکھنے کے مقام کے حصول اور تمام اعمال واقوال میں اپنے آپ کو عیب ناک جاننے اور شیخ ابوسعید ابوالخیر کے اس کلام "عین نمی ماند اثر کجا ماند" کے راز کے ظاہر ہونے اور بعض دوستوں کے حالات کے بیان میں ——— یہ مکتوب بھی اپنے پیر بزرگوار کو لکھا۔

کمترین غلام، احمد کی عرضداشت یہ ہے کہ جس مقام میں ناچیز نے اپنے آپ کو پہلے دیکھا تھا آپ کے حکم عالی کے مطابق جب دوبارہ اس کا ملاحظہ کیا تو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عبور اس مقام میں دکھائی دیا۔ مگر چونکہ اس مقام میں قیام واستقرار نہ تھا اس وجہ سے پہلی دفعہ نظر نہ پڑے۔ جس طرح ائمہ اہل بیت میں سے سوائے امامین کریمین اور امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس میں استقرار نہ رکھتے تھے۔

اور وہ جو پہلی دفعہ اپنے آپ کو اس مقام کے مناسب نہ پایا، یہ بے مناسبتی دو طرح کی ہے۔ ایک تو یہ کہ طریقوں میں سے کسی طریقہ کے ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے بے مناسبتی طاری ہوتی ہے۔

جب اس طرف راستہ دکھا دیتے ہیں تو وہ بے مناسبتی ایک طرف کو ہٹ جاتی ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جسے بے مناسبتی مطلق کہتے ہیں۔ یہ کسی طرح بھی قابلِ زوال نہیں ہے۔ اور وہ راستے جو اس مقام تک پہنچاتے ہیں صرف دو ہیں۔ تیسرا کوئی راستہ نہیں۔ یعنی نظر میں ان دو طریقوں کے علاوہ اور کوئی طریقہ ظاہر نہیں ہوتا۔

ایک تو اپنے نقص اور قصور کو دیکھنا اور خیرات اور نیک کاموں میں اپنے آپ کو متہم اور عیب ناک تصور کرنا ہے۔

دوسرا اس شیخ کامل مکمل مجذوب کی صحبت ہے جس نے سلوک مکمل کر لیا ہو۔

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ کی عنایت و مہربانی کی طفیل پہلا راستہ بقدر استعداد عنایت فرما دیا ہے۔ چنانچہ کوئی عمل اعمال خیر میں سے واقع نہیں ہوتا مگر ناچیز اپنے آپ کو اس میں متہم اور عیب ناک تصور کرتا ہے۔ جب تک کسی طرح سے اپنے آپ پر تہمت اور عیب نہیں رکھتا بے قرار اور بے آرام ہوتا ہے۔ اپنے خیال میں یہ جانتا ہے کہ اپنے سے کوئی بھی ایسا عمل صادر نہیں ہوتا جو نیکیاں لکھنے والے فرشتوں کے لکھنے کے قابل ہو۔ اور ایسا جانتا ہے کہ نیکیوں کا اعمال نامہ اعمال خیر سے خالی ہے اور انہیں لکھنے والے کراماً کاتبین معطل اور بے کار ہیں۔ خدائے جل و علا کے لائق ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جو کچھ جہان میں ہے، حتیٰ کہ کافر فرنگ اور ملحد زندیق، سب کو اپنے سے کئی اعتبار سے بہتر جانتا ہے اور ان سب سے بدترین خیال کرتا ہے۔ اور جذبے کی جہت سے اگرچہ سیر الی اللہ مکمل اور تمام ہو چکی ہے لیکن اس کے بعض لوازم اور توابع باقی تھے جو اس فنا کے ضمن میں جو سیر فی اللہ کے مرکز کے مقام میں واقع ہوئی ہے تمام اور مکمل ہو گئے ہیں۔ اور اس فنا کے حالات اس سے پہلی عرضداشت میں تفصیلاً لکھ دیے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ حضرت خواجہ احرار رحمۃ اللہ علیہ نے اس فنا کو نہایت کام جو کہا ہے اس سے مراد وہی فنا ہو جو تجلی ذات اور سیر فی اللہ کے تحقق و وجود کے بعد متحقق ہوتی ہے۔ اور ارادے کی فنا بھی اسی فنا کے شعبوں میں سے ہو۔

ہیچکس را تا نگردد او فنا ‎ ‎ ‎ ‎ نیست رہ در بارگاہِ کبریا

کوئی شخص بھی جب تک فنا نہ ہو بارگاہِ خداوندی کی طرف اسے راستہ نہیں مل سکتا۔

اور اس مقام سے مناسبت نہ رکھنے والے دو گروہ بھی نظر میں ہیں:

ایک جماعت اس مقام کی طرف متوجہ اور وصول کے راستے کی متلاشی ہے۔ اور ایک گروہ اس مقام کی طرف کچھ التفات اور توجہ نہیں رکھتا۔ اس مقام تک وصول کے طریقوں میں سے طریقہ دوم

آپ کی توجہ سے زیادہ ظاہر ہوتا ہے اور مناسبت بھی اسی طریقہ سے محسوس کرتا ہے۔ چونکہ آپ کی جانب سے مامور تھا اس لیے تعمیل حکم کے طور پر بعض امور کے بیان میں جرأت و گستاخی کی ہے۔ ورنہ ع

من ہماں احمد پارینہ کہ ہستم ہستم

میں وہی پرانا احمد ہوں جو تھا۔

دوسری عرض یہ ہے کہ اس مقام کو دوبارہ ملاحظہ کرنے سے کچھ اور مقامات اوپر نیچے ظاہر ہوئے۔ عاجزی اور شکستگی کے ساتھ توجہ کرنے کے بعد جب اس مقام پر جو مقام سابق سے فوق اور اوپر تھا پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام ہے۔ اور دوسرے خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی اس مقام سے عبور حاصل ہو چکا ہے۔ اور یہ مقام بھی تکمیل و ارشاد کا مقام ہے اسی طرح اوپر دو اور مقام بھی جن کا ابھی ذکر ہوگا۔ اور اس مقام سے اوپر ایک مقام دکھائی دیا۔ جب اس مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا مقام ہے۔ اور دوسرے خلفاء کو بھی اس مقام سے عبور حاصل ہو چکا ہے۔ اور اس مقام سے بھی اوپر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام ظاہر ہوا۔ اس مقام تک بھی پہنچنا نصیب ہوا۔ اور مشائخ میں سے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کو ہر مقام میں اپنے ساتھ پایا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے خلفاء کو بھی اس مقام سے عبور واقع ہو چکا ہے۔ فرق صرف عبور اور قیام اور گذرنے اور ٹھہرنے کا ہے۔ اور اس سے اوپر کوئی مقام محسوس نہیں ہوتا سوائے حضرت رسالت خاتمیت کے مقام کے علیہ من الصلوات انمہا و من التحیات اکملہا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام کے بالکل مقابل ایک اور مقام ظاہر ہوا جو نہایت ہی نورانی تھا۔ ایسا نورانی مقام کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام سے کچھ بلند تھا جس طرح چبوترے کو زمین سے قدرے بلند بناتے ہیں۔ اور معلوم ہوا کہ وہ مقام مقام محبوبیت ہے۔ اور یہ مقام رنگین اور منقش تھا۔ میں نے اس کے پرتو سے اپنے آپ کو بھی رنگین اور منقش پایا۔

اس کے بعد اسی کیفیت میں اپنے آپ کو لطیف پایا اور ہوا کی طرح یا قطعہ بادل کی طرح آفاق میں منتشر دیکھا اور بعض کناروں کو پکڑے ہوئے پایا۔ اور حضرت خواجہ بزرگ (شاہ نقشبند بخاری قدس سرہ) صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام میں اپنے آپ کو ان کے مقام کے مقابل پاتے ہیں۔ اس کیفیت کے مطابق جو عرض کی گئی ہے۔

دوسری عرض یہ ہے کہ تلقین و ارشاد کو ترک کر دینا اچھا نہیں لگتا۔ اور یہ بات اچھی بھی کیسے لگ سکتی

ہے جس طرح سارا عالم گرداب ضلالت و گمراہی میں غرق ہو رہا ہو۔ ایک شخص اگر اپنے اندر انہیں نکالنے کی قوت و طاقت رکھتا ہو تو کیسے بری الذمہ تصور کر سکتا ہے۔ اگرچہ دوسرے کاموں کی بھی مشغولیت ہے مگر وعظ و ارشاد میں مشغول رہنا بھی ضروری اور پسندیدہ ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ دوران عمل جو وساوس و خطرات پیش آتے ہیں ان سے توبہ و استغفار لازم رکھے۔ اس شرط کے ملحوظ رکھنے سے رضا کے دائرہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ اس شرط کو ملحوظ نہ رکھنے کی صورت میں رضا میں داخل نہیں ہو سکتا بلکہ نیچے تہ میں ہی کھڑا رہتا ہے۔ لیکن حضرت خواجہ نقشبند اور حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما کے بارے میں اس شرط کے لحاظ کے بغیر ہی پسندیدگی ہے۔ اور اس (مجدد صاحب) کم درجہ حال کا عمل اس شرط کے لحاظ کے بغیر داخل ہوتا ہے اور کبھی نیچے تہ میں کھڑا رہتا ہے۔

ایک اور عرض یہ ہے کہ کتاب نفحات الانس (مصنفہ مولانا جامی قدس سرہٗ) میں حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں آیا ہے کہ "عین نمی ماند اثر کجا ماند" (عین باقی نہیں رہتی تو اثر کیسے باقی رہ سکتا ہے) لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ۔ آتش عشق کسی شے کو باقی نہیں چھوڑتی۔ یہ بات پہلی نظر میں تو مشکل محسوس ہوئی۔ کیونکہ حضرت شیخ محی الدین اور ان کے متبعین اس بات پر ہیں کہ کسی معلوم چیز کا اللہ تعالیٰ کے معلومات میں سے زائل ہو جانا محال ہے۔ ورنہ واجب تعالیٰ کے لیے علم کے بجائے جہل لازم آئے گا۔ اور ذات ہی زائل نہ ہو تو اثر کہاں جائے گا۔ اسی طور پر یہ بات ذہن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر رضی اللہ عنہ کے کلام کے مفہوم کا عقدہ حل نہیں ہو رہا۔ لیکن کامل توجہ کے بعد حق تعالیٰ نے اس کلام کا راز بھی منکشف کر دیا اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ نہ ذات رہتی ہے اور نہ اثر۔ اور میں نے اپنے اندر بھی یہی معنی پایا، اور کوئی مشکل باقی نہیں رہی۔ اس معرفت کا مقام بھی دکھائی دیا۔

یہ نہایت ہی بلند مقام ہے جو حضرت شیخ اور ان کے متبعین کے بیان سے بھی اونچا ہے۔ یہ دو باتیں باہم مختلف اور متناقض نہیں بلکہ دونوں الگ الگ جگہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کو تفصیل سے بیان کرنا طوالت اور رنج و ملال کا باعث ہے۔

اور حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کے دوام اور ہمیشگی کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا بھی پتہ چلا کہ بات سے کیا مراد ہے اور دوام سے کیا مراد ہے۔ اور اپنے اندر بھی یہ کیفیت دائماً محسوس کرتا ہے۔ اگرچہ یہ بات نوادرات سے ہے۔

ایک گزارش یہ ہے کہ کتاب دیکھنے کو طبیعت بالکل نہیں چاہتی۔ ہاں اکابر کے مقامات و مراتب

عالیہ اگر کسی جگہ درج ہوں تو انہیں دیکھنے سے طبیعت بہت خوش ہوتی ہے۔ مشائخ متقدمین کے حالات بڑے مرغوب ہیں۔ حقائق و معارف سے متعلق کتابیں علی الخصوص توحید اور تنزلات مراتب سے متعلق مضامین کا مطالعہ نہیں کر سکتا۔ بندہ اپنے آپ کو اس باب میں حضرت شیخ علاؤ الدولہ رحمۃ اللہ علیہ سے بہت مناسبت پاتا ہے۔ اور اس مسئلہ میں ذوق و حال کے اندر شیخ مذکور علیہ الرحمۃ سے متفق ہے لیکن اس سلسلہ میں سابق علم اس کام کی طرف اور اس بارہ میں شدت کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ بعض امراض کے دفع کرنے کی توجہ کی گئی اور اس کا اثر بھی ظاہر ہوا۔ اسی طرح بعض فوت شدگان جو عالم برزخ سے تعلق رکھتے ہیں کے حالات بھی ظاہر ہوئے۔ ان کے عالم برزخ کے آلام و شدائد کے رفع کرنے کے لیے توجہ کی گئی۔ لیکن اب توجہ پر قدرت نہیں۔ صورت حال یہ ہے کہ آج کل میں کسی ایک کام پر بھی اپنے آپ کو جمع اور حاضر نہیں کر سکتا۔ لوگوں کی کچھ سختیاں فقیر پر گزری ہیں اور مجھے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا ہے۔ اور مجھ سے تعلق رکھنے والے بہت سے لوگوں کو ناحق خرابی و بربادی میں ڈالا ہے اور جلاوطن کیا ہے۔ اس کے باوجود دل پر اس سے ذرا سا غبار یا بے چینی تک محسوس نہیں ہوئی۔ دل میں ان کے متعلق برائی کا گزرنا تو بہت دور ہے۔

بعض دوستوں نے اس مقام جذبہ سے شہود و معرفت حاصل کی ہے لیکن اب تک انہوں نے سلوک میں قدم نہیں رکھا۔ ان کے کچھ حالات بھی عرض خدمت کیے ہیں۔ امید ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ جذبہ کے پہلو کی تکمیل کے بعد انہیں دولتِ سلوک سے بھی مشرف کرے گا۔

شیخ نور اسی مقام میں بند ہے۔ نقطۂ فوق تک جو مقام جذبہ سے تعلق رکھتا ہے ابھی تک نہیں پہنچا۔ حرکات و سکنات سے آنا رہتا ہے۔ خرابی اور قباحت کو محسوس نہیں کرتا تو بے اختیار اس کا کام توقف اور رکاوٹ کا شکار رہتا ہے۔ اسی طرح اور بہت سے دوست بھی جو آداب کی رعایت ملحوظ نہیں رکھتے ان کا کام بھی توقف میں پڑا رہتا ہے۔ اس بارے میں حیران ہے کہ میری طرف سے کوئی ارادۂ توقف نہیں، بلکہ ان کی ترقی کا ارادہ ہے۔ بے اختیار کام میں رکاوٹ واقع ہو جاتی ہے۔ ورنہ قرب کا راستہ بہت قریب ہے۔

مولانا مسعود نیچے کے نقطے تک نیچے پہنچ چکے ہیں۔ جذبہ کے کام کو انجام تک پہنچا دیا ہے، اور اس مقام کی نہایت تک پہنچ گئے ہیں اور فوق کو بھی من وجہ نہایت تک لے گئے ہیں۔ پہلے تو صفات [illegible] سے ساتھ صفات قائم ہیں اپنے سے جدا محسوس کیا اور اپنے آپ کو شیخ فانی پایا۔ پھر [illegible] سے [illegible] دیکھا اور احدیت کی [illegible] نیچے مقام پر پہنچے۔ اب میرے حال اور

اپنے حال کو اس قدر گم کر چکا ہے کہ نہ احاطہ کا قائل ہے اور نہ معیت کا۔ خیال کو بعض بطون (مرتبہ وحدت صرفہ) کی طرف متوجہ کر لیا ہے کہ حیرت اور نادانی کے سوا کچھ ہاتھ میں نہیں رکھتا۔

اور سید شاہ حسین بھی مقام جذبہ کے ذریعہ آخری نقطہ تک پہنچ گیا ہے اور ان کا سیر آخری نقطہ تک پہنچ چکا ہے۔ اسی طرح صفات کو ذات سے جدا دیکھا۔ لیکن ذات احد کو ہر جگہ پاتا ہے اور ظہور سے مخلوط ہوتا ہے۔

اسی طرح میاں جعفر بھی آخری نقطہ کے قریب پہنچ چکا ہے اور بہت شوق و ولولہ ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بھی شاہ حسین کے قریب ہے۔ دوسرے دوستوں میں بھی فرق و تفاوت ظاہر ہوتا ہے۔

میاں شیخی اور شیخ عیسیٰ اور شیخ کمال جذبہ میں نقطہ فوق تک پہنچ گئے ہیں۔ شیخ کمال بھی نزول کی طرف متوجہ ہے۔ اور شیخ ناگوری بھی نقطہ فوق کے نیچے آ چکا ہے لیکن ابھی کافی مسافت درپیش ہے۔ اور اس جگہ کے دوستوں میں سے اس وقت تک آٹھ یا نو بلکہ دس افراد نقطہ فوق کے نیچے آ چکے ہیں۔ بعض نقطہ سے واصل ہو چکے ہیں اور نزول کی طرف رُخ کر [illegible] ہیں۔ اور کچھ قریب ہیں اور کچھ ابھی دور ہیں۔

میاں شیخ مزمل اپنے کو گم پاتا ہے اور صفات کو اصل سے دیکھتا ہے۔ اور مطلق کو تمام جگہوں میں پاتا ہے۔ اور اشیاء کو سراب کی طرح بے اعتبار جانتا ہے۔ بلکہ کچھ بھی نہیں پاتا۔

مولانا معمود کے متعلق ایسا خیال ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اگر لوگوں کو تعلیم دینا شروع کر دیں تو یہ ایک پسندیدہ بات ہے۔ لیکن [illegible] اجازت جو مقام جذبہ سے مناسبت رکھتی ہے۔ اگرچہ بعض امور ابھی رہتے ہیں ان کا استفادہ اور حصول ہونا چاہیے۔ لیکن اس نے جانے میں جلدی کی توقف نہ کیا۔ حضور اقدس کی خدمت میں آ رہا ہے۔ جو مناسب جانیں اس کا حکم فرما دیں۔ اس کمینہ کے علم میں جو کچھ تھا عرض کر دیا ہے۔ اصل حکم آپ کا ہے۔

خواجہ ضیاء الدین محمد چند روز یہاں رہے۔ قدرے حضور اور جمعیت قلب پیدا کر لی تھی۔ آخر کار اسباب معاش کی قلت کی بنا پر یہاں رہنے میں اپنا خاطر جمع نہ رکھ سکے اور فوج کی ملازمت کی طرف متوجہ ہو گئے۔

مولانا شیر محمد کا بھی ملازمت کی طرف میلان رکھتا ہے۔ قدرے حضور جمعیت قلب اسے بھی حاصل ہے۔ بعض رکاوٹوں کے باعث خاص ترقی نہیں کر سکا۔ زیادہ گفتگو گستاخی ہے۔ ع

بندہ باید کہ حدِ خود داند!

غلام کو اپنی حد کے اندر رہنا چاہیے

اس یادداشت کے بعد ایک اور کیفیت رونما ہوئی۔ اور ایک حال پیش آیا۔ تحریراً جس کے بیان

کی گنجائش نہیں ہے۔ اس جگہ ارادے کی فنا متحقق ہوئی۔ جس طرح سابقاً مرادوں سے ارادے کا تعلق بظاہر تھا ایسا ہی ہوا۔ مگر اصل ارادہ ابھی باقی تھا جیسا کہ عرضداشت میں عرض کیا جا چکا ہے۔ اب ارادے کی بھی بیخ کنی ہو گئی ہے۔ اب نہ تو کوئی مراد ہے نہ ارادہ۔ اور اس فنا کی صورت بھی دکھائی دی۔ اور بعض علوم جو اس مقام سے مناسبت رکھتے تھے وہ بھی فائض اور وارد ہوئے۔ ان علوم کے دقیق اور مشکل ہونے کے باعث چونکہ انہیں تحریر میں لانا مشکل تھا اس لیے اشہب قلم کی باگ ان علوم سے پھیر لی ہے۔ اس فنا کے تحقق اور علوم عطا کیے جانے کے وقت ایک خاص نظر وحدت سے اوپر بھی پہنچی۔ اگرچہ یہ بات طے شدہ ہے کہ وحدت سے اوپر کوئی نظر نہیں جا سکتی۔ بلکہ اس سے اوپر کوئی نسبت نہیں لیکن بندہ کو جو کچھ پیش آتا ہے عرض خدمت کرتا ہے۔ اور جب تک یقین نہ ہوا لکھنے کی جرأت نہ کی۔

اور اس مقام کی صورت کو وحدت سے اوپر اس طرح دیکھتا ہے جس طرح آگرہ دہلی سے آگے ہے۔ اور اس راہ میں کچھ شک و شبہ نہیں پاتا۔ اگرچہ نظر میں نہ وحدت ہے نہ اس سے اوپر کوئی شے اور نہ کوئی مقام جسے حقیقت کے عنوان سے جان سکے، یا حق کو اس سے اوپر تصور کرے۔ حیرت و جہل پورے طور پر موجود ہیں۔ اور اس دید سے کچھ فرق نہیں پڑا۔ میں نہیں جانتا کہ کیا عرض کروں۔ سب تناقض در تناقض ہے۔ معاملہ گفتگو میں نہیں آ سکتا اور حال بے شبہ متحقق اور موجود ہے۔ میں اللہ کے حضور میں استغفار کرتا ہوں اور قول، فعل، خیال اور نظر میں سے ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔

نیز اس وقت یہ معلوم ہوا ہے کہ قبل ازیں میں جو صفات کا فنا جانتا تھا وہ درحقیقت صفات کا فنا نہیں بلکہ خصوصیات صفات اور ما بہ الامتیاز کی فنا تھی جو وحدت میں مندرج تھی، اور خصوصیات زائل ہو جاتی ہیں۔ اب اصل صفات ایک دوسری میں خلط اور درج ہو کر ایک طرف ہو گئی ہیں۔ اب احدیت کے غلبہ نے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا۔ اور وہ تمیز جو مرتبہ علم اجمالی یا تفصیلی میں حاصل تھی، باقی نہیں رہی۔ اور نظر مکمل طور پر خارج پر آ چکی ہے۔ اللہ کی ذات تھی اور اس کے ساتھ کچھ نہ تھا۔ اور وہ اب بھی ایسا ہی ہے جیسا پہلے تھا۔ اور اب علم حال کے مطابق ہو چکا ہے۔ پہلے اس مضمون کا صرف علم تھا، حال نہیں تھا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ درستی یا خرابی پر متنبہ فرمائیں گے۔

دوسری بات یہ نظر آتی ہے کہ جس طرح مولانا قاسم علی کو مقام تکمیل میں حصہ ہے اسی طرح یاروں کے اور دوستوں کا حصہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

مکتوب نمبر (۱۲)

مقام فنا و بقا کے حصول اور ہر شے کے وجہ خاص کے ساتھ حصول اور سیر فی اللہ کی حقیقت اور تجلی ذاتی برقی وغیرہ کے بیان میں ــــــ یہ مکتوب بھی اپنے مرشد بزرگوار کو لکھا۔

کمترین غلام احمد درگاہ عالی میں عرض کرتا ہے کہ اپنی تقصیرات کیا عرض کرے۔ جو اللہ نے چاہا وہ ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

وہ علوم جو مقام فنا اور بقا باللہ سے تعلق رکھتے تھے حق سبحانہ کی مہربانی سے منکشف ہو چکے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہر شے کی وجہ خاص کیا ہے۔ اور سیر فی اللہ کس معنی میں ہے۔ اور تجلی ذاتی برقی کسے کہتے ہیں۔ اور محمدی المشرب کون ہوتا ہے۔ اور اسی طرح کے اور علوم۔ اور ہر مقام میں اس کے لوازم و ضروریات بھی دکھلاتے ہیں۔ اور کم ہی ایسی شے باقی رہی ہے جس کا اولیاء اللہ نے نشان بتلایا ہے اور جو انہیں راہ میں پیش آتی ہے مجھے نہ دکھائی گئی ہو۔ جو مقبول ہوتا ہے بلا علت اور بلا سبب ہی مقبول ہوتا ہے۔ اور جس طرح ذوات اشیاء کو مجعول و مخلوق جانتا ہے ان کی اصل قابلیتوں اور استعدادوں کو بھی مصنوع و مخلوق ہی جانتا ہے۔ خدا تعالیٰ قابلیت کے تابع نہیں۔ اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی شے اس پر حاکم ہو۔ زیادہ گستاخی نہ کی۔ ع

بندہ باید کہ حد خود داند

بندے کو چاہیے کہ اپنی حد میں رہے

مکتوب نمبر (۱۳)

راہ عرفان کی بے نہایتی اور علوم حقیقت کے علوم شریعت کے مطابق ہونے کے بیان میں ــــــ یہ مکتوب بھی اپنے پیر بزرگوار کو لکھا۔

کمترین غلام احمد عرض کرتا ہے اس راہ کی بے نہایتی پر آہ ہزار آہ۔ اس جلدی سے سیر اور اس قدر واردات اور عنایات! نہایت ہی حیرانی کی بات ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق

مشائخ عظام نے فرمایا ہے کہ سیر الی اللہ پچاس ہزار سال کا راستہ ہے۔

تعرج الملئکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ — چڑھتے ہیں ملائکہ اور روح اس کی طرف ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔

اس آیت میں شاید اسی طرف اشارہ ہے۔ جب کام ناامیدی کو پہنچا اور تمام امیدیں منقطع ہو گئیں تو:

ھوالذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا وینشر رحمتہٗ — وہی ذات ہے جو ناامیدی کے بعد بارش برساتی ہے اور اپنی رحمت بکھیر دیتی ہے۔

تو اس نے کام بنا دیا۔

چند روز ہوئے ہیں کہ اشیاء میں سیر واقع ہوئی ہے۔ رشد و ہدایت کے طالبوں نے پھر غلو اور زور دینا شروع کر دیا ہے۔ لہٰذا قدرے ان کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس وقت تک اپنے آپ کو رشد و تکمیل کے قابل نہیں پاتا۔ لیکن لوگوں کے اصرار کے باعث بتقاضائے مروت و حیا کچھ نہیں کہتا۔ مسئلہ توحید وجودی میں جیسا کہ سابقاً متوقف و متردد تھا جیسا کہ مکرر عرض کیا جا چکا ہے اور افعال و صفات کو اصل سے ملاتا تھا۔ جب حقیقت حال معلوم ہو گئی وہ توقف اور تردد اب ختم ہو گیا ہے اور ہمہ از وست کا پلہ بھاری ہو چکا ہے۔ یافت اور کمال کو اس میں بہت پایا ہے۔ مقولہ ہمہ اوست اور افعال و صفات کو اور رنگ میں معلوم کیا ہے۔ ہر ایک ایک سے گزار کر آگے اوپر کی طرف لے گئے ہیں۔ اور ہر طرح کا شبہ بالکلیہ زائل ہو گیا ہے۔ تمام مکاشفات ظاہر شریعت کے مطابق ہو چکے ہیں۔ بال برابر ظاہر شریعت سے مخالفت نہیں رکھتے۔ بعض صوفیہ جو خلاف ظاہر شریعت مکاشفے بیان کرتے ہیں، یہ بات یا تو سہو و فراموشی کے باعث ہے یا سُکر کی بنا پر۔ ورنہ باطن ظاہر کے ہرگز مخالف نہیں۔ راستے کے دوران مخالفت محسوس ہوتی ہے اور جمع اور توجیہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ حقیقۃً انتہاء کو پانے والا باطن کو ظاہر شریعت کے مطابق پاتا ہے۔

علماء اور ان بزرگواروں کے درمیان صرف اسی قدر فرق و تفاوت ہے کہ علماء دلیل اور علم سے جانتے ہیں، اور یہ بزرگ اسی شے کو کشف و ذوق سے پا لیتے ہیں۔ اور ان کے صحت حال پر اس مطابقت سے بڑی اور کوئی دلیل نہیں ہو سکتی:

یضیق صدری ولا ینطلق لسانی — میرا سینہ تنگی محسوس کرتا ہے، اور میری زبان نہیں چلتی۔

نقد وقت ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کیا عرض کروں۔ بعض احوال کو لکھ کر رکھنے کی توفیق نہیں پاتا اور آپ کی خدمت میں عرض کرنے کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ شاید اس میں کوئی حکمت ہو۔ اس محروم جدا ماندہ کو غریب پروری کی توجہ سے محروم نہ رکھیں اور راہ میں ہی نہ چھوڑ دیں ؎

این سخن را چوں تو مبدا بودۂ   گر فزوں گردد تو اش افزودۂ

اس بات کا محل آغاز آپ ہی بنے ہیں۔ لہٰذا یہ اگر دراز ہو جائے تو اس کے دراز کرنے والے آپ ہی ہیں

زیادہ گستاخی نہ کی۔ ع

بندہ باید کہ حد خود داند

بندے کو چاہیے کہ اپنی حد کو پہچانے

مکتوب نمبر (۱۴)

ان واقعات کے حاصل ہونے میں جو دوران راہ پیش آتے ہیں اور بعض چاہتوں کے حالات کے بیان میں ـــــ یہ مکتوب بھی اپنے مرشد بزرگوار کو لکھا۔

کمترین غلام احمد کی عرضداشت یہ ہے کہ وہ تجلیات جو مخلوقات کے مراتب میں ظاہر ہوئی تھیں ان کا کچھ حصہ گزشتہ عرضداشت میں عرض کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد مرتبۂ وجوب جو تمام صفات کا جامع ہے، ظاہر ہوا اور بد صورت سیاہ رنگ عورت کی شکل میں سامنے آیا۔ اس کے بعد مرتبہ احدیت دراز قد مرد کی شکل میں نمودار ہوا، جو کشادہ اور چھوٹی دیوار پر کھڑا ہو۔ اور یہ دونوں تجلیات حقانیت کے عنوان میں ظاہر ہوئیں بخلاف پہلی تجلیات کے، کہ وہ دوسرے عنوان میں ظاہر ہوئیں۔

اسی اثنا میں موت کی آرزو پیدا ہوئی اور یوں نظر میں آیا کہ گویا میں ایک شخص ہوں جو تمام زمین کا احاطہ کیے ہوئے دریا کے کنارے کھڑا ہے، اس ارادے سے کہ اپنے آپ کو اس میں پھینک دے۔ لیکن ایسا بھی محسوس کیا کہ اسے پیچھے سے مضبوط رسی سے باندھا ہوا ہے کہ دریا میں گر نہیں سکتا۔ اور وہ رسیاں بدن عنصری کے ساتھ تعلق سے عبارت ہے۔ اور میں نے آرزو کی کہ رسیاں ٹوٹ جائیں، اور ایک خاص کیفیت بھی رونما ہوئی کہ اس وقت ذوق کے طور پر جانا کہ سوائے حق سبحانہ کے کوئی حاجت نہیں رہی۔ اس کے بعد صفات کلیہ وجوبیہ جو اپنے جائے نزول اور مظاہر خصوصیات کے اعتبار سے ظاہر نہیں نظر پڑیں۔

اس کے بعد وہ تمام خصوصیات نیچے چلی گئیں اور الکلیۃ الوجوبیہ کے عنوان کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ اور ان کے خصوصیات سے خالی ہونے کی حالت بھی دکھائی دی۔ اور اس وقت معلوم ہوا کہ اب درحقیقت صفات کو اصل کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ اور خصوصیات سے خالی ہونے سے پہلے صفات کو اصل کے ساتھ ملانے کا کچھ معنی نہیں تھا۔ مگر مجازی طور پر۔ جس طرح کہ تجلی صوری والوں کا حال ہے۔ اور حقیقی فنا اس وقت متحقق ہوئی۔

اس حالت کے موجود ہونے کے بعد اپنے اور دوسروں میں پائی جانے والی صفات سب کو ایک ہی طرح پر پایا اور مقامات کا امتیاز اٹھ گیا۔ اس وقت شرک خفی کے بعض باریک اور دقیق اقسام سے بھی خلاصی اور نجات میسر آگئی۔ اس وقت نہ عرش رہا نہ فرش۔ نہ زمان رہا نہ مکان، اور نہ ہی جہات اور حدود۔ اگر سالہا سال غور کرتا رہوں تو بھی یہ بات ہرگز علم میں نہیں آتی کہ عالم کا ایک ذرہ بھی پیدا اور مخلوق ہوا ہے۔

اس کے بعد اپنا تعین نظر آیا اور اپنی وجہ خاص بھی نظر آئی۔ اپنا تعین تو بوسیدہ اور پارہ پارہ کپڑے کی شکل میں جسے کسی شخص نے پہن رکھا ہو دکھائی دیا۔ اور میں نے اس شخص کو وجہ خاص جانا لیکن یہ حقانیت کے عنوان سے متصور نہ ہوا۔

اس کے بعد اس شخص کے نزدیک ہی باریک چمڑا نظر آیا۔ میں نے اپنے آپ کو عین وہ چمڑا محسوس کیا اور اس تعین کے کپڑے کو اپنے سے الگ دیکھا۔ اور وہ نور جو اس چمڑے میں تھا نظر آیا۔ ایک گھڑی بعد وہ نور نظر سے غائب ہوگیا اور یہ پوست اور کپڑا بھی نظر سے اوجھل ہو گئے۔ اور وہی پہلی جہالت ہی باقی رہ گئی۔

اس واقعہ مذکورہ کی صورت جو علم میں آئی عرض کرتا ہے، تاکہ اس کی صحت وسقم معلوم ہو جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ صورت مذکورہ صورت علمیہ ہے۔ جس طرح وجوب اور امکان کے درمیان واسطہ۔ کہ اس کی ہر طرف ایک دوسری سے الگ ہے اور درمیان میں مکمل اور پورا فرق موجود ہے۔ اور وہ پوست (چمڑا) جو اس پرانے کپڑے اور نور کے درمیان واقع ہے وہ عدم اور وجود کے درمیان واسطہ ہے۔ میں نے اپنے آپ کو اس پوست کے آخر پر جو دیکھا، تو اس سے اس برزخ (واسطے) تک پہنچ جانے کی طرف اشارہ ہے۔

اور اس سے پہلے میں نے اپنے آپ کو واقعات میں عدم اور وجود کے درمیان برزخ اور واسطہ محسوس کیا۔ لیکن ظاہراً وہ آفاق کی نظر سے تھا اور یہ انفس کی نظر سے۔ اور اس وقت ایک فرق اور بھی ظاہر ہوا تھا لیکن تحریر یاد نہ رہا۔ اسے ذہن میں رکھیں۔

جو کچھ نما اور ہمیشہ حاصل ہے وہ تو حیرت اور نادانی ہے۔ ہاں کبھی کبھی اس طرح کے شہود ظاہر ہوتے ہیں اور پھر ختم ہو جاتے ہیں، اور ان کی صرف معرفت باقی رہ جاتی ہے۔ اور بعض واقعات کے بیان سے عاجز ہے۔ اگر کوئی چیز علم میں آتی ہے تو اس پر اعتماد نہیں کرتا۔ اسی مناسبت سے عرضداشتوں میں گستاخی کر بیٹھتا ہے۔ ممکن ہے آپ کے بتانے سے کسی امر کا یقین حاصل ہو جائے۔ اس بات کا امیدوار ہے کہ آپ کی بلند توجہات سے کمینے اور فضول تعلقات کی گرفتاری سے نجات حاصل ہو جائے۔ ورنہ کام بہت مشکل ہے ؎

بے عنایت حق و خاصانِ حق ! گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

اللہ تعالیٰ اور اس کے بندگانِ خاص کی عنایات کے بغیر اگر کوئی فرشتہ سرشت بھی ہو تو اس کا نامۂ عمل سیاہ ہی ہے۔

شیخ عبداللہ نیازی کا بیٹا شیخ طٰہٰ جو سرہند کے مشہور مشائخ میں سے ہے اور حاجی عبدالعزیز بھی اس سے پوری واقفیت رکھتا ہے۔ قدم بوسی اور نیازمندی عرض کرتا ہے۔ اور اسے بھی اس بلند اور شریف طریقہ کی طرف رجوع اور تقاضا پیدا ہو چکا ہے۔ صدق و نیاز سے التجا کرتا ہے۔ میں نے اسے استخارہ کرنے کو کہا ہے۔ ویسے ظاہراً وہ اس طریقہ سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور وہ دوست جنہوں نے یہاں سے ذکر کی تعلیم حاصل کی ہے، ان میں سے اکثر رابطہ کے طریقہ پر مشغول ہیں۔ ان میں سے بعض تو واقعات میں دیکھ کر رابطہ اختیار کر چکے ہیں اور ساتھ ساتھ آتے ہیں۔ اور بعض دہلی سے آنے سے پیشتر رابطہ کا تعلق رکھتے تھے اور پہلے سے حضور و استغراق کے ساتھ چل رہے ہیں۔ ان میں سے بعض صفات کو اصل سے دیکھتے ہیں اور بعض اصل سے نہیں دیکھتے۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ان میں سے کوئی بھی توحید وجودی کے انوار و مکاشفات کے راستے پر نہیں چل رہا۔

ملا قاسم علی، ملا مودود محمد اور عبدالمومن مقام جذبہ سے بظاہر نقطہ فوق تک پہنچ چکے ہیں۔ لیکن ملا قاسم علی ارشاد و تکمیل کے لیے مخلوق کی طرف توجہ رکھتا ہے۔ دوسرے دو کے متعلق معلوم نہیں کہ اس طرف توجہ ہے یا نہیں۔

شیخ نور ابھی نقطہ تک پہنچا نہیں، اس کے نزدیک ہے۔ ملا عبدالرحمٰن بھی نقطہ کے نزدیک ہے تھوڑی سی مسافت درمیان میں باقی ہے۔

ملا عبدالہادی نے حضور میں استغراق پیدا کر لیا ہے، اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ذاتِ مطلق جل شانہٗ کو میں اشیاء کے اندر صفت تنزیہ کے ساتھ دیکھتا ہوں اور افعال کو بھی اس ذات مقدس کی طرف سے جانتا

ہوں۔ یہ آپ کے گھر کی دولت ہے جو طالبوں اور سعادت مندوں پر فائض اور وارد ہو رہی ہے۔
اور اس کمینے کا اس فیض رسانی میں کچھ حصہ نہیں ع

من ہماں احمد پارینہ کہ ہستم ہستم

میں تو وہی پرانا احمد ہوں جو کہ تھا

آپ نے ایک روز واقعات میں سے ایک واقعہ کے درمیان فرمایا تھا کہ اگر اس (مجدد صاحب قدس سرہٗ) میں محبوبیت کے معنی نہ ہوتے تو مقصد تک پہنچنے میں بہت دیر لگتی۔ اور اس (مجدد صاحب قدس سرہٗ) کی محبوبیت بھی اپنی عنایت و مہربانی سے بیان کی تھی۔ اس بات سے پوری امید ہے۔ اور یہ جرأت اور گستاخی اسی بنا پر ہے۔

مکتوب نمبر (۱۵)

ان حالات کے بیان میں جو ہبوط اور نزول سے مناسبت رکھتے ہیں۔ نیز بعض مخفی اسرار کے بیان میں ــــــ یہ مکتوب بھی اپنے مرشد بزرگوار کو لکھا۔

اس بندے کی عرضداشت جو حاضر بھی ہے اور غائب بھی، جو پانے والا بھی ہے اور نہ پانے والا بھی اور رجوع کرنے والا بھی ہے اور اعراض کرنے والا بھی۔

غرض یہ ہے کہ مدت دراز تک وہ مطلوب حقیقی کی تلاش کرتا رہا مگر اس کے باوجود اس نے اپنے آپ ہی کو پایا۔ اس کے بعد اس کا کام اس مقام کو پہنچا کہ اگر اس نے اپنی تلاش کی تو پھر بھی بجائے اپنے مطلوب حقیقی کو ہی پایا۔ اب اس کو گم کر چکا ہے اور اپنے آپ ہی کو پاتا ہے۔ اور اس کو گم کرنے کے باوجود اس کا متلاشی نہیں رہا۔ اور مطلوب حقیقی کے فقدان کے باوجود اس کا خواہاں نہیں۔ علم کے لحاظ سے حاضر، پانے والا اور رجوع کرنے والا ہے، اور ذوق کے لحاظ سے غائب۔ گم کرنے والا اور اعراض والا ہے۔ اس کا ظاہر بقا ہے اور اس کا باطن فنا۔ عین بقا میں فانی ہے اور عین فنا میں باقی۔ لیکن فنا علمی ہے اور بقا ذوقی۔

اس کا کاروبار ہبوط و نزول (نیچے کے مقام میں) قرار پا چکا ہے۔ اور عروج و بلندی سے رہ چکا ہے۔ اور جس طرح اسے دل سے دلوں کے پھیرنے والے (حق جل و علا) کی طرف لے گئے تھے۔ اب دلوں کے پھیرنے والا (حق تعالیٰ) سے پھر مقام قلب کی طرف نیچے لے آئے ہیں۔

اس کا دوبارہ ہبوط و نزول نیچے کے مقام میں قرار پا چکا ہے اور عروج و بلندی سے صعود چکا ہے۔ اور جس طرح اسے دل سے دلوں کے پھیرنے والے (حق جل و علا) کی طرف لے گئے تھے اب دلوں کے پھیرنے والے (حق تعالیٰ) سے پھر مقام قلب کی طرف نیچے لے آئے ہیں۔

روح کے نفس سے نجات پا جانے اور اطمینان کے بعد نفس کے نکل جانے کے باوجود غالب آنے والے انوار سے اس کی روح کو روح و نفس دونوں جہتوں کا جامع کر دیا گیا ہے اور ان دونوں کی برزخیت اور واسطے سے مشرف کر دیا گیا ہے۔ اوپر کی طرف سے فائدہ حاصل کرنے اور نیچے والوں کو فائدہ پہنچانے والا۔ اس واسطہ برزخیت کے حصول کی وجہ سے مجھے اوپر سے فیض لینے اور نیچے والوں کو فائدہ پہنچانے کا مرتبہ بھی عطا کر دیا گیا ہے۔ یعنی فائدہ حاصل کرنے کی حالت میں فائدہ پہنچا بھی رہا ہے۔ اور عین فائدہ پہنچانے کی حالت میں استفادہ بھی کر رہا ہے ؎

گر بگویم شرح این بیحد شود ورنہ نویسم بس قلمہا بشکند

اگر میں اس کی شرح کروں تو بہت دراز ہو جائے۔ اور اگر لکھنے لگوں تو کتنی ہی قلمیں ٹوٹ جائیں

بعد ازیں عرض یہ ہے کہ دوست چپ مقام قلب سے عبارت ہے۔ جو مقلب قلب یعنی واجب تعالیٰ تک عروج کرنے سے پہلے حاصل ہے۔ اوپر سے نزول کے بعد جب مقام قلب پر آتے ہیں یہ دوسرا مقام ہے جو چپ و راست کے درمیان برزخ واسطہ ہے جیسا کہ اس کے واقف کار لوگوں پر ظاہر و واضح ہے۔ اور سلوک نامکمل کردہ مجذوب اصحاب قلب ہیں۔ مقلب قلب (حق تعالیٰ) تک پہنچنا سلوک سے وابستہ ہے۔ اور کسی شخص کے ساتھ مقام کا تعلق اس کے اس مقام میں شان خاص حاصل ہونے سے کنایہ ہے۔ اور اس مقام کے اصحاب میں اس کی امتیازی اور علیحدہ حیثیت کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس کی امتیازی حیثیتیں میں ہماری اس بحث میں انجذاب کی سبقت اور بقا خاص ہے۔ جو اس مقام کے مناسب علوم و معارف کا منشا ہے۔ مقام قلب کے علوم اور جذبہ، سلوک، فنا و بقا وغیرہ کی حقیقت اس رسالہ میں تفصیل سے لکھ دی گئی ہے جس کا وعدہ ہو چکا ہے۔

میر سید شاہ حسین پریشانی کے عالم میں روانہ ہو گئے۔ ان علوم و حقائق کے نقل کرنے کی فرصت نہ ملی۔ ان شاء اللہ جلد ہی ان کے مطالعہ کا شرف حاصل ہو گا۔

ایک عزیز جو مقام فوق پیش رکھا ہوا تھا نیچے مقام بد میں آچکا ہے لیکن عالم ہجمان کا عرضہ اس کی کوئی توجہ نہیں۔ فوق کی طرف ہی توجہ رکھتا ہے چونکہ اوپر کی طرف عروج بے اختیارانہ ہے

اس لیے وہ بالطبع مقام جذبہ سے مناسبت رکھتا تھا۔ اوپر سے نیچے آنے کے وقت اپنے ساتھ بہت کم چیزیں لایا ہے۔ اس نسبت کا سرمایہ جو توجہ بلا اختیار اور اس کے عروج کا اثر تھا اب بھی باقی ہے جذبہ کی نسبت میں جسم میں روح اور ظلمت میں نور کی طرح ہے۔ لیکن جذبہ حال حضرات خواجگان قدس اسرارہم کے جذبہ سے علاوہ ہے۔ بلکہ یہ وہ جذبہ ہے جو حضرت خواجہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے آباء کرام کی طرف سے ملا ہے اور اس میں انہیں خاص شان حاصل ہے۔ اور ایک واقعہ میں بعض طالبوں کو جو دکھائی دیا کہ حضرت خواجہ احرار اس طرح دکھائی دیے کہ اس عزیز متوقف درکے ہونے نے کھایا ہے اس کا اثر اس مقام میں ظاہر ہوا ہے۔ یہ جذبہ مقام افادہ سے مناسبت نہیں رکھتا۔ اس مقام میں رُخ ہمیشہ فوق کی طرف ہے اور سکر دائمی ہمیشہ اس کو لازم ہے۔

جذبہ کے بعض مقامات ان میں داخل ہونے کے بعد سلوک کے منافی ہیں۔ اور کچھ دوسرے مقامات سلوک کے منافی نہیں۔ بلکہ ان میں داخل ہونے کے بعد سلوک کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ جذبہ ایسا ہے کہ ان میں داخلے کے بعد منافی سلوک ہے۔

اس عریضہ کی تحریر کے دوران بندہ اس مقام کی طرف متوجہ ہوا تو اس کے بعض دقائق ظاہر ہوئے۔ جب تک کوئی سبب پیش نہ آئے توجہ میسر نہیں آتی۔ واللہ سُبحانہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

چند ماہ ہوئے کہ وہ عزیز نیچے آچکا ہے۔ البتہ مکمل طور پر مقام جذبہ مذکورہ میں داخل نہیں ہوا۔ اس مقام کی شان کا علم نہ ہونا اور توجہات کا منتشر ہونا اس کا مانع ہے۔ امید ہے کہ ان بے جوڑ اور بے ربط کلمات کے مطالعہ کے وقت اس مقام میں مکمل دخول میسر آجائے گا۔ اس کے بعد حضرت خوجہ کو وہ عزیز مکمل طور پر نیچے لے آئے گا۔

مکتوب نمبر (۱۶)

عروج و نزول وغیرہ کے حالات کے بیان میں ——— یہ مکتوب بھی اپنے مرشد بزرگوار کو لکھا۔

احقر الطلبہ کی عرضداشت یہ ہے کہ مولانا علاؤالدین نے آپ کے نوازش نامے پہنچائے۔

ان نوازش ناموں کے ہر ایک مقدمہ کی وضاحت و شرح وقت کے مطابق کی گئی ہے۔ ان تحریر شدہ علوم کے بعض متممات و مکملات بھی دل میں آئے۔ ان کی تحریر کی فرصت نہ ملی۔ میری طرف سے عریضہ دینے والا صرف عریضہ لے کر ہی روانہ ہو گیا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بعد کو جلد ہی خدمت اقدس میں ارسال کیے جائیں گے۔ اس وقت وہ رسالہ جو تیار ہو چکا تھا ارسال خدمت کیا ہے۔ اور وہ رسالہ بعض دوستوں کی فرمائش پر میسر آیا ہے۔ ان دوستوں نے فرمائش کی تھی کہ بعض ایسے نصائح لکھو جو اس طریقہ میں نفع مند ثابت ہوں اور ان کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسالہ خدا بے نظیر اور کثیر البرکات ہے۔ رسالہ خدا کی تحریر کے بعد یوں معلوم ہوا کہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام اُمت کے مشائخ کی جماعت کثیرہ کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور یہ رسالہ دست مبارک میں پکڑا ہوا ہے۔ اور کمال کرم و مہربانی سے اسے بوسہ دے رہے ہیں اور مشائخ کو دکھا رہے ہیں کہ اس طرح کے عقائد رکھنے چاہییں۔ اور مشائخ کی وہ جماعت جو اس رسالے کے علوم سے سعادت مند تھی وہ بہت نورانی اور ممتاز تھی اور نادر الوجود تھی۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والتحیۃ کے روبرو کھڑی تھی۔ یہ قصہ بہت دراز ہے۔ اور اسی مجلس میں اس واقعہ کی اشاعت کا بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس احقر کو حکم دیا۔ ع

باکریماں کارہا دشوار نیست

کریم لوگوں کے لیے کوئی کام مشکل نہیں

جس روز سے بندہ ملازمت سے الگ ہوا ہے مقام فوق کی طرف رغبت کے سبب مقام ارشاد سے چنداں مناسبت نہیں رکھتا۔ چند بار یہ ارادہ اور قصد بھی کیا کہ کسی گوشہ میں الگ بیٹھ رہے۔ ہمنشینی کرنے والے لوگ بیر اور شیر کی طرح نظر آتے تھے۔ عزلت اور گوشہ نشینی کا ارادہ پختہ ہو چکا تھا لیکن استخارہ اس کے موافق نہ آیا۔ مدارج قرب میں عروج انتہا کی انتہا کو پہنچ چکا ہے جس کی کوئی حد و غایت نہیں، یہ بھی میسر ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔ مجھے لے جاتے ہیں اور لے آتے ہیں۔ ہر دن وہ نئی شان و حالت میں ہے۔ تمام مشائخ کرام الا ماشاء اللہ کے مقامات سے بھی گزر واقع ہو چکا ہے ؎

بدان درگاہِ والا دست بر دست | رگلے بر دند زیں دہلیزۂ پست

اس پست دہلیز سے ایک خاک کو اس درگاہ والا میں ہاتھوں ہاتھ لے گئے۔

اس دوران میں اگر مشائخ کرام کی روحانیات کی وساطت و مدد کا شمار کروں تو بات بہت لمبی ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ اصل کے تمام مقامات سے ظل کے مقامات کی طرح گزار کرلے گئے۔ عنایات

ربانی کے متعلق کیا لکھے۔ جو بھی مقبول و منظور رہا' بلاعلت و بلاسبب ہی منظور و مقبول ہوا۔ ولایت کے طریقے اور اس کے کمالات اس قدر دکھائے گئے ہیں کہ انہیں کس طرح تحریر میں لائے۔

ذوالحجہ شریف کے مہینہ میں مدارج نزول کی طرف مقام قلب تک نیچے آنا ہوا۔ یہ مقام تکمیل و ارشاد کا مقام ہے۔ لیکن ابھی تک مکمل اور پورا کرنے والی چیزیں جو اس مقام سے تعلق رکھتی ہیں، مزید درکار ہیں۔ دیکھیے کب میسر ہوں۔ معاملہ آسان نہیں ہے۔ مراد ہونے کے باوجود اس قدر منازل طے کرنے پڑتے ہیں کہ مریدوں کو اگر عمر نوح بھی مل جائے تو شاید طے نہ کر سکیں اور انہیں یہ میسر نہ آسکے۔

بلکہ یہ وجوہ اور طریقے مراد لوگوں کے ساتھ خاص ہیں۔ مریدوں کے لیے ان میں قدم رکھنے کی کوئی جگہ نہیں۔ افراد کا انتہائی عروج مقام اصل کی ابتدا تک ہے۔ بہت سے لوگ ادھر گزر نہیں سکتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم کا مالک ہے۔

مراتب تکمیل و ارشاد میں توقف اور رکنے کی وجہ یہ ہے۔ اور نورانیت کا حاصل نہ ہونا غیب کی ظلمت کے نور کے ظاہر ہونے کی وجہ سے اور کسی بنا پر نہیں۔ لوگ اپنے خیالات میں بہت کچھ پکاتے رہتے ہیں۔ ان کا کچھ اعتبار نہیں ہے

در نیابد حال پختہ ہیچ کام | پس سخن کوتاہ باید والسلام

ناقص انسان پختہ شخص کے حال سے واقف نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا بات ختم کرنی چاہیے۔ والسلام۔

اس قسم کے ظنی امور میں نقصان کا احتمال غالب ہے۔ اس جماعت کو فرمادیں کہ اس خستہ دل سے اپنے خیالات کی نظر پوشیدہ کریں۔ نظر دوڑانے کی جگہیں اور بہت ہیں ہے

من گم شدہ ام مرا مجوئید | باگم شدگان سخن مگوئید

میں گم ہو چکا ہوں مجھے تلاش نہ کرو۔ | اور گم شدہ لوگوں سے بات نہ کرو۔

غیرتِ خداوندی سے ڈرنا چاہیے۔ وہ کام جسے حق تعالیٰ کمال قرار دے اس کی تنقیص کرنا بہت ہی نامناسب ہے' بلکہ فی الحقیقت خدا تعالیٰ کے ساتھ معارضہ اور مقابلہ ہے۔ اور مقام قلب میں نزول کرنا درحقیقت یہ مقام فرق میں آنا ہے' جو مقام ارشاد ہے۔ اس جگہ مقام فرق سے مراد نفس کا روح اور روح کا نفس سے جدا ہونا ہے۔ اس کے بعد کہ نفس روح کے نور میں داخل اور جمع تھا جمع اور فرق کے بیان میں جو مفہوم اس سے زائد ہو وہ سکر کی وجہ سے ہے۔ خدا تعالیٰ کو مخلوق سے جدا دیکھنا جسے اہل سکر مقام فرق خیال کرتے ہیں کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ روح کو حق خیال کرتے ہیں اور روح کو نفس سے جدا اور الگ دیکھنے کو حق تعالیٰ کا دیکھنا خیال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اخلق سے پاک و منزہ ہے۔

ارباب جذبہ کے اکثر علوم کا یہی حال ہے کیونکہ ان کے ہاں حقیقت معاملہ مفقود و معدوم ہے اور معاملہ سب کا سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ایک دوسرے رسالے میں ارباب جذبہ اور سلوک کے علوم اور ان دونوں کی حقیقت بہ تفصیل تحریر کر دی گئی ہے۔ آپ کی نظر مبارک سے ان شاء اللہ تعالیٰ گزرے گا۔

مکتوب نمبر (۱۷)

بعض ایسے حالات کے بیان میں جو عروج و نزول سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور باتوں کے بیان میں —— یہ مکتوب بھی اپنے مرشد بزرگوار کو لکھا۔

ادنیٰ ترین خادم کی عرضداشت یہ ہے کہ وہ عزیز جو ایک عرصہ سے رُکا ہوا تھا، تحریر کے دن ایسا ظاہر ہوا کہ اسے اس مقام سے قدرے عروج حاصل ہوا ہے۔ اور بہت نیچے لائے ہیں۔ لیکن مکمل طور پر نزول نہیں کیا۔ اور دوسرے لوگ جو اس مقام کے نیچے تھے انہوں نے بھی عروج حاصل کر کے اسی مقام فوق کے راستے نزول کی طرف رُخ کر لیا ہے۔ اس کے بعد جو کیفیت بھی ظاہر ہو گی عرض خدمت کر دی جائے گی۔

اگر صاحبِ معاملہ اپنے انکشاف حال کے بعد کچھ لکھے تو درستی کے بہت قریب ہے۔

چونکہ اس قضیہ نزول کا ظہور فوری تھا اور اس حقیر کو جُلاب لینے کی وجہ سے لاغری اور ضعف طاری تھا۔ آخر کار اس نزول کو اختیار نہ کر سکا۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ اس کا ظہور بھی ہو جائے گا۔

مکتوب نمبر (۱۸)

تمکین کے بیان میں جو تلوین کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اور ولایت کے تین مراتب کے بیان میں اور اس امر کے بیان میں کہ واجب تعالیٰ کا وجود اس کی ذات سے زائد ہے وغیر ذالک کے بیان میں —— یہ مکتوب بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

کمترین غلام پر تقصیر احمد بن عبدالاحد کی عرضداشت یہ ہے کہ جب تک احوال و واردات رُخ دکھاتے رہے تو ان کے عرض کرنے کی گستاخی اور جرأت کرتا رہا۔ جب خدا تعالیٰ سبحانہٗ نے آپ کی بلند توجہات سے احوال کی غلامی سے آزادی عطا کی اور تلوین کے بعد تمکین سے مشرف فرمایا۔ تو

حاصل کار یہ ہے کہ سوائے حیرت و پریشانی کے کچھ ہاتھ میں نہیں آیا۔ اور وصل سے فصل کے سوا اور قرب سے بُعد کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اور معرفت سے نادانی اور علم سے جہل کے سوا کسی بات میں اضافہ نہیں ہوا۔ اس بنا پر عریضے ارسال کرنے میں توقف در کاوٹ ہوگئی۔ اور صرف روزمرہ کی خبریں لکھنے کی جرأت نہیں کی۔ اس کے ساتھ ساتھ دل پر انجماد و سردی اس قدر غالب ہو چکی ہے کہ کسی بھی کام میں سرگرمی نہیں ہے اور بے کار لوگوں کی طرح کوئی کام نہیں کر سکتا ہے

نہ ہیچم وکم زہیچ ہم بسیارے

وز ہیچ وکم از ہیچ نیاید کارے

میں بالکل ہیچ بلکہ ہیچ سے بھی بہت ہی کم ہوں، ہیچ اور ہیچ سے بھی کم شخص سے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔

اصل بات کی طرف آتا ہوں:

عجب بات ہے کہ اب حق الیقین سے مجھے مشرف کیا گیا ہے کہ اس مقام میں علم اور عین ایک دوسرے کے لیے حجاب اور پردہ نہیں ہیں۔ اور فنا اور بقا اس مقام میں جمع ہیں۔ یہ ناچیز عین حیرت اور بے نشانی میں علم و شعور سے متصف ہے۔ اور عین غیبت حضور کا حکم رکھتی ہے۔ علم و معرفت کے باوجود جہل و نادانی کے علاوہ کچھ اضافہ نہیں ہوا ع

عجب اینست کہ من واصل و سرگردانم

تعجب تو یہ ہے کہ میں واصل بھی ہوں اور سرگردان بھی

خدا تعالیٰ نے محض اپنی عنایت بے کراں سے مدارج کمالات میں ترقیات عطا فرما دی ہیں۔

مقام ولایت سے اوپر مقام شہادت ہے۔ ولایت کی نسبت شہادت کی نسبت کے سامنے اس طرح ہے جس طرح تجلی صوری تجلی ذاتی کے سامنے۔ بلکہ ان دو نسبتوں میں بُعد و فاصلہ ان دو تجلیوں کے بعد و فاصلہ سے کئی مرتبہ زیادہ ہے۔ اور شہادت کے مقام کے بعد صدیقیت کا مقام ہے اور وہ فرق و تفاوت جو ان دو مقاموں کے درمیان ہے وہ اس سے زیادہ ہے کہ اسے کسی عبارت سے تعبیر کیا جا سکے اور اس سے بڑھ کر ہے کہ اس کی طرف اشارہ کیا جا سکے۔ اور اس مقام صدیقیت سے اوپر کوئی مقام نہیں۔ مگر مقام نبوت حضور سرور کائنات علیہ الصلوات والتسلیمات۔ صدیقیت اور نبوت کے درمیان اور کوئی مقام نہیں ہے۔ بلکہ کسی اور مقام کا ہونا محال ہے۔ اور اس کے محال ہونے کا علم کشف صریح صحیح سے معلوم ہو چکا ہے۔ بعض اہل اللہ نے جو ان دو مقاموں کے درمیان واسطہ بیان کیا ہے اور

اس کا نام قربت رکھا ہے، فقیر کو اس سے بھی مشرف کیا گیا ہے۔ اور اس مقام کی حقیقت پر بھی مطلع کیا گیا ہے۔

بہت توجہ اور بے شمار تضرع اور عاجزی کے بعد پہلے تو صرف اسی قدر ظاہر ہوا جس قدر بعض اکابر نے بیان کیا ہے۔ آخر الامر حقیقت کا علم بھی دے دیا گیا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اس مقام کا حصول عروج کے وقت مقام صدیقیت کے حصول کے بعد ہے۔ لیکن اس کا واسطہ بننا محل تامل ہے۔ ظاہری ملاقات کے وقت ان شاء اللہ تعالیٰ حقیقت کو تفصیل سے عرض کرے گا۔ وہ مقام قرب نہایت ہی بلند مقام ہے۔ منازلِ عروج میں اس مقام سے اوپر کوئی مقام معلوم نہیں ہوتا۔ وجود کے ذات واجب تعالیٰ پر زائد ہونے کی کیفیت اس مقام میں ظاہر ہوتی ہے۔ جیسا کہ علماء حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی تحقیق ہے۔ اس جگہ وجود بھی راہ میں ہی رہ جاتا ہے۔ اور عروج اس سے بھی اوپر واقع ہوجاتا ہے۔

ابو المکارم رکن الدین شیخ علاء الدولہ اپنی بعض تصانیف میں فرماتے ہیں فوق عالم الوجود عالم مَلِک الودود یعنی عالم وجود سے اوپر ملک الودود (حق تعالیٰ) کا عالم ہے۔ صدیقیت کا مقام مقامات بقا میں سے ہے جس کا رُخ عالم کی طرف ہے۔ اس سے بھی بہت نیچے مقام نبوت ہے جو فی الحقیقت بہت بلند ہے اور کمال صحو و بقا کا مقام ہے۔ قرب کا مقام مقام صدیقیت اور مقام نبوت کے درمیان برزخیت اور واسطہ کی لیاقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس کا رُخ صرف تنزیہہ کی طرف ہے اور تمام عروج سے اس کا تعلق ہے اور ان دونوں میں بہت فرق ہے ؎

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
ہرچہ استادِ ازل گفت بگو میگویم

مجھے طوطی کی طرح آئینے کے پیچھے بٹھا دیا گیا ہے۔ جو کچھ استادِ ازل کہتا ہے کہ کہو میں وہ کہتا ہوں۔

علوم شرعیہ نظریہ استدلالیہ کو فقیر کے لیے ضروریہ کشفیہ کر دیا گیا ہے۔ علماء شریعت کے اصولوں سے بال برابر بھی مخالفت نہیں ہے۔ انہیں علوم اجمالیہ کو تفصیلی کر دیا گیا ہے اور نظریت (محتاج غور و فکر) سے ضروریت و بداہت کی طرف لایا گیا ہے۔

کسی شخص نے حضرت خواجہ بزرگ قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس سے پوچھا کہ سلوک سے مقصود کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا تاکہ اجمالی معرفت تفصیلی معرفت کی شکل اختیار کرلے اور علوم استدلالی کشفی ہوجائیں یہ نہیں فرمایا کہ ان کے سوا کچھ اور علوم حاصل ہوجائیں۔ ہاں یہ بات الگ ہے کہ راہ سلوک میں بہت سے علوم و معارف رونما ہوتے ہیں جن سے گزرنا پڑتا ہے۔ جب تک نہایۃ النہایۃ تک جو مقام صدیقیت

ہے کوئی نہ پہنچے ان علوم سے حصہ نہیں پا سکتا۔ کاش! میں جان لیتا کہ بعض اہل اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ انہیں یہ مقام شریف حاصل ہو چکا ہے۔ حالانکہ فی الواقع انہیں اس مقام کے علوم و معارف سے کوئی مناسبت نہیں۔ تو وہ کس طرح اس کے قائل ہیں۔ اور ہر علم والے سے اوپر علم والا موجود ہے۔

اور مجھے مسئلہ قضاء و قدر کے راز پر بھی اطلاع بخشی گئی ہے۔ اور یہ مسئلہ اس طرح مجھے بتایا گیا ہے کہ روش شرع سے ذرہ بھی مخالفت نہیں رکھتا۔ اور اس کی اس سے کوئی منافات لازم نہیں آتی۔ اور پھر یہ مسئلہ جس طرح مجھے بتایا گیا ہے وہ ایجاب کے نقص اور جبر کے شائبہ تک سے مبرا اور منزہ ہے۔ اور اس طرح ظاہر و باہر ہے جیسے چودھویں رات کا چاند۔

تعجب کی بات ہے کہ اصول شریعت سے مخالفت نہ ہونے کے باوجود اسے کیوں پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ اگر مخالفت کا شائبہ ہوتا تو البتہ اخفا اور پوشیدگی مناسب تھی۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کے افعال کے متعلق بازپرس نہیں ہو سکتی۔

کرا زہرہ آنکہ از بیم تو کشاید زباں جز بہ تسلیم تو

کس کی طاقت و قدرت ہے کہ تیرے خوف و ہیبت کے باعث تسلیم کے سوا اعتراض کی زبان کھولے۔

علوم و معارف موسلا دھار بارش کی طرح برسا رہے ہیں قوت مدرکہ ان کے اٹھانے سے عاجز ہے قوت مدرکہ تو محض تعبیر ہے۔ ورنہ بادشاہ کی عطاؤں کو بادشاہ کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔

پہلے پہلے یہ شوق تھا کہ ان علوم غریبہ کو قید کتابت میں لے آئے۔ لیکن توفیق نہ مل سکی اور اس راہ میں بوجھ محسوس کیا۔ آخر الامر تسلی دی گئی کہ ان علوم کے افاضہ سے مقصود حصول ملکہ ہے، یاد کرنا مقصود نہیں۔ جس طرح طالب علم تحصیل علوم اس مقصد کے لیے کرتے ہیں کہ مولویت کا ملکہ حاصل کرلیں۔ صرف و نحو وغیرہ علوم کے قواعد و اصول ضبط کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ ان علوم میں سے کچھ علوم عرض کرتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ اس کی مثل کوئی شے نہیں اور وہ سمیع و بصیر ہے۔

اس کلام کا ابتدائی حصہ تو تنزیہہ محض کے اثبات کے لیے ہے، جیسا کہ خود ظاہر ہے۔ اور ھو السمیع البصیر کے الفاظ تنزیہہ کی تکمیل و اتمام کے لیے ہیں۔

اس کا بیان اس طرح ہے کہ جب ثبوت سمع و بصر عالم کے ساتھ ثبوت مماثلت کا وہم ڈالتا ہے۔ اگرچہ کچھ قدرے ہی ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو دفع کرنے کے لیے مخلوقات سے سمع و بصر کی نفی فرمادی

یعنی صرف وہی ذات جل شانہٗ سمیع وبصیر ہے۔ وہ سمع وبصر جو مخلوق میں پائی جاتی ہے اس کا دیکھنے اور سننے میں کچھ دخل نہیں۔ مخلوق میں ان دو صفات کو پیدا کرنے کے بعد جس طرح خدا تعالیٰ سمع وبصر پیدا کرتا ہے مخلوق سننے اور دیکھنے کا کام لیتی ہے۔ اور یہ بھی عادتِ الٰہی کے جاری ہونے کے مطابق ہے۔ بغیر اس کے کہ مخلوقات کی صفات کی اس میں تاثیر ہو۔ اور اگر تاثیر تسلیم بھی کی جائے تو وہ بھی حق تعالیٰ ہی کی پیدا شدہ ہے۔ لہٰذا جس طرح مخلوق کی ذوات جماد محض ہیں اسی طرح ان کی صفات بھی جماد محض ہیں۔ جس طرح صاحب قدرت محض اپنی قدرت سے پتھر میں صفت کلام پیدا کر دے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ فی الحقیقۃ پتھر کلام کر رہا ہے اور اس میں صفت کلام موجود ہے۔ جس طرح پتھر جماد محض ہے اسی طرح یہ صفت اگر فرض کر لی جائے تو وہ بھی جماد محض ہی ہے۔ حروف وآواز کے پیدا ہونے میں اس کا کوئی دخل نہیں۔ تمام صفات اسی طرح کی ہیں۔ غایۃ ما فی الباب اتنی بات ہے کہ یہ دو صفات چونکہ زیادہ ظاہر تھیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی نفی خصوصیت سے فرمائی۔ اس سے باقی صفات کی نفی بطریق اولیٰ ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے صفت علم پیدا فرمائی، اس کے بعد اس کی معلوم کی طرف توجہ پیدا فرمائی۔ اس کے بعد معلوم کے ساتھ اس کا تعلق پیدا فرمایا۔ اس کے بعد معلوم کو اس پر منکشف کر دیا۔ پھر اس میں صفت علم پیدا فرمانے کے بعد اپنی عادت کے مطابق اس میں انکشاف پیدا فرمایا تو اس سے ثابت ہو گیا کہ علم کا انکشاف میں کیا دخل ہے۔

اسی طرح پہلے صفت سمع پیدا فرمائی، پھر کان لگانا، پھر مسموع کی طرف توجہ، پھر سننا، پھر مسموع شے کا ادراک۔

اسی طرح پہلے بصر کو پیدا فرمایا، پھر پتلی کا گھمانا، پھر دکھائی دینے والی چیز کی طرف توجہ۔ اس کے بعد دیکھنا پیدا فرمایا۔ پھر اس دیکھی جانے والی شے کا ادراک۔ علیٰ ھٰذا القیاس۔

سمیع وبصیر درحقیقت وہ ذات ہے جس کے سماع اور رویت کا مبدأ یہ دو صفات ہوں اور مخلوق میں ایسا کوئی نہیں تو مخلوق میں کوئی درحقیقت سمیع وبصیر بھی نہیں۔

اس گفت گو سے ثابت ہو گیا کہ مخلوق کی صفات بھی اس کی ذوات کی طرح جماد محض ہیں۔ تو آیہ کریمہ کے آخری الفاظ سے مقصود مخلوقات کی صفات کی بالکلیہ نفی ہے۔ یہ مقصود نہیں کہ ان کی بھی صفات ہیں اور یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لیے بھی ثابت ہیں تاکہ تشبیہ وتنزیہ کا اجتماع لازم آئے بلکہ تمام آیۃ کریمہ مکمل طور پر تنزیہ کے اثبات اور تشبیہ کی نفی کے لیے ہے۔

علم اول یعنی ان کی صفات کا حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے لیے اثبات اور ان کی ذوات کو جمادِ محض جاننا اور ذوات کو پرنالے اور کوزے کی طرح تصور کرنا کہ ان سے پانی صرف ظاہر ہوتا ہے مقام ولایت سے مناسبت رکھنے والے علوم میں سے ہے۔ اور علم ثانی یعنی ان کی صفات کو بھی جماد کی طرح جاننا اور ان کو مکمل طور پر بے علم جاننا جب کہ وارد ہوا ہے:

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ تو بھی میت ہے اور وہ بھی مردے ہیں۔

یہ علم ثانی مقام شہادت سے مناسبت رکھنے والے علوم میں ہے۔

اس جگہ بھی کچھ فرق دونوں مقاموں کے درمیان سمجھا جاتا ہے۔ تھوڑی چیز زیادہ پر دلالت کرتی ہے اور ایک گھونٹ بڑے سمندر پر دلالت کرتا ہے۔ ع

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

سال کا اچھا ہونا اس کے موسم بہار کے اچھا ہونے کی وجہ سے ہے

اسی طرح اس بلند مقام والے افعال مخلوقات کو بھی میت اور جماد کی طرح پاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ان کے افعال کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ ملاتے ہیں، اور ان افعال کا فاعل حق سبحانہٗ کو جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند و برتر ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص پتھر کو حرکت دے اور اس کو جنبش میں لائے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ شخص جنبش و حرکت میں ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے گا یہ شخص پتھر میں حرکت کا موجد ہے اور حرکت پتھر میں ہے۔ اس کے ساتھ جس طرح پتھر جماد محض ہے اس کی حرکت بھی جماد محض ہے۔ بالفرض اگر کوئی شخص اس پتھر کی حرکت سے ہلاک ہوجائے تو یہ نہیں کہتے کہ اس پتھر نے ہلاک کیا ہے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اسے ہلاک کیا ہے۔ اور علمائے شریعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کا قول اس علم کے موافق ہے۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ مخلوق سے افعال کا صدور اگرچہ ارادہ اور اختیار سے ہے مگر ان کا مفعول حق تعالیٰ کا مخلوق و مصنوع ہے اور ان کے افعال کو اس کی مصنوعیت و مخلوقیت میں کچھ دخل نہیں۔ ان کے افعال محض چند حرکات ہیں۔ مخلوق و مجعول کی مجعولیت میں ان کی قطعاً کوئی تاثیر نہیں اس پر اگر یہ شبہ وارد کیا جائے کہ اس صورت میں افعال مخلوقات کو ثواب و عذاب کا باعث قرار دینا غیر معقول بات ہے۔ یہ تو بالکل اس طرح ہوا جیسے پتھر کو کسی امر کا مکلف قرار دیں اور اس کے فعل پر اس کی مدح یا مذمت کریں۔

اس شبہ کے ازالے کے لیے میں کہتا ہوں کہ پتھر اور مکلفین میں فرق ہے۔ کیونکہ مدار تکلیف قدرت دار ارادہ ہے۔ اور پتھر میں کوئی ارادہ نہیں لیکن چونکہ مکلفین میں بھی ارادہ حق تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ حصول مراد میں ان کے ارادے کی کوئی تاثیر نہیں تو وہ ارادہ بھی میت کی طرح ہے۔ اس نے صرف اتنا کام کیا کہ ارادہ کے موجود ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حسب عادت اس شے کو پیدا فرما دیا۔ اور اگر قدرت کو کسی قدر مؤثر مان بھی لیں جیسا کہ علماء ماوراء النہر رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب بھی ان میں تاثیر تو خدا تعالیٰ نے ہی پیدا کی ہے۔ جس طرح کبھی اس نے پیدا کی ہے۔ تو اس کی تاثیر بھی بالکل بلا اختیار ہے تو اس کی تاثیر بھی جماد کی طرح ہے۔

مثلاً ایک شخص نے ایک پتھر کسی کی حرکت دینے سے اوپر سے نیچے آتے ہوئے دیکھا۔ وہ پتھر کسی حیوان کو لگا اور اسے ہلاک کر دیا۔ تو وہ شخص جس طرح اس حیوان کو جماد جانتا ہے بالکل اسی طرح اس کی حرکت کو بھی جماد ہی جانتا ہے اور اس سے جو اثر مرتب ہوا ہے یعنی ہلاک کرنا اسے بھی جماد ہی جانتا ہے۔ لہٰذا ذوات، صفات اور افعال مخلوقات سب کے سب جماد محض اور اموات صرف ہیں۔ بس وہی ذات حی و قیوم اور سمیع و بصیر ہے۔ اور علیم و خبیر اور اپنے ارادے کے مطابق جو چاہے کرنے والی ہے۔ آپ فرما دیں:

"اگر تمام سمندر میرے رب کے کلمات کے لیے سیاہی بن جائیں تو سمندر ختم ہو جائیں گے مگر میرے رب کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔ اگرچہ اتنے ہی اور سمندر مدد کو لائے جائیں۔"

بہت گستاخی کر رہی ہے اور بے حد جرأت واقع ہوگئی ہے۔ کیا کروں ... کی تجلیات نے جو جمیل مطلق (حق تعالیٰ) کی طرف سے ہے۔ اس بات پر آمادہ کر دیا ہے کہ سخن اور سلسلہ کلام جس قدر دراز ہو جائے اچھا ہی ہے۔ اور یہ فقیر اس ذات کی طرف سے جو کچھ کہتا ہے بہت خوب دکھائی دیتا ہے۔ اس کے باوجود اپنے آپ کے لیے کچھ مناسبت نہیں پاتا کہ اس کی طرف سے بات کرے یا اس کا نام زبان پر لائے ؎

ہزار بار بشستم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

میں نے ہزار بار اپنا منہ مشک و گلاب سے دھویا۔ پھر بھی میں تیرا نام لینے کے لائق نہیں۔ ع

بندہ باید کہ حد خود داند
بندہ کو چاہیے کہ اپنی حد کو پہچانے

عنایت اور توجہ کا امیدوار ہے۔ اپنی خرابی کے متعلق کیا عرض کرے۔ اپنے اندر جو عنایات بھی پاتا ہے، آپ کی توجہ عالی سے ہی پاتا ہے۔ ورنہ ع

من ہماں احمد پارینہ کہ ہستم ہستم

میں وہی پرانا احمد ہوں جو تھا۔

میاں شاہ حسین توحید وجودی کا راستہ رکھتا ہے اور اس میں خطا اٹھاتا ہے۔ دل میں آتا ہے اسے نکال کر حیرت کی طرف لایا جائے، جو مقصود ہے۔

محمد صادق بچپن کی وجہ سے اپنے آپ کو ضبط نہیں کر سکتا۔ اگر کسی سفر میں ہمراہ رہے تو بہت ترقیات حاصل کرے۔ دامن پہاڑ کی سیر میں ہمراہ تھا تو اسے بہت ترقی حاصل ہوئی۔ مقام حیرت میں غوطہ لگا چکا ہے۔ اور حیرت میں فقیر کے ساتھ پوری مناسبت رکھتا ہے۔ شیخ نور بھی اسی مقام میں ہے۔ بہت ترقی کر چکا ہے۔

اس فقیر کے خویشوں میں سے ایک نوجوان ہے جس کا حال بہت اچھا ہے۔ تجلیات برقیہ کے نزدیک ہے اور پوری طرح مستعد ہے۔

مکتوب نمبر (۱۹)

بعض حاجت مندوں کی سفارش کے سلسلہ میں۔ یہ مکتوب بھی اپنے مرشد بزرگوار کو لکھا۔

حقیر ترین خادم کی عرضداشت یہ ہے کہ ایک شخص لشکر سے آیا ہے۔ اس نے بتایا ہے دہلی اور سرہند کے وظیفہ لینے والے فقراء کے وظائف کی مقدار جو فصل خریف سے تعلق رکھتی ہے، اس بلند درگاہ کے ملازموں کے حوالے کر دی گئی ہے۔ تحقیق حق کے بعد مستحقین تک پہنچا دیں۔ اس بنا پر یہ گستاخی کی جا رہی ہے کہ فصلانے کے ہزار ٹکے شیخ ابوالحسن حافظ اور صاحب علم کے لیے اور ہزار ٹکے شیخ شاہ محمد حافظ کے نام پر سرکار نواب شیخ کی طرف سے مقرر ہیں۔ یہ دونوں مذکورہ حضرات زندہ اور قائم ہیں۔ ان کے بارے میں کوئی شبہ نہیں۔ انہوں نے اپنا کوئی آدمی بھیجا ہے جو با اعتماد ہے اگر اس خبر کو سچ تسلیم کریں تو ان دونوں کے وظیفے کی رقم اس عریضہ لانے والے کے حوالے کر دیں۔ یہ دونوں حضرات اس وقت سرہند میں ہیں۔

مکتوب نمبر (۲۰)

یہ خط بھی بعض حاجت مندوں کی سفارش کے سلسلہ میں اپنے مرشد بزرگوار کو لکھا۔

احقر ترین خادم کی عرضداشت حبیب اللہ سرہندی کی والدہ اور اس کی زوجہ منکوحہ اور دوسرے خادموں کے وظائف کے بارے میں۔ تحریر کردہ عریضہ کے اندر اس بلند درگاہ کے خادموں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اگر ان کے وظائف کی رقم دہلی میں آچکی ہو تو مولانا علی کو فرمادیں کہ ان کی تسلی کر دیں۔ ان میں سے بعض وکالتہً اور اصالتہً آچکے ہیں۔ اگر مبلغات نہ آئے ہوں تو بھی چونکہ مذکورہ حضرات زندہ اور قائم موجود ہیں، ان کے پروانجات کی تصحیح فرما دیں ـــ زیادہ گستاخی ہے۔

مکتوب نمبر (۲۱)

درجاتِ ولایت خاصکر ولایت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے بارے میں۔ نیز طریقہ نقشبندیہ علیہ قدس سرہم کی مدح وثنا اور ان کی نسبت کی بلندی اور دوسرے تمام سلاسل سے افضل ہونے اور اس بیان میں کہ ان کا حضور دائمی ہے۔ شیخ محمد مکیؒ ولد حاجی فاضل موسیٰ لاہوری کی طرف لکھا گیا۔

آپ کا مکتوب شریف ولطیف اس عبد ضعیف ونحیف کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اجر وثواب کو عظیم کرے، تمہارے کام آسان کرے، تمہیں شرح صدر نصیب فرمائے اور تمہارے عذر قبول کرے بحرمۃ سید البشر جو بصر کی کجی سے پاک ومطہر ہیں۔ علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا۔

میرے بھائی! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جب تک وہ موت جو حسی موت سے پہلے ہے جسے اہل اللہ کے ہاں فنا سے تعبیر کرتے ہیں حاصل نہ ہو اس پاک جناب تک وصول میسر نہیں آسکتا۔ بلکہ آفاق سے تعلق رکھنے والے معبودان باطلہ اور نفسانی خواہشات کے الہوں کی عبادت سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ اس وقت تک حقیقتِ اسلام اور کمال ایمان میسر آسکتا ہے۔ تو مقبول بندوں کے گروہ اور اوتاد کے درجے میں بندہ کیسے داخل ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اطوار ولایت میں یہ فنا پہلا قدم ہے جو رکھا جاتا ہے

اور یہ سب سے پہلا کمال ہے جو ابتدا میں حاصل ہوتا ہے۔ اول ولایت سے اس کے آخر کا حال اس کی ابتدا سے اس کی انتہا کو قیاس کرنا چاہیے۔ فارسی میں کیا ہی اچھا کہا گیا ہے ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

میرے باغ کی رعنائی سے میری بہار کا اندازہ کر لو

اور فارسی میں یوں بھی کہا گیا ہے ؎

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

سال کی خوبی اس کی بہار کی خوبی کی وجہ سے ہے

اوپر نیچے ولایت کے بہت سے درجات ہیں۔ کیونکہ ہر نبی کے قدم پر ایک ولایت ہے جو اس سے خاص ہے۔ اور سب سے اعلیٰ درجے کی ولایت وہ ہے جو ہمارے نبی علیہ وعلیٰ جمیع اخوانہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات ایمنہا۔ اس لیے کہ تجلی ذاتی جس میں اسماء صفات شیون واعتبارات کا نہ بطور ایجاب اور نہ بطور سلب کوئی اعتبار نہیں۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت کے ساتھ مخصوص ہے، اور علم و عین ہر لحاظ سے تمام وجودی اور اعتباری حجابات کا اٹھ جانا اسی مقام میں حاصل ہوتا ہے۔ اس وقت وصل پوری طرح نصیب ہوتا ہے اور وجد درجہ گمان میں نہیں بلکہ حقیقتاً حاصل ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والوں میں سے کاملین کو نصیب کامل اور حصہ وافر اس نادر الوجود مقام سے عطا ہوتا ہے۔

تو اگر تم لوگ اس بلند درجہ دولت اور اس درجہ علیا کے حصول کی توجہ رکھتے ہو تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع و پیروی کو مضبوط پکڑو۔

اور اکثر مشائخ رحمہم اللہ کے نزدیک یہ تجلی برقی ہے۔ یعنی حضرت ذات جل سلطانہٗ سے تمام حجابات کا اُٹھ جانا۔ بجلی کی طرح تھوڑے سے وقت کے لیے ہوتا ہے پھر اسماء وصفات کے پردے لٹکا دیے جاتے ہیں اور انوار ذات کی شعاعیں پھر پوشیدہ ہو جاتی ہیں۔ تو حضور ذاتی بجلی کی مانند ایک لمحہ کے لیے ہوتا ہے۔ اور اکثر اوقات غیبت ذاتی ہی رہتی ہے۔ اور ان مشائخ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے نزدیک حضور ذاتی دائمی کا اعتبار ہے۔ زائل ہونے اور غیبت سے بدل جانے والے حضور کا کوئی اعتبار نہیں۔ لہٰذا ان اکابر کا کمال تمام کمالات سے بڑھ کر ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے فوقیت رکھتی ہے جیسا کہ ان کی عبارات میں واقع ہو چکا ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے اوپر ہے۔ اور نسبت سے ان کی مراد حضور ذاتی دائمی ہے۔

اور زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ان کاملین کے طریقہ میں ابتداء انتہا میں درج ہے۔ اور اس معاملہ میں ان کی اقتداء حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کے ساتھ ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی صحبت میں وہ کچھ پا گئے جو دوسروں کو نہایت میں جا کر میسر آتا ہے۔ اور نہایت کے بدایت میں درج ہونے سے ہوتا ہے۔ تو جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت تمام انبیاء و رسل علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایتوں سے فائق و اعلیٰ ہے اسی طرح ان اکابر کی ولایت تمام اولیاء قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی ولایتوں سے فائق و اعلیٰ ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو حالانکہ ان اکابر نقشبندیہ قدس اسرارہم کی ولایت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے۔

ہاں دوسرے سلاسل کے بعض کاملین کو بھی یہ نسبت نصیب ہوئی ہے۔ لیکن وہ بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولایت سے اخذ کرکے۔ جیسا کہ حضرت ابو سعید خراز نے اس نسبت کے دوام حصول کی خبر دی ہے۔ کیونکہ اس شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جبہ شریف پہنچا تھا۔ جیسا کہ صاحب نفحات (مولانا جامی قدس سرہٗ) نے نقل کیا ہے۔

اس طریقہ نقشبندیہ عالیہ کے ان بعض کمالات کے اظہار سے مقصود طالبان فقر کو اس طریقہ کی طرف رغبت دلانا ہے۔ ورنہ میں اس سلسلہ کے کمالات کی شرح کہاں کر سکتا ہوں۔ مولوی معنوی مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

شرح او حیف است با اہلِ جہاں	ہمچوں رازِ عشق باید در نہاں
لیک گفتم وصف او تا رہ برند	پیش ازاں کز فوت او حسرت خورند

اس کی شرح اہل جہان کے سامنے کرنا ظلم و ستم ہے۔ جس طرح رازِ عشق پوشیدہ ہی رہے تو بہتر ہے۔ لیکن اس کی صفت اس لیے بیان کر دی ہے تاکہ لوگ اس راہ کو اختیار کریں۔ اس سے قبل کہ اس کے فوت اور ہاتھ سے نکل جانے کے بعد حسرت اور افسوس کریں۔

آپ کو سلام علیکم اور ان تمام کو جو ہدایت کے پیرو کار ہیں۔

مکتوب نمبر (۲۲)

روح اور نفس کے درمیان وجہ تعلق اور ان کے عروج و نزول اور فنا جسدی و روحی اور ان دونوں کے بقا اور مقام دعوت اور اولیاء کرام میں سے ذاتِ حق میں ہی مستہلک اور مستغرق شدہ اور

دعوت کی طرف رجوع کرنے والے اولیا کرام کے درمیان فرق کے بیان میں ۔۔۔ شیخ عبدالمجید بن شیخ محمد مفتی لاہوری کی طرف لکھا۔

وہ ذات پاک ہے جس نے نور و ظلمت کو جمع کر دیا۔ اور لامکانی جہت سے مبرا کو ممکن شے کے ساتھ جو جہت میں موجود ہے ملا دیا تو نور کے لیے ظلمت کو محبوب بنا دیا، اور نور کو ظلمت پر عاشق کر دیا۔ نور کا ظلمت کے ساتھ کمال محبت کے ساتھ تعلق اور ربط قائم کر دیا، تاکہ اس طرح نور کی جلا میں مزید نورانیت پیدا ہو جائے۔ اور ظلمت کے ساتھ پڑوس کے باعث نور کی صفائی درجہ کمال کو پہنچ جائے جس طرح آئینہ کو جب خوب صاف اور صیقل کرنا اور اس کی لطافت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں تو اولاً شیشہ پر مٹی ڈالتے ہیں تاکہ مٹی کی ظلمت اس کے ساتھ لگنے سے اس کی خوب صفائی ہو۔ اور کثافت طبعی کے تعلق سے اس کی رونق دوبالا ہو۔

تو اس نور کو پہلے جو شہود قدسی حاصل تھا یہ اس کو بھول گیا۔ بلکہ اپنے معشوق ظلمانی میں استغراق از ہیکل جسمانی کے ساتھ تعلق کی وجہ سے یہ نور اپنی ذات اور توابع وجود کو بھی فراموش کر گیا۔ اور اس کے ساتھ صحبت اور ہم نشینی کے باعث اصحاب مشئمہ میں سے ہو گیا۔ اور اس کی مجاورت اور پڑوس کی وجہ سے اصحاب میمنہ کی کرامات کو بھی ضائع کر گیا۔ تو اگر اسی استغراق کی تنگی میں پڑا رہا، اور فضاء اطلاق کی طرف نہ نکلا تو اس پر افسوس اور بہت افسوس، کیونکہ اسے مقصود میسر نہ آسکا اور اپنی استعداد کا جوہر ضائع کر دیا۔ تو دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ اور اگر نیکی اس کی طرف سبقت کر کے آگئی۔ اور اعلیٰ درجے کی عنایت اس کے شامل حال ہو گئی۔ اور اس نے سر اٹھا لیا۔ اور جس کو گم کر چکا تھا پا لیا اور یہ کہتے ہوئے الٹے پاؤں لوٹ آیا ؎

الیک یا منیتی حجی ومعتمری　　　　ان حج قوم الی ترب واحجار

اے میری آرزو! میرا حج اور عمرہ تیری ہی طرف ہے۔ اگرچہ دوسرے لوگ خاک اور پتھروں کی عمارت کی طرف حج کو جاتے ہیں۔

اور اگر احسن طریقہ پر مطلوب مقدس کے مشاہدہ میں دوبارہ استغراق حاصل ہو گیا۔ تو اس وقت ظلمت نور کے تابع ہو جاتی ہے۔ اور نور کے غالب انوار میں درج ہو جاتی ہے۔ جب یہ استغراق اس حد کو پہنچتا ہے کہ اپنے ظلمانی متعلق کو بالکل فراموش کر دیتی ہے اور ایسا شخص اپنے نفس اور اس کے توابع وجود سے بھی کلیتہً بے خبر ہو جاتا ہے۔ اور نور الانوار کے مشاہدہ میں ہلاک ہو جاتا ہے اور پردوں کے پیچھے کے مطلوب کا حضور نصیب ہو جاتا ہے تو فنا جسمانی اور روحانی سے مشرف ہو جاتا ہے۔

اور اگر اسے فنا کے بعد اس مشہود کے ساتھ بقا بھی حاصل ہو جاتی ہے تو اس کے لیے فنا و بقا کی دو جہتیں حاصل ہو جاتی ہیں اور اس وقت ہر ولایت کا اطلاق درست ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کا حال دو باتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ یا تو بالکلیہ دائمًا مشہود میں استغراق و استہلاک ہو جاتا ہے، یا مخلوق کو خدا کی طرف دعوت دینے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اس طرح کہ اس کا باطن تو خدا کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کا ظاہر مخلوق کے ساتھ۔ اس وقت نور اس میں پائی جانے والی ظلمت سے خلاصی پا جاتا ہے اور مطلوب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور اس خلاصی کے باعث وہ اصحاب یمین میں سے ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ہاں اگرچہ یمین و شمال کچھ بھی فی الحقیقۃ نہیں ہے۔ پھر بھی یمین اس کے حال و کمال کے زیادہ مناسب و اولیٰ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ جہت خیر کا جامع ہے۔ ویسے اللہ تعالیٰ کے یمین و شمال یمن و برکت دونوں میں مشترک ہیں۔ جیسا کہ واجب تعالیٰ عز شانہٗ کی شان میں واقع ہو چکا ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ یمین ہیں۔ اور یہ ظلمت اس نور سے مقام عبادت اور ادائے طاعت کے مقام میں اتر آتی ہے اور نور لامکانی سے ہماری مراد روح ہے بلکہ اس کا خلاصہ اور ظلمت جو جہت سے مقید ہے اس سے نفس مراد ہے۔ اسی طرح باطن سے روح اور ظاہر سے نفس مراد ہے۔

اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ اولیاء مستہلکین (ذات حق میں مستغرق) کو بھی اس عالم کا شعور ہوتا ہے اور ان کی بھی اس جہان کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ اور وہ بھی اپنے بنی نوع سے غلط ملط اور میل جول رکھتے ہیں تو پھر استہلاک اور عالم قدس کی طرف دائمًا بالکلیۃ توجہ رہنے کے کیا معنی ہیں اور ان اولیاء مستہلکین اور دعوت و ارشاد کے لیے رجوع کردہ اولیاء کرام کے درمیان کیا فرق ہوا؟

تو ہم اس شبہ کے جواب میں کہتے ہیں کہ استہلاک اور بالکلیۃ توجہ نفس کے انوار روح میں درج ہونے کے بعد نفس اور روح کی دونوں توجہ سے عبارت ہے، جیسا کہ اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔ اور یہاں اور اس جیسی چیزوں کا شعور حواس، قُویٰ اور جوارح سے ہوتا ہے جو نفس کے لیے بمنزلہ تفصیل ہیں تو ان اولیاء مستہلکین کا مجمل اور خلاصی یافتہ باطنی حصہ تو مطالعہ مشہود کے اندر انوار روح کے ضمن میں مستہلک و فانی ہوتا ہے اور ان کی تفصیل شعور سابق پر ہی باقی رہتی ہے۔ اس میں کوئی فتور لاحق نہیں ہوتا۔ بخلاف ان اولیاء کرام کے جو دعوت و ارشاد کی خاطر جہان کی طرف رجوع کیے ہوئے ہیں۔ کہ ان کا نفس مطمئنہ ہونے کے بعد دعوت کے لیے انوار روح سے نکل آتا ہے اور اسے اس وقت اس عالم سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس مناسبت کے سبب اس کی دعوت مقام اجابت میں آ جاتی ہے۔ لیکن یہ بات کہ نفس درجہ اجمال میں ہے اور حواس وغیرہ درجہ تفصیل میں، تو اس کی وجہ

یہ ہے کہ نفس کا تعلق قلب صنوبری سے ہے۔ اور حقیقت جامعہ قلبیہ کے واسطے سے روح کا تعلق اس سے ہے۔ اور روح کی طرف سے وارد ہونے والے فیوض اولاً نفس پر وارد ہوتے ہیں۔ پھر اس سے تفصیل کے ساتھ قویٰ اور جوارح تک پہنچتے ہیں۔ تو ان حواس و قُویٰ کا اجمالی طور پر خلاصہ نفس میں موجود ہوتا ہے لہٰذا اس تحقیق سے دونوں قسم کے اولیاء کرام کے درمیان فرق ظاہر و واضح ہو گیا۔

اور یہ بات بھی جاننے کے لائق ہے کہ پہلا گروہ ارباب سُکر میں سے ہے اور دوسرا اصحاب صحو میں سے۔ شرافت پہلے کو حاصل ہے اور فضیلت دوسرے کو۔ پہلا مقام ولایت کے مناسب حال ہے اور دوسرا نبوت کے مناسب حال۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کرامات اولیاء سے مشرف کرے، اور کمال متابعت انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہٗ علیٰ نبینا وعلیھم وعلیٰ جمیع اخوانہ من الملئکۃ المقربین والعباد الصالحین الیٰ یوم الدین پر ثابت قدمی نصیب کرے۔ آمین۔

کاتب الحروف اگرچہ عجمی ہونے کی وجہ سے عربی جیسی چاہیے نہیں جانتا۔ لیکن چونکہ آپ کا مکتوب شریف عربی میں تھا، تو اس طرف سے بھی آپ کے طریقہ املا پر ہی تحریر کر دیا گیا۔ سلام ہے مُہر کلام۔

مکتوب نمبر (۲۳)

پیر ناقص سے طریقہ اخذ کرنے سے روکنے اور اس کے نقصان و ضرر اور اہل کفر سے مشابہ القاب سے منع کرنے کے بیان میں ـــــ عبدالرحیم المشہور بخان خاناں کے خط کے جواب میں اس کی طرف ارسال کیا گیا۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں ایسی قیل وقال سے نجات دے جو حال سے خالی ہے۔ اور اس علم سے بھی نجات عطا فرمائے جو عمل سے محروم ہے۔ بحرمتہ سید البشر جو ہر کالے اور گورے کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلھا ومن التسلیمات اکملھا ـــــ اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر بھی رحم فرمائے جو اس پر آمین کہے۔

باسعادت وباصداقت برادر نے تمہارا خط پہنچایا۔ اور زبان ترجمان سے تمہاری جناب کا حال نقل کیا جو نقل کیا۔ تو میں نے یہ شعر پڑھا ؎

اھلا لسعدیٰ والرسول وحبذا وجہ الرسول لحب وجہ المرسل

ترجمہ: اے سُعدیٰ (معشوقہ) اور اے اس کے قاصد! تم اپنے اہل میں تشریف لائے ہو۔ اور تمہاری طرف سے آنے والے قاصد کا چہرا کس قدر حسین ہے۔ کیونکہ روانہ کرنے والے کا چہرہ بڑا محبوب ہے۔

اے ظہور کمالات کے لائق برادر عزیز! اللہ تعالیٰ تمہیں قوت سے فعل کی طرف لائے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ تو اس شخص پر افسوس جس نے اس میں کچھ نہ بویا اور زمین استعداد کو خالی رکھا اور تخم اعمال کو ضائع کر دیا۔

اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ زمین کو ضائع کرنا اور خالی رکھنا دو طرح پر ہے۔ ایک یہ کہ اس میں کچھ نہ بوئے۔ دوسرا یہ کہ اس میں خبیث اور ردی تخم ڈالے۔ بیج ضائع کرنے کی یہ دوسری قسم ضرر و فساد میں پہلی قسم سے بہت زیادہ ہے، جیسا کہ مخفی اور پوشیدہ نہیں۔ اور بیج کی خرابی اور فساد یہ ہے کہ انسان پیر ناقص سے اخذ طریقہ کرے اور اس کے راستہ پر چلے۔ کیونکہ پیر ناقص اپنی خواہش نفس کا تابع اور پیروکار ہوتا ہے۔ اور جس چیز میں خواہش اور ہوائے نفسانی کی آمیزش ہو وہ مؤثر نہیں ہو سکتی۔ اور اگر اثر کرے گی بھی تو خواہش نفس کی ہی معاونت کرے گی۔ تو اس طرح تاریکی پر تاریکی میں اضافہ ہو گا۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ پیر ناقص اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ تک پہنچانے والے راستوں اور نہ پہنچانے والے راستوں میں تمیز و فرق نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ خود اب تک غیر واصل ہے۔ نیز یہ پیر ناقص طالبوں کی مختلف استعدادوں میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اور جب طُرق جذبہ (سیر انفسی) اور طریق سلوک (سیر آفاقی) میں تمیز نہیں کر سکتا تو عین ممکن ہے کہ ایک طالب کی استعداد طریق جذبہ سے مناسبت رکھتی ہو، اور ابتدائے حال میں طریق سلوک سے مناسبت نہ ہو۔ اور پیر ناقص طرق مختلفہ اور استعدادات مختلفہ میں تمیز نہ کر سکنے کی وجہ سے ابتداء سے طریقہ سلوک پر چلا دے، تو طالب کو بھی گمراہی میں ڈال دے۔ جس طرح خود گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

پس شیخ کامل، کامل کرنے والا جب اس طالب کی تربیت کا ارادہ کرے گا، اور اسے راہِ عرفان پر چلانا چاہے گا، تو اوّلاً اسے پیر ناقص کی پیدا کردہ خرابی اور پیر ناقص کے سبب پیدا شدہ فساد کی اصلاح کی ضرورت پڑے گی۔ اس کے بعد اس کی زمین استعداد کے مطابق صالح اور مناسب بیج ڈالیگا تب جا کر اچھے پودے اُگیں گے۔

مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ   خبیث و ردی کلمہ کا حال خبیث اور ردی درخت

اِجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۔ — کی طرح ہے جو زمین کے اوپر ہی سے اکھیڑ لیا گیا ہو اس کے لیے کوئی قرار و استحکام نہ ہو۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ — اور اچھے کلمے کا حال اچھے درخت کی طرح ہے جس کی جڑ زمین میں مضبوط اور ثابت ہو اور اس کی شاخیں آسمان میں ہوں۔

پس کامل، کامل بنانے والے شیخ کی صحبت کبریت احمر (سُرخ گندھک) ہے۔ اس کی نظر دوا اور اس کی باتیں شفا ہیں۔ اور اس کے بغیر تو خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے طریقہ پر قائم اور ثابت رکھے۔ کیونکہ متابعت شریعت ہی اصل کار اور مدار نجات، مناط سعادت ہے۔ فارسی میں کیا ہی اچھا کہا گیا ہے ؎

محمد عربی کابروئے ہر دو سرا ست
کسیکہ خاک درش نیست خاک برسراو

محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو دنیا اور آخرت دونوں کے سردار ہیں۔ جو شخص آپ کے دروازے کی خاک نہیں بننا چاہتا اس کے سر پر خاک پڑے (وہ ذلیل و نامراد ہو)

ہم اس مقالے کو حضور سید المرسلین کی صلوات پر ختم کرتے ہیں۔ آپ پر تسلیمات، تحیات اور برکات کا نزول ہوتا رہے۔

التتمہ:

کمال تعجب کی بات یہ ہے کہ برادر باسعادت نے نقل کیا ہے کہ اس کے ہمنشینوں میں سے بعض ایسے فاضل شعراء ہیں جنہوں نے اشعار میں اپنا لقب کفری رکھا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ شاعر سادات عظام اور نقبائے دبہتر اکرام میں سے ہے۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اسے اس بین الشناعتہ بُرے اسم پر کس چیز نے برانگیختہ کیا ہے۔ مسلمان کے لیے مناسب ہے کہ اس بُرے نام سے شیر سے بھی زیادہ بھاگے اور اس سے پوری طرح نفرت و کراہت کرے۔ کیونکہ یہ اسم اور اس کا مسمّیٰ دونوں اللہ سبحانہٗ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں ناپسند و مبغوض ہیں۔ مسلمانوں کو تو حکم ہے کہ اہلِ کفر سے عداوت رکھیں اور ان پر سختی کریں۔ لہٰذا ایسے بُرے اسم سے احتراز و پرہیز ضروری اور واجب ہے۔

در بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارات میں غلبہ سکر میں جو کفر کی مدح اور زنار

وغیرہ باندھنے کی ترغیب واقع ہوئی ہے' اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں اور ان کی تاویل کی گئی ہے۔ کیونکہ مستوں کا کلام ٹھیک معنی پر محمول کیا جاتا ہے۔ اور ظاہری اور قریب الفہم معنی پر محمول نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ وہ غلبہ سُکر کے باعث ان ممنوعات کے ارتکاب میں معذور ہیں۔ کیونکہ ان بزرگوں کے نزدیک کفر حقیقت اسلام حقیقی کی نسبت سراسر نقص اور خراب ہے۔ اور غیر مست اور غیر مغلوب الحال لوگ ان کی تقلید کرنے میں ان کے نزدیک اور اہل شرع کے نزدیک بھی قطعاً غیر معذور ہیں کیونکہ ہر شے کا ایک موسم اور وقت خاص ہوتا ہے۔ کہ اس وقت میں وہ شے اچھی اور گوارا ہوتی ہے۔ اور دوسرے وقت میں وہی شے قبیح ہو جاتی ہے۔ اور عقلمند ایک وقت کو دوسرے وقت پر قیاس نہیں کرتا۔ لہٰذا میری طرف سے انہیں کہیں کہ وہ اس لقب کو بدل کر کوئی اچھا اور اسلامی لقب اختیار کریں۔ کیونکہ مسلمان کے حال و قال کے موافق کوئی اسلامی لقب ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پسندیدہ دین کی طرف منسوب کرنا چاہیے۔ اور تہمت اور بُرائی کے مقامات سے اجتناب کرنا چاہیے۔ جیسا کہ ہمیں اس کا حکم ہے:

اِتَّقُوْا مِنْ مَّوَاضِعِ التُّهَمِ — تہمت کے مقامات سے بچو۔

نہایت سچا اور بے غبار کلام اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ ۔ — مومن غلام مشرک آزاد سے بہتر ہے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ — ہر متبع ہدایت پر سلامتی کا نزول ہو۔

مکتوب نمبر (۲۴)

اس امر کے بیان میں کہ صوفی کائن ہے اور بائن ہے۔ اور دل کا تعلق ایک سے زیادہ کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اور محبت ذاتی کا ظہور محبوب کی طرف سے آنے والے رنج و انعام کو برابر کر دینا ہے۔ اور مقربین اور ابرار کی عبادت کے فرق اور اولیاء مستہلکین اور دعوت و ارشاد پر مامور اولیاء کرام کے درمیان فرق و امتیاز کے بیان میں ——— محمد قلیج خان کی طرف ارسال فرمایا

بحرمتہ حضور سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے اور خیر و عافیت عطا فرمائے۔

انسان اس کے ساتھ ہوتا ہے جس کے ساتھ اس کی محبت ہوتی ہے۔ تو وہ شخص بہت ہی مبارک

ہے جس نے اپنے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے علاوہ کسی کی محبت باقی نہیں رکھی۔ اور جس کی مراد اور مقصود وہ بلند و مقدس ذات ہو چکی ہے۔

تو ایسا شخص فی الحقیقۃ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے، اگرچہ بظاہر مخلوق کے ساتھ ہو اور صورتاً مخلوق کے ساتھ مشغول و مصروف ہو۔ یہی کائن بائن صوفی کی شان ہے۔ کائن یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے والا۔ بائن یعنی حقیقتہً مخلوق سے جدا اور الگ ہونے والا۔ یا کائن سے مراد ہے صورتاً مخلوق کے ساتھ ہونے والا، اور بائن یعنی فی الحقیقۃ ان سے الگ اور جدا۔ اور قلب کی محبت ایک سے زیادہ اشیاء کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ تو جب تک اس کا تعلق حُبّی اس ایک کے ساتھ رہے گا اس کے ماسوا کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔

اور یہ جو انسان کی بہت مرادیں اور کثیر اشیاء مثلاً مال، اولاد، سرداری، مدح، لوگوں کے سامنے بلندی رتبہ کے ساتھ تعلق محبت محسوس ہوتا ہے، تو یہاں بھی فی الواقع اس کا محبوب ایک ہی شے ہے، اور وہ اس کا نفس ہے۔ اور ان سب کے ساتھ محبت اپنے نفس کے ساتھ محبت کی فروعات ہیں۔ کیونکہ ان اشیاء کی چاہت اپنے نفس کے لیے ہوتی ہے، نہ کہ بذاتِ خود ان اشیاء کے ساتھ۔ تو جب اس کی اپنے نفس سے محبت ختم ہو گئی تو بالتبع ان اشیاء کے ساتھ محبت بھی ختم ہو گئی۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ بندے اور رب کے درمیان انسان کا اپنا نفس ہی حجاب ہے۔ دوسری کائنات حجاب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کائنات بندے کی مراد و مطلوب نہیں تاکہ حجاب بنے۔ بلکہ بندے کی مراد اور اس کا مطلوب خود اس کا اپنا نفس ہے۔ لہٰذا فی الواقع وہی حجاب بھی ہے۔ تو جو شخص اپنے نفس کی چاہتوں سے بالکلیہ خالی نہ ہو رب تعالیٰ کو اپنا مطلوب و مراد نہیں بنا سکتا۔ اور نہ اس کے دل میں حق تعالیٰ کی محبت کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ اور یہ اعلیٰ درجہ کی دولت فنا مطلق کے ساتھ ہی متحقق و موجود ہو سکتی ہے۔ اور یہ فنا مطلق تجلی ذاتی سے وابستہ ہے۔ کیونکہ ظلمات اور تاریکیوں کا مکمل طور پر اُٹھنا اسی وقت متصور ہو سکتا ہے جب سورج پورے طور پر طلوع ہو کر چمکنا شروع کر دے۔ تو جب یہ محبت جسے محبت ذاتی سے تعبیر کرتے ہیں، حاصل ہو جاتی ہے، تو محب کے نزدیک محبوب کی طرف سے ہونے والے انعامات اور اس کی طرف سے آنے والے مصائب و آلام برابر حیثیت اختیار کر جاتے ہیں اور اس وقت اخلاص کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ اب وہ خدا تعالیٰ کی عبادت و بندگی صرف اس کی رضا کے لیے کرتا ہے، طلب انعام یا دفع آلام کے لیے نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں اس کے نزدیک برابر ہو چکی ہیں۔ یہ مقربین کا مرتبہ ہے۔ کیونکہ ابرار تو اس کی عبادت طمع اور خوف کی بنا پر کرتے ہیں۔ اور طمع اور

خوف کا تعلق اور واسطہ خود ان کی اپنی ذوات سے ہوتا ہے۔ اور یہ کوتاہی اس بنا پر ہے کہ انہیں محبت ذاتی کی سعادت نصیب نہیں ہوتی۔

اس تحقیق سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ ابرار کی نیکیاں مقربین کے لیے برائیوں کا حکم رکھتی ہیں۔ تو ابرار کی حسنات ایک لحاظ سے حسنات ہیں اور ایک لحاظ سے سیئات۔ اور مقربین کی حسنات من کل الوجوہ حسنات ہیں۔

ہاں کچھ مقربین ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کی عبادت و بندگی طمع اور خوف کے تحت کرتے ہیں۔ بقاء اکمل اور عالم اسباب کی طرف نزول کرنے کے بعد۔ لیکن ان کے خوف اور طمع کا تعلق ان کی اپنی ذوات کے ساتھ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طمع اور اس کی ناراضگی کے خوف سے عبادت و بندگی کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر وہ جنت طلب کرتے ہیں تو اپنے حظوظ نفسانی کے لیے نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام ہے۔ اور اگر دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں تو اپنے نفوس سے دفع عذاب الم کے لیے نہیں، بلکہ اس لیے کہ وہ حق تعالیٰ کی ناراضگی کا مقام ہے۔ کیونکہ یہ اکابر اپنے نفسوں کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں اور خالص اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہو چکے ہیں۔ اور مقربین میں سب سے اعلیٰ مرتبہ اور اس مرتبہ والے کو مرتبہ ولایت خاصہ کے حصول کے بعد مقام نبوت کے کمالات سے پورا حصہ ملتا ہے۔ اور ان مقربین میں سے جو اولیاء ارشاد و دعوت کی غرض سے عالم اسباب کی طرف نزول نہیں فرماتے وہ اولیاء مستھلکین میں ہیں (یعنی ذات ہی میں منہمک و مستغرق)۔ ان کو مقام نبوت کے کمالات سے کچھ حصہ نہیں ملتا۔ اور یہ تکمیل کے اہل بھی نہیں ہوتے، بخلاف پہلے گروہ کے۔ کہ وہ تکمیل کی اہلیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان اکابر کی محبت و عقیدت عطا کرے۔ بحرمتہ سید البشر علیہ و علی آلہ و اتباعہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا۔ کیونکہ انسان اس کے ساتھ شمار ہوتا ہے جس سے محبت رکھتا ہے۔ اول و آخر سلام

مکتوب نمبر (۲۵)

حضور سید المرسلین اور آپ کے خلفاء راشدین علیہ و علیہم من الصلوات اکملہا و من التسلیمات اتمہا کی متابعت کی ترغیب و تحریص کے بیان میں ——— خواجہ جہاں کو لکھا گیا۔

اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو سلامتی عطا کرے۔ تمہارے سینہ کو کشادہ کرے۔ تمہارے نفس کو

پاکیزگی عطا کرے اور تمہارے پوست بدن کو نرم کرے۔ یہ سب کچھ بلکہ روح، سر خفی اور اخفیٰ کے تمام کمالات کا حصول حضور سید المرسلین علیہ و علیٰ آلہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کی متابعت اور پیروی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ لہٰذا تم پر حضور سرور کائنات اور آپ کے بعد آپکے خلفاء راشدین جو ہدایت دینے والے والے اور ہدایت یافتہ ہیں، کی متابعت لازم و ضروری ہے کیونکہ خلفاء راشدین ہدایت کے ستارے اور ولایت کے آفتاب ہیں۔ تو جس کو ان کی پیروی کا شرف نصیب ہو گیا وہ عظیم کامیابی سے ہمکنار ہو گیا۔ اور جس کی سرشت میں ان کی مخالفت ڈال دی وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

بقیہ مقصود یہ ہے کہ مرحوم الشیخ سلطان کے دونوں بیٹے پریشانی اور تنگی معاشی میں مبتلا ہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ ان کی مدد و اعانت فرمائیں۔ ان کی امداد آپ کے شایان شان ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں کی حاجت برآری کی توفیق بخشی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی توفیق میں مزید اضافہ کرے۔ اور خیر و بھلائی کو آپ کا رفیق و ساتھی بنائے۔ آپ کو اور ہر متبع ہدایت کو سلام۔

مکتوب نمبر (۲۶)

اس امر کے بیان میں کہ شوق ابرار کو ہوتا ہے۔ مقربین کو نہیں ہوتا۔ اور اس مقام کے مناسب علوم کے بیان میں ——— دانش مند شیخ مولانا حاجی محمد لاہوری کو لکھا گیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے طریقہ پر قائم و ثابت رکھے۔

حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے کہ ابرار کو میری ملاقات کا شوق عرصہ دراز سے دامنگیر ہے اور میں ان کی ملاقات کا شوق ان سے بھی زیادہ رکھتا ہوں۔ اللہ سبحانہٗ نے اس کلام میں ابرار کے لیے شوق ثابت کیا ہے۔ کیونکہ مقربین واصلین کو کوئی شوق نہیں ہوتا۔ کیونکہ شوق کسی شے کے گم ہونے کا متقاضی ہے۔ اور گم ہونا مقربین کے حق میں مفقود ہے۔ دیکھتے نہیں کہ انسان اپنی ذات کا مشتاق نہیں ہوتا۔ حالانکہ اسے اپنی ذات سے انتہا درجہ کی محبت ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان کی اپنی ذات مفقود نہیں۔ تو مقرب واصل کا حال جو حق تعالیٰ کے ساتھ باقی اور اپنے نفس سے فانی ہو چکا ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ بالکل اسی طرح ہوتا ہے جس طرح انسان کا اپنی ذات کے ساتھ تعلق

ہے۔ لہذا مشتاق صرف ابرار ہی ہیں۔ کیونکہ یہی لوگ محب فاقد گم کردگان مطلوب ہیں۔ اور ابرار سے مراد غیر واصل اور غیر مقرب ہیں خواہ وہ ابتدا میں ہوں یا درمیان میں اگرچہ وسط سے ایک رائی کے دانہ برابر کچھ ہی باقی ہو۔ فارسی میں کیا ہی اچھا کہا گیا ہے ؎

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست
درون دیدہ اگر نیم موست بسیار است

دوست کا فراق اگر تھوڑا بھی ہو تو وہ تھوڑا نہیں ہے۔ آنکھ میں آدھا بال بھی پڑ جائے تو وہ بہت ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ قرآن مجید پڑھتا ہے اور روتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہم لوگ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ لیکن اب ہمارے دل سخت ہو چکے ہیں۔ آپ کا یہ ارشاد مدح مشابہ ذم کے قبیل سے ہے۔ میں نے اپنے شیخ (خواجہ محمد باقی) قدس سرہ سے سنا آپ فرماتے تھے منتہی واصل بہت دفعہ اس شوق اور طلب کی آرزو کرتا ہے جو اسے ابتدا میں حاصل تھی۔

اور اس شوق کے زائل ہو جانے کا مقام اور ہے جو دل سے اکمل اور اتم ہے۔ اور ادراک سے عاجز اور ناامید ہونے کا مقام ہے۔ کیونکہ شوق متوقع چیز کا ہوتا ہے۔ جب کسی شے کی توقع اور امید نہ ہو تو اس کا شوق بھی نہیں ہوتا۔

تو جب یہ کامل جو نہایت کمال کو پہنچ چکا ہوتا ہے اس عالم کی طرف رجوع قہقری کرتا ہے تو رجوع کی وجہ سے مطلوب کے مفقود ہونے کے باوجود وہ شوق عود نہیں کرتا۔ کیونکہ شوق کا زوال مطلوب کے گم ہونے کی بنا پر نہیں تھا، بلکہ اس کا زوال یاس اور ناامیدی کے حصول کی بنا پر تھا۔ اور وہ رجوع الی الخلق کے بعد بھی موجود ہے۔ لیکن اس کے برعکس کامل اول کا شوق عالم کی طرف رجوع کرنے سے واپس عود کر آتا ہے۔ کیونکہ وہی مطلوب کی گمشدگی پھر اسے حاصل ہو جاتی ہے جو پہلے زائل ہو چکی تھی۔ تو جب رجوع کے باعث مطلوب کا فقدان پایا گیا تو وہ شوق پھر حاصل ہو جاتا ہے جو اس کے زوال کے باعث زائل ہو چکا تھا۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ وصول کے مراتب تو کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ لہذا وصول کے بعض مراتب کی توقع اور امید تو رہتی ہی ہے۔ اس وجہ سے واصل مقرب کے لیے بھی شوق مذکور متصور ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ ہم اس اعتراض کے جواب میں کہتے ہیں کہ مراتب وصول کا منقطع نہ ہونا سیر تفصیلی پر مبنی ہے۔

جس کا تعلق اسماء، صفات، شیون اور اعتبارات سے ہے۔ اور سیر تفصیلی طے کرنے والے سالک کے لیے انتہا متصور نہیں ہو سکتی، اور شوق مذکور کبھی بھی اس سے زائل نہیں ہو سکتا۔ اور جس واصل کامل کے متعلق ہم گفتگو کر رہے ہیں اس سے انتہا کو پہنچ جانے والا وہ واصل مراد ہے جو مراتب کو بطریقِ اجمال طے کر چکا ہے۔ اور اس مقام تک پہنچ چکا ہے جسے نہ تو کسی عبارت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے، اور نہ اس مقام پر کسی قسم کی توقع باقی ہے۔ لہٰذا اس سے کلیۃً شوق وطلب زائل ہو جاتے ہیں اور یہ خواص اولیاء کرام کا حال ہے۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو صفات کی تنگی سے نکل چکے ہیں اور ذات تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ تک وصول حاصل کر چکے ہیں۔ بخلاف ان سالکین کے کہ صفات میں تفصیلاً اور شیونات میں ترتیب سے سیر کرنے والے ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات تجلیات صفاتیہ ہی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محبوس و مقید رہتے ہیں۔ اور ان کے حق میں مراتب وصول سے مراد یہی ہے کہ وہ صفات تک ہی پہنچتے ہیں۔ اور حضرت ذات واجب تعالیٰ تک عروج صفات اور اعتبارات میں سیر اجمالی کے بغیر متصور نہیں۔ اور جس شخص کی سیر اسماء میں تفصیلی ہوتی ہے وہ صفات اور اعتبارات ہی میں محبوس رہتا ہے اور اس سے شوق و طلب زائل نہیں ہوتا۔ اور نہ وجد و تواجد ان سے جدا اور الگ ہوتا ہے۔ لہٰذا اربابِ شوق و تواجد تجلیات صفاتیہ والے ہی ہیں۔ اور جب تک یہ لوگ شوق و وجد میں رہتے ہیں انہیں تجلیات ذاتیہ سے کچھ حصہ نہیں ملتا۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ خدا تعالیٰ کے شائق ہونے کا کیا مطلب ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شے بھی مفقود نہیں ہو سکتی۔ تو میں اس سوال کے جواب میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے شوق کا ذکر صنعت مشاکلت کے طور پر ہو۔ اور اس میں شدت کا ذکر اس وجہ سے ہو کہ جو شے عزیز و جبار ذات کی طرف منسوب ہوتی ہے وہ بھی شدید و غالب ہوتی ہے۔ جس طرح عبد ضعیف کی طرف جو شے منسوب ہوتی ہے وہ بھی ضعیف اور مغلوب ہوتی ہے۔ یہ جواب طریقہ علماء کے مطابق ہے۔ اور اس عبد ضعیف کے پاس اور بھی بہت سے جوابات ہیں جو طریقہ صوفیہ سے مناسبت رکھتے ہیں۔ وہ جوابات کچھ سُکر چاہتے ہیں سکر کے بغیر وہ جوابات مستحسن نہیں۔ بلکہ جائز ہی نہیں۔ کیونکہ مست لوگ معذور ہیں۔ مگر ارباب صحو سے باز پرس ہو سکتی ہے۔ اور میرا حال اس وقت خالص صحو ہے لہٰذا ان جوابات کا ذکر میرے حال کے لائق و مناسب نہیں۔ اسے ذہن نشین کر لو۔ الحمد للہ اولاً و آخراً۔ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ دائماً و سرمداً۔

مکتوب نمبر (۲۷)

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی مدح وثنا اور ان بزرگوں قدس سرہم کی نسبت کی بلندی کے بیان میں ـــــــ خواجہ عمک کی طرف صادر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ۔

مرحمت نامہ گرامی جو از روئے کرم اس مخلص کے نام لکھا تھا، یہ حقیر اس کے ورود سے مسرور اور خوش ہوا۔ آپ سلامت رہیں۔ بندہ آپ کے دردسر کا باعث نہیں بننا چاہتا۔ صرف سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی مدح وثنا میں لکھتا ہے۔

مخدوم ومحترم! اس سلسلہ عالیہ کے اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارات میں جو واقع ہوا ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے فائق ہے۔ اس سے مراد حضور و آگاہی کی نسبت ہے۔ جو حضور ان کے ہاں معتبر ہے وہ حضور بے غیبت ہے جس کو انہوں نے "یادداشت" سے تعبیر کیا ہے۔ لہٰذا ان عزیزوں کی نسبت یادداشت سے عبارت ہے۔ اور یادداشت جو اس فقیر کے فہم قاصر میں قرار پاچکی ہے وہ اسی تفصیل پر مبنی ہے۔

اور تجلی ذاتی حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے ظہور نیز حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء، صفات، شیون اور اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر حضور ذات سے عبارت ہے۔ اور اسی تجلی کو تجلی برقی کہتے ہیں۔ یعنی لمحہ بھر کے لیے شیون واعتبارات اُٹھ جاتے ہیں۔ پھر شیون واعتبارات کے پردہ میں وہ ذات پوشیدہ ہو جاتی ہے۔

اس تقریر وبیان کے مطابق حضور بے غیبت متصور نہیں ہوسکتا۔ بلکہ لمحہ بھر کے لیے حضور نصیب ہوتا ہے۔ اور اغلب واکثر اوقات غیبت رہتی ہے۔ اس طرح کی وقتی نسبت ان بزرگوں کے ہاں کوئی اعتبار نہیں رکھتی۔ ہاں جب یہ حضور دوام اختیار کرلے اور پوشیدہ ہونے کو بالکل قبول نہ کرے اور ہمیشہ اسماء، صفات، شیون اور اعتبارات کے پردہ کے بغیر ہی ظاہر اور متجلی رہے۔ تو یہ حضور بے غیبت کہلائے گا۔ تو ان اکابر نقشبندیہ قدس سرہم کی نسبت کو دوسروں کی نسبتوں پر قیاس کرکے موازنہ کرنا چاہیے۔ اور بے تکلف تمام نسبتوں سے فائق واعلیٰ جاننا چاہیے۔

اس قسم کا حضور اگرچہ اکثر لوگوں کے نزدیک بعید امر ہے۔ لیکن ہے

هنیئاً لارباب النعیم نعیمها

وللعاشق المسکین ما یتجرع

یعنی ارباب نعمت کو نعمتیں گوارا رہیں۔ عاشق مسکین کے لیے صرف وہی ہے جو گھونٹ گھونٹ پی رہا ہے۔

یہ بلند نسبت اس حد تک اور اس طور پر ندرت وقلت اختیار کر چکی ہے کہ اگر بالفرض اس بزرگ سلسلہ کے لوگوں کے سامنے بیان کی جائے تو احتمال ہے کہ اکثر اس کا انکار ہی کر جائیں۔ اور یقین نہ کریں۔ وہ نسبت جو آج کل اس بزرگ خانوادہ کے اصحاب میں مشہور ومتعارف ہے وہ حق تعالیٰ کے اس شہود سے عبارت ہے۔ جو شاہدی اور مشہودی کے وصف سے پاک ومنزہ ہے۔ اور وہ ایک توجہ ہے جو چھ جہات متعارفہ سے خالی اور معرا ہے۔ اگرچہ جہت فوق کا وہم پڑتا ہے۔ اور بظاہر دائمی ہوتی ہے۔ اور جہت صرف مقام جذبہ میں پائی جاتی ہے۔ اور اس جہت کی فوقیت کی کوئی وجہ ظاہر ہے۔ بخلاف یادداشت کے جو بمعنی سابق ہے۔ کیونکہ اس کا حصول جہت جذبہ اور مقامات سلوک کے بعد ہے اور اس کے درجے کی بلندی کسی بھی شخص پر مخفی نہیں ہے۔ اور خفا ہے تو وہ صرف اس کے حصول میں ہے۔ حاسد اگر حسد کی وجہ سے اس کا انکار کرے۔ اور ناقص رہنے کے باعث نہ مانے تو معذور ہے ؎

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن قصور — حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را

ہمہ شیران جہاں بستہ بایں سلسلہ اند — روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

کوئی قاصر شخص اس طائفہ پر قصور وار ہونے کا عیب رکھے۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ میں اس گلہ کو زبان پر لاؤں۔ تمام جہان کے شیر اس سلسلہ کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ لومڑی حیلہ بہانہ کے ذریعہ اس سلسلہ کو کس طرح توڑ سکتی ہے۔

مکتوب نمبر (۲۸)

بلندی حال کے بیان میں مگر ایسی عبارت سے جس سے تنزل اور دوری کا وہم ہوتا ہے ـــــــ یہ مکتوب بھی خواجہ عمک کو لکھا۔

رحمت نامہ گرامی جو از روئے کرم اس مخلص کے نام لکھا تھا، بندہ اس کے ورود مسعود سے مسرور ہوا، اور اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا ـــــــ کیا ہی عمدہ نعمت ہے کہ آزاد لوگ گرفتاروں کو

یاد کریں۔ اور کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی دولت ہے کہ پہنچے ہوئے لوگ ہجر میں پڑے ہوئے لوگوں کی غمخواری کریں۔

جدائی اور ہجر میں پڑے ہوئے نے جب اپنے آپ کو وصال کے قابل نہ پایا تو کم نامی کی حالت میں ہجر کے گوشے میں جا بیٹھا اور قرب سے بھاگ کر بُعد اور دوری کے ساتھ آرام جا پکڑا، اور اتصال کے بجائے انفصال کے ساتھ قرار پکڑ لیا۔ اور جب آزادی کے اختیار کرنے میں گرفتاری دیکھی تو گرفتاری کے احسان کے نیچے آ گیا ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں ۔۔۔ خاک برفرق قناعت بعد ازیں

دین کا سلطان جب مجھ سے طمع کا طالب ہے، تو اس کے بعد قناعت کے سر پر خاک پڑے۔

غیر مربوط عبارتوں اور پراگندہ اشاروں کے ساتھ اس سے زیادہ کیا درد سری کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حضور سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی متابعت پر ثابت اور قائم رکھے۔

مکتوب نمبر (۲۹)

ادائے فرض کی ترغیب، سنن و آداب کی رعایت، فرائض کے سامنے ادائے نوافل کی کم پرواہ کرنے، اور رات کے نصف اخیر میں نماز عشاء ادا کرنے سے روکنے، اور مستعمل پانی کے پینے کو جائز رکھنے سے منع کرنے اور مریدوں کو سجدہ کرنے سے منع کرنے کے بیان میں ـــــــ شیخ نظام تھانیسری کی طرف لکھا۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں طرف داری کرنے اور بے راہ روی اختیار کرنے سے بچائے اور ہمیں اور تمہیں افسوس اور غم کھانے سے نجات دے، بحرمۃ سید البشر جو نظر کی کجی سے پاک تھے علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات انمہا ومن التسلیمات اکملہا۔

حق تعالیٰ کی طرف قریب کرنے والے اعمال یا فرائض ہیں یا نوافل۔ نوافل کی فرائض کے سامنے کچھ حیثیت نہیں۔ کسی وقت میں فرائض میں سے ایک فرض کو ادا کرنا ہزار سال نوافل ادا کرنے سے بہتر ہے۔ اگرچہ نفل عبادت نیت خالص سے ادا کی جائے۔ جو بھی نفل عبادت ہو، جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ، اور ذکر و فکر وغیرہ۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ ادائے فرائض کے دوران ایک سنت کی رعایت اور مستحبات

میں سے ایک مستحب کی نگہداشت کا بھی یہی حکم ہے۔

منقول ہے کہ ایک روز امیر المومنین حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز فجر با جماعت ادا فرمائی۔ نماز سے فارغ ہو کر قوم پر نگاہ ڈالی۔ اپنے اصحاب میں سے ایک صاحب کو نہ پایا۔ دریافت فرمایا کہ فلاں شخص جماعت میں حاضر نہیں۔ حاضرین نے عرض کیا کہ وہ شخص رات کا اکثر حصہ بیدار رہتا ہے۔ شاید اس وقت سویا ہوا ہو۔ آپ نے فرمایا اگر وہ ساری رات سویا رہتا اور فجر کی نماز جماعت سے ادا کرتا تو وہ بہتر تھا۔

لہٰذا ایک مستحب کی رعایت اور مکروہ سے بچنا' اگرچہ تنزیہی ہی ہو' اور مکروہ تحریمی تو بطریق اولیٰ کئی مرتبے ذکر فکر اور مراقبہ و توجہ سے بہتر ہے۔ ہاں ہاں اگر یہ امور اس رعایت اور اس اجتناب کے ساتھ جمع کرے تو عظیم کامیابی حاصل کر لی۔ اس کے بغیر خار دار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔

مثلاً ایک دو پیسے زکوٰۃ کے ادا کرنا بطریق نفل پہاڑوں جتنا سونا صدقہ کرنے سے کئی مرتبے بہتر ہے۔

تو نماز عشاء رات کے نصف اخیر میں ادا کرنا اور اسے نوافل تہجد کی ادائیگی کی تاکید کا وسیلہ بنانا بہت برا ہے۔ اس لیے حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک نماز عشاء نصف اخیر میں ادا کرنا مکروہ ہے (کذا فی بحر الرائق) ظاہرًا اس سے ان کی مراد کراہت تحریمیہ ہے۔ اس لیے کہ فقہائے حنفیہ نے نماز عشاء کو نصف رات تک ادا کرنے کو مباح رکھا ہے' اور اس سے آگے مکروہ کہا ہے۔ لہٰذا جو مکروہ مباح کے مقابلے میں آتا ہے وہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک تو نصف اخیر میں نماز عشاء ادا کرنا جائز ہی نہیں۔ تو ادائے تہجد اور ذوق و جمعیت کے حصول کے لیے اس وقت میں اس امر کا مرتکب ہونا بہت ناپسندیدہ ہے اس غرض کے لیے وتر کی ادائیگی میں تاخیر کرنا کافی ہے۔ اور یہ تاخیر مستحب ہے۔ وتر پچھلے وقت میں ادا بھی ہو جائیں گے اور سحری کے وقت بیدار ہونے اور تہجد ادا کرنے کی غرض بھی حاصل ہو جائے گی۔ لہٰذا یہ کام چھوڑ دینا چاہیے اور گزشتہ نمازوں کی قضا کرنی چاہیے۔

امام اعظم کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضو کے مستحبات میں سے ایک مستحب چھوٹ جانے سے چالیس سال کی نمازیں قضا کیں۔

لہٰذا وہ پانی جس سے ازالہ حدث کیا گیا ہو یا بہ نیت عبادت و ثواب وضو کے لیے استعمال کیا گیا ہو لوگوں کے لیے اس کا پینا جائز نہ قرار دیں۔ کیونکہ یہ پانی سیدنا حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نجاست غلیظہ کا حکم رکھتا ہے۔ اور فقہاء نے اس پانی کے پینے سے منع کیا ہے اور اس کا پینا ... وہ قرار دیا ہے۔ ہاں وضو سے بچے ہوئے پانی کو انہوں نے شفا کہا ہے۔ اگر عقیدت کے طور پر

کوئی طلب کرے تو وضو سے بچے ہوئے پانی میں سے دیں۔

اس فقیر کو اس دفعہ دہلی میں یہ آزمائش پیش آگئی۔ بعض دوستوں کو واقعہ میں دکھایا گیا کہ وہ فقیر کے وضو کا مستعمل پانی پئیں۔ ورنہ ضرر عظیم لاحق ہوگا۔ ہر چند ا سے اس سے باز رہنے کی کوشش کی لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ کتب فقہ کی طرف رجوع کیا تو خلاصی کی ایک صورت نکل آئی۔ کہ اگر تین بار اعضاء دھو لینے کے بعد چوتھی بار بغیر نیت عبادت اعضاء پر پانی پھیر دیں تو وہ مستعمل نہ ہوگا۔ اس حیلہ سے بے نیت قربت اعضاء پر پانی چلا کر اسے پینے کے لیے دیا۔

نیز بعض معتمد لوگوں نے نقل کیا ہے کہ آپ کے بعض خلفاء کے مرید خلفاء کو سجدہ کرتے ہیں اور زمین بوسی پر کفایت نہیں کرتے۔ اس فعل کی برائی اظہر من الشمس ہے۔ انہیں اس سے سختی سے منع کیجیے اس قسم کے افعال سے سب کو پرہیز کرنا چاہیے اوران لوگوں کو تو خاص کر جو مخلوق کی پیشوائی کے لیے نمایاں ہو چکے ہیں۔

ایسے افعال سے ان لوگوں کے لیے اجتناب کرنا اشد ضروری ہے۔ کیونکہ پیروکار لوگ ان کے افعال کی اقتداء کیا کریں گے اور فتنے میں مبتلا ہوں گے۔

نیز اس گروہ صوفیہ کے علوم، علوم احوال ہیں۔ اور احوال اعمال کے نتائج و ثمرات ہیں۔ اور علوم احوال اسے عطا ہوتے ہیں جس کے اعمال درست ہوں اور اعمال کا حق ادا کیا ہو۔ اور اعمال کی درستی اس وقت میسر آتی ہے جبکہ اعمال کو پہچانے اور ہر عمل کی کیفیت سے واقف ہو۔ اور اعمال کو جاننا اوران کی کیفیت سے واقف ہونا احکام شرعیہ کا علم ہے۔ جیسے نماز، روزہ اور باقی فرائض اور معاملات کا علم اور نکاح و طلاق اور بیع و شراء کا علم۔ اور ہر اس شے کا علم جو اللہ تعالیٰ نے بندے پر واجب کی ہے۔ اور جس کی بندے کو دعوت دی ہے۔ اور یہ علوم کسب و سعی سے حاصل ہوتے ہیں ان کے سیکھنے کے بغیر چارہ نہیں۔

اور علم دو مجاہدوں کے درمیان واقع ہے۔ ایک اس کے حصول سے پہلے اس کی طلب کا مجاہدہ، دوسرا حاصل کر لینے کے بعد اس پر عمل کرنے کا مجاہدہ۔ لہٰذا یوں چاہیے کہ جس طرح آپ کی مجلس شریف میں کتب تصوف کا ذکر مطالعہ ہوتا ہے اسی طرح کتب فقہ کا بھی ذکر و مطالعہ ہو۔ اور زبان فارسی میں فقہ کی بے شمار کتابیں موجود ہیں۔ جیسے مجموعہ خانی، عمدۃ الاسلام اور کنز فارسی۔ بلکہ اگر آپ کی مجلس شریف میں کتب تصوف کا ذکر و مطالعہ نہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ تصوف کا احوال سے تعلق ہے۔ وہ قال میں نہیں آسکتا۔ لیکن کتب فقہ کے زیر مطالعہ نہ ہونے سے ضرر و نقصان کا احتمال ہے۔ بات زیادہ لمبی

کیا کرے۔ تھوڑی چیز زیادہ پر دلالت کرتی ہے ؎

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

تیرے سامنے میں نے بہت تھوڑا غم دل بیان کیا ہے۔ مجھے ڈر محسوس ہوا کہ تو دل آزردہ ہوگا۔ ورنہ باتیں بہت ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اپنے حبیب پاک علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی کامل اتباع نصیب فرمائے۔

مکتوب نمبر (۳۰)

شہود آفاقی اور انفسی، اور تجلی صوری اور شہود انفسی کے درمیان فرق۔ اور مقام عبدیت کے شان کی بلندی، اور اس مقام کے علوم کی علوم شرعیہ کے ساتھ مطابقت اور دیگر اس سے مناسبت رکھنے والے امور کے بیان میں ــــــ ملا محمد صدیق صاحب جو اس درگاہ مجددیہ کے قدیم خادموں میں سے ہیں وہ فرماتے تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مکتوب بھی شیخ نظام تھانیسری کو لکھا۔

اللہ تعالیٰ تمہیں کامل اتباع محمدی سے مشرف کرے اور بلند مصطفوی لباس سے مزین کرے علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا۔

میں نہیں جانتا کہ کیا لکھوں۔ اگر اپنے مولائے پاک کی جناب کی بات زبان پر لاؤں تو وہ میرا محض کذب و افترا ہوگا۔ اس کی جناب کبریائی اس سے بلند تر ہے کہ میرے جیسے بیہودہ گو کی زبان اس کے لائق ہو۔ مثل رکھنے والی شئے (ممکن) بے مثل ذات کے متعلق کیا کہہ سکتی ہے۔ اور حادث قدیم کو کب تلاش کرسکتا ہے۔ اور مکانی شئے لامکانی ذات تک کب تک دوڑ سکتی ہے۔ بیچارے کے پاس اپنے سے باہر کوئی شئے نہیں، اور اپنی بساط سے اوپر اس کا گزر نہیں ہوسکتا ؎

ذرہ گربس نیک ور بس بد بود!
گرچہ عمرے تگ زند در خود بود

ذرہ کتنا ہی اچھا یا کتنا ہی برا ہو۔ ساری عمر دوڑتا رہے تو اپنی بساط کے اندر ہی رہے گا۔

یہ معنی بھی سیر انفسی میں جو نہایت پر جا کر میسر آتی ہے، میسر ہے۔ حضرت خواجہ بزرگ خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے فرمایا ہے" اہل اللہ فنا اور بقا کے بعد جو دیکھتے ہیں اپنے اندر دیکھتے ہیں، اور جو کچھ پہچانتے ہیں اپنے اندر ہی پہچانتے ہیں۔ ان کی حیرت اپنے وجود میں ہی ہوتی ہے:

وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۔ یعنی تمہاری اپنی ذات میں بھی نشانات موجود ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں۔

اس سے قبل جو سیر بھی ہے وہ سیر آفاقی میں داخل ہے کہ اس کا حاصل و نتیجہ بے حاصل ہے۔ بے حاصل کے لفظ کا اطلاق اصل مطلوب کے حصول کی نسبت سے ہے۔ ورنہ وہ بھی شرائط و معدات (آمادہ کرنے والی اشیاء) میں سے ہے۔

شہود انفسی سے کوئی وہم میں نہ پڑے۔ اور اسے شہود تجلی صوری کی مانند جو متجلیٰ لہٗ کی ذات میں ہوتی ہے خیال نہ کرے۔ حاشا و کلا تجلی صوری جس قسم کی بھی ہو سیر آفاقی میں داخل ہے۔ اور اس کا حصول علم الیقین کے مرتبہ میں ہے۔ اور حق الیقین کا مرتبہ شہود انفسی میں داخل ہے جو مراتب کمال کی نہایت ہے۔ اور لفظ شہود کا اطلاق و استعمال بیدان عبارت کی تنگی کے باعث ہے۔ ورنہ جس طرح ان کا مطلوب و مقصود بے مثل و بے نمونہ ہے۔ اس مطلب سے ان کی نسبت بھی بے مثل و بے نمونہ ہے۔ چوں (ممکن) کے لیے بے چون کی طرف کوئی راہ نہیں ؎

اتصالے بے تکیف و بے قیاس	ہست رب الناس را با جان ناس
لیک گفتم ناس رانسناس نہ	ناس غیر از جانِ جاں اشناس نہ

لوگوں کے رب کا لوگوں کے ساتھ بے کیف اور عقل و قیاس میں نہ آنے والا اتصال و تعلق ہے لیکن ہم نے لوگوں کے ساتھ اتصال کا ذکر کیا ہے، حیوان کے ساتھ نہیں۔ ناس یعنی کاملین و عارفین اور واصلین تو صرف جانِ جاں (محبوب حقیقی) کے ساتھ ہی آشنائی رکھتے ہیں۔

شہود صوری کے ساتھ شہود انفسی کے اتحاد کے وہم کا منشا ہر دو مقام میں تشخص کے بقا کا حصول ہے۔ کیونکہ تجلی صوری متجلیٰ لہٗ (جس پر تجلی پڑے) کو فنا نہیں کرتی۔ اگرچہ کچھ نہ کچھ قیود کو اٹھا دیتی ہے لیکن فنا کی حد تک نہیں پہنچا سکتی۔ اس لیے سالک کا بقیہ وجود اس تجلی میں موجود رہتا ہے۔ اس کے برعکس سیر انفسی فنائے اتم اور بقائے اکمل کے بعد ہے۔ تو اس بنا پر قلت معرفت کی وجہ سے ان دو قسم کی بقا میں فرق کرنا مشکل ہوتا ہے۔ لہٰذا ان دونوں کو ایک ہی سمجھ لیا جاتا ہے۔ اگر یہ جان لیں کہ نشاۃ ثانی جسے بقا باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کے وجود کو حق تعالیٰ کا عطا کردہ وجود کہتے ہیں۔ تو

شاید اس وہم سے نجات پا جائیں

یہاں کوئی شخص یہ سوال نہ کرے کہ بقاء باللہ تو اپنے آپ کو حق تعالیٰ و تقدس کا عین دیکھنا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ معنی اس قوم (صوفیہ) کی بعض عبارات سے سمجھے جاتے ہیں تو ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ بقا جذبہ کے مقام میں بعض کو فنا اور نیست ہونے کے بعد جو فنائے اتم کے مشابہ ہے۔ حاصل ہوتی ہے۔ اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم اسے وجود عدم سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ فنا سے پہلے ہے۔ اس کا زوال متصور ہے۔ بلکہ واقع بھی ہے۔ کبھی تو اس سے لے لیتے ہیں اور کبھی واپس دے دیتے ہیں۔ لیکن وہ بقا جو اتم و اکمل ہے۔ وہ زوال اور خلل سے محفوظ ہے۔ ان اکابر کی فنا دائمی ہے۔ عین بقا میں فانی ہے اور عین فنا میں باقی۔ وہ فنا و بقا جو زوال پذیر ہیں احوال و تلوینات کے قبیلہ سے ہیں، اور جس میں ہم بحث کر رہے ہیں وہ اس طرح نہیں۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ فرماتے ہیں کہ وجود عدم وجود بشریت کی طرف لوٹ آتا ہے۔ لیکن وجود فنا (اتم) وجود بشریت کی طرف عود نہیں کرتا۔ لہٰذا ان کا وقت دائمی اور ان کا حال سرمدی (ہمیشہ) ہے۔ ان کا کوئی مخصوص وقت اور حال نہیں۔ ان کا کام تو وقت مقرر کرنے والے (حق تعالیٰ) کے ساتھ ہے۔ اور ان کا معاملہ تو حالات کو بدلنے والے کے ساتھ ہے، لہٰذا زوال کا آنا وقت و حال کے ساتھ خاص ہے۔ اور جو حال اور وقت سے گزر چکا ہے وہ زوال سے محفوظ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ دوام وقت کا اطلاق و استعمال اس وقت کے اثر یعنی تعین وغیرہ کی بقا کے اعتبار سے ہے۔ یہ بات نہیں۔ بلکہ دوام عین وقت کی وجہ سے ہے۔ اور استمرار نفس حال کی وجہ سے۔ ظن حق کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ بعض ظن گناہ ہیں۔

بات لمبی ہو گئی، ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کی فضائے قدس میں مجال سخن نہیں تو ہمیں اپنے مقام بندگی اور ذلت و انکسار کی بات کرنی چاہیے۔

پیدائش انسانی سے مقصود وظائف بندگی کا ادا کرنا ہے۔ اور اگر ابتداء اور درمیان راہ میں عشق و محبت عطا کر دیا گیا ہے۔ تو اس سے مقصود یہ ہے کہ بندہ جناب قدس جل سلطانہ کے ماسوا سے ہر طرح کا تعلق قطع کر لے عشق و محبت بھی مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ عبودیت کے مقام کے حصول کے لیے ہیں۔ انسان خدا تعالیٰ کا بندہ اس وقت کہلانے کا مستحق ہوتا ہے جب غرض کی بندگی و گرفتاری سے پوری طرح نجات پا جائے۔ اور عشق و محبت کی حیثیت قطع تعلقات ماسوا سے

زیادہ نہیں۔ لہٰذا مراتب ولایت کی انتہا مقام عبدیت ہے۔ ولایت کے درجات میں مقام عبدیت سے اوپر کوئی مقام نہیں۔ بندہ اس مقام پر پہنچ کر اپنے مولیٰ تعالیٰ کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں پاتا۔ سوائے اس کے کہ وہ اپنے آپ کو اس کا محتاج پاتا ہے۔ اور واجب تعالیٰ و تقدس کی جانب سے ذات اور صفت کے لحاظ سے مکمل استغنا ہوتا ہے۔ یہ بات بھی نہیں ہوتی کہ اپنی ذات کی اس سبحانہ و تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اور اپنی صفات کی اس ذات عز سلطانہ کی صفات کے ساتھ اور اپنے افعال کی اس حق سبحانہ کے افعال کے ساتھ کسی وجہ کی مناسبت محسوس کرتا ہے۔ ظلّیت کا اطلاق بھی مناسبات میں سے ہے۔ وہ اس سے بھی منزہ ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ اس سبحانہٗ و تعالیٰ کو خالق اور اپنے آپ کو مخلوق جانتے ہیں۔ اس سے زیادہ کسی طرح کی جرأت نہیں کرتے۔

توحید فعلی جو بعض بزرگوں کو راستے میں حاصل ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کو فاعل نہیں جانتے۔ نقشبندی سلسلہ کے بزرگ تو جانتے ہیں کہ ان افعال کا خالق ایک ہی ہے۔ ہاں وہ ان افعال کا کاسب و مباشر نہیں۔ کیونکہ یہ قول بھی زندقہ اور الحاد کے قریب پہنچا دیتا ہے۔

ہم اسے ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شعبدہ باز پردہ کے پیچھے بیٹھ کر پتھر کی چند صورتوں کو حرکت دے۔ اور عجیب و غریب کے افعال ان میں ایجاد کر دے۔ دوربین لوگ جان لیں گے کہ ان جمادی صورتوں کے افعال کا موجد وہ پردہ نشین شخص ہے۔ لیکن صورتوں کے افعال کی کاسب خود وہ صورتیں ہیں۔ لہٰذا کہتے یہ ہیں کہ صورت متحرک ہے۔ یہ نہیں کہتے کہ وہ شعبدہ باز متحرک ہے۔

فی الواقع اس حکم میں وہ سچے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی شریعتیں بھی یہی کہتی ہیں۔ وحدت فعل کا حکم لگانا سکریات میں سے ہے۔ حق صریح یہ ہے کہ فاعل متعدد ہیں اور خالق افعال صرف ایک ذات ہے۔ اسی قسم کا کلام لوگوں نے توحید وجودی کے بیان میں بھی کیا ہے۔ اس کی بنیاد بھی سکر وقت اور غلبۂ حال ہے۔

علوم لدنیہ کی درستی و صحت کی علامت یہ ہے کہ وہ علوم شرعیہ کے ساتھ صریح مطابقت و موافقت رکھتے ہوں۔ اس سے اگر بال برابر بھی تجاوز ہے تو وہ سکر کی وجہ سے ہے اور حق وہی ہے جو علمائے اہل سنت و جماعت نے کہا ہے۔ اس کے ماسوا یا زندقہ اور الحاد ہے اور یا سکر وقت اور غلبۂ حال ہے۔ اور یہ مطابقت پوری طرح مقام عبدیت میں میسر آتی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہ کچھ سکر

موجود رہتا ہے۔ ع

گر بگویم شرح ایں بے حد شود

اگر میں اس کی شرح کروں تو بے حد ہی ہو جائے

ایک شخص نے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس سے سوال کیا کہ سلوک سے کیا مقصود ہے؟ آپ نے جواب دیا تاکہ اجمالی معرفت تفصیل کے درجے کو پہنچ جائے۔ اور استدلالی معرفت کشف کے درجے کو پہنچ جائے۔ آپ نے یہ نہ فرمایا تاکہ معارف شرعیہ سے زائد کچھ حاصل کرے۔ اگرچہ راہ میں علوم شرعیہ سے زائد کچھ امور سامنے آتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کو نہایت کام تک پہنچا دیں تو وہ تمام زائد امور بکھرے ہوئے ذرات کی طرح ختم ہو جاتے ہیں اور وہی معارف شرعیہ تفصیل کے رنگ میں علم ودانش میں باقی اور محفوظ رہتے ہیں۔ اور استدلال کے تنگ مقام سے نکل کر کشف کی فراخ اور کشادہ فضا میں آجاتے ہیں یعنی جس طرح حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان علوم شرعیہ کو وحی سے حاصل کرتے تھے، یہ بزرگوار انہی علوم کو الہام کے طریقہ سے حق تعالیٰ سے اخذ کرتے ہیں۔ علماء نے یہ علوم بطریق اجمال شرائع انبیاء کرام علیہم السلام سے اخذ کیے ہیں۔ وہی علوم جو انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کو تفصیلاً اور کشفاً ہوئے تھے ان کو بھی اسی طور پر حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن اصل اور تابع ہونے کی حیثیت درمیان میں موجود ہے۔ اس قسم کے کمال کے لیے کاملین اولیاء کرام میں سے بعض کو بڑی صدیوں اور ازمنۂ دراز کے بعد منتخب کرتے ہیں۔

دل میں تھا کہ ایک اجمالی استدلالی مسئلہ کو مفصل لکھوں مگر کاغذ کم تھا۔ شاید خداوند جل سلطانہٗ کی حکمت اسی میں ہو۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۳۱)

توحید وجودی کی حقیقت کے ظہور اور خدا تعالیٰ وتقدس کے قرب اور معیت ذاتی اور اس مقام سے آگے گزر جانے اور بعض سوالات وجوابات کے بیان میں جو اس مقام کی تحقیق سے تعلق رکھتے ہیں۔

شیخ صوفی کو لکھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم وعلیٰ آلھم من الصلوات افضلھا ومن التسلیمات اکملھا کی متابعت پر قائم وثابت رکھے۔

وہ شخص جو آپ کی مجلس میں تھا اس نے بتایا ہے کہ میاں شیخ نظام تھانیسری کے کسی درویش نے اس مجلس میں میرا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ (مجدد صاحب) وحدت وجود کا منکر ہے۔

اس ناقل نے مجھ سے التماس کیا ہے کہ اس باب میں جو حقیقت ہے شیخ صوفی کے خدام کو لکھ بھیجوں تاکہ لوگ اس نقل سے کچھ اخذ کریں اور بدگمانی میں نہ پڑیں۔ کیونکہ بعض ظن گناہ ہیں۔ ان کے اس مطالبے کے جواب میں آپ کی سردردی کرتا ہے۔

مخدوم ومکرم! کم عمری کے زمانہ میں فقیر کا اعتقاد بھی توحید وجودی والوں کے مشرب جیسا تھا۔ فقیر کے والد صاحب قدس سرہ بھی بظاہر اسی مشرب پر تھے۔ اور باطن کی پوری نگرانی کے باوجود جو بے کیفی کے مرتبہ کی طرف رکھتے تھے ہمیشہ اسی طریقہ کے مطابق مشغول رہے۔ اور فقیہ کا بیٹا بھی نصف فقیہ کے مطابق فقیر بھی اس مشرب سے از روئے علم حظ وافر اور لذت عظیم رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ارشاد پناہ حقائق ومعارف آگاہ پسندیدہ دین کے مؤید ہمارے شیخ ومولی اور قبلہ **محمد الباقی** قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ آپ نے فقیر کو طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تعلیم فرمائی اور اس فقیر کے حال کی طرف توجہ بلیغ مبذول فرمائی۔

اس طریقہ عالیہ میں محنت کرنے کے بعد تھوڑی مدت کے بعد ہی توحید وجودی منکشف ہو گئی اور اس کشف میں غلو پیدا ہو گیا، اور اس مقام کے علوم ومعارف کثرت سے ظاہر فرمائے گئے، اور اس مرتبے کی باریکیوں میں سے کوئی کم ہی باریکی ہو گی جو منکشف نہ کی گئی ہو۔ شیخ محی الدین ابن العربی کے معارف کے دقائق پورے طور پر ظاہر واضح کیے گئے۔ اور تجلی ذاتی جسے صاحب فصوص نے بیان فرمایا ہے اور نہایت عروج اسی کو قرار دیا ہے۔ اور اس تجلی کی شان میں فرماتے ہیں:

وما بعد هذا الا العدم المحض — اور اس کے بعد صرف عدم محض ہے۔

مجھے اس تجلی ذاتی سے بھی مشرف فرمایا۔ اور اس تجلی ذاتی کے علوم ومعارف جنہیں شیخ نے خاتم الولایۃ کے ساتھ مخصوص کیا ہے، وہ تفصیل سے معلوم ہوئے۔ اور سکر وقت اور غلبہ حال اس توحید وجودی میں اس حد تک پہنچ گیا کہ بعض خطوط میں جو حضرت خواجہ کی خدمت میں لکھے گئے، یہ دو بیت بھی جو سراسر سکر ہیں لکھ ڈالے

اے دریغا کیں شریعت ملت اعمائی است	ملتِ ما کافری وملتِ ترسائی است
کفر وایماں زلف وروئے آں پری زیبائی است	کفر وایماں ہر دو اندر راہ ما یکتائی است
افسوس! یہ شریعت نابینوں کی شریعت ہے	ہماری ملت تو کفر اور عیسائیت کی ملت ہے
کفر وایمان اس زیبا شکل پری کی زلف وچہرہ ہیں	کفر اور ایمان دونوں ہمارے راہ میں برابر ہیں

یہ حال مدت دراز تک رہا، اور مہینوں سے سالوں تک پہنچ گیا۔ اچانک حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت بے نہایت غیب کی کھڑکی سے ظہور کے میدان میں آئی اور بے چون و بے چگون کی روپوشی کے پردہ کو اٹھا دیا۔ پہلے علوم جو اتحاد اور وحدت وجود کی خبر دیتے تھے زائل ہونا شروع ہو گئے۔ اور احاطہ اور ذاتِ حق کا قلب مومن میں سما جانا اور قرب و معیت ذاتی، یہ سب کچھ جو اس مقام میں منکشف ہوئے تھے پوشیدہ ہو گئے۔ اور پورے یقین سے معلوم ہو گیا کہ صانع عالم جل شانہٗ کے لیے عالم کے ساتھ ان مذکورہ نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہیں۔ ذات حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا احاطہ اور قرب ذاتی نہیں بلکہ علمی ہے، جیساکہ اہل حق شکر اللہ سعیہم کے ہاں قرار پا چکا ہے۔ اور وہ سبحانہٗ وتعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں۔ اور خدا خدا ہے اور عالم عالم ہے۔ وہ سبحانہ وتعالیٰ بے مثل و بے مثال ہے اور عالم سارے کا سارا مثل و مثال کے داغ سے داغدار ہے۔ بے مثل و بے کیف ذات کو ذی مثل و ذی کیف کا عین نہیں کہا جا سکتا۔ واجب تعالیٰ کو ممکن کا عین نہیں کہہ سکتے اور قدیم حادث کا عین ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ممتنع العدم ذات جائز العدم کا عین نہیں ہو سکتی۔ انقلاب حقائق عقلاً اور شرعاً محال ہے۔ ایک کا حمل دوسرے پر بالکل ممتنع ہے۔

تعجب ہے کہ شیخ محی الدین اور اس کے پیروکار ذات واجب تعالیٰ کو مجہول مطلق کہتے ہیں۔ اور اس کے لیے کسی حکم کا ثبوت بھی نہیں کرتے۔ اس کے باوجود اس کے لیے احاطہ اور قرب اور معیت ذاتی بھی ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی تو ذات واجب تعالیٰ کے لیے حکم ہی کا ثبوت ہے۔ تو درست اور صواب وہی ہے جو علما اہل سنت نے کہا ہے کہ قرب اور احاطہ علمی ہے۔

اور جس وقت توحید وجودی کے مشرب کے خلاف علوم و معارف حاصل ہوتے تھے۔ تو فقیر کو بڑا اضطراب اور بے چینی لاحق ہوتی تھی۔ کیونکہ اس وقت یہ فقیر اس توحید وجودی سے بلند تر کچھ نہیں جانتا تھا۔ اور بڑے عجز و زاری کے ساتھ دعا کرتا تھا کہ یہ معرفت کہیں زائل نہ ہو۔ یہاں تک کہ معاملہ کے چہرے سے تمام حجابات دور ہو گئے اور حقیقت جس طرح کہ چاہیے تھی منکشف اور ظاہر ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ عالم اگرچہ کمالات صفاتی کے آئینے اور اسماء کے ظہور کی جلوہ گاہ ہے لیکن مظہر عین ظاہر نہیں۔ اور ظل عین اصل نہیں۔ جس طرح توحید وجودی والوں کا مذہب ہے۔ یہ بحث ایک مثال سے واضح ہو جاتی ہے۔

مثلاً ایک ماہر عالم نے چاہا کہ اپنے گوناگوں کمالات کو میدان ظہور میں جلوہ گر کرے اور اپنے پسندیدہ مخفی امور کو معرض وضاحت میں لائے۔ اس نے حروف اور آوازوں کو ایجاد کیا اور حروف و

صورت کے آئینوں میں ان مخفی کمالات کو ظاہر کر دیا۔ اس صورت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حروف اور آوازیں جو ان مخفی کمالات کی جلوہ گاہ اور آئینے ہیں وہ اس کے کمالات کا عین ہیں یا بالذات اس کے کمالات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں یا بالذات اس کے قریب ہیں یا معیت ذاتی رکھتے ہیں۔ بلکہ ان دونوں کے درمیان دالیت اور مدلولیت والی نسبت ہے۔ حروف اور آوازیں صرف ان کمالات پر دلالت کرتے ہیں۔ اور وہ کمالات خالص مطلق حالت پر موجود ہیں۔ عینیت، اتحاد اور احاطہ وغیرہ کی جو نسبتیں پیدا ہوئی ہیں وہ اوہام اور خیالات کی بنا پر ہیں۔ فی الحقیقت ان نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہیں۔ لیکن چونکہ ان کمالات اور ان حروف واصوات کے درمیان ظاہریت اور مظہریت اور مدلولیت اور دالیت متحقق ہے۔ اسی مناسبت کے باعث بعض لوگوں کو بعض عوارض کے باعث وہ وہمی نسبتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ نفس الامر میں وہ کمالات ان تمام نسبتوں سے معرا اور مبرا ہیں۔ اور جس نسبت میں ہم گفتگو کر رہے ہیں یعنی خالق اور مخلوق کے درمیان نسبت۔ تو یہاں دالیت اور مدلولیت وظاہریت ومظہریت کے سوا اور کوئی علاقہ نہیں۔ عالم اپنے صانع تعالیٰ وتقدس کے وجود کی علامت ہے اور اس کے کمالات اسمائی اور صفاتی کے ظہور کا مظہر ہے۔ اور یہی تعلق بعض لوگوں کے لیے بعض عوارض کے واسطے بعضے احکام وہمیہ کا باعث بن جاتا ہے۔

بعض لوگوں کو توحید سے متعلق کثرت مراقبات ان احکام کی طرف کھینچ لاتے ہیں۔ کیونکہ ان مراقبات کی صورت قوت خیالیہ میں نقش ہو جاتی ہے۔ اور کچھ دوسرے لوگوں کو علم توحید اور اس کا تکرار ان احکام کا کسی قدر ذوق عطا کر دیتا ہے۔ لیکن توحید کی یہ دونوں صورتیں ضعیف ہیں اور دائرہ علم میں داخل ہیں۔ حال سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اور بعض اور لوگوں کے لیے ان احکام کا منشا غلبہ محبت ہے۔ کہ محبوب کے غلبہ محبت کی وجہ سے محب کی نظر سے غیر محبوب ہٹ جاتا ہے۔ اور محبوب کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔ یہ بات نہیں کہ نفس الامر میں محبوب کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔ کیونکہ یہ بات حس، عقل اور شرع کے خلاف ہے۔ اور بعض اوقات یہی محبت اور قرب ذاتی کے حکم لگانے کا باعث بن جاتی ہے یہ توحید پہلی دونوں قسموں سے اعلیٰ ہے اور دائرۂ حال میں داخل ہے۔ اگرچہ نفس الامر اور شریعت کے مطابق وموافق نہیں۔ اور اس کی شریعت اور نفس الامر کے ساتھ مطابقت کرنا محض تکلف ہے۔ جس طرح دوسرے بہت سے بیکار فلسفی تکلفات ہیں جن کے متعلق فلاسفہ اسلام چاہتے ہیں کہ اپنے فاسد اصولوں کو قوانین شرعیہ کے مطابق کر لیں۔ "اخوان الصفا" اور اسی طرح کی کتابیں اسی طرح کی ہیں۔

اس باب میں آخری بات اتنی ہے کہ خطا کشفی خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی ہے۔ کہ اس پر ملامت وعتاب نہیں ہے۔ بلکہ درجات صواب میں سے ایک درجہ صواب کا ثابت ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ مجتہدین کے مقلد مجتہد کا حکم رکھتے ہیں اور خطا کی صورت میں بھی درجات صواب میں ایک درجہ صواب کا پاتے ہیں۔ بخلاف ان لوگوں کے جو اہل کشف کی تقلید کرتے ہیں۔ کہ یہ معذور قرار نہیں پاتے اور خطا کی صورت میں درجہ صواب سے محروم رہتے ہیں۔ کیونکہ کشف والہام دوسرے کے لیے حجت نہیں ہو سکتا۔ لیکن مجتہد کا قول دوسرے کے لیے حجت اور دلیل ہے۔ لہٰذا اہل کشف کی تقلید احتمال خطا کی صورت میں جائز نہیں ہے اور مجتہد کی تقلید احتمال خطا کی صورت میں بھی جائز اور درست ہے۔ بلکہ واجب ولازم ہے۔

اور بعض سالکوں کا شہود جو تعینات کونیہ کے آئینوں میں ہوتا ہے وہ بھی گذشتہ احکام کے قبیلہ میں سے ہے۔ اور اس شہود کو شہود وحدت در کثرت یا شہود احدیت در کثرت کا نام دیتے ہیں کیونکہ واجب تعالیٰ وتقدس جو بے مثل و بے مثال ہے، صاحب مثل اشیاء کے آئینوں میں نہیں سما سکتا اور کیفیات ممکنہ رکھنے والی اشیاء میں جلوہ گر نہیں ہو سکتا۔ لامکانی ذات مکان میں نہیں آسکتی۔

بے چون ذات کو چون کے دائرہ سے باہر تلاش کرنا چاہیے اور لامکانی ذات کو مکان سے ماوراء میں طلب کرنا چاہیے۔ آفاق وانفس میں جو کچھ دکھائی دیتا ہے وہ اس سبحانہٗ وتعالیٰ کے نشانات ہیں۔ دائرہ ولایت کے قطب یعنی حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے فرمایا ہے:

> "جو کچھ دیکھا یا سنا یا جانا گیا ہے وہ خدا تعالیٰ کا غیر ہے۔ کلمۂ لا کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہیے"۔ ؎

در تنگنائے صورت معنی چگونہ گنجد	در کلبۂ گدایاں سلطاں چہ کار دارد
صورت پرست غافل معنی چہ داند آخر	کو با جمال جاناں پنہاں چہ کار دارد

صورت کے تنگ مقام میں معنی کیسے آسکتا ہے؟ اور گداؤں کے حجرہ میں بادشاہ کا کیا کام ہے؟

صورت پرست غافل شخص معنی کو کیا جان سکتا ہے؟ یہ معشوق کے جمال پوشیدہ سے کیا تعلق قائم کر سکتا ہے؟

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اکثر مشائخ طریقت کی عبارات میں چاہے وہ نقشبندی ہوں یا غیر نقشبندی صریح طور پر وحدت وجود اور احاطہ اور قرب ومعیت ذاتی اور شہود وحدت در کثرت اور احدیت در کثرت وارد اور موجود ہے۔ میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ یہ شہود واحوال راستے کے وسط میں ان کے سامنے آئے ہیں۔ اس کے بعد انہیں اس مقام سے آگے گزار لیا گیا جیسا کہ فقیر نے گزشتہ صفحات میں اپنے حالات کا

ذکر کیا ہے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ کچھ حضرات کو احدیت صرف کی جانب باطن میں پوری نگرانی کے باوجود ان کے ظاہر کو جو کثرت بین ہے، ان احکام اور اس شہود کے ساتھ مشرف کرتے ہیں، باطن میں احدیت کے نگران رہتے ہیں اور ظاہر کے لحاظ سے کثرت میں مطلوب کا مشاہدہ کرتے ہیں جیساکہ اس فقیر نے اس مکتوب کے ابتدا میں اپنے حال کی خبر دی ہے۔ اور اس جواب کی تحقیق تفصیل کے ساتھ اس رسالہ میں جو وحدت وجود کے مراتب میں لکھا گیا ہے لکھ دی گئی ہے۔ یہ مقام اس مذکورہ گفتگو کی گنجائش نہیں رکھتا۔

یہ نہ کہا جائے کہ جب نفس الامر میں متعدد وجود ہیں اور قرب و احاطہ ذاتی نہیں ہے۔ نیز وحدت کا شہود کثرت میں مطابق واقع نہیں ہے۔ لہٰذا ان بزرگواروں کا حکم کذب پر مشتمل ہوگا۔ کیونکہ نفس الامر اور واقع کے مطابق نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ ان بزرگوں نے اپنے اندازے کے مطابق حکم لگایا ہے جس طرح ایک شخص یہ بات کہے کہ میں نے آئینے میں زید کی صورت دیکھی ہے۔ یہ حکم بھی واقع کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ آئینے میں اس کی صورت کو نہیں دیکھا۔ کیونکہ آئینے میں کوئی صورت اصلاً ہے ہی نہیں جسے دیکھا جا سکے۔ اس شخص کو بھی عرف میں کاذب نہیں کہتے۔ اگرچہ اس کی یہ بات نفس الامر کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ یہ حکم لگانے میں معذور ہے۔ جھوٹ بولنے کی ملامت کا وہ مستحق نہیں ہے، جیساکہ پہلے گزر چکا ہے۔

۔ جن احوال کو پوشیدہ رکھنا چاہیے ان کے ظاہر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اگر اس فقیر نے وحدت وجود کو قبول کیا تھا تو وہ کشف کی بنا پر تھا، تقلید کی بنا پر نہیں تھا۔ اب اگر اس کا انکار کر رہا ہوں تو وہ بھی الہام کے باعث۔ اور الہام انکار کی گنجائش نہیں رکھتا۔ اگرچہ دوسرے کے لیے حجت بھی نہیں ہے۔

جھوٹ کا شبہ دور کرنے کا دوسرا جواب یہ ہے کہ عالم کے افراد بعض باتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ مشترک ہیں اور بعض باتوں میں ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا ہیں۔ بعض امور عرفیہ میں ممکن کا واجب تعالیٰ و تقدس کے ساتھ بھی اس قسم کا اشتراک ہے۔ اگرچہ ممکن و واجب ذات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ غلبہ محبت کی بنا پر مابہ الامتیاز چیز نظر سے پوشیدہ ہو جاتی ہے اور مابہ الاشتراک نظر کے سامنے رہتی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں ایک دوسرے کے عین ہونے کا حکم لگا دیں تو یہ واقع کے مطابق ہے۔ اس میں کذب کی بالکل کوئی مجال و گنجائش نہیں۔ اور احاطہ ذاتی وغیرہ کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۳۲)

اس کمال کے بیان میں جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ مخصوص ہے ۔ اور اولیاء میں سے کم ہی کسی کو اس کمال سے مشرف کیا گیا ہے ۔ اور حضرت امام مہدی میں اتم طریقہ سے اس کا ظہور ہوگا ۔ اور وہ کمال نسبت جذبہ وسلوک سے فائق ہے ۔ اور اس بات کے بیان میں کہ پیشہ اور کار کا کمال ایک دوسرے کے افکار کے آپس میں ملنے سے ہوتا ہے ۔ اور اس میں زیادتی اور اضافہ مسلسل نظرو فکر سے ہوتا ہے ۔ پیر کی نسبت اگر اسی صرافت پر رہے تو موجب نقصان ہے ۔ لائق مرید کو چاہیے کہ اسے کمال تک لے جائے ۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں ——— مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

آپ کا التفات نامہ گرامی وارد ہوا ۔ اللہ کی حمد اور اس کا احسان کہ دور افتادہ لوگ یاد سے اوجھل نہیں ہوئے اور کسی نہ کسی وقت ان کا ذکر ہو جاتا ہے ۔ ع

بارے بہیچ خاطر خود شادمی کنم

پیر دستگیر علیہ الرحمۃ کی نسبت خاصہ کے حاصل نہ ہونے کے متعلق آپ نے لکھا تھا اور اس کا سبب دریافت کیا تھا ۔

مخدوم گرامی ! اس قسم کی باتوں کی شرح بطور تحریر بلکہ بطور تقریر اور زبانی بیان بھی مناسب معلوم نہیں ہوتی : تاکہ کسی فہم میں کچھ اور نہ آجائے اور کچھ اور ہی مطلب نہ اخذ کرے ۔ حسن ظن کے ساتھ پیر کی خدمت میں حاضری یا صحبت دراز جس طرح بھی ہو درکار ہے ۔ اس کے بغیر رنج و محنت اٹھانے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے

آسودہ شبے باید و خوش مہتابے   تا با تو حکایت کنم از ہر بابے

آرام دہ رات ہو اور خوش طبع چاند جیسا معشوق : تاکہ تجھ سے ہر باب کی حکایت بیان کروں ۔

لیکن سوال کا جواب چاہنے کے مطابق فقیر اتنی بات عرض کرتا ہے کہ ہر مقام کے علوم و معارف جداگانہ ہیں اور احوال و مواجید بھی الگ ہیں ۔ ایک مقام کے مناسب ذکر اور توجہ ہے اور دوسرے مقام کے مطابق کتاب اللہ شریف کی تلاوت اور نماز ہے ۔ ایک مقام نسبت جذبہ سے مخصوص ہے اور دوسرا سلوک سے ۔ اور ایک مقام میں ان دونوں دولتوں کی آمیزش ہے ۔ اور ایک وہ مقام ہے

جو جہت جذبہ اور سلوک دونوں سے جدا ہے۔ نہ جذبے کا اس سے کوئی تعلق ہے اور نہ سلوک کا اس سے کوئی علاقہ۔ یہ مقام نہایت ہی اعلیٰ ہے۔ حضور نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا اسی مقام کے ساتھ ممتاز ہیں اور اسی دولت عظمیٰ سے مشرف ہیں۔ دوسرے مقامات والوں سے اس مقام والا مکمل امتیاز رکھتا ہے۔ اور اس مقام کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ بہت کم مشابہت رکھتے ہیں۔ اس کے خلاف دوسرے مقامات والے حضرات ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں اگرچہ کسی وجہ کی مشابہت ہو۔ یہ نسبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد حضرت امام مہدی علیہ السلام میں ان شاء اللہ تعالیٰ اتم طریقہ پر ظاہر ہوگی۔

مختلف سلاسل کے مشائخ رحمہم اللہ سبحانہ میں سے کسی نے کم ہی اس کی خبر دی ہے۔ تو اس مقام کے علوم و معارف کے متعلق کیا گفتگو کر سکتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

اس باب میں انتہائی بات یہ ہے کہ صحابہ کرام کے لیے یہ نادر الوجود نسبت اول قدم میں ہی ظاہر ہوگئی اور ایک مدت گزرنے پر کمال کو پہنچ گئی۔ اور دوسرے کسی کو اگر اس دولت سے مشرف کرتے ہیں اور صحابہ کرام کے قدم کی نسبت پر تربیت کرتے ہیں تو جذبہ اور سلوک کی منزلیں قطع کرنے اور منازل کے علوم و معارف طے کرنے کے بعد سعادت مند کرتے ہیں۔

ابتدا میں ہی اس نسبت کا ظہور صحبت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتحیات والبرکات والتسلیمات کی برکت سے ہے۔ لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے پیروکاروں میں سے بھی کسی کو مشرف کردیں یہاں تک کہ اس کی صحبت سے بھی ابتدا میں ہی اس بلند نسبت کا ظہور ہو جائے۔ ؎

فیض روح القدس از باز مدد فرماید

دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

روح القدس (جبریل علیہ السلام) اگر پھر مدد کرے تو دوسرے بھی وہ کام کر سکتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرتے تھے۔

اس وقت اس نسبت میں ابتدا کا انتہا میں اندراج حاصل ہو جاتا ہے۔ جس طرح جذبہ کے سلوک پر مقدم ہونے کی صورت میں ہو جاتا ہے۔ اس سے زیادہ بیان کی گنجائش نہیں ؎

ومن بعد ھذا ما یدق صفاتہٗ

وما کتمہٗ احظی لدیہ واجمل

(ترجمہ) اس کے بعد وہ چیز ہے جس کا بیان نہایت دقیق اور لطیف ہے۔ اور وہ چیز ہے جس کا چھپانا نہایت ہی لذیذ ہے اور اس کا پوشیدہ رکھنا بہت ہی بہتر ہے۔

اس کے بعد اگر ملاقات ہوئی اور سامعین کی طرف سے خیال سے سننے کا گمان ہوا تو اس مقام کا کچھ حصہ معرض ظہور میں لایا جائے گا۔ اور توفیق عنایت کرنے والا وہی اللہ سبحانہ' وتعالیٰ ہے۔

بعض دوستوں کے بارے میں آپ نے کچھ لکھا ہے۔ فقیر نے ان کی لغزشیں معاف کر دی ہیں اور حق سبحانہ وتعالیٰ ارحم الراحمین ہے۔ وہ بھی معاف فرمائے گا۔ لیکن دوستوں کو نصیحت کریں کہ موجودگی اور عدم موجودگی میں تکلیف دینے اور آزار پہنچانے کے مقام میں نہ رہیں اور اپنے حالات کو تبدیل نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حالات نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلیں۔ اور جب اللہ کسی قوم کے متعلق برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اور اس کے سوا کوئی ان کا کارساز نہیں ہوتا۔

میاں شیخ الٰہ داد کے بارے میں آپ نے خاص طور پر لکھا تھا۔ فقیر کو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن خود اسے اپنی تبدیلی وضع پر ندامت ہونی چاہیے۔ ندامت بھی توبہ ہے۔ شفاعت چاہنا ندامت کی فرع ہے۔ بہر حال فقیر اپنی طرف سے معاف کر چکا ہے، دوسری طرف کو وہ جانیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ سرہند کو اپنی منزل تصور کریں۔ ہم پیر ہونے کا تعلق محبت و نسبت ایسا نہیں ہے کہ ایسی عارضی باتوں سے ٹوٹ جائے۔ زیادہ کیا لکھے۔ والسلام

مخدوم زادے! اور باقی اہل خانہ کے لیے خصوصی دعا کی جاتی ہے۔ یہ رقعہ لکھنے کے بعد دل میں آیا کہ دوستوں کی لغزشوں اور انہیں معاف کر دینے کے بارے میں زیادہ وضاحت سے لکھے۔ کیونکہ اجمال میں ابہام ہوتا ہے اور خطرہ ہوتا ہے کہ کوئی کچھ اور سمجھ لے۔

مخدوم گرامی! عفو و درگزر اس صورت میں مطلوب و متصور ہے کہ وہ جماعت بھی اپنے حالات کو برا جانے اور ندامت و پشیمانی محسوس کریں، ورنہ درگزر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ پیر دستگیر قدس سرہ' نے خلافت کے مقام کو ایک جماعت کے روبرو شیخ اللہ داد کے سپرد کیا تھا۔ اس بات کی وضاحت ہونی چاہیے۔ اگر سپرد کرنے سے یہ مراد ہے کہ فقراء اور آنے جانے والوں کی خدمت کریں اور ان کے کھانے پینے کی خبر رکھیں، تو یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے۔ اور اگر اس سے یہ مراد ہے کہ طالبوں کی تربیت کریں اور شیخیت کے مقام میں بیٹھیں تو یہ بات ماننے کے لائق نہیں۔

آخری بار کی ملاقات میں پیر دستگیر قدس سرہ' نے فقیر کو فرمایا تھا کہ تمہیں اس امر کی تجویز کرنی چاہیے کہ

شیخ اللہ داد ہماری طرف سے جاکر بعض طالبوں کو مشغول و مصروف رہنے کی تلقین کرے اور بعض کے حالات ہم تک پہنچائے۔ کیونکہ ہم کو انہیں اپنے روبرو طلب کرنے اور شغل باطن کی تلقین کرنے اور ان کے حالات دریافت کرنے کی طاقت نہیں۔

فقیر اس بارے میں متوقف تھا جب ضرورت محسوس ہوئی تو فقیر نے بھی اتنا اندازہ اس بات کو تجویز کرلیا۔ اس قسم کی تبلیغ سفارت محض کی جنس سے ہے۔ خاصکر جب کہ ضرورت پر مبنی ہو اور ضرورت کی چیز باندازہ ضرورت اختیار کی جاتی ہے۔ لہٰذا وہ سفارت بھی حضرت قبلہ پیرومرشد قدس سرہٗ کے زمانہ حیات ظاہری کے ساتھ خاص تھی۔ آپ کی رحلت کے بعد مشغولی باطن کا سبق دینا اور طالبوں کے حالات دریافت کرنا خیانت میں داخل ہے۔

آپ نے دریافت کیا تھا کہ پیر دستگیر قدس سرہٗ کی نسبت باقی ہے۔ یعنی زیادتی اور نقصان کو قبول نہیں کرتی۔

مخدوم گرامی! علم و حرفت کی تکمیل مختلف افکار کے باہم ملنے سے ہوتی ہے۔ وہ قواعد نحو جنہیں سیبویہ نے مقرر کیا تھا، متاخرین کے افکار نے اسے کس قدر زیادہ کردیا۔ اسی حالت میں رہنا نقص تھا۔ وہ نسبت جو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ رکھتے تھے۔ وہ حضرت خواجہ عبدالخالق قدس سرہٗ کے زمانہ میں نہیں۔ اسی پہ دوسروں کو بھی قیاس کرو۔

ہمارے خواجہ تو خاصکر اس نسبت کی تکمیل کے درپے تھے۔ اور وہ نسبت جو حاصل ہو چکی تھی اسے کامل خیال نہیں کرتے تھے۔ اور تر زندگی وفا کرتی تو باارادہ خداوندی جل سلطانہ اس نسبت کو کہاں تک لے جاتے یہ سعی و کوشش کرنا کہ اس میں زیادتی اور اضافہ نہ ہو، مناسب نہیں۔ فقیر نہیں جانتا کہ یہ نسبت کہاں تک باقی رہے گی۔ آپ خود ایک علیحدہ نسبت رکھتے ہیں۔ پیرومرشد علیہ الرحمۃ کی نسبت سے آپ کی نسبت کا کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ بات بار بار آپ کے سامنے کہی گئی تھی۔

بے چارہ شیخ اللہ داد نسبت کو کیا جانے کہ کیا ہے۔ اسے صرف ایک گونہ حضور قلبی حاصل ہے۔ دوسروں کو بھی معلوم ہے کہ ان کی کیا حالت ہے۔ اس نسبت کو سنبھالنے اور قائم رکھنے والا کون ہے؛ ظاہر کریں، تاکہ فقیر بھی اس کی مدد کرے۔ واقعات کا اعتبار نہ کریں، یہ محض خیالات ہیں، ان میں صداقت کچھ نہیں۔ شیطان بڑا طاقت ور دشمن ہے۔ اس کی فریب کاریوں سے بچنا مشکل ہے۔ وہی شخص بچ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ بچائے۔

حاصل کردہ نسبتوں کے سلب ہونے کے بارے میں آپ نے لکھا تھا۔ مخدوم گرامی! وہ سلب کہنا

اختیاری طور پر نہ تھا، جیسا کہ بوقت حاضری ذکر کیا تھا۔ اب تک وہ سلب اپنے حال پر ہے۔ زائل نہیں ہوا۔ اسے زائل تصور کرنا خیال ہے۔ وہ آواز جو آپ اپنے دل سے سنتے ہیں، حالت باطن کا اس سے کوئی کام نہیں۔ اگر آگ کے انگارے کو سرد کریں اور بجھا دیں، پھر اس پر پانی ڈالیں تو اس سے آواز نکلتی ہے اس آواز کی بنا پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ ابھی تک اس میں آگ موجود ہے۔ یاد رکھیے، واقعات کا کچھ اعتبار نہیں۔ یہ بات اگر پوشیدہ ہے تو انتظار میں رہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کل اس کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔

چونکہ آپ نے بطور مبالغہ لکھا تھا۔ اس بنا پر اس کے جواب میں چند باتیں لکھ دی ہیں۔ ورنہ بلا ضرورت بات کرنے کا موقع ہی نہیں۔

مکتوب نمبر (۳۳)

علماء سوء کی مذمت کے بیان میں جو محبت دنیا میں گرفتار ہیں اور علم کو حصول دنیا کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ اور زاہد علماء کی مدح وثنا کے بیان میں جو دنیا سے بے رغبت ہو چکے ہیں ملا حاجی محمد لاہوری کی طرف لکھا۔

گروہ علماء کے لیے دنیا کی محبت اور اس کی طرف رغبت کرنا ان کے چہرۂ جمال پر بدنما داغ ہے۔ مخلوق کو اگرچہ ان سے فائدے پہنچتے ہیں لیکن خود ان کی ذات کے لیے ان کا علم کچھ بھی نفع مند نہیں ہے۔ اگرچہ شریعت کی تائید اور ملت کی تقویت ان پر مبنی اور مرتب ہوتی ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ یہ تائید و تقویت فتور اور فجور والے لوگوں سے بھی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ سید الانبیاء علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے ایک فاجر شخص کی تائید کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

ان اللہ لیؤید ھٰذا الدین بالرجل الفاجر — بیشک اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید فاجر شخص سے بھی کر لیتا ہے۔

علماء سوء پارس کے پتھر کی طرح ہیں کہ لوہا اور تانبا وغیرہ جو بھی اس کے ساتھ ملتا ہے سونا بن جاتا ہے مگر وہ خود پتھر کا پتھر ہی رہتا ہے۔ اسی طرح وہ آگ جو پتھر اور بانس میں پوشیدہ ہوتی ہے جہان کو اس سے منافع حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن خود وہ پتھر اور بانس اپنی اندرونی آگ سے بے نصیب رہتے ہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ علم ان کے لیے مضر اور نقصان دہ ہے کہ ان کے علم نے ان پر حجت مکمل کر دی۔

ان اشد الناس عذابا یوم القیٰمة — سب سے زیادہ عذاب قیامت کے روز اس شخص کو ہوگا

عالم لم ینفعہ اللہ بعلمہ — جسے اللہ نے اس کے علم سے نفع نہ دیا۔

ان کا علم ان کے لیے کیوں مضر اور نقصان دہ نہ ہو۔ حالانکہ وہ علم جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذی عزت چیز اور موجودات میں اشرف شے ہے۔ اسے انہوں نے کمینی دنیا اور مال وجاہ اور سرداری حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ بنا لیا ہے۔ حالانکہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل وخوار اور ساری مخلوق سے بدترین شے ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والی شے کو ذلیل کرنا اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہے اسے عزت دینا نہایت ہی برا ہے۔ اور فی الحقیقۃ حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ مقابلہ ہے۔ درس تدریس اور فتویٰ دینا اس وقت نفع مند ہے جبکہ خالص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے لیے ہو، اور جاہ وسرداری اور حصول مال وزر اور بلندی چاہنے کے شائبہ سے خالی ہو۔ اور اس کی علامت ونشانی یہ ہے کہ دنیا کی چیزوں میں زہد اختیار کرے اور دنیا ومافیہا سے بے رغبت رہے۔ وہ علماء جو اس بلا میں مبتلا ہیں اور اس کمینی دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں، دنیا دار علماء ہیں۔ یہی لوگ علماء سوء سب لوگوں سے بُرے اور دین کے چور ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ اپنے آپ کو دین کا مقتداء اور سب مخلوق سے بہترین خیال کرتے ہیں:

وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ، اَلَآ	وہ گمان رکھتے ہیں کہ کسی قابل قدر چیز پر ہیں۔
اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ - اِسْتَحْوَذَ	سُن لو، یہی جھوٹے ہیں۔ ابلیس ان پر غالب
عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ	آگیا ہے۔ اس نے انہیں اللہ کی یاد بھلا دی
اللّٰهِ، اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ، اَلَآ	ہے۔ یہی ابلیس کا گروہ ہے۔ سُن لو، ابلیس
اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔	کا گروہ ہی خسارے میں ہے۔

اکابرین میں سے کسی نے دیکھا کہ ابلیس لعین فارغ بیٹھا ہے اور گمراہ کرنے اور دلوں کو بہکانے سے بے فکر ہے۔ اس بزرگ نے اس لعین سے اس کا راز دریافت کیا تو شیطان نے جواب دیا کہ علماء سوء اس وقت میرے اس کام میں میری زبردست مدد کر رہے ہیں اور انہوں نے مجھے اس مہم سے فارغ کر دیا ہے۔

حق بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں ہر سستی اور مداہنت جو امور شرعیہ میں واقع ہو چکی ہے۔ اور ہر فتور جو دین وملت کی ترویج واشاعت میں پیدا ہو چکا ہے سب علماء سُوء کی شومی کے باعث ہے اور ان کی نیتوں کے فساد کی وجہ سے ہے۔ ہاں وہ علماء جو دنیا سے بے رغبت اور جاہ وریاست اور مال کی محبت سے آزاد ہیں وہی علمائے آخرت اور انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے وارث ہیں۔

یہی لوگ بہترین مخلوق ہیں۔ کل قیامت کے دن ان کی سیاہی کو اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے خون کے ساتھ وزن کریں گے اور ان کی سیاہی کا پلہ بھاری ہوگا۔ اور نوم العلماء عبادۃ یعنی علماء کا سونا بھی عبادت ہے" انہیں کی شان میں وارد ہے۔ یہی وہ علماء ہیں کہ آخرت کا جمال ان کی نظروں میں اچھا لگتا ہے۔ دنیا کی قباحت اور برائی کا انھیں مشاہدہ ہو چکا ہے۔ انہوں نے آخرت کو بقا کی نظر سے دیکھا ہے اور دنیا کو زوال اور فنا کے داغ سے داغدار پایا ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنے آپ کو باقی رہنے والی آخرت کے حوالے کر دیا ہے اور فانی دنیا سے الگ ہو گئے ہیں۔ آخرت کی عظمت کا مشاہدہ خدائے لایزال کی عظمت کے مشاہدے کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔ اور دنیا و مافیہا کو ذلیل و خوار جاننا آخرت کی عظمت کے مشاہدہ کے لوازمات میں سے ہے۔

لان الدنیا والاخرۃ ضرتان ان	کیونکہ دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں۔ اگر ایک راضی
رضیت احداھما سخطت الاخریٰ	ہوتی ہے تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے۔

اگر دنیا عزیز ہے تو آخرت خوار ہے۔ اور اگر دنیا خوار ہے تو آخرت عزیز ہے۔ ان دونوں کا جمع ہونا اضداد کے جمع ہونے کے قبیلہ میں سے ہے۔ ع

ما احسن الدین والدنیا لو اجتمعا

کیا ہی اچھا ہوتا اگر دین و دنیا دونوں جمع ہو جاتے۔

ہاں مشائخ کرام میں سے ایک گروہ نے جو اپنے آپ اور اپنے ارادہ سے پوری طرح باہر آ چکے ہیں بعض حقانی نیتوں کے باعث اہل دنیا کی صورت اختیار کر رکھی ہے اور بظاہر دنیا کی طرف راغب نظر آتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت انہیں اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اور سب سے فارغ اور آزاد ہیں:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ	ایسے مردانِ حق ہیں جنہیں سوداگری اور خرید و
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔	فروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کر سکتی

تجارت اور بیع و شراء وغیرہ ان کے لیے ذکر حق سے مانع نہیں ہے۔ ان امور دنیا کے ساتھ عین تعلق کے اندر بھی بے تعلق ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے فرمایا ہے کہ میں نے منیٰ کے بازار میں ایک تاجر دیکھا جو کم و بیش پچاس ہزار دینار کی خرید و فروخت کر رہا تھا۔ مگر اس کا دل ایک لحظہ کے لیے بھی یاد حق سے غافل نہ تھا۔

مکتوب نمبر (۳۴)

حسب گنجائش بسط و تفصیل کے طریقہ پر عالم امر کے جواہر خمسہ کے بیان میں ۔

یہ مکتوب بھی ملا حاجی محمد لاہوری کی طرف لکھا ۔

سعادت دارین کا ہاتھ آنا سید کونین علیہ و علی آلہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کی اتباع کے ساتھ وابستہ ہے فلسفی جس کی بصیرت کی آنکھ صاحب شریعت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ و السلام والتحیۃ کی متابعت کے سرمہ سے محروم ہے، عالم امر کی حقیقت سے نابینا ہے۔ چہ جائیکہ اسے مرتبۂ وجوب تعالیٰ و تقدس کا شعور ہو۔ اس کی کوتاہ نظر عالم خلق پر ہی رکی ہوئی ہے اور اس میں بھی ناتمام ہے ۔

فلاسفہ نے جو جواہر خمسہ ثابت کیے ہیں سب عالم خلق میں ہیں۔ نفس اور عقل کو جو مادہ سے مجرد شمار کرتے ہیں یہ ان کی نادانی کے باعث ہے۔ نفس ناطقہ تو یہی نفس امارہ ہے جو تزکیہ کا محتاج ہے اس کی توجہ اور ہمت بالذات کمینگی اور پستی کی طرف ہے ۔ اسے عالم امر سے کیا نسبت، اور مادہ سے مجرد ہونے کے ساتھ اسے کیا مناسبت ہے ؟

رہی عقل، تو معقولات میں سے بھی صرف ان امور کا ادراک کر سکتی ہے جو محسوسات سے مناسبت رکھتے ہیں۔ بلکہ جو محسوسات کے حکم میں ہیں۔ لیکن وہ چیز جو محسوسات سے مناسبت نہیں رکھتی اور مشاہدہ میں آنے والی اشیاء میں سے جن کا کوئی شبہ اور مثال نہیں وہ عقل کے ادراک میں نہیں آ سکتیں ۔ اور ان کا بند عقل کی چابی سے نہیں کھل سکتا۔ لہٰذا عقل کی نظر بے مثال اشیاء کے احکام سے کوتاہ ہے ۔ اور غیب کے بیدان میں تو بالکل گمراہ ہے۔ اور یہ اس کے عالم خلق میں سے ہونے کی علامت ہے۔ عالم امر کا رخ بے چونی اور اس کی توجہ بے چگونگی کی طرف ہے ۔ عالم امر کی ابتداء مرتبہ قلب سے ہے۔ قلب سے اوپر روح ہے، روح سے اوپر سر اور سر سے اوپر خفی ہے اور خفی سے اوپر اخفیٰ۔ عالم امر کے ان پانچ امور کو اگر جواہر خمسہ کہیں تو اس کی گنجائش ہے ۔ کوتاہ نظری کے باعث چند خذف ریزوں کو اکٹھا کرکے جواہر خمسہ گمان کر لیا ہے ۔

عالم امر کے ان جواہر خمسہ کا ادراک اور ان کے حقائق پر اطلاع حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل اتباع کرنے والوں کو نصیب ہوتی ہے جس طرح عالم صغیر یعنی انسان میں جو ان تمام چیزوں کا

نمونہ ہے جو عالم کبیر میں پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح عالم کبیر میں بھی ان جواہر خمسہ کے اصول موجود و ثابت ہیں۔ عرش مجید عالم کبیر کے جواہر کا مبدأ ہے۔ جس طرح انسان کے دل کی انسان میں یہ حیثیت ہے اور اس مناسبت کی بنا پر قلب کو عرش اللہ کہہ دیتے ہیں۔ اور جواہر خمسہ کے باقی مراتب عرش سے اوپر ہیں۔

عالم کبیر میں عرش عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ و واسطہ ہے۔ جس طرح عالم صغیر یعنی انسان میں قلب انسان عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ و واسطہ ہے۔ قلب اور عرش اگرچہ عالم خلق میں سے ہیں لیکن عالم امر کی بے چونی اور بے چگونی کا حصہ بھی رکھتے ہیں۔ ان جواہر خمسہ کی حقیقت پر آگاہ اور مطلع ہونا اولیاء کرام میں سے کامل افراد کے لیے تسلیم کیا گیا ہے۔ جو مراتب سلوک تفصیل سے طے کر کے نہایت تک پہنچ چکے ہیں ؎

ہر گدائے مرد میداں کے شود   پشہ آخر سلیماں کے شود

ہر گدا مرد میدان کب ہو سکتا ہے   مچھر سلیمان کی ہمنوائی کب کر سکتا ہے

اور اگر محض فضل خداوندی سے کسی صاحب دولت کی نظر بصیرت کے لیے حتی الامکان مرتبہ وجوب تفصیل کے ساتھ ظاہر کر دیں تو وہ اس مقام میں ان جواہر کے اصول کا مطالعہ کر لیتا ہے اور ان چھوٹے اور بڑے جواہر کو اس حقیقت کے جواہر کے ظل و سایہ کی مانند معلوم کرتا ہے۔ ع

این کار دولت ست کنوں تا کرا دہند

یہ دولت عظمیٰ کا معاملہ ہے۔ دیکھیے اب یہ کسے عطا کرتے ہیں

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

عالم امر کے حقائق کا اظہار اس بنا پر ممنوع ہے۔ کیونکہ اس کے معانی و مطالب پوشیدہ نہایت دقیق اور باریک ہیں۔ تاکہ ہر کوتاہ نظر شخص کچھ اور ہی نہ سمجھ لے۔ علم میں راسخ لوگ جو:

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔   تمہیں تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

کے شرف سے مشرف ہیں وہ اس ماجرا سے آگاہ ہیں۔ ع

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا

نعمت والوں کو نعمتیں مبارک اور خوشگوار ہیں۔ ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز   ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست

یہ مصلحت کے خلاف ہے کہ راز پردے سے باہر آئے۔ ورنہ رندوں کی محفل میں کوئی ایسی خبر نہیں جس کی

ان کو خبر نہ ہو۔

آپ کو السلام علیکم اور ان سب کو جو ہدایت کی پیروی کریں اور مصطفیٰ علیہ وعلیہم من الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا کی متابعت اپنے اوپر لازم کریں۔

دل میں آیا کہ ان بلند اور مقدس جواہر کا تھوڑا سا حال تحریر میں لایا جائے۔

جاننا چاہیے کہ ان جواہر کی ابتدا صفات اضافیہ سے ہے جو وجوب اور امکان کے درمیان برزخ و واسطہ کی مانند ہیں، اور ان سے اوپر صفات حقیقیہ ہیں، کہ روح سے ان کو حصہ ملتا ہے۔ اور قلب صفات اضافیہ سے تعلق رکھتا ہے، اور ان کی تجلیات سے مشرف ہوتا ہے۔ اور باقی ماندہ بلند جواہر جو صفات حقیقیہ سے بھی اوپر ہیں، حضرت ذات اقدس تعالیٰ و تقدس کے دائرہ میں داخل ہیں اس لیے ان تین (سر، خفی، اخفیٰ) کی تجلیات کو تجلیات ذاتیہ کہتے ہیں۔ بات کو اس سے آگے چلانا مصلحت نہیں ہے:ع

قلم اینجا رسید و سر بشکست

قلم یہاں پہنچا اور ٹوٹ گیا

مکتوب نمبر (۳۵)

محبت ذاتی کے بیان میں جس میں انعام و تکلیف دونوں برابر ہیں ——— یہ مکتوب بھی میاں حاجی محمد لاہوری کو لکھا۔

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہمیں اور تمہیں بحرمۃ سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نظر کی کجی سے نجات عطا کرے۔

سیر و سلوک سے مقصود نفس امارہ کا تزکیہ اور تطہیر ہے۔ تاکہ باطل الہوں کی عبادت سے جو خواہشات نفسانی سے وجود میں آتی ہے نجات میسر آجائے۔ اور حقیقت میں سوائے ایک معبود برحق تعالیٰ و تقدس کے اور کچھ بھی قبلہ توجہ نہ رہے۔ اور دینی و دنیاوی مقاصد میں سے کسی بھی مقصد کو اس ذات کی عبادت کے سوا اختیار نہ کرے۔

دینی مقاصد اگرچہ حسنات میں سے ہیں لیکن ان کا تعلق بھی ابرار کے کام سے ہے۔ مقربین انہیں بھی برائیوں میں سے ہی جانتے ہیں۔ اور ایک ذات کے سوا کسی چیز کو مقصود نہیں گردانتے۔ یہ دولت

حصول فنا سے وابستہ ہے اور محبت ذاتی پیدا ہو جانے کے بعد ہے، جہاں انعام و تکلیف دونوں مساوی ہیں تکلیف و رنج سے بھی ایسے ہی لذت گیر ہوتے ہیں جیسے نعمتوں سے۔ اگر بہشت چاہتے ہیں تو اس لیے چاہتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی رضا کا مقام و محل ہے، اور اسے طلب کرتے میں اس کی رضا اور خوشنودی ہے اور اگر دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں تو اس لیے کہ وہ خدا تعالیٰ کی ناراضی کا مقام ہے۔ نہ بہشت سے حظ نفس مطلوب ہے اور نہ دوزخ سے فرار اختیار کرنا اور پناہ مانگنا رنج اور محنت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ محبوب کی طرف سے جو چیز بھی آتی ہے وہ ان بزرگوں کو مرغوب اور پسند اور عین مطلوب ہے۔

کل ما یفعلہ المحبوب محبوب۔ — محبوب جو کچھ بھی کرتا ہے وہ محبوب اور پسندیدہ ہی ہوتا ہے۔

اخلاص کی حقیقت اس جگہ ہاتھ آتی ہے اور باطل الٰہوں سے نجات بھی اسی جگہ حاصل ہوتی ہے اور کلمہ توحید بھی اس وقت ہی درست ہوتا ہے۔ اس کے سوا محض رنج و تکلیف اٹھانے کی بات ہے۔ محبت ذاتی کے بغیر جو اسماء اور صفات اور محبوب کے انعام و تکلیف کے ذریعہ کے بغیر ہے، رخنے اور عیب والی بات ہے۔ فنا مطلق اس شرکت سوز محبت کے بغیر ہاتھ میں آتی۔ ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت — ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتل غیر حق براند — در نگر زاں پس کہ بعد از لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت — شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت

عشق وہ شعلہ ہے کہ جب روشن ہو جاتا ہے تو معشوق کے سوا ہر شے کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔
غیر حق پر لا کی تلوار چلا دیتا ہے۔ یہ تلوار چلنے کے بعد پھر دیکھ کہ لا کے بعد کیا ہے۔
صرف اللہ رہتا ہے، باقی سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ اے شرکت کو پوری طرح جلا دینے والے عشق تو شاد اور خوش رہ۔

مکتوب نمبر (۳۶)

اس بیان میں کہ شریعت تمام دُنیوی اور اُخروی سعادتوں کی ضامن و کفیل ہے اور کوئی مطلب و مقصود ایسا نہیں جس کے حصول کیلئے شریعت کے ماسوا کسی اور چیز کی طرف انسان محتاج ہو۔ طریقت و حقیقت اسی شریعت کی خادم ہیں اور اس کے مناسب نکتوں کے بیان میں —— یہ خط بھی

ملا حاجی محمد لاہوری کو لکھا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی حقیقت سے متصف کرے۔ اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر بھی رحم کرے جو آمین کہے۔

شریعت کے تین جزو ہیں: علم۔ عمل۔ اخلاص۔ جب تک یہ تینوں جزو نہ پائے جائیں شریعت متحقق نہیں پاتی۔ اور جب شریعت متحقق ہوگئی تو حق تعالیٰ سبحانہ کی رضا جو تمام دنیوی و اخروی سعادتوں سے فائق و اعلیٰ ہے، بھی متحقق ہوگئی:

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ — اللہ تعالیٰ کی تھوڑی رضا مندی بھی بہت ہے

اس لیے شریعت تمام دنیوی و اخروی سعادتوں کی ضامن و کفیل ہے۔ اور کوئی ایسا مطلب و مقصود نہیں جو شریعت سے الگ ہو اور انسان کو اس کی محتاجی ہو۔ طریقت و حقیقت جس کے ساتھ صوفیہ کرام ممتاز ہیں دونوں شریعت کی خادم ہیں۔ ان دونوں سے شریعت کے تیسرے جزو یعنی اخلاص کی تکمیل ہوتی ہے۔ لہٰذا ان دونوں سے مقصود بھی شریعت کی تکمیل ہے، نہ کوئی اور امر جو شریعت کے علاوہ ہو۔

احوال، مواجید اور علوم و معارف جو صوفیہ کو راستے میں ہاتھ آتے ہیں وہ مقاصد نہیں ہیں بلکہ اوہام وخیالات ہیں، جن سے اطفال طریقت کی تربیت مطلوب ہوتی ہے۔ ان تمام سے گزر کر مقام رضا میں پہنچنا چاہیے، جو جذبہ اور سلوک کے مقامات کی انتہا ہے۔ کیونکہ طریقت و حقیقت کے منازل طے کرنے سے اخلاص کا حاصل کرنا مقصود ہے جو رضا کو مستلزم ہے۔ تینوں قسم کی تجلیات اور عارفانہ مشاہدات سے گزر کر ہزاروں میں سے کسی ایک کو اخلاص کی دولت اور رضا کے مقام تک پہنچاتے ہیں۔ کوتاہ اندیش لوگ احوال و مواجید کو مقاصد اور مشاہدات و تجلیات کو مطالب شمار کرتے ہیں۔ اس لیے وہم و خیال کے زندان خانہ میں گرفتار رہتے ہیں اور شریعت کے کمالات سے محروم رہتے ہیں:

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ۔ — مشرکین کو وہ بات بڑی ناگوار ہے جس کی طرف تو ان کو بلاتا ہے۔

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ — اللہ تعالیٰ منتخب کرلیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے ہی اپنی طرف ہدایت دیتا ہے جو رجوع کرتا ہے۔

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اخلاص کا مقام حاصل کرنے اور رضا کے مرتبہ تک پہنچنے کے لیے ان احوال و مواجید کا طے کرنا ضروری ہے اور ان علوم و معارف کے ساتھ وابستہ ہے۔

پس یہ امور مطلوب کے اسباب و وسائل اور مقصود کے مقدمات ہیں۔

اس معنی کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے حبیب پاک علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے صدقہ سے پورے دس سال بعد اس فقیر پر منکشف و واضح ہوئی ہے اور معشوق شرع پوری طرح جلوہ گر ہوا ہے۔ اگرچہ ابتداء میں بھی یہ فقیر احوال و مواجید میں گرفتار نہیں تھا۔ اور شریعت کی حقیقت کے تحقق و ثبوت کے سوا میری نظر میں کوئی اور مطلوب و مقصود نہ تھا۔ لیکن اس امر کی حقیقت پورے دس سال بعد کامل طور پر ظاہر ہوئی ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذلک حمداً کثیرا طیبًا مبارکا فیہ مبارکا علیہ۔

میاں شیخ جمال مرحوم و مغفور کی وفات تمام اہل اسلام کے لیے حزن و پراگندگی کا باعث ہے۔ ان کے مخدوم زادوں کو میری طرف سے صبر و تحمل کی تلقین کریں۔ اور فاتحہ خوانی کریں۔ والسلام

مکتوب نمبر (۳۷)

بلند سنت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع پر ابھارنے اور اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی نسبت کے حصول کی طرف راغب کرنے کے بیان میں ——— شیخ محمد چتری کو لکھا۔

مراسلہ شریفہ اور مکاتبہ لطیفہ جو از روئے کرم و مہربانی صادر فرمایا تھا، بندہ اس کے مطالعہ سے مسرور اور خوش ہوا۔ اس طریقہ عالیہ نقشبندیہ پر اپنی استقامت و پختگی کا آپ نے لکھا۔ الحمد للہ سُبحانہ علیٰ ذلک۔ اللہ تعالیٰ اس طریقہ عالیہ کے اکابر کی برکت سے آپ کو بے انتہا ترقیاں عطا فرمائے۔ ان کا طریقہ کبریت احمر (سرخ گندھک یعنی اکسیر) ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع سنت پر مبنی ہے۔

فقیر کو اس وقت تک جو کچھ ہاتھ آیا ہے اس کے متعلق لکھتا ہے کہ مدت دراز تک اس ناچیز پر علوم و معارف اور احوال و مقامات موسلا دھار بارش کی طرح برساتے رہے۔ اور جو کام کرنا چاہیے تھا۔ اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے کر لیا گیا۔ اب کوئی آرزو باقی نہیں رہی۔ سوائے اس کے کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کسی ایک سنت کا احیاء (زندہ کرنا) ہو جائے۔ اور احوال و مواجید ارباب ذوق کے حوالے ہو جائیں۔

چاہیے یہ کہ باطن خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی نسبت سے معمور ہو۔ اور

ظاہر کو کلی طور پر سنن ظاہرہ کے ساتھ مزین اور آراستہ رکھیں۔ ع

کار این است غیر ایں ہمہ ہیچ

اصل کام یہی ہے اس کے علاوہ سب ہیچ ہے

موسم سرما کی عشاء کے سوا باقی تمام نمازیں اول وقت میں ادا کریں۔ سردیوں کی عشاء میں تیسرے حصے رات تک تاخیر مستحب ہے۔ اس بارے میں فقیر بے اختیار ہے۔ نہیں چاہتا کہ بال برابر بھی ادائے نماز میں تاخیر واقع ہو۔ ہاں بشری عوارض مستثنیٰ ہیں۔

مکتوب نمبر (۳۸)

ذات بحت تعالیٰ و تقدس کی محبت میں گرفتار ہونے کے بیان میں جو اسماء صفات اور شیون و اعتبارات سے منزہ اور پاک ہے۔ اور منزل مقصود تک نہ پہنچنے والی جماعت کی مذمت میں جو چون کو بے چون تصور کر کے اسی کے گرفتار ہو گئے ہیں۔ اور اہل فنا کے اقدام کے فرق کے بیان میں۔ اور اسی تفاوت پر علوم و معارف وغیرہ مرتب ہوتے ہیں ——— یہ مکتوب بھی شیخ محمد چتری کی طرف لکھا۔

آپ کا مکتوب شریف ملا۔ فرحت و خوشی کا موجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے اور ایک لحظہ کے لیے بھی غیر کے سپرد نہ کرے۔

جو کچھ ذات بحت سبحانہٗ و تعالیٰ کے سوا ہے اس کو غیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اسماء و صفات ہی ہوں۔ اور متکلمین نے جو صفات کو لا ھو و لا غیرہ کہا ہے اس کا معنی کچھ اور ہے۔ انہوں نے غیر سے غیر اصطلاحی مراد لیا ہے اور اس معنی کے مطابق نفی کی ہے۔ غیر بمعنی مطلق مراد نہیں لیا۔ اور خاص کی نفی عام کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔ اور اس ذات عز سلطانہٗ کو نفی کے سوا کسی طریقہ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ مرتبہ ذات میں جو کچھ ثابت کیا جائے گا وہ صراط مستقیم سے انحراف ہوگا۔ اور بہترین تعبیر اور جامع ترین عبارت یہ ہے:

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ۔ اس کی مثل کوئی شے نہیں۔

فارسی میں اس کا ترجمہ بے چون و بے چگون ہے۔ اور علم، شہود اور معرفت کو اس ذات سبحانہ کی طرف راستہ نہیں مل سکتا۔ جو کچھ لوگ دیکھتے ہیں یا جانتے ہیں یا پہچانتے ہیں سب اس ذات مقدس کا غیر

ہے۔ اس میں گرفتاری غیر میں گرفتاری ہے۔ لہٰذا اس کی نفی کرنا لازم ہے اور کلمہ لَآ اِلٰہَ کے نیچے لا کر اس بے چون و بے چگون ذات کا اثبات کلمہ اِلَّا اللہ سے کرنا چاہیے۔ یہ اثبات ابتدا میں تقلیداً ہوتا ہے اور آخر میں تحقیقاً۔

بعض ارباب سلوک سے جو نہایت کار تک نہ پہنچنے کے باعث چوں کو بے چوں تصور کر بیٹھے ہیں اور شہود و معرفت کا اس کی طرف راستہ نکالتے ہیں ارباب تقلید ان سے بدرجہا بہتر ہیں۔ کیوں کہ ان کی تقلید نور نبوت علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات سے حاصل ہوئی ہے کہ سہو و خطا کو اس طرف راستہ نہیں مل سکتا۔ اس نہ پہنچنے والی جماعت کا مقتدا اور پیشوا غیر صحیح کشف ہے ع

بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

دیکھ لے ایک راستے کا دوسرے راستے سے کتنا فرق ہے

فی الحقیقت یہ جماعت ذات کی منکر ہے۔ اگرچہ ذات کے مشاہدے کا اثبات کرتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ یہی اثبات عین انکار ہے۔ امام سلیمین امام اعظم کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

سبحٰنك ما عبدناك حق عبادتك ولكن عرفناك حق معرفتك۔	تیری ذات پاک ہے۔ جیسا تیری عبادت کا حق ہے۔ ہم اس طرح تیری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکے لیکن جیسا تجھے پہچاننے کا حق ہے اس طرح ہمیں تیری معرفت حاصل ہو چکی ہے۔

عبادت کا حق ادا نہ کرنا تو ظاہر ہے۔ لیکن پوری معرفت کا حصول اس بنا پر ہے کہ اس ذات تعالیٰ شانہٗ کی نہایت معرفت صرف یہ ہے کہ اس ذات کو بے چونی اور بے چگونی کے ساتھ پہچان لیں۔

کوئی نادان یہ گمان نہ کرے کہ عام و خاص اور مبتدی و منتہی معرفت میں مساوی اور برابر ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ نادان علم و معرفت میں فرق نہیں کر سکا۔ مبتدی کو علم ہے اور منتہی کو معرفت۔ اور معرفت فنا کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور یہ دولت فانی کے سوا کسی کو میسر نہیں آتی۔ مولوی روم مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

ہیچ کس را تا نگردد او فنا	نیست رہ در بارگاہِ کبریا
کوئی شخص بھی جب تک فنا نہ ہو	بارگاہِ کبریا تک راہ نہیں پا سکتا

تو یہ معرفت علم کے علاوہ ہے۔

جاننا چاہیے کہ علم متعارف سے اوپر ایک شے ہے۔ جسے معرفت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور

اسے ادراکِ بسیط بھی کہتے ہیں ؎

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست
ہم قصۂ غریب وحدیثِ عجیب ہست

حافظ کی یہ سب فریاد بیہودہ نہیں، بلکہ قصہ بھی غریب اور بات بھی عجیب ہے

اتصالِ بے تکیف و بے قیاس ہست رب الناس را با جانِ ناس
لیک گفتم ناس را نسناس نہ ناس غیر از جانِ جان اشناس نہ

رب تعالیٰ کا لوگوں کی جان کے ساتھ عقل میں نہ آنے والا اور بے کیف اتصال و تعلق ہے۔

لیکن میں نے لوگوں کے ساتھ اتصال کا ذکر کیا ہے، حیوان کے ساتھ نہیں۔ ناس یعنی کاملین عارفین تو صرف جانِ جاں (محبوبِ حقیقی) کے ساتھ ہی آشنائی رکھتے ہیں۔

اور چونکہ فنا میں لوگوں کے قدم متفاوت ہیں، تو ضرور منتہی لوگوں کے لیے معرفت میں بھی ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ جس کی فنا اتم ہے اس کی معرفت بھی اکمل ہے۔ اور جو فنا میں کم درجہ ہے اس کی معرفت بھی کم درجے کی ہے۔ اسی طرح اور مراتب بھی۔

سبحان اللہ! بات کہاں پہنچ گئی۔ مجھے تو چاہیے تھا کہ اپنی بے حاصلی، نامرادی، بے استقامتی، اور بے ثباتی کا تذکرہ کرتا اور دوستوں سے مدد و اعانت طلب کرتا۔ مجھے اس قسم کی باتوں سے کیا مناسبت ؎

آگہ از خویشتن چو نیست جنیں چہ خبر دارد از چنان و چنیں

ماں کے شکم میں پڑا ہوا بچہ جب اپنی ذات سے بھی واقف نہیں تو ادھر اُدھر کی کیا خبر رکھے گا۔

لیکن بلند پایہ ہمت اور سرمایہ والی فطرت اجازت نہیں دیتی کہ انسان ادنیٰ قسم کی چیزوں اور سفل قسم کے سرمایہ کی طرف اُتر آئے۔ بلکہ اس طرف توجہ اور التفات بھی کرے۔ بلند پایہ ہمت انسان اگر بات کرتا ہے تو اسی کی بات کرتا ہے، اگرچہ وہ بھی اس ذاتِ حق کی شان کے سامنے کچھ نہیں ہوتی۔ اور اگر تلاش کرتا ہے تو اسی کو تلاش کرتا ہے، اگرچہ کچھ بھی نہیں پاتا۔ اگر کچھ حاصل کرتا ہے تو اسی کو حاصل کرتا ہے اگرچہ کچھ بھی حاصل نہیں کرتا۔ اور اگر اسے وصال نصیب ہوتا ہے تو اسی کا وصال نصیب ہوتا ہے، اگرچہ پھر بھی بے حاصل ہی رہتا ہے۔

لیکن اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم العالیہ کی بعض عبارات میں شہودِ ذاتی کا جو ذکر واقع ہوا ہے اس کے معنی اربابِ کمال کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ نارسیدہ لوگوں کے لیے اس معنی کا سمجھنا محال اور

و ناممکن ہے ؂

در نیابد حال پختہ ہیچ خام! پس سخن کوتاہ باید والسلام

پختہ آدمی کے حال تک خام آدمی نہیں پہنچ سکتا، لہٰذا بات مختصر ہی کرنی چاہیے والسلام

آپ نے مکتوب کا عنوان ھو الظاہر ھو الباطن کے کلمہ سے مزین و آراستہ کیا تھا۔ مخدوم گرامی ھو الظاہر ھو الباطن بالکل درست ہے۔ لیکن کچھ عرصہ سے فقیر اس عبارت سے توحید کے معنی نہیں سمجھتا۔ اور اس معنی کے سمجھنے میں علماء کے ساتھ موافق ہے۔ اور علماء کے معنی کی درستی ارباب توحید کے معنی کی درستی سے فوقیت رکھتی ہے:

کل میسر لما خلق لہ — ہر شخص کو وہی چیز میسر ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے

ع ہر کسے را بہر کارے ساختند

کارکنان قضا و قدر نے ہر کسی کو کسی کام کے لیے پیدا کیا ہے۔

جو چیز اس فقیر پر لازم و ضروری ہے اور جس کا وہ مکلف ہے وہ اوامر کی بجا آوری اور ممنوعات سے بچنا ہے

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ — جو چیز رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے روکے اس سے رک جاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

اور چونکہ انسان کو اخلاص پیدا کرنے کا حکم ہے۔ اور وہ فنا اور محبت ذاتی کے بغیر متصور نہیں، اس لیے فنا کے مقدمات کا حاصل کرنا جنہیں مقامات عشرہ کہتے ہیں ضروری ہے۔ فنا اگرچہ محض خدا تعالیٰ کی عطا ہے، لیکن اس کے مقدمات اور مبادی کسب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگرچہ بعض کو کسب مقدمات اور ریاضات و مجاہدات کے ذریعہ مصفا کرنے کے بغیر ہی فنا کی حقیقت سے مشرف کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں اس کا حال دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا تو اُسے معرفت کے آخری مقام پر ہی کھڑا کر دیتے ہیں۔ یا ناقص لوگوں کی تکمیل کے لیے اسے جہان کی طرف واپس کر دیتے ہیں۔ تقدیر اول پر اسے مقامات عشرہ مذکورہ کی سیر حاصل نہیں ہوتی۔ اور اسماء اور صفات کی تجلیات کی تفصیلات سے بے خبر رہتا ہے۔ اور دوسری تقدیر پر جب اسے جہان کی طرف واپس کرتے ہیں تو اسے مقامات عشرہ مذکورہ کی سیر تفصیل سے حاصل ہوتی ہے اور بے انتہا تجلیات سے اسے مشرف کرتے ہیں۔ صورت تو مجاہدہ کی ہوتی ہے لیکن حقیقت میں کمال ذوق و لذت میں ہوتا

ہے ۔ ع

این کار دولت است کنون تاکرا دہند

یہ دولت عظمیٰ کا معاملہ ہے ۔ دیکھیے اب یہ دولت کسے عطا کرتے ہیں

یہ نہ کہا جائے کہ جب اخلاص ان ماموراتِ میں ہے جن کا بجالانا واجب اور ضروری ہے اور اس کی حقیقت فنا کے بغیر میسر نہیں آسکتی ۔ تو علماء نکوکار اور صالحین نیک اطوار جو حقیقت فنا سے مشرف نہیں ہیں، اخلاص حاصل نہ کرنے پر عاصی اور گنہ گار متصور ہوں گے ۔ کیونکہ میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ نفس اخلاص انہیں بھی حاصل ہے، اگرچہ اخلاص کے بعض افراد کے ضمن میں ہو۔ اور فنا کے بعد کمال اخلاص حاصل ہوجاتا ہے ۔ اور اس کے تمام افراد کو شامل ہوجاتا ہے ۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ فنا کے بغیر حقیقت اخلاص کے حاصل ہونے کی کوئی صورت نہیں ۔ یہ نہیں کہا کہ نفس اخلاص بھی فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا ۔

مکتوب نمبر (۳۹)

اس بیان میں کہ کام کا دارومدار قلب پر ہے ۔ صرف اعمال کی صورتوں اور رسمی عبادتوں سے کچھ نہیں ہوتا ۔ اور اسی طرح کی اور باتوں میں ——— یہ مکتوب بھی شیخ محمد چتری کو لکھا ۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضور سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی حرمت کے طفیل جو نظر کی کجی سے آزاد تھے، اپنے ماسوا سے روگردانی اور جناب قدس کی طرف توجہ نصیب فرمائے ۔

کام کا دارومدار دل پر ہے ۔ اگر دل حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے غیر کے ساتھ گرفتار ہے تو خراب اور ابتر ہے صرف ظاہری اعمال اور رسمی عبادتوں سے کام مکمل نہیں بن سکتا ۔ دل کو غیر حق تعالیٰ کی طرف توجہ سے سالم ومحفوظ رکھنا اور اعمال صالحہ جو بدن سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کے ادا کرنے کا شرعًا حکم ہے، دونوں درکار ہیں ۔ اعمال صالحہ بدنیہ کی بجاآوری کے بغیر دل کی سلامتی کا دعویٰ باطل ہے جس طرح اس جہان میں بدن کے بغیر روح غیر متصور ہے، قلبی احوال کا حصول بھی بدنی اعمال صالحہ کے بغیر محال ہے ۔

اس وقت کے بہت سے ملحد اور بے دین اس قسم کا دعویٰ کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے صدقے ان کے اعتقادات سے نجات دے ۔

مکتوب نمبر (۴۰)

مقام اخلاص کے حاصل کرنے کے بیان میں جو شریعت کے تین اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ اور اس جزو کے کامل کرنے میں طریقت اور حقیقت دونوں شریعت حقہ کی خادم ہیں، اور اسی طرح کے دوسرے مسائل میں ——— شیخ محمد چتری کی طرف لکھا۔

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَنُسَلِّمُ۔

مخدوم گرامی! منازل سلوک اور مقامات جذبہ کے طے کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس سیر و سلوک سے مقصود مقام اخلاص کا حاصل کرنا ہے۔ جو بیرونی اور اندرونی خداؤں کے فنا ہونے سے وابستہ ہے۔ اور یہ اخلاص شریعت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ کیونکہ شریعت حقہ کے تین جزو ہیں۔ عِلْم۔ عَمَل۔ اخلاص۔

تو طریقت اور حقیقت دونوں اس جزو اخلاص کو کمال تک پہنچانے میں شریعت کی خادم ہیں۔ اصل بات یہی ہے لیکن ہر شخص کا فہم و ادراک یہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اکثر مخلوق خواب وخیال میں آرام کر رہی ہے، اور اکھروٹ وناریل (معمولی چیزوں) پر کفایت کر چکی ہے۔ شریعت کے کمالات کو کیا جانے۔ طریقت وحقیقت کی ماہیت کو کیا پائے؟ اکثر لوگ شریعت کو پوست اور حقیقت کو مغز خیال کرتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ صوفیوں کی سکر ومستی میں نکلی ہوئی باتوں کے دھوکے میں آچکے ہیں، اور احوال ومقامات سے فتنہ میں پڑ چکے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ انہیں راہِ راست پر چلنے کی ہدایت دے۔ ہم پر اور تمام صالحین پر سلامتی کا نزول ہو۔

اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کے حسن توفیق سے دفتر اول کے حصہ اول کا ترجمہ اختتام کو پہنچا۔
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین وعلینا معھم
برحمتہٖ وھو ارحم الراحمین

قطعۂ تاریخ طباعت

اُردو ترجمہ مکتوباتِ قدسی آیات حصّہ اوّل دفتر اوّل

نتیجۂ فکر

جناب مولانا سیّد شریف احمد صاحب شرافت نوشاہی مدظلہٗ سجادہ نشین ساہن پال شریف ضلع گجرات

بحمد اللہ از لطفِ پاکِ خدا — بپایاں شد ایں نسخۂ باصفا

ز تصنیفِ آں قطب و الاقطاب — جنابِ مجدّد ولایت مآب

کہ در انکشافِ علومِ شہود — باقرانِ خود مثلِ وے کس نبود

بسعیِ مبارک محمد سعید — کہ در عہدِ خود ہست مردِ فرید

بعلم و عمل مشتہر در جہاں — بیانش نمودہ باُردو زباں

چو شد چاپ ایں حصۂ اوّلیں — مکاتیبِ فخرِ زمان و زمیں

شدہ از شرافت سن او ظہور

کلامِ تصوّف، شرابِ طہور

۱۳ — ھ — ۹۰

کتبہٗ محمد یوسف خوشنویس ساکن حضرت کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ ۲۰، اپریل ۱۹۷۰ء

صُحُفٌ مُّطَهَّرَةٌ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

بلله الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

یعنی

(اردو ترجمہ)

مکتوباتِ امام ربّانی

حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ

دفتر اوّل ——— حصہ دوم

(تصحیح و حواشی و ترجمہ)

مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی
خطیب و امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

(ناشر)

مدینہ پبلشنگ کمپنی۔ بندر روڈ۔ کراچی

فہرست مضامین اُردو ترجمہ مکتوبات دفتر اوّل حصّہ دوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اُردو ترجمہ

مکتوبات امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

جلد اوّل ——— حصّہ دوم

مکتوب نمبر (۴۱)

شیخ درویش کے نام صادر فرمایا:

بلند مرتبہ سنت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت کی ترغیب کے بیان میں اور اس امر کے بیان میں کہ طریقت و حقیقت شریعت کو مکمل کرنے والی ہیں۔ نیز اس امر کے بیان میں کہ علوم شرعیہ اور صوفیہ کے اُن علوم کے درمیان جو مقام صدیقیت میں جو ولایت کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے، فائض اور وارد ہوتے ہیں آپس میں بالکل مخالف نہیں ہیں۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ ظاہر و باطن کو بلند مرتبہ سنت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام و التحیہ سے بطفیل حضور نبی کریم اور آپ کی بزرگ اولاد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات سے آراستہ اور مزین فرمائے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رب العالمین کے محبوب ہیں۔ جو چیز پسندیدہ اور مرغوب ہے وہ مطلوب اور محبوب کے لیے ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے کلام مجید میں فرماتا ہے:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ — یعنی (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم خلق عظیم کے مالک ہو

نیز اللہ تعالیٰ اور تقدس فرماتا ہے:

اِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ — اے نبی! آپ رسولوں میں سے ہیں اور سیدھے راستے پر قائم ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے:

اِنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ۔ — بیشک یہی میرا سیدھا راستہ ہے تو اسی کی پیروی کرو۔ اس کے علاوہ دوسرے مختلف راستے اختیار نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملت کو صراط مستقیم فرمایا۔ آپ کی ملت کے سوا دوسرے تمام راستوں کو سُبُل (مختلف راستے) قرار دیا۔ اور ان کی اتباع اور پیروی سے منع فرمایا۔ اور خود حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اظہار شکر اور مخلوق کو بتانے اور ان کی ہدایت کے لیے فرمایا:

خَیْرُ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ — بہترین سیرت محمد کی سیرت ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ — مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور بہت ہی اچھا سکھایا۔

اور یاد رکھو کہ باطن ظاہر کو تمام و کمال تک پہنچانے والا ہے۔ ظاہر و باطن آپس میں بال برابر بھی ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتے۔ مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے۔ اور دل سے جھوٹ کا خیال دور رکھنا طریقت اور حقیقت ہے۔ اگر دل سے یہ نفی تکلف اور مشقت سے ہے تو طریقت ہے۔ اور اگر بے تکلف میسر ہے تو حقیقت ہے۔ تو فی الحقیقت باطن جسے طریقت اور حقیقت سے تعبیر کرتے ہیں، ظاہر کو ہی جو شریعت ہے تمام و کمال تک پہنچانے والا ہے۔ تو طریقت و حقیقت کے راستوں پر چلنے والوں کو اگر دورانِ راہ ایسے امور پیش آئیں اور سامنے لائے جائیں جو بظاہر شریعت کے مخالف ہوں تو وہ امور سکر وقت اور غلبۂ حال پر مبنی ہیں۔ اگر اس مقام سے گزر کر آگے لے جائیں، اور صحو و ہوش میں لے آئیں تو مخالفت بالکلیہ زائل ہو جاتی ہے اور وہ مخالفِ شریعت علوم غبار کی طرح اُڑ جاتے ہیں۔

مثلاً، ایک جماعت سکر کے باعث احاطہ ذاتی کی قائل ہوئی ہے، اور ذات حق تعالیٰ و تقدس کو عالم کا محیط جانتی ہے۔ یہ حکم علماء اہل حق کی آراء کے خلاف ہے۔ علماء حق احاطہ علمی کے قائل ہیں فی الحقیقت علماء کی آراء صواب کے زیادہ قریب ہیں۔ جبکہ یہی صوفیہ اس امر کے قائل ہیں کہ ذات حق تعالیٰ و تقدس پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اور کسی بھی علم کے ذریعہ وہ ذات معلوم نہیں ہو سکتی۔ تو پھر اس کی ذات کے بارے میں یہ حکم لگانا کہ وہ ذات سے کائنات کا احاطہ اور اشیاء میں سرایت

کیے ہوئے ہے، خود ان کے اپنے قول کے خلاف ہے۔ حق یہی ہے کہ اس کی ذات بے چون و بیچگون ہے۔ اس ذات تک کسی بھی حکم کو راستہ نہیں مل سکتا۔ وہاں تو صرف حیرت و نادانی ہے۔ اور اس مقام میں صرف جہل ہی جہل اور سرگردانی کی حالت ہے۔ احاطہ ذاتی اور سرایت و حلول کا اس بلند و پاکیزہ ذات سے کیا تعلق۔

ہاں ان صوفیہ کی طرف سے جو احاطہ ذاتی وغیرہ کے قائل ہیں یہ عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ ذات سے ان کی مراد تعین اول ہے۔ اور جب وہ اسے متعین کرنے والی ذات (واجب تعالیٰ) سے زائد نہیں مانتے بلکہ تعین اوّل کو عین ذات کہتے ہیں۔ اور وہ تعین اوّل جسے "وحدت" سے تعبیر کیا جاتا ہے تمام ممکنات میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ تو اس لحاظ سے احاطہ ذاتی کا حکم درست ہو جاتا ہے۔

یہاں ایک باریک بات ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ و تقدس کی ذات علماء اہل حق کے نزدیک بے چون و بے چگون ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے اس سے زائد ہے۔ وہ تعین اول بھی اگر ان کے ہاں ثابت تسلیم کیا جائے تو وہ بھی زائد ہی ہوگا۔ اور ذات کے دائرۂ بے چون سے بھی اس کو باہر ہی مانیں گے۔ لہٰذا اس احاطہ کو ذات کا احاطہ نہیں کہہ سکتے۔

پس علماء حق کی نظر ان صوفیہ کی نظر سے بلند ہے۔ اور جو چیز صوفیہ کے نزدیک ذاتِ حق ہے وہ ان علماء کے نزدیک ماسوی اللہ میں داخل ہے۔ قرب و معیت ذاتی بھی اسی قیاس پر ہے۔ اور معارفِ باطن کی شرع کے ظاہر علوم کے ساتھ اس حد تک کامل و مکمل موافقت کہ حقیر و معمولی درجہ کی مخالفت بھی باقی نہ رہے، مقام صدیقیت میں جا کر ہوتی ہے، جو مقامات ولایت کا بلند ترین مقام ہے۔ اور مقام صدیقیت سے اوپر مقامِ نبوت ہے۔ وہ علوم جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کے ذریعہ حاصل ہوئے صدیق پر بطریقہ الہام منکشف ہوئے ہیں۔ ان دونوں علوم کے درمیان وحی اور الہام کے سوا کچھ فرق نہیں۔ تو پھر دونوں علموں میں مخالفت کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے۔ اور مقام صدیقیت سے نیچے جو مقام بھی ہے اس میں قدرے سکر موجود ہوتا ہے۔ ہوش اور صحو تام مقام صدیقیت میں ہے اور بس۔

ان دونوں علموں کے درمیان دوسرا فرق یہ ہے کہ وحی قطعی اور یقینی چیز ہے اور الہام ظنی۔ کیونکہ وحی فرشتہ کے واسطہ سے ہوتی ہے۔ اور ملائکہ معصوم ہیں۔ ان میں احتمال خطا نہیں ہو سکتا۔ اور الہام کا محل و مقام اگرچہ بلند ہے، اور وہ دل ہے۔ اور دل عالم امر سے ہے۔ لیکن اس کا تعلق عقل اور نفس سے بھی کچھ قدرے ہے۔ اور نفس اگرچہ مطمئنہ ہو چکا ہوتا ہے لیکن سے

ہر چند کہ مطمئنہ گردد ہرگز ز صفاتِ خود نگردد

یعنی نفس اگرچہ مطمئنہ ہو جاتا ہے لیکن اپنی صفات سے ہرگز باز نہیں آتا۔

لہٰذا خطا اور غلطی کی اس مقام میں گنجائش اور مجال ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مطمئنہ ہو جانے کے باوجود نفس کو اس کی صفات پر باقی رکھنے میں بہت سے فوائد و منافع ہیں۔ نفس اگر بالکل اپنی صفات کے ظہور سے روک دیا جائے تو اس کی ترقی کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ اس طرح روح فرشتے کے مانند ہو جاتی ہے اور اپنے مقام میں بند ہو کر رہ جاتی ہے۔ روح کی ترقی نفس کی مخالفت کے باعث ہے۔ اگر نفس میں مخالفت نہ رہے تو ترقی کیسے ہو۔

حضور سرور کائنات علیہ من التحیات انتہاء و من التسلیمات اکملہا ایک دفعہ جہاد کفار سے واپس تشریف لائے۔ تو فرمایا:

رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر۔ ہم لوگ چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ کر آئے ہیں۔

اس ارشاد مبارک میں آپ نے جہاد بالنفس کو جہاد اکبر فرمایا۔

مطمئنہ کی صفت اختیار کر لینے کے بعد اس کی مخالفت یہ ہوتی ہے کہ وہ ترک عزیمت اور ترک اولیٰ کا مرتکب ہونا چاہتا ہے۔ بلکہ اس مقام میں ترک اولیٰ کا ارادہ بھی مخالفت میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن حتی الامکان ترک اولیٰ کا وجود اس سے متصور نہیں ہوتا۔ اور صرف ترک اولیٰ کے ارادے پر اس قدر ندامت و پشیمانی اور بارگاہ قدس خداوندی میں التجاء و زاری ظہور میں آتی ہے کہ ایک سال کا کام ایک ساعت میں میسر آجاتا ہے۔

ہم پھر اصل بات کی طرف آتے ہیں ——— یہ طے شدہ بات ہے کہ ہر وہ چیز جس میں محبوب کے اخلاق و عادات پائے جاتے ہوں، محبوب کے ساتھ وابستگی اور اس کے تابع ہونے کی وجہ سے محبوب اور پیاری ہو جاتی ہے۔ اس بیان کی طرف اشارہ اس آیۃ کریمہ میں ہے:

فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ تم لوگ میری پیروی اختیار کرو، اللہ تمہیں اپنا محبوب بنائے گا۔

لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اور پیروی میں کوشش کرنا بندے کو مقام محبوبیت تک لے جانا ہے، تو ہر عقلمند اور دانشمند پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں ظاہراً اور باطناً پوری سعی اور کوشش کرے۔

بات لمبی ہو گئی۔ مجھے معذور سمجھیں۔ کلام کا جمال چونکہ جمیل مطلق (رب تعالیٰ) کی طرف سے ہے۔ اس لیے سلسلہ گفتگو جس قدر دراز ہو خوب اور زیبا ہی ہے۔

لَوْكَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْجِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۔

اگر میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو سمندر ختم ہو جائے گا اس سے پہلے کہ میرے رب کی باتیں ختم ہوں۔ اگرچہ ہم لے آئیں اس سمندر کی مانند اور سمندر بھی مدد کے طور پر

اب دوسری طرف بات لے جانی چاہیے:

اس دعائیہ رقعہ کے حامل مولانا محمد حافظ اہل علم ہیں اور کثیر العیال ہیں۔ اسبابِ معیشت کی قلت کی بنا پر فوج کی (ملازمت کی) طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اگر سرکار نصرت آثار، سیادت و نقابت دستگاہ شیخ جیو سے کچھ وظیفہ یا امداد مولانا موصوف کے لیے حاصل اور جاری کرا دیں تو یہ آپ کا عین کرم ہوگا آپ کی زیادہ دردسری ختم کرتا ہوں۔

مکتوب نمبر (۴۲)

شیخ درویش کی طرف صادر فرمایا۔

اس امر کے بیان میں کہ حقیقت جامعہ قلبیہ سے غیر حق سبحانہٗ کی محبت دور اور پاک کرنے کا بہترین آلہ متابعتِ سنت ہے۔ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔

حق تعالیٰ و سُبحانہٗ تمہیں سلامت اور باقی رکھے۔

آدمی جب تک پراگندہ تعلقات کی میل کچیل سے ملوث ہے مطلوب سے محروم اور دور ہے۔ حقیقت جامع (قلب) کے آئینے کو اس ذات عزوجل کے غیر کی محبت کے زنگ سے صاف کرنا ضروری ہے۔ اور اس زنگ کو دور کرنے کا بہترین آلہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی روشن سنت کی متابعت ہے۔ کیونکہ اس میل کو دور کرنے کا دارومدار عاداتِ نفسانی کے اُٹھنے اور رسومِ ظلمانی کے دفع ہونے پر ہے۔

فَطُوْبٰى لِمَنْ شُرِّفَ بِهٰذِهِ النِّعْمَةِ الْعُظْمٰى وَوَيْلٌ لِّمَنْ

تو کتنا ہی خوشحال ہے وہ شخص جو اس نعمتِ عظیم سے مشرف ہو گیا۔ اور افسوس اس شخص پر جو اس

حُرِمَ مِنْ هٰذِهِ الدَّوْلَةِ الْقُصْوٰی بلند درجہ دولت سے محروم رہا۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ جناب اخوی اعزی میاں مظفر ولد شیخ گھورن مرحوم اشراف اور بزرگ زادہ لوگوں میں سے ہے۔ جماعت (عیال) کثیر اس سے وابستہ ہے۔ رحم و شفقت کا مستحق ہے۔ آپ کی زیادہ دردسری کیا کرے۔ والسلام علیکم وعلیٰ من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب نمبر (۴۳)

سیادت پناہ، خوبیوں کے مالک شیخ فرید بخاری کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ توحید دو قسم ہے۔ شہودی اور وجودی۔ اور جو ضروری ہے وہ توحید شہودی ہے کیونکہ اس سے متعلق ہے۔ نیز توحید شہودی عقل و شرع کے خلاف نہیں بخلاف توحید وجودی کے۔ اور مشائخ کے وہ اقوال جو توحید کے بارہ میں ہیں انہیں توحید شہودی پر محمول کرنا چاہیے تاکہ مخالفت کی گنجائش نہ رہے۔ اور توحید شہودی مرتبہ عین الیقین میں ہے، جو مقام حیرت ہے۔ اور جب اس مقام سے گزار دیتے ہیں اور حق الیقین تک پہنچاتے ہیں تو انسان اس طرح کے حالات سے ایک طرف ہو جاتا ہے۔ اور اس کے مناسب سوالات و جوابات اور واضح کرنے والی تمثیلات کے بیان میں۔

سلّمکم اللّٰہ تعالیٰ و سبحانہٗ و عصمکم عما یصمکم وصانکم عما شانکم (اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ تمہیں سلامت اور داغدار کرنے والی چیزوں سے محفوظ رکھے اور تمہیں عیب کی باتوں سے بچائے)

وہ توحید جو اس بلند گروہ صوفیہ کو راہ سلوک و فقر میں میسر آتی ہے دو قسم ہے:

توحید شہودی[۱] اور توحید وجودی[۲]۔

توحید شہودی ایک ذات کو دیکھنا ہے۔ یعنی سالک کا شہود صرف ایک ہی ذات ہو۔ اور توحید وجودی ایک ذات کو موجود جاننا ہے اور اس کے غیر کو معدوم خیال کرنا۔ اور معدوم خیال کرنے کے باوجود کائنات کے آئینوں اور مظاہر کو ایک جاننا۔ پس توحید وجودی علم الیقین کے قبیلہ سے ہے اور توحید شہودی عین الیقین کی قسم سے۔ توحید شہودی اس راہ کے ضروری امور میں سے ہے۔ کیونکہ بغیر اس کے فنا متحقق نہیں ہوتی۔ اور عین الیقین کی (دولت) بھی اس کے بغیر میسر نہیں آتی۔ کیونکہ ایک ذات کے غلبے کے باعث صرف اسے ہی دیکھنا اس کے ماسوا کو نہ دیکھنے کو مستلزم ہے۔ بخلاف توحید وجودی کے کہ وہ اس طرح نہیں۔ یعنی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ علم الیقین توحید وجودی کی معرفت

کے بغیر بھی حاصل ہے۔ کیونکہ علم الیقین اس ذات کے ماسوا کی نفی کو مستلزم نہیں۔ نہایت درجہ یہ ہے کہ اس کے ماسوا کے علم کی نفی کو مستلزم ہے۔ جبکہ اس ایک کے علم کا غلبہ اور زور ہو۔

مثلاً ایک شخص کو وجودِ آفتاب کا یقین ہو۔ اس یقین کا غلبہ اس امر کو مستلزم نہیں کہ ستاروں کو اس وقت منتفی اور معدوم جانے۔ لیکن جب آفتاب کو دیکھا تو ستاروں کو نہیں دیکھے گا۔ اور اس کے مشاہدہ میں صرف ایک آفتاب ہی ہوگا۔ لیکن اس وقت کہ ستاروں کو نہیں دیکھ رہا، یہ ضرور جانتا ہے کہ ستارے معدوم نہیں ہیں۔ بلکہ یہ جانتا ہے کہ موجود تو ہیں مگر پوشیدہ ہیں اور نور آفتاب کے پرتو کے آگے مغلوب ہیں۔ یہ شخص اس جماعت کے ساتھ جو اس وقت ستاروں کے وجود کی نفی کر رہی ہے، مقام انکار میں ہے اور جانتا ہے کہ ستاروں کے وجود کی نفی کرنا غیر واقعی بات ہے۔ تو توحید وجودی جو ایک ذاتِ تعالیٰ و تقدس کے ماسوا کی نفی پر مبنی ہے عقل و شرع کے خلاف ہے۔ بخلاف توحید شہودی کے کہ ایک ذات دیکھنے میں کچھ مخالفت نہیں۔ مثال کے طور پر طلوع آفتاب کے وقت ستاروں کے وجود کی نفی کرنا اور معدوم جاننا خلاف واقع ہے۔ لیکن ستاروں کو اس وقت نہ دیکھنے میں کچھ مخالفت نہیں۔ بلکہ ستاروں کو نہ دیکھنا نور آفتاب کے ظہور کے غلبہ کے واسطہ سے دیکھنے والے کے ضعف بصارت کی بنا پر ہے۔ اگر دیکھنے والے کی آنکھ اسی آفتاب کے نور سے سرمگیں ہو جائے، اور اپنے اندر قوت و استعداد پیدا کرلے تو عین اسی وقت ستاروں کو بھی آفتاب سے جدا دیکھے گی۔ اور یہ دید حق الیقین کے مرتبہ پر ہے۔

پس بعض مشائخ کے اقوال جو بظاہر شریعت حقہ کے مخالف معلوم ہوتے ہیں اور بعض لوگ انہیں توحید وجودی پر محمول کرتے ہیں۔ جیسے ابن منصور الحلاج کا قول انا الحق اور ابو یزید البسطامی کا سبحانی کہنا اور اس طرح کے اور اقوال۔ اولیٰ اور انسب یہ ہے کہ انہیں توحید شہودی پر محمول کیا جائے اور عقل و شرع کے ساتھ مخالفت کو دور کیا جائے۔ چونکہ غلبۂ حال میں ماسوائے حق سبحانہٗ کے ہر شے ان کی نظر سے پوشیدہ تھی تو ایسے الفاظ ان سے صادر ہو گئے۔ اور انہوں نے حق سبحانہٗ کے سوا اور کسی شئے کو ثابت و موجود نہ مانا۔ انا الحق کا معنی ہے "حق ہے میں نہیں ہوں"۔ جبکہ وہ اپنے آپ میں بھی نہیں دیکھتے تو اپنے آپ کو ثابت نہیں کرتے۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ بزرگ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور خود اپنے کو حق کہتا ہے۔ یہ مفہوم تو صریح کفر ہے۔

یہاں کوئی یہ سوال نہ کرے۔ غیر حق کا اثبات نہ کرنا نفی کی طرف ہی لے جاتا ہے۔ اور وہ بعینہ توحید وجودی ہے۔ کیونکہ ہم کہیں گے کہ ثابت نہ کرنے سے نفی لازم نہیں آتی۔ بلکہ اس مقام میں حیرت

ہی حیرت ہے۔ تمام احکام وہاں ساقط ہو چکے ہیں۔ اور لفظ سُبحانی میں بھی حق تعالیٰ کی تنزیہ ہے' نہ کہ اپنی تنزیہ۔ کیونکہ وہ تو مکمل طور پر اس کی نظر سے اُٹھ چکی ہے۔ کوئی حکم اس سے تعلق نہیں ہو سکتا۔ اور اس قسم کی باتیں عین الیقین کے مقام میں جو مقام حیرت ہے بعض کو رونما ہوتی ہیں۔ اور جب ان حضرات کو اس مقام سے آگے گزار دیتے ہیں اور حق الیقین تک پہنچا دیتے ہیں تو پھر ایسے کلمات سے اجتناب کرتے ہیں اور حد اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے۔

ہمارے زمانہ میں اس گروہ کے بہت سے لوگ جو صوفیاء کے لباس میں اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں توحید وجودی کو عام کرنے میں مصروف ہیں اور اس عام کرنے کو ہی کمال تصور کرتے ہیں۔ اور عین الیقین کے بجائے علم میں ہی رُکے ہوئے ہیں۔ اور مشائخ کے ان اقوال مذکورہ کو اپنے خیالی معانی پر چسپاں کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو مقتداء زمانہ بنائے بیٹھے ہیں اور اپنے بے رونق بازار کو ان تخیلات کے ذریعہ سے چمکا رہے ہیں۔

اور اگر بالفرض مذکورہ بعض مشائخ کی عبارتوں میں ایسے الفاظ بھی ہوں جو توحید وجودی پر صراحتًا دلالت کرتے ہوں تو ان الفاظ کو ابتدائی زمانہ اور علم الیقین کے مقام پر محمول کرنا چاہیے۔ اور یہ تصور کرنا چاہیے کہ یہ کلمات ان سے اُس وقت صادر ہوتے ہیں۔ آخر کار ان کو اس مقام سے آگے گزار لیا گیا اور علم سے عین تک پہنچا دیے گئے ہیں۔

یہاں کوئی شخص یہ سوال نہ کرے کہ توحید وجودی والے بھی جس طرح ایک جانتے ہیں ایک ہی دیکھتے بھی ہیں۔ لہٰذا وہ بھی عین الیقین سے کچھ حصہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ ہم جواب میں کہیں گے کہ اس توحید والوں نے توحید شہودی کی مثالی صورت کو دیکھا۔ اس توحید شہودی سے متصف نہیں ہوئے۔ توحید شہودی کو اپنی اس صورت مثالی کے ساتھ فی الحقیقت کچھ مناسبت نہیں۔ کیونکہ توحید شہودی کے حصول کے وقت صرف حیرت ہی موجود ہوتی ہے۔ اس مقام میں کسی قسم کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اور توحید وجودی والا توحید شہودی کی صورت مثالی کے مشاہدے کے باوجود ارباب علم میں سے ہے۔ کیونکہ وہ ماسوا کے وجود کی نفی کر رہا ہے۔ اور نفی جنس احکام میں سے ایک حکم ہے۔ حیرت اور علم ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ پس اس تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ توحید وجودی والا عین الیقین کے مقام سے کچھ حصہ نہیں رکھتا۔ ہاں توحید شہودی والے کو مقام حیرت کے بعد اگر ترقی واقع ہو تو مقام معرفت میں جو حق الیقین کا مقام ہے پہنچا دیتے ہیں اور اس جگہ علم اور حیرت دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ علم جو حیرت کے بغیر ہے اور حیرت سے پہلے ہے علم الیقین ہے۔

یہ جواب ایک مثال سے واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص خواب میں اس مناسبت کے واسطے سے جو وہ بادشاہت سے رکھتا ہے۔ اپنے آپ کو بادشاہ دیکھا۔ اور بادشاہت کے لوازمات اپنے اندر دیکھے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ وہ شخص بادشاہ نہیں بن گیا ہے۔ بلکہ بادشاہت کی مثالی صورت کو اپنے اندر دیکھا ہے۔ اور فی الحقیقت بادشاہت کو اس مثالی صورت کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہاں، یہ شہود اگرچہ مثالی صورت میں ہے لیکن اس شخص کے اس صورت کی حقیقت کے ساتھ متصف ہونے کی استعداد کی خبر ضرور دیتا ہے۔ اگر شفقت کرے اور عنایت خداوندی جل سلطانہ اس کے شامل ہو جائے تو وہ بادشاہت کے مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ قوت سے فعل تک بڑا فرق ہے۔ بہت سے لوہے شیشہ بننے کی قابلیت رکھتے ہیں لیکن جب تک آئینہ بن نہیں جاتے بادشاہوں کے ہاتھ میں نہیں پہنچ سکتے اور ان کے جمال سے بہرہ ور نہیں ہوتے۔

میں کس طرف چلا گیا۔ مگر ان دقیق علوم کی تحریر کا باعث اور سبب یہ ہے کہ اس وقت کے بہت سے لوگ بعض تقلیداً، بعض علم کے باعث اور بعض علم اور کچھ قدرے ذوق کی بنا پر اور بعض الحاد اور زندقہ کے باعث اس توحید وجودی کے دامن سے چمٹے ہوئے ہیں اور سب کو حق کی طرف سے جانتے ہیں بلکہ حق جانتے ہیں۔ اور اپنی گردنوں کو تکلیف شرعی کی رسی سے اس بہانے کے ساتھ باہر نکال رہے ہیں اور احکام شرعیہ میں سستیوں کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اور اس حالت پر خوش وقت اور مسرور ہیں اور شرعی احکام کی بجا آوری کا اگر اعتراف بھی کرتے ہیں تو اسے طفیلی جانتے ہیں مقصود اصلی شریعت کے علاوہ کسی اور شے کو خیال کرتے ہیں۔

حَاشَا وَكَلَّا ثُمَّ حَاشَا وَكَلَّا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ مِنْ هٰذَا الْاِعْتِقَادِ السُّوْءِ۔ — خدا کی پناہ پھر خدا کی پناہ۔ ہم اللہ سبحانہ کے پاس پناہ لیتے ہیں اس برے اعتقاد سے۔

طریقت اور شریعت ایک دوسرے کا عین ہیں، ان کے درمیان بال برابر بھی مخالفت نہیں۔ فرق صرف اجمال و تفصیل اور استدلال اور کشف کا ہے۔ جو چیز بھی شریعت کے خلاف ہے مردود ہے۔

کل حقیقة ردته الشریعة فهو زندقة — ہر حقیقت جسے شریعت رد کر دے مردود اور باطل ہے۔

شریعت کو قائم رکھتے ہوئے حقیقت کو طلب کرنا مردوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ سبحانہ، ہمیں اور تمہیں سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کی ظاہر و باطن میں متابعت

پر استقامت نصیب فرمائے۔

معرفت پناہ قبلہ گاہ ہمارے خواجہ (حضرت باقی باللہ صاحب) قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کچھ عرصہ تک توحید وجودی کا مشرب ہی رکھتے تھے۔ اور اپنے رسائل و مکتوبات میں خود اس کا اظہار فرماتے تھے۔ لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے انہیں اس مقام سے ترقی عطا فرمائی۔ اور اس توحید وجودی کی معرفت کی تنگی سے کھلی شاہراہ پر ڈال دیا۔

میاں عبدالحق نے جو حضرت خواجہ کے مخلصین میں سے ہیں نقل کیا ہے کہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے اپنی مرض موت سے ایک ہفتہ پہلے فرمایا کہ مجھے عین الیقین کے ساتھ معلوم ہو گیا ہے کہ توحید وجودی تنگ کوچہ ہے۔ شاہراہ دوسری ہے۔ اس سے پہلے میں بھی یہی جانتا تھا۔ لیکن اب ایک اور یقین حاصل ہو گیا ہے۔ اور یہ حقیر بھی کچھ عرصہ تک حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی خدمت میں یہی توحید وجودی کا مشرب رکھتا تھا۔ اور اس توحید کی تائید میں بہت سے کشفی مقدمات ظاہر ہوتے تھے۔ لیکن خداوند تعالیٰ جل سلطانہٗ کی عنایت و مہربانی نے اس مقام سے گذار کر جس مقام سے چاہا مشرف کر دیا۔ اس سے زیادہ گفتگو طوالت کا موجب ہے۔

میاں شیخ زکریا اپنے ضلع سے بار بار لکھتے ہیں اور آپ کے بلند آستانہ سے نسبت نیازمندی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور تحصیلداروں کے عہدہ سے خائف اور ہراساں ہیں۔ عالم اسباب میں آپ سے ہی التجاء اور وابستگی رکھتے ہیں۔ آپ کی توجہ عالی کے سوا بظاہر کوئی جائے پناہ نہیں رکھتے۔ وہ امیدوار ہیں کہ جس طرح آپ نے ان کو نوازا، آخر تک ان کی دستگیری فرماتے رہیں گے اور حوادث زمانہ کے تھپیڑوں سے محفوظ رکھیں گے۔ کمال ادب کے باعث آپ کی خدمت میں عرض کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ اس لیے سفارش کے لیے فقیر کی طرف رجوع کیا ہے اور اپنے حالات کا اظہار کرنا چاہا ہے۔ امید ہے کہ ان کی درخواست شرف قبولیت سے ہمکنار ہوگی۔

مکتوب نمبر ۴۴

یہ مکتوب بھی سیادت و بزرگی کے مالک شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا۔

حضور نبی کریم خیر البشر علیہ و علیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی مدح و ثنا اور اس امر کے بیان میں کہ آپ کی شریعت کو ماننے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے سب امتوں سے بہتر امت ہیں اور

آپ کی شریعت کی تکذیب کرنے والے بدترین بنی آدم ہیں۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشن سنت کی پیروی کی ترغیب کے بیان میں۔

آپ کا عالی مرتبہ گرامی نامہ عزیز ترین اوقات میں تشریف لایا۔ بندہ اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ اللہ سبحانہ کی حمد وثنا اور اس کا احسان ہے کہ آپ کو فقر محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی میراث ہاتھ آچکی ہے۔ فقراء سے محبت اور ان کے ساتھ تعلق اور ارتباط اسی کا نتیجہ ہے۔ نہیں جانتا کہ یہ قصور وار بے سروسامان اس کے جواب میں کیا لکھے۔ مگر یہ کہ احادیث وکتب سیر میں چند نقل شدہ عربی فقرے جو آپ کے جد بزرگوار اور خیر العرب ہیں کے فضائل ومناقب میں لکھے۔ علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا۔ اور اس سعادت نامے کو اپنی نجات اُخروی کا وسیلہ بنائے۔ یہ مقصد نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کی مدح وثنا کرے۔ بلکہ اپنے کلام کو آپ کے ذکر شریف سے مزین وآراستہ کرے۔

ما ان مدحت محمدا بمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد

میں اپنے کلام سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح وثنا نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے کلام کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر سے آراستہ کرتا ہوں۔

تو میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے حفاظت وتوفیق کا طالب ہوں کہ بیشک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں، تمام اولادِ آدم کے سردار ہیں۔ قیامت کے روز سب سے زیادہ پیروکار آپ ہی کے ہوں گے۔ آپ بارگاہ ایزدی میں سب پہلوں اور پچھلوں سے اکرم وبزرگ ہیں۔ آپ ہی سب سے پہلے قبر سے باہر تشریف لائیں گے، آپ ہی سب سے پہلے شفاعت کریں گے اور آپ ہی کی شفاعت سب سے پہلے مقبول ہوگی، اور آپ ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے دروازہ بہشت کھول دے گا۔ قیامت کے روز لواء حمد آپ ہی اُٹھائے ہوں گے۔ حضرت آدم اور ان کے ماسوا سب اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ آپ ہی وہ ذات ہیں کہ خود آپ نے فرمایا کہ ہم دنیا میں آمد کے لحاظ سے سب سے پیچھے ہیں مگر قیامت کے روز سب سے آگے اور پہلے ہوں گے۔ اور آپ نے فرمایا میں بغیر فخر کے کہتا ہوں کہ میں ہی اللہ کا حبیب ہوں، اور میں ہی تمام انبیاء کا پیشوا ہوں اور میں ہی سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والا ہوں، اور محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے ان سے بہتر مخلوق میں رکھا۔ پھر اللہ نے انسانوں کے دو گروہ کیے تو مجھے بہتر

گروہ میں کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مختلف قبائل میں تقسیم کیا تو مجھے ان میں سے بہتر قبیلے میں کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مختلف گھروں میں تقسیم کیا تو مجھے سب سے بہتر گھر میں پیدا کیا۔ تو میں ذات میں سب سے بہتر ہوں اور گھر کے لحاظ سے سب سے بہتر ہوں۔ اور محشر میں جب لوگ اُٹھیں گے تو میں سب سے پہلے اٹھوں گا۔ اور جب لوگ بارگاہِ خداوندی کی طرف چلیں گے تو میں ان کا قائد ہوں گا۔ اور جب لوگ خاموش ہوں گے تو میں ان کو خطبہ دوں گا۔ اور جب وہ روک لیے جائیں گے تو میں ان کی شفاعت طلب کروں گا۔ اور جب وہ مایوس ہوں گے تو میں ان کو بشارت دوں گا۔ بزرگی اور ہر چیز کی چابیاں اس روز میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام اولادِ آدم سے اکرم و اشرف ہوں۔ میرے ارد گرد میری خدمت اور خاطرداری کے لیے ایک ہزار خادم گھومتا ہوگا جو حسن و جمال میں پوشیدہ رکھے ہوئے انڈوں کی طرح ہوگا۔ اور جب قیامت کا دن ہوگا تو میں امام الانبیاء اور ان کا خطیب ہوں گا۔ اور میں ان کا صاحبِ شفاعت ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔

اگر حضور نے دنیا میں جلوہ فرما نہ ہونا ہوتا تو اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا نہ کرتا اور نہ اپنی ربوبیت ظاہر کرتا۔ اور آپ اس وقت نبی تھے جب حضرت آدم ابھی پانی اور مٹی میں تھے ؎

نماند بعصیاں کسے در گرو ۔۔۔ کہ دارد چنیں سید پیشرو

کوئی شخص بھی گناہوں کی وجہ سے گرو نہیں رہے گا جبکہ وہ آپ جیسا سردار پیشوا رکھتا ہے۔

پس یہ بات ضروری ہے کہ ایسے پیغمبر سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے والے خیر الامم ہوں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ ۔۔۔ تم بہترین امت ہو جو ظاہر کیے گئے ہو۔

ان کا نقد وقت ہے۔ اور آپ کے مکذب بدترین بنی آدم ہوں۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا۔ ۔۔۔ دیہاتی لوگ کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں۔

ان کے حال کا نشان ہے۔ دیکھیے کس صاحبِ قسمت کو آپ کی روشن سنت کی پیروی سے نوازتے ہیں اور آپ کی پسندیدہ شریعت کی متابعت سے سرفراز کرتے ہیں۔ آج تھوڑے سے عمل کو جو آپ کے دین کو حق جاننے کی تصدیق سے ملا ہوا ہے عمل کثیر کے مقابلے میں قبول کرتے ہیں۔ اصحاب کہف نے جو اس قدر درجات پائے صرف ایک نیکی کے واسطہ سے پا لیے۔ اور وہ ہجرت کی نیکی تھی جو انہوں نے نورِ ایمانی کے ساتھ غلبہ کفار کے وقت اختیار کی۔ مثلاً سپاہی دشمنوں اور مخالفوں کے غلبہ کے وقت اگر تھوڑا سا تردد بھی کریں تو ان کا وہ قدر اور وہ لحاظ ہوتا ہے جو امن کی حالت میں اس سے کئی گنا

زیادہ پر بھی نہیں ہوتا۔

نیز چونکہ سرورِ دو عالم محبوب رب العالمین ہیں، تو آپ کی متابعت کرنے والے بھی آپ کی متابعت کے واسطہ سے مرتبہ محبوبیت تک پہنچ جاتے ہیں۔ کیونکہ محبت جس جس میں بھی اپنے محبوب کے شمائل اور عادات و اخلاق پاتا ہے انہیں بھی اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ اس سے مخالفین کی برائی کا قیاس بھی کر لینا چاہیے ؎

محمد عربی کابروے ہر دو سرا است کسیکہ خاک درش نیست خاک بر سر او

محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) جو دونوں جہاں کی آبرو ہیں جو شخص آپکے دروازے کی خاک نہیں بنتا اس کے سر پر خاک پڑے۔

اگر ظاہری ہجرت میسر نہ آئے تو ہجرت باطنی ہی کی کامل طور پر رعایت کرنی چاہیے۔ ظاہراً لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے باطناً ان سے الگ رہنا چاہیے۔ شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی صورت نکال دے۔

نوروز کا موسم آ چکا ہے اور معلوم ہے کہ یہ ایام وہاں کے رہنے والوں کے معاملے کو پراگندگی اور تفرقے میں ڈال دیتے ہیں۔ ہنگامے کے ان ایام کے گزر جانے کے بعد اگر ارادۂ خداوندی جل سلطانہٗ نے مدد فرمائی تو اس امر کا امیدوار ہے کہ ملاقات گرامی کے شرف سے مشرف ہوگا۔

گفتگو کو زیادہ دراز کرنا موجب پریشانی ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو آپ کے آباد کرام کے راستے پر ثابت رکھے۔ والسلام علیکم وعلیہم الیٰ یوم القیام۔

مکتوب نمبر (۴۵)

یہ مکتوب بھی سیادت و بزرگی والے شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا۔

یہ مکتوب آپ نے اپنے پیر دستگیر قدس سرہٗ کے اس عالم فانی سے رحلت فرمانے کے بعد لکھا۔

چونکہ خانقاہ کے فقراء کی ظاہری تقویت جناب سیادت پناہ کی طرف منسوب تھی اس لیے اس مکتوب میں اظہار شکر کیا ہے۔ اور انسان کی جامعیت جس طرح اس کے کمال کا سبب ہے اسی طرح اس کے نقصان کا بھی سبب ہے۔ اس کا تذکرہ بھی اس خط میں کیا ہے۔ اور ماہ رمضان شریف کے فضائل اور دیگر مناسب امور بیان کیے ہیں۔

اللہ سبحانہٗ آپ کو آپ کے آباء کرام کے طریقہ پر ثابت و قائم رکھے۔ اور زندگی کے مہینوں اور ایام میں آپ کو صدمات اور غم کے اسباب سے سالم اور محفوظ رکھے۔

خدائے عز و جل کے دوست مطابق حدیث المرء مع من احب (مرد اس کے ساتھ ہوتا ہے جس کے ساتھ اسے محبت ہو) خدائے تعالیٰ و تقدس کے ساتھ ہیں۔ بدن کا ساتھ ہونا اس معیت و انفصال میں قدرے مانع ہے۔ اس مادی صورت اور تاریکی سے لبریز شکل سے مفارقت اور جدائی کے بعد سب قرب ہی قرب اور اتصال ہی انصال ہے۔

الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب۔	موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

اس عبارت میں اسی معنی کا بیان ہے۔ اور آیۃ کریمہ:

مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ۔	جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا ارادہ رکھتا ہے تو جان لے کہ اللہ کا وعدہ آنے والا ہے۔

میں مشتاق لوگوں کے لیے تسلی بھی ہے اور بیان سابق کی طرف اشارہ بھی فرماتی ہے لیکن ہم پیچھے رہ جانے والوں کا حال بزرگوں کی حاضری کی دولت کے بغیر خراب و ابتر ہے۔

اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی روحانیات سے فیض و برکت حاصل کرنا بہت سے شرائط کے ساتھ مشروط ہے جن کے پورا کرنے کی ہر کسی کو مجال اور ہمت نہیں۔ لیکن صاحب انعام رب تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ اس ہولناک حادثے (پیرو مرشد کی رحلت) اور دہشتناک واقع کے باوجود ان بے سرو پا فقراء کا مربی اور مددگار دین و دنیا کے سردار علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے اہل بیت میں سے ہی بن گیا ہے۔ جو اس بلند سلسلے کے انتظام کا سبب اور نسبت نقشبندیہ کی جمعیت کا واسطہ اور ذریعہ ہو چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ ان بلاد میں یہ نسبت بہت ہی نادر و غریب ہے۔ اور اس نسبت والے ان ممالک میں بہت ہی کم ہیں۔ کیونکہ یہ اہل بیت کی نسبت ہے تو اس کا مربی اور اس کو تقویت دینے والا بھی اہل بیت سے ہی ہونا چاہیے۔ تاکہ اس دولت عظمیٰ کی تکمیل کسی اور کے ذمے نہ پڑے۔ تو جس طرح نسبت نقشبندیہ کی نعمت قصویٰ کا شکر فقراء پر لازم ہے۔ اس دولت کا شکر بھی ان پر ضروری ہے۔ انسان جس طرح جمعیت باطن کا محتاج ہے اسی طرح ظاہری جمعیت کا بھی محتاج ہے۔ بلکہ یہ محتاجی مقدم ہے۔ بلکہ انسان تمام مخلوق سے زیادہ محتاج ہے۔ اور اس کی یہ شدید محتاجی اس کی جامعیت کی بنا پر ہے۔ جو ضروریات ساری مخلوقات کو فرداً فرداً درکار ہیں تنہا انسان کو

درکار ہیں۔ اور انسان جس جس شے کا محتاج ہے اس کے ساتھ اس کا تعلق بھی ضروری ہے۔ اس لحاظ سے اس کے تعلقات سب سے زیادہ ہیں۔ اور یہ تعلق جناب قدس خداوندی جل سلطانہ سے روگردانی کا سبب ہے۔ اس بنا پر تمام مخلوقات سے محروم ترین شے انسان ہی ہے ؎

پایہ آخر آدم است و آدمی! گشت محروم از مقامِ محرمی
گر نہ گردد باز مسکیں زیں سفر نیست از وے ہیچکس محروم تر

آخری مرتبہ انسان ہی کا ہے۔ لیکن آدمی حق تعالیٰ کے محرمِ راز ہونے کے مقام سے محروم ہو چکا ہے۔
یہ مسکین اگر سفر سے واپس نہ لوٹا اور محرم ہونے کے مقام کو نہ پایا تو پھر اس سے زیادہ کوئی محروم اور بد قسمت نہیں۔

حالانکہ تمام مخلوقات سے افضل ہونے کی علت بھی انسان کی یہی وصف جامعیت ہے۔ اسی بنا پر اس کا آئینہ سب سے زیادہ مکمل ہے۔ اور جو کچھ کائنات کے شیشوں میں فرداً فرداً ظاہر ہے وہ سب کچھ صرف اکیلے انسان کے آئینہ میں ظاہر ہے۔ تو اس لحاظ سے بہترین خلائق بھی انسان ہی ہے اور گزشتہ اعتبار سے بدترین مخلوق بھی انسان ہی ہے۔ اس لیے کہ نوع انسان سے حضرت محمد مصطفیٰ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات بھی ہیں اور ابو جہل علیہ اللعنۃ بھی۔ اور اس بات میں کچھ شک نہیں کہ توفیق خداوندی عزوجل سے ان فقراء کی جمعیت ظاہری کے کفیل آپ ہی ہیں۔ اور الولد سر لابیہ (بیٹا اپنے باپ کا راز ہوتا ہے) کے مطابق باطنی جمعیت کے کفیل ہونے کی مکمل امیدواری بھی آپ سے ہی ہے۔

اور چونکہ آپ کا صحیفہ گرامی اور بلند مرتبہ عنایت نامہ ماہ رمضان المبارک میں موصول ہوا، دل سست میں گزرا کہ اس عظیم القدر مہینے کے فضائل و مناقب احاطہ تحریر میں لائے۔

جاننا چاہیے کہ ماہ رمضان شریف بہت فضیلت والا مہینہ ہے۔ نفلی عبادات، نماز، ذکر، صدقہ وغیرہ جو اس ماہ میں ادا ہوں دوسرے ایام کے فرائض کے برابر ہیں۔ اور اس مہینہ میں ایک فرض ادا کرنا دوسرے مہینوں میں ستر فرض ادا کرنے کے برابر ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں کسی کا روزہ افطار کرائے اسے بخش دیا جاتا ہے اور اس کی گردن کو آتش دوزخ سے آزادی مل جاتی ہے اور اسے اس روزہ دار کا اجر و ثواب عطا ہوتا ہے، بغیر اس کے کہ خود اس روزہ دار کا ثواب کم ہو۔

اسی طرح جو شخص اس ماہ میں اپنے غلاموں اور نوکروں سے کام لینے میں تخفیف کرے، اللہ

سبحانہ وتعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے اور اسے آتش دوزخ سے آزاد کر دیتا ہے۔ اور رمضان شریف کے مہینے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ ہر قیدی کو آزاد کر دیتے تھے، اور جو چیز بھی کوئی آپ سے مانگتا اور سوال کرتا آپ اسے دیتے تھے۔ اگر کسی کو اس ماہ میں خیرات اور اعمال صالحہ کی توفیق مل گئی تو تمام سال اسے یہ توفیق ملی رہے گی۔ اور اگر یہ مہینہ تفرقہ اور پراگندگی میں گزرا تو سارا سال وہ تفرقے کا ہی شکار رہے گا۔ حتی المقدور جس قدر میسر آسکے اس ماہ میں جمعیت کے ساتھ کوشش کرنی چاہیے اور اس مہینہ کو غنیمت جاننا چاہیے۔

اس ماہ کی ہر رات میں ہزار شخص کو جو دوزخ کا مستحق ہوتا ہے آزادی ملتی ہے۔ اس مہینہ میں بہشت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ کر ڈال دیتے ہیں اور رحمت کے دروازے کھول دیتے ہیں۔

افطار میں جلدی اور سحری کھانے میں دیر کرنا سنت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس میں مبالغہ کرتے تھے اور اس پر زور دیتے تھے۔ شاید سحری میں تاخیر اور افطار میں جلدی کرنے میں اپنے عجز و محتاجی کا اظہار ہے، جو مقام بندگی کے مناسب ہے۔

روزہ کھجور سے افطار کرنا سنت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام افطار کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ	پیاس چلی گئی، رگیں تر ہو گئیں اور اجر و ثواب
وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى	ان شاء اللہ تعالیٰ ثابت ہو گیا۔

ادائے تراویح اور ختم قرآن اس ماہ میں مؤکدہ سنتوں میں سے ہے اور بے شمار اچھے نتائج لاتا ہے۔ اللہ سبحانہ اپنے حبیب علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کی حرمت کے صدقے توفیق بخشے۔

آپ کی دردسری کے لیے دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا عنایت نامہ عین رمضان شریف میں پہنچا۔ ورنہ حکم کی بجا آوری میں اپنے آپ کو معاف نہ کرتا۔ اس ماہ مذکور کے بعد بات کرنا غیب پر حکم لگانا ہے اور درازی امید سے خبر دیتا ہے۔ بالجملہ جو کچھ جناب کی مرضی ہو فقیر اس میں اپنے آپ کو معاف نہیں رکھے گا۔ کیونکہ آپ کے ظاہری اور باطنی حقوق ان فقرا پر ثابت ہیں۔ حضرت قبلہ گاہی (پیر و مرشد) قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ "شیخ جیو (شیخ فرید) کے حقوق تمام پر ثابت اور مقرر ہیں۔ اس جمعیت کے باعث وہی ہیں۔" حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیشہ پسندیدہ اعمال کی توفیق سے سرفراز رکھے۔ نبی کریم اور آپ کی

آل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی حرمت کے صدقے۔

اس سے زیادہ سراسر دردسری ہے۔

مکتوب نمبر (۴۶)

یہ مکتوب بھی سیادت و بزرگی کے مالک شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ باری تعالیٰ و تقدس کا وجود یوں ہی اس کی وحدت، بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت، بلکہ وہ تمام چیزیں جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے سب کی سب بدیہی ہیں۔ دلیل اور فکر کی محتاج نہیں۔ علماء کرام نے ان مذکورہ مقدمات کے بدیہی ہونے پر بہت کچھ لکھا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو آپ کے آبائے کرام کے طریقہ پر قائم رکھے۔ آپ کے سب سے پہلے اور افضل باپ جناب نبی کریم پر اولاً اور باقی پر ثانیاً صلوٰۃ وسلام کا نزول ہو۔

باری تعالیٰ و تقدس کا وجود اسی طرح اس ذات سبحانہٗ کی وحدت بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت بلکہ وہ تمام چیزیں جو آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے سب بدیہی ہیں۔ قوت مدرکہ کی آفات ردیہ اور امراض معنویہ سے محفوظ ہونے کی صورت میں کسی فکر و دلیل کی طرف محتاج نہیں۔ ان میں نظر و فکر کی ضرورت وجود مرض اور ثبوت آفت کے زمانہ تک ہے۔ مرض قلبی سے نجات اور پردہ بصری کے اُٹھ جانے کے بعد یہ سب چیزیں بدیہی ہو جاتی ہیں۔ جس طرح صفرادی مرض والا شخص جب تک مرض صفراء میں گرفتار رہے گا، اور مصری کا میٹھا ہونا اس کے نزدیک محتاج دلیل ہے۔ لیکن اس مرض سے خلاصی پانے کے بعد وہ دلیل کا کچھ محتاج نہیں رہتا۔ وہ احتیاج جس کا منشا وجود مرض ہے، اس کی بداہت سے کوئی ٹکر نہیں۔ بھینگا بے چارہ جسے ایک شخص دو نظر آتے ہیں، اور وہ ایک کو ایک نہیں جانتا، معذور ہے۔ بھینگے آدمی میں مرض کا پایا جانا وحدتِ شخص کو بداہت سے نہیں نکالتا۔ اور نظر و فکر کا محتاج نہیں بنا دیتا۔

اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ استدلال کی جولانگاہ بہت ہی تنگ ہے اور دلیل کے ذریعے یقین کا حاصل ہونا بہت دشوار ہے۔ لہٰذا ایمان سے تعلق رکھنے والے یقین کو حاصل کرنے کے لیے مرض قلبی کے ازالے کی فکر کرنا ضروری ہے۔ مرض صفراء میں مبتلا آدمی کے لیے مصری کے

میٹھا ہونے پر دلیل قائم کرنے کی نسبت اس کے مٹھاس کا یقین حاصل کرنے کے لیے مرض صفراء کا ازالہ زیادہ ضروری ہے۔ دلیل سے کیا یقین حاصل ہو گا جبکہ اس کا وجدان اور ذوق مرض صفراء کے باعث مصری کے کڑوا ہونے کا فیصلہ کر رہا ہے۔

اسی طرح ہمارے اس مسئلہ میں نفس امارہ اپنی ذات کے لحاظ سے احکام شرعیہ کا منکر ہے اور اپنی آفت اور طبع کے باعث ان کی مخالفت پر کمربستہ ہے۔ لہٰذا دلیل پیش کرنے والے کے وجدان کے انکار کے ہوتے ہوئے ان احکام صادقہ شرعیہ کے بارے میں یقین کا حاصل ہو جانا بہت مشکل ہے۔ اس لیے سب سے پہلے نفس کا تزکیہ کرنا ضروری ہے۔ بغیر تزکیہ نفس دولت یقین کا میسر آنا دشوار ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا، وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ — بیشک فلاح پا گیا وہ جس نے تزکیہ نفس کر لیا، اور نامراد ہو گیا وہ جس نے نفس کو برائیوں میں چھپا دیا۔

اس بحث سے واضح ہو گیا کہ اس غالب شریعت اور اس ظاہر و طاہر ملت کا منکر ویسا ہی ہے جیسا مصری کے مٹھاس کا منکر۔ ع

خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست

سورج کا کیا جرم ہے اگر کوئی خود ہی نابینا ہو

تو سیر و سلوک اور تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب سے مقصود آفات معنوی اور امراض قلبی کا ازالہ ہے۔ جس کی طرف آیۃ کریمہ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (ان کے دلوں میں مرض ہے) اشارہ کر رہی ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ ازالہ امراض کے بعد ہی انسان حقیقتِ ایمان سے موصوف ہوتا ہے۔ آفات و امراض کی موجودگی میں جو ایمان ہے وہ صرف ظاہری ایمان ہے۔ کیونکہ نفس امارہ کا وجدان و ذوق ایمان کے خلاف اور حقیقت کفر پر مُصر رہتا ہے۔ اس قسم کا ایمان اور اس قسم کی تصدیق محض ظاہری ہے اور مرض صفراء میں مبتلا شخص کی طرح ہے۔ جو قند و نبات کی حلاوت کا اقرار تو کرتا ہے، لیکن اس کا وجدان اس کے اقرار کے خلاف ہوتا ہے۔ شکر کی حلاوت کا حقیقی یقین مرض صفراء کے زائل ہونے کے بعد ہی میسر آسکتا ہے۔ اس لیے نفس کے مطمئنہ ہو جانے اور تزکیہ کے بعد ہی حقیقت ایمان اپنی صورت دکھلاتی ہے اور اس وقت ہی ایمان وجدانی کیفیت کے سانچے میں ڈھلتا ہے۔ اور اس قسم کا ایمان زوال کے خطرہ سے محفوظ ہوتا ہے۔ اور آیت:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ سُن لو کہ جو اللہ کے ولی ہیں انہیں کسی طرح کا خوف ہے اور نہ غم۔

انہیں کی شان پر صادق آتی ہے۔

اللہ سبحانہ ہمیں اس کامل اور حقیقی ایمان سے بحرمت نبی امی قرشی علیہ و علی آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا مشرف ہوئے۔

مکتوب نمبر (۴۷)

یہ مکتوب بھی سیادت پناہ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا۔

پہلے زمانے کی شکایت کے سلسلے میں جب کہ کفار نے غلبہ حاصل کر لیا تھا اور اہل اسلام خوار اور بے اعتبار ہو چکے تھے۔ اور اس بات کی ترغیب میں کہ ابتدائے حکومت میں ہی اگر دین کی ترویج و اشاعت میسر آ جائے تو بہتر ہے۔ تاکہ ایسا نہ ہو جائے کہ کوئی گمراہ اور گمراہ کنندہ درمیان میں آ کود ے اور کارخانہ اہل اسلام کو درہم برہم کر دے۔ جیسا کہ اس سے قبل ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے آبائے کرام کے طریقہ پر ثابت رکھے۔ ان آبائے کرام میں سب سے افضل سردار دو جہان پر پہلے اور باقی پر بعد میں صلوٰۃ و سلام اور تحیہ کا نزول و ورود ہوتا رہے۔

بادشاہ جہان کے لیے اس طرح ہے جس طرح دل بدن کے لیے۔ اگر دل ٹھیک ہے تو بدن ٹھیک ہے۔ اور اگر دل خراب ہے تو سارا بدن خرابی کا شکار ہوگا۔ بادشاہ کی درستی جہان کی درستی ہے، اور بادشاہ کا خراب ہونا ملک کو خرابی میں ڈال دیتا ہے۔

آپ جانتے ہوں گے کہ گزشتہ زمانے میں اہل اسلام کے سروں پر کیا کچھ گزر چکا ہے۔ ابتدائے اسلام کے وقت جبکہ مسلمان تعداد میں بہت تھوڑے تھے اس وقت بھی اہل اسلام کی کس مپرسی اس حد کو نہیں پہنچی تھی۔ کیونکہ مسلمان اپنے دین پر قائم تھے اور کفار اپنے طریقہ پر۔ آیت کریمہ:

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝ تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

اسی معنی کو بیان کرتی ہے۔

اس سے قبل کفار علانیہ غلبہ اور زور کے ساتھ دار اسلام میں کفر کے احکام جاری کرتے رہے ہیں۔ اور مسلمان اسلامی احکام کے اظہار سے عاجز اور بے بس تھے۔ اگر مسلمان ایسا کرنے کی جرأت کرتے

تھے تو قتل کر دیے جاتے۔

ہائے ہلاکت! ہائے مصیبت!! ہائے افسوس اور غم، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو رب العالمین کے محبوب ہیں ان کے ماننے والے تو ذلیل وخوار ہوں لیکن آپ کے منکروں کی عزت اور ان کا لحاظ ہو۔

مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کے ماتم میں تھے۔ اور معاند اور مخالف لوگ تمسخر اور استہزاء کے ذریعہ ان کے زخموں پر نمک پاشی کرتے تھے۔ ہدایت کا آفتاب گمراہی کے پردوں میں روپوش ہو چکا تھا، اور حق کا نور باطل کے حجابات میں ایک طرف الگ ہو کر رہ گیا تھا۔

آج جبکہ دولت و نعمت اسلام کے آگے رکاوٹوں کے زوال کی خوشخبری اور اسلامی بادشاہ کے بیٹھنے کی بشارت خاص و عام کے کانوں تک پہنچ چکی ہے، اہل اسلام اپنے اوپر لازم کریں کہ بادشاہ کے ممد و معاون بنیں۔ اور ترویج شریعت اور تقویت دولتِ اسلام کی طرف رہنمائی کریں۔ یہ امداد و تقویت خواہ زبان سے میسر آئے خواہ ہاتھ سے۔ نعمت اسلام کی سب سے اولیں مدد یہ ہے کہ مسائل شرعیہ کی وضاحت کی جائے۔ اور کتاب و سنت اور اجماع کے عقائد کلامی کا اظہار کیا جائے تاکہ کوئی بدعتی اور گمراہ درمیان میں پڑ کر راستہ نہ روک دے اور کام کو خرابی اور فساد میں نہ ڈال دے۔ اس قسم کی امداد علمائے حق کے ساتھ مخصوص ہے جن کا رجحان آخرت کی طرف ہے۔ دنیا پرست علماء جن کا مقصود کمینی دنیا ہے۔ ان کی صحبت زہر قاتل ہے اور ان کی بدی کا فساد دوسروں کو بھی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے ؎

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند او خود گم است کرا رہبری کند

جو عالم اپنے مقصد کی پوجا اور تن پروری میں مصروف ہو وہ خود گم کردہ راہ ہے۔
دوسرے کی کیا راہبری کرے گا۔

زمانہ ماضی میں جو بلا و آفت بھی اسلام کے سر پر ٹوٹی وہ انہیں علماء سوء کی شومی کی بدولت تھی۔ بادشاہوں کو یہی علماء سوء راہ راست سے بھٹکاتے ہیں۔ بہتر فرقے جو گمراہی کی راہ اختیار کر چکے ہیں ان کے مقتدا یہی علماء سوء ہیں۔ علماء کے ماسوا گمراہوں کی گمراہی دوسروں تک کم ہی تجاوز کرتی ہے۔ ظاہری لحاظ سے ہر قسم کی مدد کی استطاعت رکھنے کے باوجود جو شخص خدمتِ اسلام میں کوتاہی کرے اور اس کوتاہی کے سبب کارخانۂ اسلام میں فتور در خلل واقع ہو تو ایسا شخص لائق عتاب ہے۔ اسی بنا پر یہ حقیر کم مایہ بھی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو اسلام کی معاونت کرنے والی جماعت میں ڈال دے

اور حسبِ استطاعت اپنے ہاتھ پاؤں کو حرکت دے۔ اور مطابق:

مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ جو شخص کسی جماعت کے زیادہ ہونے کا باعث بنتا ہے وہ انہیں میں شمار ہوتا ہے۔

احتمال ہے کہ اس بے استطاعت کو بھی اس عزت والی جماعت میں داخل کریں۔ اپنے آپ کو اس بڑھیا کی طرح تصور کرتا ہے جو سوت کی چند تاریں تیار کر کے لائی اور اپنے آپ کو حضرت یوسف علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خریداروں میں شامل کر لیا تھا۔

امید ہے کہ اس نزدیکی میں ان شاء اللہ العزیز شرف حضور سے مشرف ہوگا۔ آپ کی بزرگ جناب سے توقع ہے کہ جب آپ کو مکمل طور پر بادشاہ کا قرب اور اس کی استطاعت میسر ہے تو خلوت و جلوت میں شریعت محمدی علیہ و علیٰ آلہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کی پوری کوشش کریں گے اور مسلمانوں کو ذلت و خواری سے باہر نکالیں گے۔

اس رقعہ نیاز کا حامل مولانا حامد کا سرکار اقبال آثار سے وظیفہ مقرر ہے۔ گزشتہ سال اس نے حاضر ہو کر حاصل کر لیا تھا۔ اس سال بھی امید لے کر آیا ہے۔ حقیقی اور مجازی دولت میسر اور نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۴۸)

یہ مکتوب بھی سیادت و بزرگی کے مالک شیخ فرید بخاری کی طرف صادر فرمایا۔

علماء کرام اور دینی طلبہ کی عظمت نگاہ رکھنے کی ترغیب کے بیان میں جو شریعت کے حامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ سبحانہٗ آپ کو بحرمتِ سید انبیاء علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات دشمنوں پر غلبہ و نصرت عطا فرمائے۔

مرحمت نامہ گرامی جس سے فقراء کو نوازا تھا فقیر اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ آپ نے مولانا محمد قلیج موفق کے خط میں لکھا تھا کہ کچھ خرچ طالب علموں اور صوفیوں کے لیے روانہ کر دیا گیا ہے۔ آپ نے جو دینی طلبہ کا ذکر خط میں صوفیوں سے پہلے کیا نظر ہمت میں بہت ہی اچھا لگا۔ مطابق الظَّاهِرُ عنوان الباطن (ظاہر باطن کا عنوان ہے) امید ہے کہ آپ کے باطن شریف میں بھی اس بزرگ جماعت کی تقدیم

پیدا ہو چکی ہو گی۔

کل اناء یترشح بما فیہ۔ ہر برتن سے وہی کچھ نمودار ہوتا ہے جو اس میں موجود ہوتا ہے۔

ع از کوزہ ہماں تراود کہ دردست

کوزے سے وہی چیز ٹپکتی ہے جو اس میں ہوتی ہے۔

طالب علموں کو مقدم کرنے میں شریعت کی ترویج ہے۔ یہی لوگ شریعت کے حامل ہیں۔ ملت مصطفویہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات ان ہی سے قائم ہے۔ کل قیامت کو شریعت کے بارے میں سوال کریں گے، تصوف کے متعلق نہیں پوچھیں گے۔ جنت میں داخلہ اور دوزخ سے بچنا شریعت پر عمل کرنے سے ہوگا۔ انبیاء کرام صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہم جو افضل اور بہترین کائنات ہیں انہوں نے شریعت کی ہی لوگوں کو دعوت دی ہے۔ اور نجات بھی اس شریعت پر ہی موقوف ہے۔ اور ان اکابر انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت اور تشریف آوری سے مقصود بھی تبلیغ شرائع ہے۔ لہٰذا اعلیٰ ترین نیکی یہ ہے کہ شریعت کی ترویج میں سعی اور کوشش کی جائے۔ اور احکام شرع میں ایک حکم کو جاری اور زندہ کرنا خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ اسلامی شعائر مٹائے جا رہے ہوں، خدائے تعالیٰ عزوجل کے راہ میں کروڑہا روپیہ خیرات کر دینا بھی اس کے برابر نہیں جس طرح مسائل شرعیہ میں سے ایک مسئلے کو رواج دینا۔ کیونکہ اس فعل میں انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی اقتداء ہے جو تمام مخلوقات سے افضل واعلیٰ ہیں۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کی نیکیاں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوتی ہیں۔ اور کروڑوں روپے خرچ کرنا تو غیر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی میسر آجاتا ہے۔ پھر شریعت مطہرہ کی پیروی میں نفس کی پوری مخالفت ہے۔ اور نفس کی سرشت شرع شریف کی مخالفت پر ہے۔ اور مال خرچ کرنے میں بعض اوقات نفس موافق بھی ہوتا ہے۔ ہاں مال خرچ کرنا تائید وتقویت شرع اور ترویج ملت اسلام کی خاطر ہونا چاہیے۔ اور یہ بلند ترین درجہ ہے۔ اور ایک کوڑی اس نیت سے خرچ کرنا اس کے ماسوا میں لاکھوں روپے خرچ کرنے کے برابر ہے۔

یہاں کوئی شخص یہ سوال نہ کرے کہ غیر حق تعالیٰ میں گرفتار طالب علم اس صوفی سے کیسے بہتر ہو سکتا ہے جو غیر حق کی گرفتاری سے آزاد ہو چکا ہے۔ کیونکہ ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ سائل بات کی تہ تک نہیں پہنچا۔ طالب علم غیر حق میں گرفتاری کے باوجود مخلوقات کی نجات کا سبب اور ذریعہ ہے کیونکہ

احکام شرع کی تبلیغ اسے میسر ہے۔ اگرچہ خود اس سے فائدہ نہیں اٹھا رہا۔ اور صوفی اپنے آپ کو غیر حق سے آزاد کر لینے کے باوجود مخلوق کی نجات سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ وہ شخص جو بیعت سے لوگوں کی نجات اور خلاصی کا سبب ہو اس کا اس شخص سے بہتر اور افضل ہونا بالکل واضح ہے۔ جو صرف اپنی نجات کے سامان میں ہی مصروف ہو۔

ہاں وہ صوفی جس کو فنا اور بقا اور سیر عن اللہ اور سیر باللہ کے بعد عالم کی طرف لایا گیا ہو اور مخلوق کو راہِ راست کی طرف لانے کا فریضہ اسے تفویض کیا گیا ہو وہ مقام نبوت سے حصہ پا چکا ہے۔ ایسا صوفی مبلغین شریعت میں داخل ہے اور علماء شریعت کا ہی حکم رکھتا ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

مکتوب نمبر (۴۹)

یہ مکتوب بھی سیادت پناہ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا۔

ان دو نعمتوں کو جمع کرنے میں کہ ظاہر کو احکام شرع سے آراستہ کیا جائے۔ اور باطن کو حق سبحانہٗ کے ماسوا سے آزاد کیا جائے۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ دولت ظاہری اور سعادت معنوی سے سرفراز فرمائے۔

ظاہری دولت درحقیقت یہ ہے کہ انسان کا ظاہر احکام شرعیہ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ سے آراستہ ہو۔ اور معنوی سعادت یہ ہے کہ بندے کا باطن حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ماسوا کی گرفتاری سے نجات یافتہ ہو۔ دیکھیے کس صاحب نصیب کو ان دونوں نعمتوں سے سرفراز کرتے ہیں۔ ع

کار این ست وغیر ایں ہمہ ہیچ

اصل کام یہی ہے۔ اس کے سوا سب کچھ ہیچ ہے۔

زیادہ گفتگو دردسری ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۵۰)

یہ مکتوب بھی سیادت پناہ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا۔
دنیا کمینی کی مذمت کے بیان میں۔

حق سُبحانہٗ وتعالیٰ اپنے ماسویٰ کی گرفتاری سے آزادی عطا کرے اور مکمل طور پر اپنی ذات کا گرفتار بنائے، اس سید البشر نبی کی حرمت سے جو غیر حق کی طرف نظر اُٹھانے کی کجی سے آزاد تھے، علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات۔

دنیا بظاہر شیریں ہے اور صورت میں تر وتازہ دکھائی دیتی ہے لیکن حقیقت میں زہر قاتل اور بے کار سامان ہے اور اس میں گرفتاری بے فائدہ بات ہے۔ دنیا کی نظر میں مقبول در حقیقت خوار ہے اور اس پر فریفتہ ہونے والا دیوانہ ہے۔ یہ سونا چڑھائی ہوئی نجاست کی طرح اور شکر ملے ہوئے زہر کی مانند ہے۔ عقلمند وہ ہے جو اس بے رونق سامان پر فریفتہ نہ ہو اور اس خراب سامان میں گرفتار نہ ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص وصیت کر گیا کہ میرا مال صاحب عقل کو دینا، تو اس وقت کے زاہد کو دینا چاہیے جو دنیا سے بے رغبت ہے۔ اس کی یہ بے رغبتی اس کی کمال زیرکی کے باعث ہے۔ اس سے زیادہ فضول گوئی میں داخل ہے۔

دوسری تکلیف یہ دی جاتی ہے کہ فضائل مآب شیخ زکریا اس عمر اور اس سال میں ملازمت تحصیلداری میں گرفتار ہے۔ اس گرفتاری کے باوجود ہر وقت دنیوی محاسبے کو بہ نسبت اُخروی محاسبے کے بہت آسان جانتا ہے اور اُخروی محاسبے سے ہر وقت ہراساں رہتا ہے۔ اس عالم اسباب میں وسیلہ عظمیٰ آپ کی توجہ شریف کو ہی جانتا ہے اور اس بات کا امیدوار ہے کہ نئے کاغذات میں بھی اس کا نام درج کر لیا جائے گا۔ کیونکہ شیخ مذکور آپ کی درگاہِ عالی کے خادموں میں سے ہے۔

تو مرا دل دہ و دلیری بیں   روبۂ خویش خوان و شیری بیں

آپ مجھے دل عطا کریں پھر دلیری دیکھیں۔ مجھے اپنی لومڑی کہہ کر پکاریں اور پھر میری شیری دیکھیں
بحرمت نبی امی اور بحرمت آپ کی آل بزرگ کے علیہ وعلیہم من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا آپ کو ظاہری و باطنی دولت و نعمت حاصل ہو۔

مکتوب نمبر (۵۱)

یہ مکتوب بھی سیادت پناہ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا۔

رونق شریعت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ترویج واشاعت کی ترغیب کے بیان میں

حق سبحانہ وتعالیٰ سے درخواست ہے کہ خلاصہ بزرگان عظام کے وجود مبارک کے وسیلہ سے رونق شریعت کے ارکان اور پرنور ملت اسلام کے احکام قوت پکڑیں اور رواج پذیر ہوں۔ ع

کار این ست وغیر ایں ہمہ ہیچ

اصل کام یہی ہے۔ اس کے سوا سب کچھ ہیچ ہے۔

آج غرباء اہل اسلام کو اس طرح کے گرداب ضلالت میں نجات کی امید بھی اہل بیت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات والتسلیمات اکملہا کے سفینہ سے ہی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِيْ كَمَثَلِ سَفِيْنَةِ	میرے اہل بیت کا حال کشتی نوح کی طرح ہے۔
نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ	جو شخص اس میں آگیا نجات پاگیا اور جو اس سے
عَنْهَا هَلَكَ۔[1]	پیچھے ہٹ گیا ہلاک ہوگیا۔

اپنی بلند ہمت کو مکمل طور پر اس بات پر لگا دیں کہ اس سعادت عظمیٰ کو حاصل کر لیں۔ اللہ سبحانہ کی عنایت و مہربانی سے جاہ و جلال عظمت و شوکت سب کچھ آپ کو حاصل ہے۔ ذاتی شرافت کے ساتھ ترویج شریعت کی سعادت بھی اگر مل جائے تو سبقت کا گیند سعادت کی چوگان کے ساتھ آپ سب سے آگے لے جا سکتے ہیں۔ یہ حقیر تائید و ترویج شریعت حقہ کی خاطر اس طرح کی باتیں ظاہر کرنے کے ارادے سے آپ کی خدمت شریف کی طرف متوجہ ہوا ہے۔

رمضان شریف کا چاند دہلی میں دیکھا۔ حضرت والدہ بزرگوار کی مرضی یوں محسوس کی کہ میں رُک جاؤں۔ اس ضرورت کے تحت پورا قرآن مجید سن لینے تک رُک جانے کا پروگرام بنانا پڑا۔ ہر کام اللہ سبحانہٗ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ آپ کو سعادت دارین نصیب ہو۔

[1] مشکوٰۃ، بروایت ابوذر غفاری۔ و مسند احمد و بزار، بروایت ابن عباس وابن الزبیر۔ اور حاکم از ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

مکتوب نمبر (۵۲)

یہ مکتوب بھی سیادت پناہ شیخ فرید کی طرف صادر ہوا۔

نفس امارہ کی مذمت اور اس کی مرض ذاتی اور اس مرض کے ازالے کے علاج کے بیان میں

آپ کا مرحمت نامہ گرامی جس سے از روئے شفقت و مہربانی آپ نے اس مخلص دعاگو کو ممتاز و مشرف فرمایا تھا، بندہ اس کے مضمون کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کے اجر و ثواب کو عظیم کرے۔ آپ کی قدر و منزلت بلند کرے، آپ کو شرح صدر نصیب فرمائے، اور آپ کے کام آسان کرے آپ کے جد امجد کی حرمت سے علیہ و علیٰ آلہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا۔ اللہ ہم سب کو ظاہراً باطناً ان کی متابعت پر ثابت و قائم رکھے۔ اور اس دعا پر آمین کہنے والے پر رحم فرمائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بُرے دوست اور بد خو ہمنشین (نفس) کی شکایت کے طور پر چند فقرے لکھ کر روانہ کیے جا رہے ہیں۔ امید ہے کہ قبول کر لینے والے کانوں سے ان کو سنیں گے۔

مخدوما مکرما! انسان کا نفس امارہ جاہ اور سرداری کی محبت پر پیدا کیا گیا ہے اس کا ارادہ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے اقران اور ہمعصر لوگوں پر بلندی اور فوقیت حاصل کرے۔ اور اس کی ذات کا تقاضا یہ ہے کہ ساری مخلوق اس کی محتاج ہو اور اس کے احکام کی اطاعت اور پیروی کرے، اور وہ خود کسی کا محتاج نہ ہو اور نہ اس پر کوئی حکم چلائے۔ یہ دراصل اس کی طرف سے دعویٰ خدائی ہے اور وحدہٗ لاشریک ذات جل سلطانہ کے ساتھ دعویٰ ہمسری ہے۔ بلکہ یہ بے سعادت نفس شرکت پر بھی راضی نہیں۔ یہ چاہتا ہے کہ صرف وہی حاکم ہو اور باقی سب اس کے محکوم و تابع ہوں۔ حدیث قدسی[1] میں آچکا ہے:

عَادِ نَفْسَكَ فَاِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِيْ — اپنے نفس سے عداوت رکھ، کیونکہ یہ میری دشمنی پر کمر بستہ ہے۔

تو اپنے نفس کی پرورش کرنا، اس کی مرادیں حاصل کرنا، مرتبہ، سرداری، بڑائی اور تکبر وغیرہ فراہم کرنا، دراصل اللہ تعالیٰ کے دشمن کی امداد کرنا اور اس کو تقویت پہنچانا ہے۔ اس کی قباحت اور برائی اچھی طرح محسوس کرنی چاہیے۔ حدیث قدسی میں وارد ہے:

اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظَمَةُ إِزَارِيْ — بڑائی میری چادر ہے اور عظمت اور بلند قدری

[1] یہ الفاظ دراصل حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلمات قدسیہ میں سے ہیں۔

فَمَن نَازَعَنِی فِی شَیءٍ مِّنْهُمَا اَدْخَلْتُهٗ فِی النَّارِ وَلَا اُبَالِی۔ میری شلوار ہے۔ تو جو شخص ان دونوں میں سے کسی کے بارے میں بھی مجھ سے جھگڑے گا (لینے کی کوشش کرے گا) میں اسے آگ میں داخل کروں گا اور مجھے کچھ پرواہ نہیں[1]

کمینی اور خسیس دنیا حق سُبحانہٗ کے نزدیک اس بنا پر ملعون اور مبغوض ہے کہ دنیا کا حصول نفس کی مرادیں حاصل ہونے میں اس کا ممد و معاون ہے۔ تو جو دشمنِ خدا کی مدد کرے وہ ضرور لعنت کا سزاوار ہے اور فقر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فخر ہے۔ کیونکہ فقر میں نفس کے لیے نامرادی ہے اور یہ اسے عاجز و بے بس کرتا ہے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کو بھیجنے سے مقصود اور احکام شرعیہ کا مکلف بنانے میں حکمت اس نفس امارہ کو عاجز اور خراب کرنا ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتیں نفسانی خواہشات کو دور اور زائل کرنے کے لیے وارد ہوئی ہیں۔ جس قدر شریعت کے تقاضوں کے مطابق عمل ہوگا اسی قدر نفسانی خواہشات زوال پذیر ہوں گی۔ لہٰذا احکام شرعیہ میں سے ایک حکم کو بجالانا خواہش نفسانی کو زائل کرنے میں ان ہزار سالہ ریاضتوں اور مجاہدوں سے بہتر ہے جو اپنے طور پر کیے جائیں۔ بلکہ یہ ریاضتیں اور مجاہدے جو روشن شرع کے مطابق واقع نہیں ہوئے نفسانی خواہشات کے موید بنتے ہیں اور ان کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ برہمنوں اور جوگیوں نے بھی ریاضتوں اور مجاہدوں میں کمی اور کوتاہی نہیں کی لیکن یہ سب کچھ ان کے لیے کچھ بھی سودمند ثابت نہ ہوا۔ اور انہیں ان سے نفس کی تقویت و تربیت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔

مثال کے طور پر ایک دام ادائے زکوٰۃ کے طور پر جس کا شریعت نے حکم دیا ہے نفس کی خواہشات کی ویرانی میں بے حکم شرع ہزار دینار صرف کرنے سے زیادہ فائدہ مند ہے۔ اور شریعت کے حکم کے مطابق عید الفطر کے دن کھانا کھانا خواہش نفس کو زائل کرنے میں اپنے طور پر کئی سال روزے رکھنے سے زیادہ نفع دیتا ہے۔ اور فجر کی دو رکعت فرض نماز با جماعت ادا کرنا جو سنت ہے، اس سے کئی مراتب بہتر ہے کہ انسان ساری رات نفل پڑھنے میں گزارے اور فجر کی نماز جماعت سے ادا نہ کرے۔

مختصر یہ کہ جب تک نفس کا تزکیہ نہ ہو وہ اپنے آپ کو بزرگ جاننے کے مالیخولیا کی خباثت سے نکل نہیں سکتا۔ اور ایسی صورت میں نجات ناممکن ہے۔ اس مرض کے ازالے کی فکر بہت ضروری

[1] مشکوٰۃ شریف بحوالہ مسلم۔

ہے تاکہ ایسا نہ ہو جائے کہ یہ مرض موت ابدی (آخرت میں نجات سے محرومی) کی نیند سلادے۔

کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جو اندرونی اور بیرونی خداؤں کی نفی اور انہیں مٹانے کے لیے وضع کیا گیا ہے نفس کے تزکیے اور اس کی تطہیر کے لیے بہت ہی نافع اور مناسب ہے۔ اکابر طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے تزکیہ نفس کے لیے اسی کلمہ طیبہ کو اختیار فرمایا ہے ؎

تا بجاروب لا نروبی راہ   نرسی در سرائے اِلَّا اللّٰہ

یعنی جب تک تم لا کے جھاڑو سے راستہ صاف نہیں کروگے اِلَّا اللّٰہ کی سرا میں قدم نہیں رکھ سکتے۔

چونکہ نفس سرکشی کے مقام میں رہتا ہے اور عہد توڑنے میں چست ہے اس لیے اس کلمہ طیبہ کے بار بار تکرار سے ایمان کی تجدید کرتے رہنا چاہیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ بِقَوْلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ[1]۔   کلمہ لا الٰہ اِلَّا اللہ سے اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہو۔

بلکہ ہر وقت اس کلمہ طیبہ کا تکرار رہنا چاہیے۔ کیونکہ نفس امارہ ہر وقت خیانت کرنے پر تلا رہتا ہے حدیث شریف[2] میں اس کلمہ مبارکہ کے فضائل میں وارد ہوا ہے کہ اگر تمام آسمانوں اور تمام زمینوں کو ایک پلہ میں رکھیں اور اس کلمہ کو دوسرے پلہ میں تو اس کا پلہ دوسرے پلہ پر غالب رہے گا۔

سلامتی کا نزول ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کو اپنا شعار بنائے اور اپنے اوپر لازم جانے۔

مکتوب نمبر (۵۴)

یہ مکتوب بھی سیادت انتساب شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ علمائے سوء کا اختلاف جہان کی بربادی کا باعث ہے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے آبا کرام کے راستہ پر قائم اور ثابت رکھے۔

---

[1] احمد و طبرانی بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

[2] یہ حدیث ابن حبان اور نسائی میں بروایت حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مسند بزار میں بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما موجود ہے۔

یہ بات سننے میں آئی ہے کہ بادشاہِ اسلام نے دیندارانہ فطرت کی خوبی کے باعث جو ان میں پائی جاتی ہے آپ کو حکم دیا ہے کہ چار دیندار علماء مہیا کریں، جو ہر وقت دربار شاہی میں حاضر رہیں، اور احکام شرعی بیان کرتے رہیں، تاکہ کوئی امر خلاف شرع واقع نہ ہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ۔ مسلمانوں کے لیے اس سے بہتر کیا خوشخبری ہو سکتی ہے، اور ماتم زدوں کو اس سے اچھی کیا بشارت ہو سکتی ہے۔ لیکن چونکہ یہ حقیر اسی غرض کے لیے آپ کی خدمتِ عالی کی طرف متوجہ ہے، جیسا کہ اس کا متعدد بار اظہار کر چکا ہے۔ ضرورت کے مطابق اس بارے میں بھی کچھ کہنے اور لکھنے میں اپنے آپ کو کوتاہی میں نہیں ڈالے گا۔ امید ہے کہ بوجھ محسوس نہیں کریں گے۔

غرض مند دیوانہ ہوتا ہے، چنانچہ عرض کرتا ہے کہ دیندار علماء بلاشبہ بہت کم ہیں جن کے دلوں سے مرتبہ اور سرداری کی محبت نکل چکی ہو اور جن کا مطلب و مدعا اس کے سوا کچھ نہ ہو کہ شریعت کی ترویج اور ملتِ اسلام کی تائید و تقویت ہو۔ طلب جاہ کی صورت میں ان علماء میں سے ہر ایک الگ الگ پہلو اختیار کرے گا اور اپنی فضیلت اور بزرگی کا اظہار کرے گا۔ اور اختلافی باتیں درمیان میں لائے گا، اور اس روش کو بادشاہ کی نزدیکی کا ذریعہ بنائے گا۔ اس صورت میں تبلیغ دین کی مہم ابتری اور خرابی کا شکار ہو گی۔ گزشتہ زمانے میں بھی علماء کے اختلافات عالم اسلام کو بلا اور فتنے میں مبتلا کر چکے ہیں۔ ایسی ہی صورت اب بھی درپیش آ سکتی ہے۔ اس طرح دین کی ترویج کیا ہو گی، اُلٹی دین کی تخریب ہو گی۔ اللہ سبحانہٗ کی اس سے پناہ، اور علماء سُوء کے فتنے سے بھی خدا کی پناہ۔ اس غرض کے لیے اگر ایک عالم کو منتخب کریں تو بہتر ہو گا۔ اگر علمائے آخرت میں سے کوئی میسر آ جائے تو یہ کتنی بڑی سعادت ہو گی کیونکہ ایسے عالم کی صحبت کبریتِ احمر ہے۔ اور اگر ایسا نیک پرہیزگار عالم نہ مل سکے تو صحیح سوچ بچار کے بعد اسی جنس میں سے سب سے بہتر کا انتخاب کر لیں۔ اگر ایک چیز مکمل طور پر میسر نہ آ سکے تو اسے بالکل ہی تو نہیں چھوڑ دینا چاہیے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں۔ جس طرح لوگوں کی نجات علماء کے وجود سے وابستہ ہے، لوگوں کی بربادی کا باعث بھی یہی علماء ہی ہیں۔ بہترین مخلوق بھی علماء ہی ہیں اور بدترین مخلوق بھی علماء ہی ہیں۔ لوگوں کی ہدایت اور ان کی گمراہی انہیں سے وابستہ ہے۔

کسی بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ فارغ اور بے کار بیٹھا ہے۔ اس کا راز دریافت کیا، تو ابلیس نے بتایا کہ اس وقت کے علماء ہمارے کام کو انجام دے رہے ہیں اور بہکانے اور گمراہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔ (مجھے تگ و دو کرنے کی ضرورت نہیں) ٥

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
او خویشتن گم است کرا رہبری کند

جو عالم غرض پرستی اور تن پروری کرے، وہ خود ہی گم کردہ راہ ہے، دوسرے کی رہبری کیا کرے گا؟

غرض یہ ہے کہ اس معاملہ میں فکر صحیح اور سچے غور کو ملحوظ رکھ کر اقدام کریں۔ جب بات ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو پھر اس کا کچھ علاج نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ آپ جیسے دانا اور زیرک لوگوں کے سامنے ایسی باتوں کے اظہار میں شرم بھی آتی ہے لیکن اس مقصد کو اپنی سعادت کا ذریعہ اور موجب خیال کرتے ہوئے آپ کو تکلیف دینے کا باعث بنا ہے۔

مکتوب نمبر (۵۴)

یہ مکتوب بھی سیادت و بزرگی کے مالک شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ بدعتی کی صحبت سے بچنا لازم و ضروری ہے۔ بدعتی کی صحبت کا نقصان کافر کی صحبت کے نقصان سے بھی زیادہ ہے۔ اور بدعتی فرقوں میں سب سے بدترین فرقہ شیعہ شنیعہ ہے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اللہ تعالیٰ تمہیں اجر عظیم عطا کرے۔ تمہاری قدر اور منزلت بلند کرے اور تمہارے کام آسان کرے، بحرمت سید البشر، جو نظر کی کجی سے پاک و منزہ تھے۔ علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا۔

مَن لا یشکر الناس لم یشکر اللہ۔[1] جو شخص لوگوں کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ خدا تعالیٰ کا شکر بھی نہیں کرتا۔

تو ہم فقیروں پر آپ کے احسانات کا شکر لازم ہے۔ اول اول ہمارے خواجہ (حضرت پیر دستگیر خواجہ محمد الباقی قدس سرہٗ) کی ظاہر دل جمعی کا سبب آپ ہی بنے تھے۔ آپ کے طفیل اس جمعیت میں ہم لوگ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طلب میں مصروف رہے اور اس کا وافر حصہ ہم لوگوں نے حاصل کر لیا۔

---

[1] ترمذی شریف، ابواب البر والصلۃ بروایت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ حدیث درجہ حسن میں ہے۔

پھر دوبارہ مطابق کُبِرْتُ بِمَوْتِ الْکُبَرَاءِ (بڑوں کے فوت ہوجانے کے باعث مجھے بڑا بنا دیا گیا) جب نوبت اس طبقہ تک آپہنچی تو فقراء کے جمع ہونے کا ذریعہ اور طالبانِ حق کے انتظام کا باعث بھی آپ ہی ہیں۔ جزاکم اللہ سبحانہٗ عنا خیر الجزاء ؎

گر بر تن من زباں شود ہر موی ۔۔۔ یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

اگر میرے جسم کا ہر بال زبان بن جائے، تو میں ہزار میں سے آپ کا ایک شکر بھی ادا نہیں کرسکتا۔

میری یہ آرزو ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت میں آپ کے جد مکرم سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم من الصلوات والتسلیمات کے طفیل ہر نامناسب بات سے محفوظ رکھے۔

یہ فقیر آپ کی صحبت گرامی سے دور پڑا ہوا ہے۔ مجھے علم نہیں کہ آپ کی مجلس شریف میں کس قسم کے لوگ آتے جاتے ہیں۔ اور خلوت وجلوت میں آپ کے مونس کیسے لوگ ہیں ؎

خوابم بشد از دیدہ دریں فکر جگر سوز
کاغوش کہ شد منزل آسائش خوابت

جگر کو جلا دینے والے اس فکر سے میری آنکھوں سے نیند اُڑ گئی ہے۔ کہ کس شخص کی آغوش آپ کی منزل اور آپ کی نیند کی آرام گاہ بنی ہوئی ہے۔

اس بات پر یقین رکھیں کہ بدعتی کی صحبت کی خرابی کافر کی صحبت کی خرابی اور نقصان سے زیادہ ہے۔ اور تمام بدعتی فرقوں میں سے بدترین وہ گروہ ہے جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بغض وعناد رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں خود اس گروہ کو کفار کے نام سے یاد کرتا ہے:

لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔ ۔۔۔ اللہ تعالیٰ غصے میں مبتلا کرتا ہے صحابہ کرام کو دیکھنے سے کفار کو۔

قرآن مجید اور شریعت مطہرہ کی تبلیغ واشاعت صحابہ کرام نے کی ہے۔ اس مبارک گروہ پر طعن و اعتراض لازم آتا ہے۔ قرآن حکیم کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع کیا ہے۔ اگر حضرت عثمان مطعون وقابلِ اعتراض ٹھیریں تو قرآن کو بھی غلط کہنا پڑے گا۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں زندیق و بے دین لوگوں کے عقائد سے پناہ میں رکھے)۔

وہ اختلافات اور جھگڑے جو صحابہ کرام علیہم الرضوان میں واقع ہوئے، خواہش نفسانی کے باعث ہرگز نہیں تھے۔ یہ حضرات خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت پاک میں تزکیہ کے مقام میں پہنچ چکے

تھے اور ماندگی سے انہیں آزادی مل گئی تھی۔

میں اس قدر جانتا ہوں کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ اس باب میں حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر تھے۔ لیکن ان کی یہ خطا خطائے اجتہادی ہے، جو حد فسق تک نہیں پہنچاتی۔ بلکہ اس طرح کی خطا میں ملامت کی بھی گنجائش نہیں۔ کیونکہ خطائے اجتہادی میں مخطی کے لیے بھی ایک درجہ ثواب ہے۔ اور یزید بد قسمت صحابہ کرام میں سے نہیں۔ اس کی بدبختی میں کسے کلام ہوسکتا ہے۔ اس بدبخت نے جو کام کیا وہ کوئی کافر فرنگ بھی نہیں کرسکتا۔

بعض علمائے اہل سنت نے اس پر لعنت کرنے میں جو توقف کیا ہے اس پر راضی ہونے کی بنا پر نہیں کیا بلکہ رجوع اور توبہ کے احتمال کی رعایت کے باعث کیا ہے۔

آپ کی مجلس شریف میں قطب زمان بندگی مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ کی معتبر کتابوں سے ہر روز کچھ نہ کچھ حصہ پڑھا جانا چاہیے۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ انہوں نے صحابہ پیغمبر علیہ و علیہم الصلوۃ والسلام کی کس طرح صفت و ثنا کی ہے اور کیسے ادب سے ان کو یاد کیا ہے تاکہ مخالف لوگ شرمندہ اور ذلیل ہوں۔

آج کل اس بدخواہ گروہ نے بہت غلو کرنا شروع کر رکھا ہے اور ملک کے اطراف و جوانب میں پھیل چکے ہیں۔ اسی بنا پر اس بارے میں چند کلمات لکھے گئے ہیں، تاکہ آپ کی صحبت اور مجلس شریف میں اس طرح کے بدخواہوں کو جگہ نہ مل سکے۔ ثبتکم اللہ تعالیٰ علی الطریقۃ المرضیۃ اللہ تعالیٰ آپ کو پسندیدہ طریقہ پر قائم رکھے۔

مکتوب نمبر (۵۵)

اظہار محبت میں سیادت پناہ شیخ عبدالوہاب بخاری کی طرف صادر فرمایا

کچھ عرصہ سے پہلے ربط و تعلق کے علاوہ دل کو آپ سے مزید محبت پیدا ہو چکی ہے۔ اس بنا پر فقیر آپ کے لیے غائبانہ دعا میں مشغول و مصروف ہے۔ اور جب کہ سرور کائنات، مفخر موجودات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے فرمایا ہے:

مَنْ احب اخاہ فیعلمہ ایاہ[1]۔ (جو مسلمان بھائی سے دوستی رکھتا ہو تو چاہیے کہ اسے اس سے واقف کردے)

---

[1] مسند احمد، بخاری ادب مفرد، ترمذی، ابن حبان و حاکم۔

آپ سے اپنی محبت کا اظہار کرنا مناسب اور بہتر خیال کیا۔ اور اس محبت کے سبب جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے اقرباء (سادات کرام) سے پیدا ہو چکی ہے، امیدواری کا رشتہ پورے طور پر ہاتھ میں لا چکا ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ ان (سادات کرام) کی محبت پر استقامت نصیب فرمائے، بحرمتہ سید البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔

مکتوب نمبر (۵۶)

ایک سید صاحب کی سفارش کے سلسلے میں یہ مکتوب بھی شیخ عبدالوہاب بخاری کی طرف صادر فرمایا۔

سادات کرام کی ذوات جو کثیر البرکات ہیں، سرور دین و دنیا سے جزئیت (نسبی تعلق) کی بنا پر اس سے بلند تر ہیں کہ یہ فقیر زبان قاصر کے ساتھ ان کی فضیلت اور صفت و ثنا کرے۔ صرف اپنی سعادت کا ذریعہ جانتے ہوئے اس باب میں جرأت کرتا ہے۔ بلکہ اس وسیلہ سے اپنی ستائش کرتا ہے۔ اور ان کے ساتھ دوستی کا اظہار کرتا ہے جس کا مامور ہے۔

اے اللہ، ہمیں بطفیل حضور سید المرسلین علیہ و علیٰ آلہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سادات کرام کے ساتھ محبت کرنے والوں میں سے کر۔

اس عریضۂ نیاز کا حامل میر سید احمد سادات سامانہ[1] میں سے ہے۔ اور طالب علم اور نیک آدمی ہے۔ اسباب معاش کی تنگی کا شکار ہے۔ اسی بنا پر اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا ہے۔ اگر سرکار عالی میں گنجائش ہو تو شخص مذکور اس کا اہل ہے۔ اور اگر آپ کے گنجائش نہ ہو تو اپنے مخلصین میں سے کسی کو سفارش کریں تاکہ یہ شخص تنگی معاش کے اسباب سے بے فکر ہو جائے۔ جبکہ یقین تھا کہ خود آنجناب فقراء اور محتاج لوگوں کی طرف پوری توجہ رکھتے ہیں۔ خاصکر سادات عظام کی امداد کی طرف زیادہ توجہ فرماتے ہیں تو یہ چند کلمے لکھنے کی جرأت کی۔ روانگی کے وقت یہ شخص اگرچہ رخصت کی سعادت سے سعادتمند نہیں ہوا تاہم مخلصین کے گروہ میں شامل ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ سادات کرام کی محبت اور اخلاص پر استقامت عطا فرمائے۔ زیادہ گستاخی کی جرأت نہیں کرتا۔

---

[1] سامانہ ہندوستان میں سرہند شریف کے قریب ایک شہر ہے۔

مکتوب نمبر (۵۷)

نصیحت کے متعلق شیخ محمد یوسف کی طرف صادر فرمایا۔

حق سُبحانہٗ وتعالیٰ بطفیل حضور سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وعلیھم من الصلوات افضلھا ومن التسلیمات اکملھا آپ کو آپ کے آباء کرام کے طریقۂ مستقیمہ پر استقامت عطا فرمائے۔

آپ کے خاندان میں بزرگی موروثی شے ہے۔ ایسے طریقہ پر زندگی گزاریں کہ یہ وراثت میسر آجائے۔ ظاہر کو ظاہر شریعت کے ساتھ اور باطن کو باطن شریعت کے ساتھ جو حقیقت سے عبارت ہے، آراستہ اور مزین رکھیں۔ کیونکہ حقیقت و طریقت حقیقتِ شریعت اور اس حقیقت کے راستے سے عبارت ہیں۔ یہ بات نہیں کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت و حقیقت امر دیگر ہے۔ کیونکہ یہ تو الحاد اور زندقہ ہے۔ آپ کے متعلق فقیر کا گمان بہت نیک ہے۔ بعض واقعات کو بھی اس معنی کا گواہ پاتا ہے۔ اور اس ماجرے کا کچھ قدرے بیان آپ کے والد بزرگوار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے بھی کیا تھا۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ شیخ عبدالغنی درستی سے آراستہ اور نیک فطرت ہے۔ اگر آپ کی بلند خدمت میں کسی کام کے سلسلے میں رجوع کرے تو ضرور اس کی طرف التفات اور توجہ فرمائیں۔ والسلام والاکرام۔

مکتوب نمبر (۵۸)

سیادت مآب سید محمود کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ جس راہ کے طے کرنے کے ہم درپے ہیں وہ سارے کا سارا سات قدم ہے۔ اور اس امر کے بیان میں کہ دوسرے سلاسل کے مشائخ کے بخلاف مشائخ نقشبندیہ نے سیر کی ابتداء عالم امر سے کی ہے۔ اور اس بیان میں کہ ان بزرگوں کا طریقہ صحابہ کرام کا طریقہ ہے۔ اور جو اس کے مناسب باتیں ہیں۔

التفات نامہ گرامی وارد ہوا۔ چونکہ اس سے بلند گروہ (نقشبندیہ) کی باتیں سننے کا شوق معلوم ہوتا تھا، اس بنا پر سوال کا جواب دینے اور مطلوب و مدعا کی طرف رغبت دلانے کے لیے ناچار چند باتیں تحریر میں لائی ہیں۔

مخدوم گرامی! جس راستے کو ہم طے کرنے کے درپے ہیں وہ سارا سات قدم ہے۔ جس طرح انسان کے سات لطیفے ہیں۔ دو قدم تو عالم خلق میں ہیں جو قالب (بدن) اور نفس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور پانچ قدم عالم امر میں ہیں، جو قلب، روح، سر، خفی اور اخفی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان سات قدموں میں سے ہر قدم میں دس ہزار حجابات اٹھاتے ہیں۔ یہ حجابات نورانی ہوں یا ظلمانی (سیاہ):

ان للہ سبعین الف حجاب من نور و ظلمۃ۔[1] بیشک اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ستر ہزار پردے ہیں نور اور ظلمت کے۔

اول قدم میں جو عالم امر میں رکھتے ہیں تجلی افعال ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرے قدم میں تجلی صفات، تیسرے قدم میں تجلیات ذاتیہ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ پھر تجلیات کے فرق کے مطابق آگے ترقی کرتا چلا جاتا ہے، جیسا کہ اہل معرفت سے پوشیدہ نہیں۔ اور ان سات قدموں میں سے ہر قدم میں بندہ اپنے سے دور اور حق سبحانہ کے نزدیک ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان قدموں کے مکمل ہونے کے ساتھ قرب الٰہی بھی مکمل ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ فنا اور بقا سے مشرف کر دیے جاتے ہیں اور ولایت خاصہ کے درجے تک پہنچا دیے جاتے ہیں۔

طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ نے اس سیر کی ابتداء عالم امر سے اختیار کی ہے اور عالم خلق کو بھی اس سیر کے ضمن میں طے کر لیتے ہیں۔ بخلاف دوسرے سلسلوں کے مشائخ قدس سرہم کے۔ لہٰذا طریقہ نقشبندیہ وصول کے لیے دوسرے سب طریقوں سے زیادہ قریب ہے۔ تو ضروری طور پر دوسروں کی انتہا ان کی ابتداء میں درج ہے۔ ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

میرے گلستاں سے میری بہار کا اندازہ کر لو۔

ان بزرگوں کا طریقہ بعینہٖ صحابہ کرام کا طریقہ ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ کیونکہ ان بزرگوں (صحابہ کرام) کو حضور خیر البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی پہلی صحبت میں ہی

---

[1] مشکوٰۃ شریف۔

بطریق اندراج نہایت د بت وہ کچھ میسر آگیا جو کامل اولیاء امت کو نہایت پر پہنچ کر بھی بہت کم ہی میسر آتا ہے۔ لہٰذا وحشی[1] علیہ الرحمۃ قاتل سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صرف ایک بار صحبتِ خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پہنچا، حضرت اویس[2] قرنی سے جو خیر التابعین ہیں، افضل قرار پایا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک[3] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا حضرت معاویہ افضل ہیں، یا حضرت عمر[4] بن عبدالعزیز؟ تو آپ نے جواب دیا "وہ غبار جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حضرت معاویہ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا وہ کئی درجے عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے۔ تو سوچنا چاہیے کہ جس گروہ کی ابتداء میں دوسروں کی نہایت درج ہے، ان کی نہایت کیسی ہوگی، اور دوسروں کے علم میں ان کی نہایت کیسے آسکتی ہے؟

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ۔ اللہ کے لشکروں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

[5] قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن قصور حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

اگر کوئی کوتاہ نظر اس گروہ کو قصور وار ٹھیرائے، تو حاشا للہ کہ میں زبان پہ اس گلہ کو لاؤں۔
جہان کے سارے شیر اس سلسلہ سے منسلک ہیں۔ لومڑی حیلے بہانے سے اس سلسلے کو کس طرح توڑ سکتی ہے۔

---

[1] وحشی بن حرب۔ آپ حضرت جبیر بن مطعم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے بحالتِ کفر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوۂ احد میں شہید کیا۔ لیکن بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ اور خلافت صدیقی کے زمانہ میں آپ نے مسیلمہ کذاب مدعی نبوت کو قتل کر کے واصل جہنم کیا۔

[2] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا آپ فرماتے تھے تابعین میں سب سے بہتر ایک مرد ہے جس کو اویس کہتے ہیں الخ۔ مشکوٰۃ۔

[3] حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ دین کے سرداروں اور فقہاء امت میں سے ہیں۔ آپ کی ذات مجمع خیرات اور مصدر برکات تھی۔

[4] عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم بن ابی العاص۔ آپ خاندان اموی سے ہیں اور امیر المومنین ہیں اور اپنے وقت کے قطب ہوئے ہیں۔ آپ کے فضائل و مناقب کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔ عدل و انصاف اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے آپ کو عمر ثانی کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس نادر الوجود گروہ کی محبت نصیب فرمائے۔

کاغذ پر لکھی ہوئی یہ تحریر اگرچہ مختصر ہے لیکن اس میں بلند معارف اور اعلیٰ درجے کے حقائق درج ہیں۔ امید ہے کہ ان کو عزت و عظمت سے رکھیں گے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۵۹)

یہ مکتوب بھی سید محمود کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ نجات ابدی میسر آنے کے لیے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور اس بیان میں کہ اہل سنت و جماعت کی اتباع کے بغیر نجات متصور نہیں۔ اور اس بیان میں کہ علم و عمل تو شریعت سے مستفاد ہیں اور اخلاص کا حصول طریق صوفیہ کے سلوک پر موقوف ہے۔ نیز اس بیان میں کہ اخلاص عمل اولیائے کرام کے لیے تمام اعمال، افعال اور حرکات و سکنات میں حاصل ہے۔

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی شاہراہ پر استقامت عطا فرمائے اور کلی طور پر اپنی جناب قدس کی گرفتاری نصیب فرمائے۔

آپ کا مکتوب شریف اور مراسلہ لطیف وارد ہو کر موجب فرحت ہوا اور فقراء سے محبت کے اسباب اور اس بلند درجہ گروہ کے ساتھ آپ کا اخلاص و عقیدت وضاحت کو پہنچا۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ (اے اللہ، اس محبت اور اخلاص میں زیادتی کر)

آپ نے مفید اور نصیحت کی باتوں کا مطالبہ کیا ہے۔ مخدوم گرامی! آدمی کے لیے تین چیزوں سے چارہ نہیں، تاکہ نجات ابدی میسر آئے۔ علم، عمل اور اخلاص۔

پھر علم دو قسم ہے۔ ایک وہ علم جس سے عمل مقصود ہے۔ اس علم کے بیان کی کفیل فقہ ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس سے مقصود صرف اعتقاد اور یقین قلبی ہے۔ اس علم کی تفصیل مطابق آرائے صائبہ اہل سنت و جماعت علم کلام میں آ چکی ہے اور اہل سنت ہی ناجی فرقہ ہے۔ ان بزرگوں کی اتباع کے بغیر نجات[1] متصور نہیں۔ اگر بال برابر بھی مخالفت ہے تو خطرہ ہی خطرہ ہے۔ یہ بات کشف صحیح اور الہام صریح سے یقین کے درجہ تک پہنچ چکی ہے۔ اس میں غلطی کا احتمال نہیں۔

[1] مسلمانوں کو چاہیے کہ حضرت شیخ مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہوئے سنی عقائد پر قائم و ثابت رہیں۔ اور دوسرے گمراہ فرقوں کی ملمع سازیوں کا شکار ہو کر اپنی آخرت برباد نہ کریں۔

تو کس قدر مبارک ہے وہ شخص جسے ان کی متابعت کی توفیق مل گئی اور ان کی تقلید کا شرف حاصل ہو گیا۔ اور خرابی ان کے لیے جو ان کی مخالف راہ چلے۔ اور ان سے الگ ہو گئے اور ان کے اصول چھوڑ گئے اور ان کے گروہ سے نکل گئے تو خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہی کے راستے پر ڈالا۔ اور رویت حق تعالیٰ اور شفاعت کے منکر ہوئے۔ اور ان پر صحبت کی فضیلت اور صحابہ کے فضائل پوشیدہ رہے۔ اور اہل بیت کی محبت اور حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد پاک سے دوستی سے محروم رہ کر ان بے شمار بھلائیوں کے حصول سے روک دیے گئے جو اہل سنت و جماعت کو حاصل ہوئی ہیں۔

اور تمام صحابہ کرام کا اتفاق ہے کہ سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ کرامؓ سے افضل ہیں۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حالات صحابہ کے بہت بڑے جاننے والے ہیں، فرماتے ہیں کہ "لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال شریف کے بعد مجبور ہوئے۔ تو انہیں اس نیلے آسمان کے نیچے ابو بکر صدیق سے بہتر کوئی شخص نہ ملا تو انہوں نے اپنی گردنوں کا والی انہیں بنا لیا"

یہ امام شافعی کی طرف سے تصریح ہے کہ تمام صحابہ کرام افضلیت صدیق پر متفق تھے۔ تو یہ صدر اول (دور صحابہ) کا صدیق اکبر کی افضلیت پر اجماع ہے۔ لہٰذا یہ افضلیت کا مسئلہ قطعی ہے، جس کے انکار کی گنجائش نہیں۔

اور اہل بیت رسول علیہ السلام کا حال حضرت نوح کی کشتی کی طرح ہے۔ جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا، اور جو اس سے دور رہا ہلاک ہو گیا۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ارشاد میں صحابہ کرام کو ستارے قرار دیا۔ اور ستاروں سے لوگ راستہ پاتے ہیں۔ اور اہل بیت کو سفینہ نوح سے تشبیہ دی۔ اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ کشتی پر سوار ہونے والے کے لیے ستاروں کی رعایت ضروری ہے تاکہ ہلاکت سے بچا رہے۔ ستاروں کا لحاظ کیے بغیر اس کے لیے نجات ممتنع اور ناممکن ہوتی ہے۔

اور ضابطے کی جو بات ذہن میں ہونی چاہیے' یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام کا انکار کل انکار ہے کیونکہ خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی فضیلت میں یہ سب حضرات مشترک ہیں۔ اور صحبت کی فضیلت سب فضائل و کمالات سے فائق اور بلند ہے۔ اسی بنا پر حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خیر التابعین ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی کے ادنیٰ مرتبہ تک بھی نہیں پہنچ سکے۔ لہٰذا صحبت کی فضیلت کا کوئی شے بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ان صحابہ کا ایمان صحبت اور نزول وحی کی برکت

سے شہودی ہو چکا ہے۔ اور ایمان کا یہ رتبہ صحابہ کرام کے بعد کسی کو بھی نصیب نہیں۔ اور اعمال ایمان پر متفرع ہوتے ہیں۔ اعمال کا کمال ایمان کے کمال کے مطابق ہے۔

اور لڑائیاں جھگڑے جو ان کے درمیان واقع ہوئے، وہ نیک مرادوں اور بلیغ حکمتوں پر محمول ہیں۔ وہ جہالت یا خواہش نفسانی کے تحت نہیں تھے۔ بلکہ اجتہاد اور علم کی بنا پر تھے۔ اگرچہ بعض کے اجتہاد میں غلطی واقع ہو گئی۔ ایسے خطا کار کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کا ایک درجہ ہے۔ یہی افراط اور تفریط کے درمیان راہ ہے جس کو اہل سنت وجماعت نے اختیار کیا ہے، اور یہی محفوظ اور مضبوط تر راستہ ہے۔

مختصر یہ کہ علم وعمل تو شرع سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اخلاص جو علم وعمل کے لیے روح کی مانند ہے، اس کا حصول طریقہ صوفیہ کے سلوک سے وابستہ ہے۔ جب تک سیر الی اللہ قطع نہ کرے اور سیر فی اللہ سے موصوف نہ ہو، اخلاص کی حقیقت دور رہتی ہے اور مخلص لوگوں کے کمالات سے انسان الگ رہتا ہے۔ ہاں عام مومنوں کو بھی تکلف ومشقت سے بعض اعمال میں اگرچہ کچھ قدرے ہی ہو اخلاص میسر آجاتا ہے۔

لیکن وہ اخلاص جس کا ہم بیان کر رہے ہیں وہ تمام اقوال وافعال اور حرکات وسکنات میں بے تکلف اور بے مشقت اخلاص ہے۔ اور اس اخلاص کا حصول آفاقی اور انفسی الٰہوں کی نفی سے وابستہ ہے اور فنا اور بقا پر موقوف ہے۔ اور ولایت خاصہ تک وصول سے میسر آتا ہے۔ وہ اخلاص جو تکلف اور کوشش کا محتاج ہے ہمیشہ نہیں رہتا۔ حصول دوام کے لیے بے تکلف میسر آنا درکار ہے۔ اور یہ مرتبہ حق الیقین میں جا کر نصیب ہوتا ہے۔ پس اولیاء اللہ جو کچھ کرتے ہیں صرف حق عزّ وجلّ کے لیے کرتے ہیں، اپنے نفس کے لیے کچھ نہیں کرتے۔ کیونکہ ان حضرات کے نفس حق تعالیٰ کی ذات پر فدا ہو چکے ہیں۔ حصول اخلاص کے لیے انہیں نیت درست کرنے کی حاجت نہیں۔ (یعنی ان کی نیتیں خود بخود ہی درست رہتی ہیں) کیونکہ ان کی نیت فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے باعث درست ہو چکی ہے۔

مثلاً جو شخص اپنے نفس کا گرفتار ہے۔ وہ جو کچھ کرے اپنے نفس کے لیے ہی کرتا ہے۔ چاہے نیت کرے یا نہ کرے۔ اور جب اس کی یہ گرفتاری دور ہو جائے اور حق تعالیٰ کی گرفتاری نصیب ہو جائے تو ایسی جگہ پر پہنچ جاتا ہے کہ جو کچھ کرتا ہے ناچار حق تعالیٰ کے لیے ہی کرتا ہے نیت حاضر ہو یا نہ ہو۔ نیت اس کام میں درکار ہوتی ہے جو درجہ احتمال میں ہو اور جو چیز متعین ہو نیت کے ذریعہ

اس کی تعیین کی ضرورت نہیں۔ اور اس مقام کا حصول اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ دوام اخلاص والا شخص مُخلَص کہلاتا ہے۔ اور جس شخص کا اخلاص دائمی نہیں، بلکہ کسب اخلاص کا محتاج ہے وہ مُخلِص بکسر لام ہے۔ اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اور طریقہ صوفیہ اختیار کرنے سے علم و عمل کو جو نفع پہنچتا ہے، یہ ہے کہ علوم کلامیہ استدلالیہ کشفیہ ہو جاتے ہیں۔ اور تمام اعمال کی ادائیگی میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ سستی جو نفس اور شیطان کی طرف سے طاری ہوتی ہے زائل اور معدوم ہو جاتی ہے۔ ع

ایں کار دولت است کنوں تا کرا رسد

مکتوب نمبر (۶۰)

یہ مکتوب بھی سیادت پناہ سید محمود کی طرف صادر فرمایا۔

خطرات اور وساوس کے بالکلیہ دفع اور دور ہو جانے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنی ذات قدس کے ساتھ دوام گرفتاری کی نعمت سے مشرف فرمائے کیونکہ حقیقی آزادی اسی گرفتاری میں ہے۔ خطرات نفسانی کا رُک جانا اور وسوسوں کا دور ہونا حضرات خواجگان نقشبندیہ قدس سرہم کے طریقہ میں مکمل طور پر حاصل ہے۔ حتیٰ کہ اس بزرگ خانوادہ کے بعض مشائخ نے خطرات نفسانی کا چلہ کاٹا ہے اور اس پورے چلے میں اپنے باطن کو خطروں اور وسوسوں کے آنے سے دور رکھا ہے۔ حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے اس مقام میں فرمایا ہے کہ خطروں اور وسوسوں کے دور ہونے سے وہ خطرے اور وسوسے مراد ہیں جو مطلوب کی طرف دوام توجہ میں مانع اور رکاوٹ بنیں۔ مطلق دفع خواطر مراد نہیں۔

اور اس بلند سلسلے کا ایک درویش واما بنعمۃ ربک فحدث (اپنے رب کی نعمت کا چرچا کرو) کے مطابق اپنے حال کی یوں خبر دیتا ہے کہ:

"دل سے خواطر اور وسوسے اس حد تک دور ہو چکے ہیں کہ اگر بالفرض عمر نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس صاحب قلب کو دیدیں، تو بھی ہرگز اس کے دل پر کسی

خطرے کا گزر نہیں ہو سکتا"۔

یہ نہیں کہ اسے ان خواطر و وساوس کے دور کرنے میں تکلف کی ضرورت پڑے۔ کیونکہ جو شئے تکلف سے وجود میں آتی ہے وقتی اور عارضی ہوتی ہے، ہمیشہ اور دائمی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس درویش کی حالت تو یہ ہے کہ اگر سالہا سال خواطر اور وسوسوں کو دل میں لانے کی کوشش کرتا رہے تو بھی وسوسوں کا گزر اس کے دل پر نہیں ہو سکتا۔ صرف چالیس دن کے چلے کی تعیین تکلف اور تصنع کی خبر دیتی ہے۔ تعمل اور تکلف مرتبہ طریقت میں ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تکلف اور تصنع سے چھوٹ جائے۔ یاد کرد[1] مرتبہ طریقت میں ہے اور یاد داشت درجہ حقیقت میں۔

پس یہ بات ثابت ہو گئی کہ خواطر اور وساوس کو تکلف سے روکنا وقتی شئے ہے۔ جس طرح انہیں روکنے کے لیے دس روز یا چالیس روز کا چلہ اس طرح سے مطلوب کی طرف دوام توجہ محال ہے کیونکہ تکلف مرتبہ طریقت میں ہے۔ اور طریقت میں دوام متصور نہیں۔ اور یہ دوام جو مرتبہ حقیقت میں نصیب ہوتا ہے اس بنا پر ہے کہ مقام حقیقت میں تکلف محال ہے۔ پس مرتبہ تکلف میں خطرے کا آنا دوام توجہ سے مانع ہے۔ اور اس بلند سلسلہ کے مبتدیوں کو جو دوام نگرانی نصیب ہوتی ہے وہ ایک امر دیگر ہے۔ اور وہ دوام توجہ جسے ہم بیان کر رہے ہیں وہ یاد داشت سے عبارت ہے اور نہایت مرتبہ کمال ہے۔ حضرت خواجہ عبدالخالق[2] غجدوانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے فرمایا ہے کہ یاد داشت سے اوپر پنداشت[3] ہے۔ یعنی اور کوئی مرتبہ نہیں۔

---

[2] آپ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہٗ کے چار خلفاء میں سے ایک ہیں۔ آپ سلسلہ خواجگان نقشبندیہ قدس سرہم کے سردار ہیں۔ آپ کا مقام ولادت اور مزار شریف قصبہ غجدوان میں ہے جو شہر بخارا شریف سے ۶ فرسنگ پر واقع ہے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم مبارک عبدالجمیل ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ آپ نے ابتدائی علوم شہر بخارا میں حاصل کیے۔ بوقت وصال شریف آپ نے چار حضرات کو خلافت عطا فرما کر دعوت ارشاد کا کام ان کے ذمہ کیا اور اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ راہ صدق و صفا، متابعت شرع اور سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوشاں رہے۔ بدعات و خواہشات سے دور رہتے تھے۔ اپنی روش و طریقہ لوگوں سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ رشحات ملخص۔ [3] پنداشت یعنی محض وہم و گمان اور خیال ہے۔ یعنی کوئی چیز نہیں ۱۲

[1] سالک جب تک طریقت و تصنع کے مقام میں رہتا ہے اور حقیقت اور ملکہ حضور تک نہیں پہنچتا یاد کرد کے مقام میں ہوتا ہے۔ اور جب حضور اور دوام تک پہنچ جاتا ہے اور یاد کرد کے مقام سے نکل جاتا ہے اور یہ حضور ملکہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے کہ دور کرنے سے دور نہ ہو تو یہ یاد داشت کا مقام ہے۔

طبیب ناقص کی دوا کے اثرات زائل کرنے کی فکر کرے گا اور مسہلات کے ساتھ اس کا علاج کرے گا۔ اس کے اثرات کے ازالے کے بعد مرض کے دور کرنے کی طرف توجہ کرے گا۔

ان بزرگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقے کا دار و مدار صحبت پر ہے کہنے سننے سے کام نہیں بنتا بلکہ یہ چیز طلب میں سستی پیدا کر دیتی ہے۔ احتمال ہے کہ چند روز تک دہلی اور آگرہ کی طرف میرا جانا ہوگا۔ اگر آپ اکیلے ادھر آ جائیں اور روبرو ہو کر جلدی سے کچھ اخذ کر لیں تو اس کی گنجائش ہے۔ اس سے زیادہ گفتگو تکلیف دہ امر ہے

باقی سوالات جو پوچھے گئے تھے' ان کا جواب یہ ہے کہ جناب مشیخت پناہ' معارف دستگاہ شیخ تاج کا وجود اس صوبہ میں غنیمت ہے۔ وہ بزرگ شخصیت ہے لیکن آپ کی استعداد کو ان کے طریقہ سے مناسبت کم ہے۔ رابطہ کے حصول کے بغیر مطلوب کا حصول مشکل و دشوار ہے۔ آگے آپ مختار ہیں۔ اگر کبھی کبھی اپنے حالات لکھ بھیجا کریں' تاکہ اس طرح اس طرف سے بھی کچھ لکھ بھیج دیا جایا کرے تو مناسب ہے۔ کیونکہ اس طرح اخلاص و عقیدت کا سلسلہ ہر وقت حرکت میں رہتا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۶۲)

جناب مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ جو جذبہ سلوک سے پہلے ہے وہ مقاصد میں سے نہیں' بلکہ وہ آسانی کے ساتھ منازلِ سلوک طے کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور جو جذبہ سلوک کے بعد نصیب ہوتا ہے وہ مقاصد میں ہے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

حق تعالیٰ تک وصول کے راستے کے دو جز ہیں: جذبہ اور سلوک۔ یا تصفیہ اور تزکیہ۔ وہ جذبہ جو سلوک سے پیشتر ہے مقاصد میں سے نہیں ہے۔ اور وہ تصفیہ جو تزکیہ سے پہلے نصیب ہوتا ہے وہ بھی مطالب میں سے نہیں ہے۔ ہاں وہ جذبہ جو سلوک کو مکمل کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ تصفیہ جو تزکیہ کے حصول کے بعد میسر آتا ہے اور سیر فی اللہ[1] سے تعلق رکھتا ہے

---

[1] سیر فی اللہ اور سیر الی اللہ نیز سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیاء کے معانی (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

وہ البتہ مقاصد مطلوبہ میں سے ہے۔ وہ جذبہ اور تصفیہ جو سلوک سے پہلے ہے وہ سلوک کے راستوں پر آسانی سے چلنے کے لیے ہے۔ سلوک کے بغیر کام نہیں بنتا۔ اور منازل طے کرنے کے بغیر مطلوب کا جمال سامنے نہیں آتا۔ پہلا جذبہ دوسرے جذبے کے لیے صورت کی مانند ہے۔ فی الحقیقت ایک کو دوسرے سے کوئی مناسبت نہیں۔ پس نہایت کے بدایت میں اندراج سے مراد جو اس بلند سلسلہ کے مشائخ کی عبارات میں واقع ہے یہ ہے کہ نہایت کی صورت بدایت میں درج ہے۔ ورنہ حقیقت نہایت بدایت میں سما نہیں سکتی۔ نہایت کی بدایت سے کوئی مناسبت نہیں۔ اس بحث کی تحقیق اس رسالہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکی ہے جو حقیقت جذبہ وسلوک وغیرہ میں تحریر کیا گیا ہے۔

الغرض صورت سے حقیقت کی طرف عبور کرنا ضروری ہے۔ اور حقیقت کی طرف بڑھنے کے بجائے صورت پر ہی اکتفا کرنا دور رہنے کی بات ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نبی مختار اور آپ کی نیک اولاد علیہ وعلیہم من الصلوات اکملہا ومن التحیات افضلہا کے طفیل ہم سب کو حقیقت حقہ سے موصوف فرمائے اور صورت باطلہ سے بچائے۔

مکتوب نمبر (۶۳)

یہ مکتوب سیادت وبزرگی کے مالک شیخ فرید کی خدمت میں صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ تمام انبیاء کرام صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہم اصول دین میں متفق ہیں۔

ان بزرگوں کا آپس میں اختلاف صرف فروع میں ہے۔ اور ان کے کچھ متفقہ کلمات کے بیان میں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں اور تم سب کو آپ کے آباء کرام کے طریقہ پر ثابت رکھے۔ آپ کے آباء کرام میں سب سے افضل نبی کریم پر اصالۃً اور باقی پر ماتحت ہونے کے طور پر صلوٰۃ وسلام کا نزول ہوتا رہے۔

انبیاء کرام (ان سب پر عموماً اور ان سب سے افضل پر خصوصاً اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلامتی اور تحفے اور برکتیں نازل ہوتی رہیں) کائنات کے لیے رحمت ہیں۔ انہی بزرگوں کے ذریعہ جہان کو نجات ابدی کی سعادت نصیب ہوئی ہے اور غیر حق سے گرفتاری سے خلاصی حاصل ہوئی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے جلد اوّل مکتوب نمبر ۲۸۴ میں تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔
یہ مکتوب آپ نے حافظ محمود لاہوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اگران کا وجود شریف نہ ہوتا تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ جو غنی مطلق ہے اپنی ذات اور صفات تعالیٰ وتقدس سے واقف نہ کرتا، اور اپنے تک راستہ نہ دکھاتا۔ اور کوئی بھی اس ذات کو نہ پہچان سکتا۔ اور شرع شریف کے اوامر ونواہی جن کا اس نے محض اپنے فضل وکرم اور بندوں کے نفع کے لیے مکلف کیا ہے، مکلف نہ کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ باتیں غیر پسندیدہ سے ممتاز اور جدا نہ ہوتیں۔

تو اس نعمت عظمیٰ کا شکر کس زبان سے ادا ہو سکتا ہے اور کس کی مجال ہے کہ شکر کی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے۔ اس ذات کی حمد وثنا جس نے ہمیں اپنے انعامات سے نوازا اور اسلام کی دولت عطا فرمائی۔ اور ہمیں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے والوں میں سے کیا۔

یہ سب بزرگ احوال دین میں متفق ہیں اور حق تعالیٰ وتقدس کی ذات وصفات، حشر ونشر، انبیاء کے بھیجنے، نزولِ ملائکہ، وحی کے وارد ہونے اور جنت کی نعمتیں اور دوزخ کے دائمی اور ابدی عذاب کے بارے میں ایک ہی بات کہتے ہیں۔ ان کا آپس میں بعض احکام میں اختلاف فروع سے تعلق رکھتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہر زمانہ میں ہر اولوا العزم پیغمبر پر اس زمانے کے لوگوں کے لیے بعض مناسب احکام نازل فرمائے اور مخصوص احکام سے مکلف کیا۔ احکام شرعیہ میں نسخ وتبدیلی حق تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی صاحب شریعت نبی پر مختلف اوقات میں متضاد احکام نسخ وتبدیلی کے طور پر وارد ونازل ہوتے ہیں۔

جن بعض کلمات میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہ بزرگ گروہ متفق ہے ان میں سے بعض یہ ہیں:

غیر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت کی نفی۔ اس ذات تعالیٰ وتقدس کے ساتھ شرک کی ممانعت اور مخلوق کے لیے حق تعالیٰ کی ذات پاک کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب اور الٰہ بنا لینے کا عدم جواز۔

یہ حکم اور یہ تعلیم انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پیروکاروں کے علاوہ کوئی بھی اس دولت ونعمت سے مشرف نہیں ہوا، اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی نے بھی ایسی گفتگو نہیں فرمائی۔

منکرینِ نبوت اگرچہ خدا تعالیٰ کو ایک کہتے ہیں مگر ان کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو اہلِ اسلام کی تقلید کے طور پر ایسا کہتے ہیں، اور یا واجب الوجود ہونے میں تو اس کو ایک تسلیم کرتے ہیں مگر استحقاق عبادت میں وحدہٗ لاشریک نہیں مانتے۔ اور اہل اسلام کے نزدیک اللہ تعالیٰ وجوب وجود اور استحقاق عبادت دونوں میں وحدہٗ لاشریک ہے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے مراد باطل الٰہوں کی

عبادت کی نفی اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی معبودیت کا اثبات ہے۔

دوسری بات جو ان بزرگوں کے ساتھ خاص ہے، یہ ہے کہ یہ حضرات دوسرے لوگوں کی طرح اپنے آپ کو بشر ہی کہتے ہیں۔ اللہ اور معبود حق سبحانہٗ کی ذات کو ہی مانتے ہیں اور ذات کی طرف ہی دعوت دیتے ہیں۔ اور اس ذات سبحانہٗ کو حلول و اتحاد سے منزہ جانتے ہیں۔

لیکن منکرینِ نبوت کی یہ حالت نہیں۔ بلکہ منکرین کے سرداروں نے تو الوہیت اور خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ حق سبحانہٗ کا اپنے اندر حلول مانتے ہیں۔ اور استحقاق عبادت اور الوہیت کا نام اپنے آپ پر استعمال کرنے سے پرہیز نہیں کرتے۔ تو لا محالہ اس وجہ سے انہوں نے اس کی بندگی سے پاؤں باہر نکال لیے ہیں، اور برے افعال اور قبیح اعمال میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اس طرح ان پر اباحت اشیاء کا راستہ کھل جاتا ہے اور گمان کر لیتے ہیں کہ ان خداؤں کے لیے کوئی چیز ممنوع نہیں۔ یہ جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں سب درست اور مباح ہے۔ تو خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ تو افسوس ہے ان پر اور ان کے متبعین اور ان کے پیروکاروں پر۔

دوسری بات جس پر انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات متفق ہیں اور ان کے منکرین اس سے بے نصیب ہیں، یہ ہے کہ یہ بزرگ گروہ نزول ملائکہ کا جو معصوم مطلق ہیں اور کچھ تعلق اور آلودگی نہیں رکھتے، قائل ہے، اور وحی کے امین اور کلام ربانی کے حامل ہیں پس یہ بزرگ گروہ جو کچھ کہتا ہے حق تعالیٰ و تقدس کی طرف سے کہتا ہے۔ اور جو کچھ پہنچاتا ہے خدا کی طرف سے پہنچاتا ہے اور ان کے اجتہادی احکام بھی وحی سے مؤید ہیں۔ اگر بالفرض ان سے کچھ لغزش ہو جائے تو خدائے سبحانہ و تعالیٰ فوراً وحی قطعی سے اس کا تدارک کر دیتا ہے۔

اور منکرین کے سردار اور رئیس جو اپنے لیے دعویٰ خدائی کیے ہوئے ہیں، جو کچھ کہتے ہیں اپنے پاس سے کہتے ہیں۔ اور اپنے زعمِ الوہیت کی بنا پر اسی کو ٹھیک اور درست قرار دیتے ہیں۔

تو انصاف سے کام لینا چاہیے کہ جو شخص کمال بے عقلی کے باعث اپنے آپ کو اللہ کہے اور مستحق عبادت جانے۔ اور اس فاسد اور غلط گمان کے تحت ناشائستہ افعال کا ارتکاب کرے، اس کی باتوں کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اور اس کی اتباع اور پیروی پر کونسی بھلائی موقوف ہو سکتی ہے؟ ؎

سالیکہ نکوست از بہارش پیداست

سال کی خوبی اس کے موسم بہار کے دم قدم سے ہے۔

اس قسم کی باتوں کا اظہار مزید وضاحت کے لیے ہے۔ ورنہ حق باطل سے بالکل جدا اور ممتاز ہے۔ اور نور ظلمت کے مقابلے میں بالکل نمایاں ہے:

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا — حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ بیشک باطل مٹنے ہی والی چیز ہے۔

اے اللہ! ہم کو ان اکابر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت پر ثابت قدم رکھ۔

بقیۃ المقصود یہ بات ہے کہ سیادت پناہ میاں پیر کمال کو آپ بہتر جانتے ہیں۔ اس بارے میں کچھ لکھنے کی کیا حاجت ہے۔ اتنی بات ہے کہ یہ حقیر ان کی آشنائی سے کچھ عرصہ سے محظوظ ہے۔ مدت کی بات ہے کہ انہوں نے آستانہ بوسی کا اشتیاق ظاہر کیا تھا۔ لیکن اس دوران ان پر ضعف طاری ہو گیا اور ایک عرصہ تک صاحبِ فراش رہے ہیں۔ فراغت وصحت کے بعد آپ کی خدمت میں حاضری کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ آپ کی مہربانی کے امیدوار ہیں۔

مکتوب نمبر (۶۴)

سرداری اور بزرگی کی پناہ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

جسمانی اور روحانی لذت اور جسمانی آلام ومصائب برداشت کرنے کی ترغیب اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تمہیں دارین میں بحرمتہ سید ثقلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات دارین میں سلامتی اور عافیت نصیب فرمائے۔

دنیا کی لذت اور اس کا الم دو قسم ہے: روحانی اور جسمانی۔ ہر وہ چیز جس میں جسم کے لیے لذت ہے، روح کے لیے اس میں تکلیف ہے۔ اور جس سے بدن کو تکلیف پہنچے رُوح کو اس سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ رُوح اور جسم ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ اور اس جہان میں کہ روح جسم کے مقام میں نزول کر چکا ہے، اور جسم وجسمانیات کا گرفتار ہو چکا ہے، جسم کے حکم میں ہو چکا ہے۔ جسم کی لذت سے یہ بھی لذت اٹھاتا ہے اور جسم کو تکلیف پہنچنے سے اس کو بھی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ یہ مرتبہ عوام کالانعام کا ہے۔ آیۂ کریمہ:

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ — پھر ہم نے اس کو سب نیچوں سے نیچے کر دیا۔[1]

---

[1] اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

انہی عوام کے حال پر صادق آتی ہے۔

ہزار بار افسوس اگر رُوح اس گرفتاری سے نجات حاصل کر کے اپنے وطن اصلی کی طرف رجوع نہ کرے ؎

پایہ آخر آدم است و آدمی گشت محروم از مقامِ محرمی

گر نہ گردد باز مسکیں زیں سفر نیست از وے ہیچ کس محروم تر

آخری مرتبہ آدم کا ہے، اور آدمی محرم راز ہونے کے مقام سے محروم ہو چکا ہے۔ یہ مسکین انسان اگر اس سفر (مشغولی مخلوقات) سے واپس نہ لوٹا تو اس زیادہ محروم اور کوئی نہیں۔

یہ روح کا مرض ہے کہ وہ اپنی تکلیف کو لذت گمان کرتا ہے اور لذت کو درد والم تصور کرتا ہے۔ جس طرح صفراوی مزاج انسان مرض صفرا کے باعث شیریں چیز کو کڑوا محسُوس کرتا ہے۔ تو اہلِ عقل پر اوّلاً اس مرض کا ازالہ ضروری ہے۔ تاکہ جسمانی آلام و مصائب کے باوجود اپنی خوش و خرم بسر کریں ؎

از پئے ایں عیش و عشرت ساختن صد ہزاراں جاں بباید باختن

اس عیش و عشرت (رنج وغم دنیوی میں بھی خوش رہنا) کو حاصل کرنے کے لیے ہزاروں جانیں قربان کرنا پڑتی ہیں۔

اگر اچھی طرح حالاتِ دنیا کا ملاحظہ کیا جائے تو یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ اگر دنیا میں رنج و مصیبت نہ ہوتی تو اس کی جَو برابر بھی قیمت نہ ہوتی۔ دنیا کی تاریکیوں کو واقعات و حوادث آکر زائل کر دیتے ہیں۔ حوادث زمانہ کی تلخی کڑوی دوا کی طرح نافع ہے۔ جس سے مرض زائل ہوتا ہے۔

فقیر کو اس طرح محسوس ہوا ہے کہ لوگ جو ایک دوسرے کی عام کھانے کی دعوتیں کرتے ہیں اور اس میں خلوص نیت ملحوظ نہیں رکھتے۔ اور دعوت کھانے والوں میں سے بعض لوگ شکوے اور شکایت کی زبان کھولتے ہیں اور طعام و صاحب طعام کا عیب نکالتے ہیں۔ اور دعوت کرنے والاان کے اس رویتے سے دل شکستہ ہوتا ہے۔ اور یہی شکستہ دلی صاحب دعوت کی اس ظلمت (نیت کی خرابی) کو جو دعوتِ طعام میں پائی جاتی ہے، قبولیت کے مقام میں لے آتی ہے۔ اگر وہ جماعت شکوہ شکایت نہ کرتی، اور اس سے صاحبِ طعام کو شکستہ دلی لاحق نہ ہوتی تو وہ طعام ظلمت و کدورت سے پُر ہوتا۔ اس صورت میں اس طعام کی قبولیت کے احتمال کی کوئی گنجائش نہ ہوتی۔ پس کام کا مدار شکستگی اور آوارہ دلی

لہ یعنی جب انسان نے کفر اختیار کیا اور اپنی فطرت سلیمہ کو ضائع کر دیا۔ (سورۂ تین۔ پارہ ۳۰)

پر ہے۔ اور ہم ناز پروردہ اور عیش و نعمت کے دلدادگان کے لیے کام بڑا مشکل ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

نص قطعی ہے۔ اور عبادت تذلل اور شکستگی سے عبارت ہے۔ تو انسان کی پیدائش سے مقصود اس کی عاجزی اور انکساری ہے۔ خاصکر مسلمانوں اور دینداروں کی پیدائش و خلقت کہ ان کے لیے تو دنیا ہے ہی قید خانہ[1]۔ اور قید خانہ میں عیش و آرام تلاش کرنا عقل سے بعید بات ہے۔ پس آدمی کے لیے محنت و کوشش اور جدوجہد کے بغیر چارہ نہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہم بے طاقتوں کو اس معنی و حقیقت پر استقامت نصیب کرے۔ آپ کے جدامجد کی حرمت سے علیہ و علیٰ آلہ من الصلوات انمہا و من التحیات اکملہا۔

مکتوب نمبر (۶۵)

خان اعظم کی طرف صادر فرمایا

مسلمانوں کی بے چارگی اور ضعف اسلام پر غم کھانے اور اہل اسلام کی تقویت اور شرعی احکام کے اجرا پر ابھارنے اور ترغیب دینے کے بیان میں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کی تائید فرمائے اور اسلامی احکام کی بلندی میں آپ کو دشمنان اسلام پر فتح و نصرت عطا فرمائے۔

مخبر صادق حضور نبی کریم علیہ و علیٰ آلہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا نے فرمایا ہے:

اَلْإِسْلَامُ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ فَطُوبَىٰ لِلْغُرَبَاءِ ۔ اسلام مسافر کی طرح ظاہر ہوا۔ (یعنی اسے بہت کم لوگوں نے پہچانا) اور عنقریب اپنی ابتدائی غربت کی طرف لوٹ جائے گا۔ پس خوشحالی ہے غرباء کے لیے۔ یعنی اس کی مدد کرنے

[1] صحیح حدیث کی طرف اشارہ ہے جو اس باب میں وارد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر "دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے" مسلم شریف بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مترجم عفی عنہ۔

والوں کے لیے۔ (صحیح مسلم شریف، ابن ماجہ، طبرانی بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

غربتِ اسلام اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ کفار علانیہ اسلام پر اعتراضات اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں۔ اور بے تحاشا کفر کے احکام کا اجراء اور کوچہ و بازار میں کفار کی مدح وثناء کرتے پھر رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کو اسلامی احکام کے اجراء سے روک دیا گیا ہے اور احکام شرعیہ کے بجالانے میں ان کی مذمت اور ان پر طعن وتشنیع کی جاتی ہے ؎

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

پری تو اپنا منہ چھپائے رکھے اور شیطان کرشمہ و ناز دکھائے۔ حیرت سے عقل جل جاتی ہے کہ یہ کیا عجیب معاملہ ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہ، مقولہ ہے کہ الشرع تحت السیف (شرع تلوار کے نیچے ہے) اور شرع شریف کی رونق بادشاہانِ اسلام سے وابستہ ہے۔ یہ جملہ اُلٹ ہو چکا ہے اور معاملے میں انقلاب آچکا ہے۔ واحسرتا، واندامتا، واویلا۔ (ہائے حسرت، ہائے ندامت، ہائے افسوس)۔

آج ہم آپ کے وجود شریف کو ہی غنیمت جانتے ہیں۔ اور اس کمزور اور شکست خوردہ معرکہ میں مردِ میدان صرف آپ کی ذات کو ہی تصور کرتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بحرمت نبی کریم اور آپ کی بزرگ اولاد کے آپ کا مؤید اور مددگار ہو۔ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات۔ ایک حدیث میں وارد ہے:

لَنْ يُّؤْمِنَ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُقَالَ اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ ۝ — تم میں سے ہرگز کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اسے دیوانہ نہ کہا جائے۔[1]

آج وہ جنون جس کا مبنیٰ اسلامی غیرت ہے آپ کی طبیعت میں محسوس ہو رہا ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ یہ وہ دن ہے کہ بالکل تھوڑے عمل کو عظیم ثواب اور پوری اہمیت کے ساتھ قبول فرماتے ہیں۔ ہجرت کے سوا اصحاب کہف کا کوئی عمل نمایاں نہیں۔ مگر دیکھو کہ اس کا کس قدر اعتبار اور لحاظ کیا گیا ہے۔ سپاہی دشمنوں کے غلبے کے وقت تھوڑا سا تردد کریں تو اس کی دشمنوں

---

[1] حصن حصین، ابن حبان، احمد، ابویعلیٰ و ابن سنی بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ باختلاف یسیر ۱۲ مترجم عفی عنہ

کے سکون اور امن کے وقت کی نسبت بہت زیادہ قدر ہوتی ہے۔ اور یہ قولی جہاد جو اس وقت آپ کو میسر ہے جہادِ اکبر ہے، اس کو غنیمت جانیں۔ اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْد کا نعرہ لگائیں اور زبان کے اس جہاد کو جہادِ قتل سے بہتر جانیں۔ ہمارے جیسے بے دست و پا فقراء اس دولت سے محروم ہیں ؎

هنيئًا لأرباب النعيم نعيمها   وللعاشق المسكين ما يتجرع

نعمت والوں کو نعمتیں گوارا ہیں۔ اور عاشق مسکین کے حصے وہی ہے جو وہ غم و اندوہ کے گھونٹ گلے سے اتار رہا ہے۔

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں   گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

ہم نے تجھے مقصود کے خزانے کا نشان بتا دیا ہے۔ اگر ہم نہیں پہنچ سکے تو شاید تو ہی اس تک پہنچ سکے۔

حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ فرمایا کرتے تھے: "اگر میں پیری مریدی کروں تو کسی بھی پیر اور شیخ کو جہان میں مرید نہ ملے۔ سب کو میں ہی اپنی طرف کھینچ لوں۔ مگر میرے ذمے ایک دوسرا کام لگایا گیا ہے۔ اور وہ شریعت کی ترویج اور ملت اسلام کی تائید و تقویت ہے"۔ اسی بنا پر آپ سلاطین وقت کے پاس تشریف لے جاتے اور اپنے تصرف[1] سے ان کو اپنا مطیع بناتے اور اس ذریعہ سے شریعتِ حقہ کی ترویج فرماتے۔

آپ سے التماس ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بزرگ خانوادہ (مشائخ نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ محبت و عقیدت کی برکت سے آپ کی باتوں میں اثر بخشا ہے اور آپ کی عظمت مسلمانی کو آپ کے ہمعصر لوگوں پر نمایاں اور ظاہر کر دیا ہے تو سعی اور کوشش کریں کہ اہلِ کفر کی بڑی بڑی کافرانہ باتیں جو اہلِ اسلام میں پھیل چکی ہیں ویرانی کا شکار ہو جائیں اور مٹ جائیں اور اہلِ اسلام خلاف شرع امور سے محفوظ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس سے پہلی بادشاہی میں تو دینِ مصطفٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ عناد اور مخالفت صریح محسوس ہوتی تھی۔ اس بادشاہی میں ظاہراً وہ عناد محسوس نہیں ہوتا۔ اگر ہے بھی تو عدمِ علم کے باعث ہے۔ لیکن اس بات کا ڈر ہے کہ اب بھی معاملہ عناد تک نہ پہنچ جائے اور مسلمانوں کا معاملہ زیادہ

---

[1] اولیاء اللہ کے تصرف کے منکر ان الفاظ پر غور فرمائیں۔ مترجم عفی عنہ۔

تنگ ہو جائے۔ ع

چون بید بر سر ایمان خویش می لرزم

میں اپنے ایمان کے بارے میں درخت بید کی طرح کانپ رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حضور سید المرسلین علیہ و علیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات کی متابعت و پیروی پر ثابت قدم رکھے۔

فقیر ایک تقریب کے سلسلے میں یہاں آیا تھا۔ آپ کو اپنی آمد سے بے خبر رکھنا مناسب خیال نہ کیا، اور یہ بھی مناسب نہ جانا کہ بعض مفید اور نافع باتیں آپ کو نہ لکھے۔ اور طبعی محبت سے جو بندہ کو فطری مناسبت کے طور پر آپ سے ہے واقف نہ کرے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

مَنْ اَحَبَّ اَخَاهُ فَلْيُعْلِمْ اِيَّاهُ۔[1] جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے محبت رکھتا ہو تو چاہیے کہ اسے بتا دے۔

آپ پر اور تمام متبعین ہدایت پر سلامتی کا نزول ہو۔

مکتوب نمبر ۶۶

یہ مکتوب بھی خان اعظم کی طرف صادر فرمایا۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی مدح و ثنا اور اس طریقہ کی طریقہ صحابہ کرام (ان کے صاحب اور ان پر صلوٰۃ و سلام) کے ساتھ مناسبت اور صحابہ کرام کی باقی تمام لوگوں پر افضلیت کے بیان میں، اگرچہ وہ اویس قرنی یا عمر بن عبد العزیز مروانی ہی کیوں نہ ہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۔

حضرت خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ سرہم کا طریقہ نہایت کے ابتداء میں اندراج پر مبنی ہے۔ اور یہ طریقہ بعینہٖ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں (صحابہ کرام) کو حضور سرور عالم علیہ و علیہم الصلوات و التسلیمات کی پہلی ہی صحبت میں وہ کچھ میسر آ گیا کہ اولیاء امت کو نہایۃ النہایہ میں جا کر اس کمال کا تھوڑا سا حصہ ہاتھ آتا ہے۔ لہٰذا

[1] مسند احمد، ادب المفرد للبخاری، ترمذی، ابن حبان و حاکم۔

وحشی رحمۃ اللہ علیہ قاتل حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جسے ایک ہی مرتبہ ابتدائے اسلام میں صحبت سید اولین وآخرین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کا شرف نصیب ہوا۔ اویس قرنی سے جو خیر التابعین ہے افضل قرار پایا۔ اور وحشی کو حضور خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی اول صحبت میں جو کچھ میسر آیا، اویس قرنی کو اپنی خصوصیات کے باوجود انتہا میں میسر نہ ہوا۔ تو لازمی طور پر زمانوں میں بہترین زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ کلمہ ثُمَّ نے دوسروں کو پیچھے ڈال دیا ہے۔ اور ان کے درجے کی دوری کی طرف اشارہ کرتا ہے[1]۔

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک قدس سرہٗ سے سوال کیا: "امیر معاویہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز"؟ تو آپ نے جواب دیا "وہ غبار جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا وہ کئی مرتبے عمر بن عبدالعزیز سے افضل و بہتر ہے۔ تو ناچار ان حضرات کا سلسلہ سلسلۃ الذہب قرار پایا۔ اور اس طریقہ (نقشبندیہ) عالی کی فضیلت وبزرگی دوسرے تمام سلسلوں پر صحابہ کرام کے زمانے کی دوسروں کے زمانہ پر فضیلت کی طرح مضبوط دلائل سے ثابت ہو چکی ہے۔

وہ جماعت جسے آغاز ہی میں کمال فضل سے حصہ عطا کر دیا گیا ہو ان کے کمالات کی حقیقت پر دوسروں کا مطلع اور آگاہ ہونا مشکل ہے۔ ان کی نہایت تمام دوسروں کی نہایت سے فائق واعلیٰ ہے۔ ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

میرے باغ کی رعنائی سے میری بہار کی اچھائی کا اندازہ کر لو

---

[1] عن عمران بن حصین قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر امتی قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین امت میرے صحابہ ہیں۔ ان کے بعد بہترین وہ لوگ ہیں جن کا زمانہ ان سے ملتا ہے پھر ان کے بعد بہترین اُمت وہ لوگ ہیں جن کا زمانہ ان سے متصل ہے۔

تو کلمہ ثُمَّ نے جو اس حدیث میں وارد ہوا ہے دوسروں کے کام کو پیچھے ڈال دیا ہے۔ کیونکہ یہ کلمہ جس طرح تراخی زمانہ کے لیے آتا ہے تراخی مرتبہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

ع سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

یعنی سال کی خوبی اس کی بہار کے باعث ہے۔

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند فرماتے تھے ہمارا سب کام اللہ تعالیٰ کے فضل سے وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ بحرمت نبی قرشی علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا ہمیں اور تمہیں ان اکابر سے دوستی رکھنے والوں اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرنے والوں میں سے کرے۔

مکتوب نمبر (۶۷)

ایک محتاج آدمی کی سفارش کے بارے میں خان خاناں کی طرف صادر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ظاہرًا باطنًا حضور سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت پر ثابت وقائم رکھے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے جو اس پر آمین کہے۔

دو ضروری اور اہم کام بے اختیار آپ کو تکلیف دینے کا باعث بنے ہیں۔ ایک رنج و آزار کا گمان رفع کرنے کا اظہار۔ بلکہ آپ سے دوستی اور اخلاص کا ہونا۔ اور دوسرا ایک محتاج آدمی کی محتاجی کی طرف اشارہ جو فضیلت اور نیکی سے آراستہ ہے اور معرفت وشہود سے مزین ہے۔ جو نسب کے لحاظ سے کریم اور حسب کے اعتبار سے شریف ہے۔

مخدوم گرامی! اظہار حق میں قدرے تلخی ضرور ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ تلخی زیادتی اور کمی کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ بہت ہی بلند حوصلے والا سعادت مند ہونا چاہیے جو اس تلخی کو شہد کی طرح پی جائے اور ہل من مزید کہتا ہوا آگے بڑھے۔ حالات کا اختلاف امکان کی صفت کے لوازمات میں سے ہے۔ وہ جماعت جو تمکین واطمینان کے مقام تک پہنچی ہے دراصل تلوین واختلاف اس کی طبیعت وسرشت میں بھی ہوتا ہے۔ ممکن بے چارہ کبھی صفات جلالیہ کے غلبے کے نیچے مغلوب ہوتا ہے اور کبھی اس پر صفات جمالیہ کا حکم نافذ ہوتا ہے۔ نیز یہ ممکن کبھی قبض کا محل ہوتا ہے اور کبھی بسط کے مقام میں ہوتا ہے۔ اور ہر موسم ووقت کے احکام وتقاضے جدا ہوتے ہیں۔ کل وہ تھا، آج یہ ہے۔ حدیث میں ہے:

قلب المؤمن بین اصبعین من — مومن کا دل خدائے رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان

اصابع الرحمٰن، یقلبھا کیف یشاء۔ ہے۔ اسے جیسے چاہتا ہے پھیرتا ہے۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۶۸)

یہ مکتوب بھی خان خاناں کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ دولت مندوں کو تواضع اور انکساری زیب دیتی ہے اور فقراء کو بے نیازی

الخیر فیما صنع اللہ سبحانہٗ۔ بہتری اور خیر اسی میں ہے جو اللہ سبحانہ کرے۔

مخدوم گرامی! [۱]

من آنچہ شرط بلاغ است باتو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال!

تبلیغ کی شرط کے تحت جو کچھ ہے وہ میں نے تجھے کہہ دیا ہے۔ آگے میری باتوں سے نصیحت حاصل ہو یا رنج و ملال۔ (وہ تو جانے)

آپ کے تینوں خطوط سے بے نیازی ہی ٹپکتی تھی۔ اگرچہ آپ کا مقصود تواضع تھا۔ مثلاً آخری خط میں یوں تحریر تھا:

"بعد الحمد والصلوٰۃ عرض ہے کہ اس عبارت میں اچھی طرح غور کریں کہ اسے کہاں لکھا جائے"۔

یہ ٹھیک ہے کہ آپ نے فقراء کی خدمت بہت کی ہے۔ لیکن ساتھ ہی فقراء کے آداب کا لحاظ بھی ضروری ہے تاکہ اس پر ثمرہ اور نتیجہ برآمد ہو۔ اور اس کے بغیر تو خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔ یعنی کچھ فائدہ نہیں۔ ہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے متقی لوگ تکلف سے بری ہیں۔ لیکن متکبروں کے ساتھ تکبر کرنا بھی ایک قسم کا صدقہ اور نیکی ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کو ایک شخص نے متکبر کہا۔ آپ نے فرمایا میرا تکبر خدا کے لیے ہے اس گروہِ فقراء کو ذلیل خوار خیال نہ کریں۔ کیونکہ حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے:

رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ بہت سے پراگندہ بال گرد آلود دروازوں سے

---

[۱] مشکوٰۃ شریف، بحوالہ مسلم۔

لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ۔ دھکیلے جانے والے رب باطن میں ایسا بلند مقام

رکھتے ہیں، کہ اگر خدا پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی قسم پوری کرتا ہے۔

۵ اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

میں نے تیرے سامنے اپنا غم دل بہت تھوڑا بیان کیا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ تو دل آزردہ ہوگا ورنہ

باتیں بہت ہیں۔

آپ کے عزیز دوستوں اور مخلصوں کو چاہیے کہ سچائی اور حقیقتِ معاملہ کو سامنے رکھیں۔ اور جو کچھ آپ تک پہنچائیں صحیح اور درست پہنچائیں۔ اور جو مشورہ بھی آپ کو دیں اس میں آپ کی بھلائی کو مدنظر رکھیں، اپنی اغراض اور مصلحتوں کو سامنے نہ رکھیں کہ یہ سراسر خیانت ہے۔

بعض منافع اس سفر کے آپ کے لیے علت غائی کی حیثیت رکھتے تھے (مگر کیا کیا جائے)۔ اس عالم اسباب میں آپ کے "دوستوں اور مخلصوں" نے آپ کو نہ چھوڑا (تاکہ وہ منافع آپ تک پہنچتے) اس طرف سے کوتاہی کا خیال نہ کریں۔ اگرچہ یہ مقدمات (باتیں تلخی نما ہیں۔ لیکن آپ کی خوشامد و چاپلوسی کرنے والے بہت ہیں، آپ اسی پر اکتفا کریں۔ فقراء سے آشنائی اور ملاقات سے مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے پوشیدہ عیوب اور مخفی کمینی حرکات سے واقف اور مطلع ہو۔ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اس قسم کی باتوں سے آزار اور تکلیف دینا مقصود نہیں، بلکہ یہ باتیں خیر خواہی اور دلسوزی کے طور پر ہیں۔ آپ یقین کریں۔

خواجہ محمد صدیق اگر ایک روز پہلے آجاتا تو احتمال تھا کہ بندہ اپنے آپ کو آپ کی خدمت میں لے آتا۔ مگر وہ تو سرہند کے راستے میں ملا۔ لہٰذا معذور جانیں۔

الخیر فیما صنع اللہ سبحانہ۔ بہتری اسی میں ہے جو خدا تعالیٰ کرے۔

مکتوب نمبر (۶۹)

اس بیان میں کہ تواضع دارین کی بلندی کا باعث ہے۔ نیز اس بیان میں کہ نجات فرقہ ناجیہ اہل سنت وجماعت کی متابعت سے وابستہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۔

التفات نامہ گرامی جو آپ نے برادرِ عزیز مولانا محمد صدیق کے ہمراہ روانہ کیا تھا، موصول ہوا۔ آپ نے کرم فرمایا۔ جزاکم اللہ سبحانہ عنا خیر الجزاء۔

چونکہ آپ نے فقراء کے آداب کا لحاظ رکھا ہے اور باتوں میں تواضع اختیار کی ہے۔ اس کے مطابق

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ[1] جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اسے بلندی و رفعت عطا کرتا ہے۔

امید ہے کہ آپ کا یہ عجز و تواضع آپ کی دینی و دُنیوی رفعت کا سبب بنے۔ بلکہ بن چکا ہے۔ آپ کو بشارت ہو۔[2] چونکہ آپ درمیان میں رجوع اور انابت کے الفاظ لے آئے ہیں اس لیے یوں تصور کریں کہ آپ کا یہ رجوع درویشوں میں سے کسی درویش کے ہاتھ پر واقع ہو چکا ہے، لہٰذا اچھے نتائج و ثمرات کے منتظر رہیں۔ لیکن حتیٰ الامکان درویشوں کے حقوق و آداب کا لحاظ ضرور رکھیں۔

وصیتوں اور نصیحتوں میں سے کیا لکھے۔ اور علوم و معارف کا کیا اظہار کرے۔ علماء مجتہدین اور صوفیہ محققین شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے بسط و تفصیل کے ساتھ سب کچھ لکھ دیا ہے۔ کوئی کمی باقی نہیں چھوڑی۔ اور اس کم مایہ بندے کی تحریرات کا کچھ حصّہ بھی ظاہراً آپ کے دوستوں نے آپ کی خدمت میں پہنچا دیا ہے۔ آپ کی نظر شریف سے گزر چکا ہو گا۔

مختصر یہ کہ نجات کا راستہ اہلِ سنت و جماعت کی متابعت ہے۔ (اللہ تعالیٰ اس گروہ کو اور زیادہ کرے)۔ اقوال میں بھی، افعال میں بھی، اور اصول و فروع میں بھی۔ کیونکہ نجات پانے والا فرقہ صرف یہی ہے۔[3] باقی تمام فرقے زوال اور ہلاکت کے کنارے کھڑے ہیں۔ آج کسی کے علم میں یہ بات آئے یا نہ آئے۔ لیکن کل (قیامت) کو ہر ایک جان لے گا۔ مگر اس وقت جاننا بے سود ہو گا۔

اے اللہ! اس سے قبل کہ موت آ کر ہمیں جگائے اور ہوشیار کرے اس وقت بیداری اور ہوشیاری کی نعمت نصیب فرما۔

سیادت مآب سید ابراہیم آپ کے بلند آستانہ سے قدیمی تعلق و نسبت رکھتا ہے اور آپ کے

---

[1] ابو نعیم نے حلیہ میں اسنادِ حسن کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

[2] "لوح محفوظ است پیشِ اولیاء"۔ مترجم عفی عنہ۔

[3] آج فتنہ اور گمراہی کے تاریک دَور میں اہلِ اسلام پر لازم ہے کہ حضرت امام ربّانی رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے مسلک حقہ اہلِ سنت و جماعت پر قائم و ثابت رہیں۔ نجات یافتہ گروہ صرف یہی ہے۔ دوسرے تمام فرقے اس نعمت و سعادت سے محروم ہیں۔ مترجم عفی عنہ۔

دعاگوؤں میں شامل ہے۔ آپ کے ذمہ کرم پر لازم ہے کہ ان کی دستگیری فرمائیں۔ کہ اس فقر اور بڑھاپے کے وقت اپنے اہل وعیال میں فراغت وسکون سے اپنا وقت گذاریں اور آپ کے لیے دونوں جہان کی سلامتی کی دعا میں مشغول رہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۷۰)

اس بیان میں کہ انسان کی جامعیت راہِ راست سے اس کی دوری کا سبب بن جاتی ہے جس طرح یہی جامعیت اس کے قرب کا سبب ہے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

یہ مکتوب بھی خانِ خاناں کی طرف صادر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو شریعت حقہ مصطفویہ علیٰ اصاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے طریقہ پر قائم وثابت رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس بندے پر بھی رحم فرمائے جو اس پر آمین کہے۔

انسان کے لیے اس کی جامعیت جس طرح قربِ حق، بزرگی اور فضیلت کا موجب ہے اسی طرح اسے گمراہ اور جاہل رکھنے کا سبب بھی ہے۔ قرب کا سبب تو اس طرح ہے کہ انسان کا شیشۂ فطرت سب مخلوق کی نسبت کامل تر ہے۔ اور تمام اسماء وصفات بلکہ تجلیات ذاتیہ کے ظہور کی قابلیت بھی اس میں ہے۔ حدیث قدسی[1]:

لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَآءِيْ وَلٰكِنْ يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ۔ — میری وسعت نہیں رکھتے نہ میری زمین اور نہ میرا آسمان، بلکہ میری وسعت وگنجائش میرے بندہ مومن کا دل رکھتا ہے۔

میں اسی بیان کی طرف اشارہ ہے۔

اور راہِ راست سے اس کی دوری کا سبب جہان کی ہر شے کی طرف اس کا احتیاج ہے۔ کیونکہ انسان کے لیے ہر چیز درکار ہے۔

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ — اللہ تعالیٰ نے زمین میں سب کچھ تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔

[1] احیاء العلوم، طبرانی، دیلمی در مسند الفردوس بروایت انس رضی اللہ عنہ۔ وامام احمد از وہب بن منبہ بالفاظ مختلفہ۔

اس احتیاج کے سبب اسے ہر شے میں گرفتار ہونا پڑتا ہے۔ اور یہی گرفتاری اس کے بُعد اور اسے گمراہ کرنے کا باعث بن جاتی ہے ؎

پایہ آخر آدم است و آدمی گشت محروم از مقامِ محرمی
گر نہ گردد باز مسکیں زیں سفر نیست از وے ہیچکس محروم تر

انسان بلندی کے سب سے آخری مرتبہ پہ ہے لیکن انسان محرم راز ہونے کے مقام سے محروم ہو چکا ہے۔ اگر یہ مسکین اس (گرفتاری اشیاء) کے سفر سے واپس نہ لوٹا تو پھر اس سے زیادہ کوئی بھی محروم نہیں۔ پس تمام موجودات میں بہترین بھی انسان ہی ہے۔ اسی نوع انسانی میں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہیں جو رب العالمین کے حبیب ہیں۔ اور آسمانوں اور زمینوں کے رب کا دشمن ابوجہل لعین بھی اسی نوع میں سے ہوا ہے۔ تو لازمی بات ہے کہ جب تک انسان کو تمام گرفتاریوں سے نجات میسر نہ آئے سب عیوب و نقائص سے منزہ ذاتِ بحت حق تعالیٰ کی گرفتاری اور اس سے وابستگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ غیر حق میں گرفتاری خرابی ہی خرابی ہے لیکن بتقاضائے مالا یدرك کله لا یترك کله (جو چیز پوری طرح حاصل نہ ہو سکے اسے بالکل ہی ترک نہیں کرنا چاہیے) چند روزہ زندگی صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتحیۃ کی اتباع کے موافق بسر کرنا چاہیے۔ کیونکہ عذابِ آخرت سے نجات اور دائمی نعمتوں (جنت) کا حصول اسی اتباع کی سعادت سے وابستہ ہے۔

پس بڑھنے والے مال اور چر کر پیٹ بھرنے والے مویشیوں کی زکوٰۃ کما حقہٗ ادا کرتے رہیں۔ اور اس ادائے زکوٰۃ کو اموال اور مویشیوں میں دل نہ لگانے کا وسیلہ بنانا چاہیے۔ اور لذیذ کھانوں اور نفیس ملبوسات میں حظِ نفس ملحوظِ خاطر نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ کھانے پینے کی اشیاء میں ادائے طاعات کی نیت کے سوا اور کچھ نیت نہیں ہونی چاہیے۔ اور نفیس لباس مطلق آیۃ

خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ[1] یعنی اختیار کر و اپنی زینت ہر مسجد یعنی ہر نماز
اَیْ عِنْدَ کُلِّ صَلوٰۃٍ۔ کے وقت۔

حکم ربی کی زینت کے تحت پہننا روا ہے۔ اور کوئی نیت نہیں ہونی چاہیے۔ اور اگر حقیقت میسر آئے تو تکلف سے یہ نیت دل میں لانی چاہیے:

فَاِنْ لَّمْ تَبْکُوْا فَتَبَاکَوْا[2] اگر رونا نہ آئے تو رونے کی شکل ہی بنالو۔

---

[1] پارہ ولو اننا (۸) سورۂ اعراف۔

[2] شرح السنہ بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور ہمیشہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں التجا اور تضرع کرتے رہنا چاہیے تاکہ حقیقت نیت نصیب ہو اور تکلف سے نجات ملے۔ ؎

آنکہ دُرساختہ است قطرۂ بارانی را　　　می تواند کہ دہد اشک مرا حُسن قبول!

ممکن ہے کہ وہ ذات میرے آنسوؤں کو حُسن قبول کے شرف سے نواز دے جس نے بارش کے قطرے کو موتی کی صورت عطا کر دی ہے۔

اسی طرح تمام کاموں میں ان دیندار علماء کرام کے فتویٰ کے مطابق جنہوں نے عزیمت کا راستہ اختیار کر رکھا ہے اور رخصت سے اجتناب کرتے ہیں زندگی بسر کرنا چاہیے۔ اور اس کو نجات اُخروی ابدی کا وسیلہ قرار دینا چاہیے:

مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ　　　اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب کیوں دے گا جبکہ
شَکَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ[1]　　　تم لوگ شکر گذار اور مومن بنو۔

مکتوب نمبر (۱۷)

یہ مکتوب مرزا داراب ابن خان خاناں کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ نعمتوں سے مالا مال انسان پر نعمت فرمانے والے رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب و ضروری ہے۔ اور شکر کی ادائیگی صرف احکام شریعت کی بجا آوری کی صورت میں ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہاری تائید و نصرت فرمائے۔

نعمت والے پر نعمت عطا کرنے والے رب تعالیٰ کا شکر از روئے عقل و شرع ضروری ہے۔ اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ شکر کا وجوب نعمتوں کی مقدار کے مطابق ہوتا ہے۔ پس جس قدر نعمتیں زیادہ ہونگی شکر کا وجوب بھی زیادہ ہوگا۔ تو دولت مندوں پر ان کے درجات کے مطابق فقراء کی نسبت کئی درجے شکر کی ادائیگی ضروری ہے۔ لہٰذا اس اُمّت کے فقرا اغنیاء کی نسبت پانچ سو سال پہلے جنت میں چلے جائیں گے۔

اور نعمتیں عطا کرنے والے رب تعالیٰ کے ادائے شکر کا پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ اپنے عقائد فرقہ

---

[1] پارہ والمحصنت (۵) سورۂ نساء۔

ناجیہ اہل سنت وجماعت کی آرا کے مطابق صحیح اور درست رکھے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس بلند مرتبہ گروہ کے مجتہدین کی آرا کے مطابق احکام شریعہ بجا لاتا رہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ بلند درجہ گروہ صوفیہ کے سلوک کے موافق اپنے نفس کا تصفیہ اور تزکیہ کرے۔

اس آخری رکن کا وجوب درجہ استحسان میں ہے۔ بخلاف پہلے دو رکنوں کے۔ کیونکہ اصل اسلام پہلے دو رکنوں کے ساتھ وابستہ ہے، اور کمال اسلام تیسرے رکن سے متعلق ہے۔ اور وہ عمل جو ان تین ارکان کے خلاف ہے، اگرچہ ریاضات شاقہ اور مجاہدات شدیدہ کی جنس سے ہو، معصیت، نافرمانی اور حق تعالیٰ کی ناشکری میں داخل ہے۔

ہندو برہمنوں اور فلاسفۂ یونان نے کیا کم ریاضتیں اور مجاہدے کیے ہیں؟ لیکن چونکہ ان کی ریاضتیں انبیاء کرام (ان میں سب سے افضل نبی پر خصوصاً اور باقی پر عموماً اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور سلامتیوں کا نزول ہو) کی شریعتوں کے مطابق واقع نہیں ہوئیں، اس لیے سب مردود ہیں۔ اور یہ لوگ نجاتِ اُخروی سے محروم ہیں۔

تو تم پر ہمارے سردار و مولیٰ اور ہمارے گناہ بخشوانے والے اور ہمارے دلوں کے طبیب حضرت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اور حضور کے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی متابعت اور پیروی لازم و ضروری ہے۔

مکتوب نمبر ۲۷

خواجہ جہاں کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ دین و دنیا دونوں کا جمع کرنا دشوار و مشکل ہے۔ پس طالب آخرت کے لیے ترک دنیا کے بغیر چارہ نہیں۔ اور اگر ترک حقیقی میسر نہ آئے تو کم از کم ترک حکمی تو ضرور ہونا چاہیے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور عافیت عطا فرمائے۔

مَا اَحْسَنَ الدِّیْنَ وَالدُّنْیَا لَوِ اجْتَمَعَا — کیا ہی اچھا ہوتا اگر دین و دنیا دونوں اکٹھی ہو سکتیں

دین و دنیا دونوں کو جمع کرنا دو ضدوں کے جمع کرنے کے قبیلہ میں سے ہے۔ پس طالب آخرت کے لیے دنیا کو چھوڑنا ضروری ہے۔ اور جب اس وقت حقیقۃً ترک دنیا میسر نہیں بلکہ مشکل ہے۔ تو کم از کم ترک حکمی و صوری تو ضرور ہونا چاہیے۔

اور ترک حکمی سے یہ مراد ہے کہ دنیوی امور میں بندہ روشن شرع کے تقاضوں کے مطابق اس کے احکام کی پابندی کرے۔ اور کھانے پینے اور لباس وغیرہ میں حدود شرعیہ کی رعایت ملحوظ رکھے اور ان حدود سے تجاوز کرنے کو روا اور جائز نہ رکھے۔ اور سونے چاندی اور مال تجارت وغیرہ اور مویشیوں میں نصاب مکمل ہونے کی صورت میں فریضہ زکوٰۃ ادا کرے۔ جب احکام شرعیہ کی ادائیگی کے ساتھ انسان مزین و آراستہ ہوگیا تو دنیا کی مضرتوں سے نجات حاصل ہوگئی۔ اور دنیا آخرت کے ساتھ جمع ہوگئی۔ اور اگر اس طرح کا ترک حکمی بھی میسر نہ آئے تو ایسا شخص بحث سے خارج ہے اور منافق کے حکم میں ہے، جو صرف صورت ایمان رکھتا ہے۔ اور منافق کا ایمان آخرت میں کچھ نفع نہیں دے گا۔ ایسے آدمی کے ایمان کا نتیجہ اور ثمرہ صرف اس قدر ہے کہ دنیا میں اس کے مال اور اس کی جان کا تحفظ ہوجاتا ہے ؎

من آنچہ شرط بلاغ است با تو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال!

شرط تبلیغ کے تحت جو کچھ میرے ذمے تھا وہ میں نے تجھ سے کہہ دیا ہے۔ آگے میری باتوں سے تجھے چاہے نصیحت حاصل ہو چاہے رنج و ملال۔

دیکھیے! کون صاحب دولت ایسا نکلتا ہے جو اس دُنیوی کرّوفر اور ان نوکروں چاکروں اور ان لذیذ و چرب کھانوں اور لباسہائے فاخرہ امیرانہ کے باوجود کلمۂ حق قبول کر لینے والے کانوں کے ساتھ سنتا ہے ؎

گوشش از بارِ دُرگراں شدہ است   نشنود نالہ و فغان مرا

اس کے کان موتیوں کے بوجھ سے بھاری ہو چکے ہیں۔ لہٰذا میرے نالہ و فغاں کو کہاں سُن سکتے ہیں

اللہ تعالیٰ ہمیں اور نہیں سب کو شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت کی توفیق عطا کرے۔

باقی ایک لائق گزارش بات یہ ہے کہ میاں شیخ زکریا جو پہلے عہدہ تحصیلداری پر فائز تھا آج کل محبوس اور بند ہے۔ شومیٔ اعمال کے باعث مدت سے قید خانہ میں بند ہے۔ ضعف پیری تنگی معاش اور قید خانہ میں عرصہ سے پڑا رہنے کی وجہ سے بالکل تنگ اور پریشان ہے۔ اس نے مجھے لکھا تھا کہ لشکر میں آکر میری رہائی کی کوشش کریں۔ راستے کی لمبی مسافت وہاں تک آنے میں مانع ہوئی۔ برادر عزیز خواجہ محمد صادق آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے۔ ضرورت کے ان چند کلمات کی تکلیف دی ہے۔

امید ہے کہ اس بوڑھے اور ضعیف شخص کے بارہ میں توجہ عالی کریں گے۔ کیونکہ وہ عالم بھی ہے۔ اور اسے ضعف پیری بھی لاحق ہے۔ ——— والسلام اوّلاً و آخراً۔

مکتوب نمبر (۷۳)

دنیا اور اہل دنیا کی مذمت اور غیر نفع مند علوم کو حاصل کرنے کی برائی اور فضول مباحات سے بچنے اور خاصکر عنفوان جوانی میں خیرات اور اعمال صالحہ کی ترغیب و تحریض میں۔

قلیج اللہ بن قلیج خاں کی طرف صادر فرمایا۔

حق سبحانہ وتعالیٰ روشن شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات والتحیات الابدیہ و السرمدیہ کے طریقہ پر استقامت نصیب فرمائے۔

اے فرزند! دنیا آزمائش اور ابتلا کا مقام ہے۔ اس کے ظاہر کو مختلف ملمع سازیوں اور زینتوں سے آراستہ اور مزین کیا گیا ہے۔ اس کی صورت کو موہوم خال و خط اور زلف و رخسار سے خوبصورت کیا گیا ہے۔ دیکھنے میں شیریں اور طراوت و تازگی کا خیال آتا ہے۔ لیکن حقیقت میں عطر لگا ہوا مردار اور مکھیوں اور کیڑوں سے بھرا ہوا ٹٹی خانہ اور آب نما ریت اور زہر سے لبریز شکر ہے۔ اس کا باطن سراسر خراب اور ابتر ہے۔ اس کا معاملہ اپنے طالبوں کے ساتھ اس گندگی اور غلاظت کے ساتھ جس قدر تم برا خیال کر سکتے ہو اس سے بھی بدتر ہے۔ اس دنیا پر فریفتہ ہونے والا دیوانہ اور مسحور (جادو کیا ہوا) ہے۔ اس کا گرفتار مجنون اور فریب خوردہ ہے۔ جو اس کے ظاہر پر فریفتہ ہو گیا اور نقصان ابدی کے ساتھ داغدار ہو گیا۔ جس نے بھی اس کی حلاوت و طراوت پر نظر کی دائمی ندامت و شرمندگی اس کے حصہ میں آگئی۔ سرور کائنات حبیب رب العالمین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتحیات نے فرمایا ہے:

مَا الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ اِلَّا ضَرَّتَانِ	یعنی دنیا اور آخرت دو سوکنوں کی طرح ہیں۔
اِنْ رَضِيَتْ اِحْدٰهُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰى	اگر ایک راضی ہوتی ہے تو دوسری ناراض ہوتی ہے۔

تو جس نے دنیا کو راضی کیا اس سے آخرت ناراض ہو گئی۔ اور آخرت کی نعمتوں سے بے نصیب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں دنیا اور اہل دنیا کی محبت سے پناہ میں رکھے۔

لہ احمد، حاکم، طبرانی اور ابن حبان بالفاظ مختلفہ۔

اے بیٹے! تو کچھ جانتا ہے کہ دنیا کیا چیز ہے؟ دنیا وہ چیز ہے جو تجھے خدا تعالیٰ سے دُور کر دیتی ہے۔ لہٰذا بیوی، اولاد، مال وجاہ، سرداری اور لہو ولعب اور لایعنی چیزوں میں اشتغال سب دنیا میں داخل ہے (اگر خدا سے دور کر دے)۔ وہ علوم جو آخرت میں کام نہیں آئیں گے، وہ بھی دنیا میں داخل ہیں۔ اگر علم نجوم، منطق، ہندسہ اور حساب وغیرہ بے فائدہ علوم کا حاصل کرنا کارآمد چیز ہوتی تو فلاسفہ اہل نجات میں سے ہوتے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

علامۃ اعراضہ تعالیٰ عن العبد	اللہ تعالیٰ کے بندے سے اعراض کرنے کی علامت
اشتغالہ بما لا یعنیہ۔	یہ ہے کہ بندہ لایعنی کاموں میں مشغول ہو جائے

ہر چہ جز عشق خدائے احسن است
گر شکر خوردن بود جاں کندن است

خدائے احسن کے عشق ومحبت کے سوا جو کچھ بھی ہے چاہے شکر ہی کیوں نہ کھائی جائے اس میں بھی جان کی ہلاکت ہی ہے۔

اور وہ جو کہا گیا ہے کہ نماز کے اوقات معلوم کرنے کے لیے علم نجوم درکار ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس علم کے بغیر اوقات نماز کی پہچان نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اوقات نماز پہچاننے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ علم بھی ہے۔ ایسے بہت لوگ ہیں جو علم نجوم بالکل نہیں جانتے لیکن نماز کے اوقات ماہرین نجوم سے بھی بہتر جانتے ہیں۔ اسی کے قریب وہ وجہ ہے کہ جو علم منطق اور حساب وغیرہ جن کی بعض علوم شرعیہ میں ضرورت پڑتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بہت سے تکلفات اور تمحلات اختیار کر کے ان علوم میں مشغول ہونے کا جواز نکلتا ہے۔ ان علوم کے پڑھنے اور حاصل کرنے سے اگر مقصود صرف احکام شرعیہ کی معرفت اور علم کلام کی دلیلوں کی تقویت ہو تو صرف اس قصد کے تحت ان علوم کے حصول کا جواز ہے۔ ورنہ ان کی تحصیل اور ان کا پڑھنا پڑھانا جائز ہی نہیں۔ انصاف کرنا چاہیے کہ اگر ایک امر مباح کا ارتکاب بہت سے واجب امور کے فوت ہو جانے کا باعث بنتا ہو وہ حد جواز سے خارج ہو جائے گا یا نہیں۔ یعنی ضرور

۱؎ عارف رومی فرماتے ہیں: چیست دنیا از خدا غافل شدن۔

۲؎ علی متقی نے جوامع الکلم میں اور ابن حجر نے شرح اربعین میں اور ترمذی وابن ماجہ نے بالفاظ مختلفہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

خارج ہو جائے گا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان علوم میں مشغولیت بہت سے ضروری شرعی علوم کے حصول و اشتغال کو فوت کر دیتی ہے۔

اے فرزند! حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے محض اپنی عنایت بے غایت سے تجھے ابتدائے جوانی میں ہی توبہ کی توفیق نصیب فرمائی تھی۔ اور اس سلسلہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے درویشوں میں سے ایک درویش کے ساتھ رجوع کی نعمت عطا فرمائی تھی۔ میں نہیں جانتا کہ نفس و شیطان نے تجھے اس توبہ پر قائم و ثابت رہنے دیا یا نہیں۔ توبہ پر استقامت مشکل ہی نظر آتی ہے۔ آپ کا آغازِ جوانی کا وقت ہے۔ تمام دنیوی اسباب و وسائل مہیا ہیں۔ اور نامناسب و ناپسندیدہ ہمنشین اور ساتھی بھی آپ کے اردگرد جمع ہیں ؎

ہمہ اندر زمن بتو این است   کہ تو طفلی و خانہ رنگین ست

(میری طرف سے تجھے ساری نصیحت یہی ہے کہ تو بچہ ہے اور مکان بڑا رنگین اور خوشنما ہے (کہیں اس کے نقش و نگار میں کھو کر مقصد کو ہی نہ بھول جائے)

اے فرزند! کرنے کا کام یہی ہے کہ انسان فضول مباحات سے بھی بچے اور مباحات میں سے صرف قدر ضرورت پر اکتفا کرے۔ وہ بھی اس نیت سے کہ وظائف بندگی ادا کرنے کی ہمت و طاقت بحال اور موجود رہے۔ مثلاً خوراک سے مقصود ادائے طاعات کی قوت ہے۔ اور لباس سے ستر شرمگاہ اور گرمی و سردی کا دفاع ہے۔ اسی قیاس پر باقی مباحات ضروریہ ہیں۔ اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے عزیمت کو اپنا معمول بنایا ہے اور رخصت سے حتی الامکان اجتناب کیا ہے۔ اور یہ بھی عزیمت میں داخل ہے کہ بقدر ضرورت پر اکتفا کی جائے۔ اور اگر عزیمت کی یہ دولت میسر نہ ہو تو مباحات کے دائرہ سے قدم باہر نہیں رکھنا چاہیے۔ اور حرام اور مشتبہ امور کا مرتکب نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مباحات کے اندر ہی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں کو اتم و اکمل طور پر جائز قرار دے دیا ہے اور اسی دائرہ کو بہت وسیع کر دیا ہے۔ تمام تنعمات سے قطع نظر کونسی آسائش اس کے برابر ہو سکتی ہے کہ اس کا مولیٰ اس کے اعمال پر راضی اور خوش ہو جائے۔ اور کونسی سختی اس کے برابر ہو سکتی ہے کہ انسان کا آقا اس کے اعمال سے ناراض اور ناخوش ہو۔ خدا تعالیٰ کی رضا جنت میں جنت سے بہتر ہے اور دوزخ میں اللہ کی ناراضگی نار دوزخ سے بُری ہے۔

یہ انسان بندہ محکوم ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کا پابند ہے۔ اسے شتر بے مہار کی طرح

کھلا نہیں چھوڑا گیا کہ جو دل میں آئے کرے۔ غور و فکر سے کام لینا چاہیے۔ اور عقل دور اندیش سے سوچنا چاہیے۔ ورنہ کل قیامت کو سوائے ندامت اور خسارہ کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ کام کرنے کا وقت یہی جوانی کا موسم ہے۔ جوانمرد وہی ہے جو اپنا وقت ضائع نہ کرے۔ اور فرصت کے لمحات کو غنیمت جانے۔ ممکن ہے کارکنان قضا و قدر اسے بڑھاپے تک دنیا میں نہ رہنے دیں۔ اور اگر بڑھاپے تک عمر وفا بھی کرے تو شاید اس وقت دل جمعی اور سکون نصیب نہ ہو۔ اور اگر اس وقت سکون میسر بھی ہو تو وہ ضعف اور پیری کا وقت ہے، کام کچھ نہیں ہو سکے گا۔ اس وقت جبکہ دل جمعی اور سکون کے اسباب مہیا ہیں، اور والدین کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات میں ہے کہ فکر معاش ان کے سر پر ہے۔ اور فرصت کا موسم ہے اور قوت و استطاعت کا زمانہ ہے۔ تو پھر کس عذر کے تحت آج کا کام کل پر ڈالا جائے۔ اور "اچھا کل کریں گے" پر عمل کیا جائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

هَلَكَ الْمُسَوِّفُوْنَ [1] ہلاک ہو گئے وہ لوگ جو کہتے ہیں عنقریب ہم یہ کام کریں گے۔ یعنی آج کا کام کل پر ڈالنے والے۔

ہاں، اگر کمینی دنیا کے کام کل پر ڈالیں اور آخرت کے کاموں کو آج سرانجام دیں تو یہ بہت ہی بہتر ہے جس طرح اس کا الٹ نہایت قبیح ہے۔ اس آغاز جوانی کے وقت میں کہ دشمنوں یعنی نفس اور شیطان کا غلبہ ہے تھوڑے عمل کا اس قدر اعتبار اور اس قدر وقعت ہے کہ دشمنوں کے غلبہ نہ ہونے کے وقت کئی گنا زیادہ عمل کا بھی اتنا اعتبار اور اتنی قدر و قیمت نہیں۔ فوجی قاعدہ اور دستور کے مطابق دشمنوں کے غلبہ کے وقت سپاہیوں کی کارگزاری کی بڑی قدر ہوتی ہے اور ان کا تھوڑا سا تردد بھی بڑی وقعت اور نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اور دشمنوں سے امن و امان کے وقت وہ قدر و قیمت نہیں ہوتی۔

اے فرزند! پیدائش انسانی سے مقصود جو خلاصۂ کائنات ہے، لہو و لعب اور کھانا اور سونا نہیں۔ بلکہ انسانی خلقت و پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ بندہ وظائف بندگی ادا کرے۔ اور ذل و انکسار، عجز و محتاجی اور ہمیشہ جناب قدس خداوندی جل سلطانہ میں التجا اور تضرع کا تعلق قائم رکھے۔

وہ عبادات جو شرع محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان کی ہیں۔ اور ان عبادات سے مقصود بھی

---

[1] دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت بالفاظ التسویف شعار الشیطان یلقیہ فی قلب المؤمن اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بالفاظ ایاک والتسویف بالتوبۃ نقل کی۔ اور امام بخاری نے تاریخ میں حضرت عکرمہ سے بطریق ارسال روایت کی۔ اور خطیب نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بالفاظ لعن اللہ المسوفات روایت کی۔ مترجم عفی عنہ

بندوں کے منافع اور مصالح ہیں۔ اور جناب قدس خداوندی عزشانہ کی طرف کوئی نفع عائد نہیں ہوتا۔ ان سب کو جان و دل سے ممنون ہو کر ادا کرنا چاہیے اور پوری تسلیم و اطاعت سے تمام ماموراتِ کی فرمانبرداری اور تمام ممنوعات سے رکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے کامل بے نیازی کے باوجود اپنے بندوں کو ماموراتِ اور ممنوعات سے سرفراز فرمایا ہے۔ ہم محتاجوں کو اتم طریقہ پر اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے اور پوری احسان مندی کے ساتھ احکام کی فرماں برداری میں کوشاں رہنا چاہیے۔

وہ فرزند جانتا ہے کہ اگر اہل دنیا میں سے ظاہری شوکت و مرتبے والا شخص اپنے ماتحت متعلقین میں سے کسی کو کسی خدمت کے ساتھ سرفراز کرے اور اس خدمت میں خدمت سپرد کرنے والے صاحب شوکت شخص کا نفع بھی ہو تو یہ ماتحت انسان اس کے حکم کو کس قدر عزیز خیال کرتا ہے۔ اور جانتا ہے کہ ایک عظیم القدر شخص نے اسے اس خدمت پر مامور کیا ہے۔ تو یہ ماتحت انسان پوری احسان مندی کے ساتھ اس خدمت کو بجالائیگا۔ تو بڑے تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ خداوند تعالیٰ جل سلطانہ کی عظمت اس دنیادار شخص کی عظمت سے بھی نظر میں کم محسوس ہو کہ خدا تعالیٰ کے احکام اور اس کے وظائف بندگی کی ادائیگی میں کوشش نہ کی جائے۔ شرم آنی چاہیے۔ اور خواب خرگوش سے بیدار ہونا چاہیے۔

خدا تعالیٰ جل سلطانہ کے احکام بجا نہ لانا دو وجہ سے ہوتا ہے۔ یا تو اس بنا پر کہ اخبارات شرعیہ کو جھوٹا خیال کیا جائے۔ اور ان پر یقین نہ ہو اور یا اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ و تقدس کے حکم و فرمان کو دنیاداروں کے حکم سے بھی حقیر اور کم تر خیال کیا جائے۔ اس صورت حال کی شناعت اور بُرائی آپ خود ملاحظہ کریں۔

اے فرزند! جس شخص کے جھوٹ کا بارہا تجربہ ہو چکا ہو وہ اگر یہ اطلاع دے کہ فلاں قوم پر ان کے دشمن فلاں رات شب خون ماریں گے۔ تو اس قوم کے عقل مند لوگ اپنی حفاظت کے لیے چارہ جوئی کریں گے اور مصیبت کے دفاع کی فکر کریں گے۔ باوجودیکہ جانتے ہیں کہ اطلاع دینے والا شخص جھوٹ بولنے کا عادی ہے۔ لیکن پھر بھی کہتے ہیں کہ عقلمندی یہی ہے کہ خطرے کے وہم سے بھی پرہیز کرنا اور بچنا ضروری ہے۔ (اس بات پر قیاس کرتے ہوئے جاننا چاہیے کہ) مخبر صادق جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ نے پورے مبالغے کے ساتھ عذابِ اُخروی کے بارے میں خبر دی ہے۔ لیکن آپ کی باتوں سے بالکل متاثر نہیں ہوتے کیونکہ اگر متاثر ہوتے تو اس کے ازالے کی فکر کرتے۔ حالانکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کا علاج بھی معلوم کر چکے ہیں۔ تو یہ کیا ایمان ہوا کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر کو جھوٹے آدمی کی خبر جتنی

اہمیت بھی نہ دی جائے۔ اسلام کی صرف رسمی صورت نجات کے لیے کافی نہیں، یقین درکار ہے۔ اور یقین کہاں ہے بلکہ وہم بھی نہیں۔ کیونکہ عقلمند لوگ خطرے کے مقامات میں وہم کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کلام مجید میں فرماتا ہے۔

وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ؁ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔

اس ارشادِ خداوندی کے باوجود لوگ اعمال قبیحہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اگر یہ جانتے ہوں کہ ایک ادنیٰ اور حقیر شخص ان کے اعمال قبیحہ سے باخبر ہے تو ہرگز یہ بُرے اعمال اس کے سامنے نہ کریں۔

ایسے لوگوں کا حال دو حالتوں سے خالی نہیں۔ یا تو اللہ تعالیٰ کے علم کا ان کو یقین نہیں۔ یا اللہ تعالیٰ کے مطلع ہونے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ تو ایسا کردار ایمان میں داخل ہے یا کفر سے تعلق رکھتا ہے۔

تو اس فرزند پر لازم ہے کہ نئے سرے سے ایمان کی تجدید کرے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

جدّدوا ایمانکم بقول لا الٰہ الا اللّٰہ ؁ کلمہ لا الٰہ الا اللہ سے اپنے ایمان کو تازہ کرو۔

اور اعمال ناپسندیدہ سے توبہ خالص کا اعادہ کرنا چاہیے۔ وہ امور جن سے روکا گیا ہے اور جو شرع میں حرام ہیں ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔ پانچ وقت کی نمازیں باجماعت ادا کریں۔ اگر قیام لیل اور نماز تہجد بھی میسر آئے تو زہے سعادت۔

مال زکوٰۃ ادا کرنا بھی ارکان اسلام میں سے ہے اسے بھی ضرور ادا کیا جائے۔ ادائیگی زکوٰۃ کا آسان طریقہ یہ ہے کہ سال کے اندر فنڈ زکوٰۃ کے طور پر جو حصہ فقراء کا بنتا ہے اسے باقی مال سے الگ کر لے۔ اور ذہن میں رکھے۔ اور سارا سال مصارفِ زکوٰۃ میں ادا کرتا رہے۔ اس طرح ہر بار دیتے وقت نئی نیت کی ضرورت نہیں۔ جدا کرتے وقت جو نیت کی تھی وہی کفایت کرے گی۔ اور اس کا اندازہ تو آپ کو ہوگا ہی کہ سارا سال فقراء اور مستحقین پر آپ کتنا خرچ کرتے ہیں۔ لیکن جو مال بہ نیت زکوٰۃ ادا نہ کیا جائے وہ زکوٰۃ میں شمار نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہماری بیان کردہ صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اور کافی مقدار میں مال زکوٰۃ نکالنے سے خلاصی ہو جاتی ہے۔ اور بالفرض متفرق طور پر زکوٰۃ کا مال سارے سال میں ادا نہ ہو تو بچا ہوا زکوٰۃ کا روپیہ الگ رکھیں اور ادا کریں۔ اسی طرح ہر سال کرتے رہیں۔ فقراء کے لیے مال زکوٰۃ جو الگ کیا گیا اگر اس وقت اس کی ادائیگی نہ ہو سکے ممکن ہے کل ہو جائے۔

اے فرزند! جبکہ نفس فطرتاً سخت بخیل اور کنجوس ہے، اور احکام خداوندی جل سلطانہٗ کی ادائیگی

۱؎ سورۂ حجرات، پارۂ حٰم (۲۶)

۲؎ احمد وطبرانی بالفاظ مختلفہ۔

میں سرکشی واقع ہوا ہے۔ اس لیے تاکید و مبالغہ کے طور پر یہ الفاظ لکھے گئے ہیں۔ ورنہ فی الحقیقت تمام اموال و املاک کا مالک حق سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ کس کی مجال ہے کہ ادائیگی میں دیر کر سکے۔ لہٰذا پوری اللہ تعالیٰ کی پوری احسان مندی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کیا کریں۔ اسی طرح باقی تمام عبادات میں کسی طور پر بھی اپنے آپ کو معاف اور مستثنیٰ قرار نہ دیں اور حق العباد کی ادائیگی میں تو بہت زیادہ توجہ مبذول کرنی چاہیے اور پوری کوشش کرنی چاہیے کہ کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رہے۔ دنیا میں اس حق کی ادائیگی آسان ہے۔ نرمی اور چاپلوسی سے بھی دوسرے کا حق رفع ہو سکتا ہے (کہ اس کی منت خوشامد کر لی جائے)۔ آخرت میں مشکل ہے وہاں ادائیگی کا کچھ علاج نہ ہو سکے گا۔

احکام شرعیہ کی صحیح نوعیت علمائے آخرت سے معلوم کیا کریں۔ ان کے کلام میں ایک تاثیر ہے۔ شاید ان کے مبارک کلمات کی برکت سے عمل کی توفیق بھی مل جائے۔

علمائے دنیا سے جنہوں نے علم کو مال وجاہ کے حصول کا ذریعہ بنا رکھا ہے دور رہنا چاہیے۔ مگر جبکہ متقی اور پرہیزگار عالم نہ ملے تو ضرورت کے تحت بقدر ضرورت علمائے دنیا کی طرف رجوع کیا جائے۔ وہاں آپ کے پاس حاجی محمد اُترہ دیندار علماء میں سے ہیں۔ اور یہاں شیخ علی اُترہ سے تو آپ کی شناسائی بھی ہے غرضیکہ یہ دونوں حضرات ان علاقوں میں غنیمت ہیں۔ مسائل شرعیہ کی تفتیش میں ان کی طرف رجوع کرنا بہت مناسب ہے۔

اے فرزند! ہم فقراء کو ابنائے دنیا سے کیا تعلق و مناسبت کہ ان کی اچھی و بری بات زبان پر لائیں اس باب میں نصائح شرعیہ اتم و اکمل طریقہ پر وارد ہو چکی ہیں۔ فللہ الحجۃ البالغۃ (اللہ ہی کے لیے مکمل حجت ہے۔

لیکن اُس فرزند یعنی تم نے فقراء کی طرف رجوع کیا تھا۔ اس مناسبت کے باعث اکثر اوقات دل کی توجہ اُس فرزند کی طرف مبذول رہتی ہے۔ اور وہی توجہ اس گفتگو کا بھی باعث اور سبب ہے۔ میرا یقین ہے کہ ان نصائح اور مسائل میں سے اکثر تمہارے کان تک پہنچ چکی ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ مقصود عمل ہے، صرف علم مقصود نہیں۔

بیمار اگر اپنے مرض کا علاج جانتا ہو، جب تک دوا استعمال نہیں کرے گا صحت نہیں ہو گی۔ دوا کا صرف علم کچھ فائدہ نہ دے گا۔ یہ سب تاکید و مبالغہ ترغیب عمل کے لیے ہے۔ علم ان پر حجت مکمل کر دیتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

ان اشد الناس عذابا یوم القیمۃ قیامت کے روز سب لوگوں سے زیادہ عذاب

عالم لم ینفعه الله بعلمه[1] ۔ اس عالم کو ہوگا جسے اللہ نے اس کے علم سے نفع نہ دیا۔

وہ فرزند جانتا ہے کہ سابقہ رجوع نے اہل اللہ کی صحبت کم نصیب ہونے کے باعث کوئی نتیجہ نہیں نکالا۔ لیکن اس فرزند کے جوہر استعداد کی نفاست سے ضرور خبردار کرتی ہے۔ امید ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس رجوع کی برکت سے اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق بخشے گا اور اہل نجات میں سے کرے گا۔

بہرحال[2] اس گروہ اہل اللہ سے اپنا رشتہ محبت نہ توڑے اور ان پاک لوگوں کے حضور میں التجا اور عاجزی کو اپنا شعار اور دستور بنا رکھے۔ اور منتظر رہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس گروہ اہل اللہ کی محبت وعقیدت کے وسیلہ سے اپنی محبت سے مشرف فرمائے اور پوری طرح اپنی طرف کھینچ لے۔ اور ان دنیوی تعلقات کے خرخشوں سے پورے طور پر نجات عطا کرے۔

عشق آں شعلہ ست کو چوں برفروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتل غیر حق براند! در نگر زاں پس کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ سوخت شاد باش اے عشق شرکت سوز زفت

عشق وہ شعلہ ہے کہ جب روشن ہوا تو اس نے معشوق کی ہستی کے سوا باقی سب کچھ جلا کر رکھ دیا۔ غیر حق کو قتل کرنے کے لیے اس عشق نے تلوار چلائی تو دیکھو کہ لا کے بعد کیا باقی رہا۔ صرف الا اللہ باقی رہا اس ذات کے علاوہ سب کچھ ختم ہوگیا۔ اے مضبوط طریقہ پر شرکت کو جلا دینے والے عشق، تو ہمیشہ خوش رہ۔

مکتوب نمبر (۷۴)

فقرا (اہل اللہ) کی محبت پر ابھارنے، ان کی طرف متوجہ رہنے اور صاحب شریعت علیہ

---

[1] ابن عساکر از ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور طبرانی نے صغیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن عدی اور حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کو نقل کیا۔ بالفاظ مختلفہ۔ (مترجم عفی عنہ)

[2] جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں اور اس کا پرچار کرتے ہیں کہ بزرگوں سے عقیدت ومحبت اور ان کا وسیلہ کوئی چیز نہیں ان کو حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ پر غور کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ صحیح عقیدہ کی نعمت عطا فرمائے۔ (مترجم عفی عنہ)

وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع و پیروی کی نصیحت کے بیان میں۔

میرزا بدیع الزمان کی طرف صادر فرمایا۔

آپ کا مراسلہ شریفہ اور مفاوضہ لطیفہ وارد ہوا۔ حَمْدًا لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ۔ کہ اس کے مضمون معانی سے فقراء سے محبت اور درویشوں کے ساتھ عقیدت و توجہ ظاہر ہو رہی تھی جو تمام سعادتوں کا سرمایہ ہے

اِنَّھُمْ جُلَسَاءُ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ۔	بیشک اللہ تعالیٰ کے بندے اللہ کے ہمنشین ہیں
وَھُمْ قَوْمٌ لَّا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ۔ [1]	یہ ایسے بابرکت لوگ ہیں کہ ان کا ہمنشین بدبخت نہیں۔
وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِیْكِ الْمُھَاجِرِیْنَ [2]	اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ علیٰ آلہ وسلم فقراء مہاجرین کے طفیل اور وسیلہ سے کفار پر نصرت و کامیابی طلب کرتے تھے۔
وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ فِیْ شَانِھِمْ رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ۔ [3]	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل اللہ کی شان میں فرمایا: بہت سے پراگندہ بال دروازوں سے دھکیلے جانے والے اگر اللہ پر کسی کام کی قسم کھالیں تو وہ ان کی قسم پوری کرتا ہے۔

اے سعادت آثار! آپ کے مکتوب گرامی میں میرے متعلق ایک فقرہ یہ تھا خدیو نشأتین یعنی مالک دو جہان۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ صفت ذات حضرت واجب الوجود کے ساتھ خاص ہے، جل سلطانہٗ۔ بندہ مملوک جو کسی شئے پر قادر نہیں۔ اس کے لیے کہاں گنجائش ہے کہ کسی بھی وجہ سے اپنے خداوند جل سلطانہٗ کے ساتھ شراکت ڈھونڈے اور اپنے خدا ہونے کے راستے پر دوڑ پڑے۔ خاص کر

---

[1] یہ مضمون بخاری و مسلم کی اس حدیث سے ماخوذ ہے وانا معہ اذا ذکرنی "اور جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں"۔ اور اللہ کا بندہ کسی وقت بھی یادِ حق سے غافل نہیں ہوتا۔

[2] بخاری و مسلم بالفاظ متفاوتہ۔ [3] مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنۃ۔

[4] مسلم شریف بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[5] حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے یہ احادیث یہاں نقل فرما کر دراصل اس مسئلے کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اولیاء کرام کو وسیلہ جاننے کا عقیدہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل سے ثابت ہے۔ اور اس عقیدہ کو شرک و بدعت قرار دینا گمراہی ہے۔ منکرین وسیلہ غور فرمائیں۔ (مترجم عفی عنہ)

آخرت کے جہان میں جہاں مالکیت اور ملکیت کیا حقیقی اور کیا مجازی ذات مالک یوم الدین کے ساتھ خاص ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ندا فرمائے گا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ۔ یعنی آج سلطنت کس کی ہے؟ اور خود ہی جواب میں فرمائے گا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ یعنی صرف اللہ واحد قہار کے لیے ہے۔ اس روز بندوں کے لیے دہشت اور خوف کے سوا کچھ ثابت نہیں ہوگا اور حسرت وندامت کے سوا کچھ متصور نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے قرآن مجید میں اس روز کی شدت وسختی اور اس دن کے مخلوق کے انتہائی اضطراب سے خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے:

اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ۔	بیشک قیامت کے دن کا زلزلہ عظیم شے ہے
يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ	اس روز تم دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی
عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ	اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی۔ اور
حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ	ہر حاملہ عورت اپنا حمل گرا دے گی۔ اور تم لوگوں
سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ	کو بیہوشی کی حالت میں دیکھو گے وہ فی الحقیقت
عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝	بیہوش نہیں ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب
(پ۱۷۔ سورہ حج)	بڑا سخت ہے۔

ے

دراں روز کز فعل پرسند وقول	اولوا العزم را دل بلرزد ز ہول
بجائیکہ دہشت برند انبیاء	تو عذر گنہ را چہ داری بیا

اس روز جبکہ قول وفعل سے باز پرس ہوگی، اولوا العزم انبیاء کرام کا دل بھی خوف سے لرز رہا ہوگا۔ وہ جگہ جہاں انبیاء پر بھی دہشت طاری ہوگی تو بتا اپنے گناہوں کا کیا عذر پیش کرے گا۔

ایک ضروری نصیحت یہ ہے کہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی اتباع اپنے اوپر لازم پکڑو۔ اس کے بغیر نجات محال ہے۔ اور دنیا کی زیبائش وآرائش کی طرف مطلقاً التفات اور توجہ نہ کرو۔ اور اس کے ہونے نہ ہونے کو کچھ اہمیت نہ دو۔ کیونکہ دنیا اللہ سبحانہ کی نظر میں مبغوض ومردود ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کچھ قدر ومنزلت نہیں۔ لہٰذا بندوں کو چاہیے کہ دنیا کے ہونے کی نسبت نہ ہونے کو بہتر جانیں۔ اور دنیا کی بے وفائی اور اس کے جلد فنا ہو جانے کا قصہ مشہور بلکہ مشاہدے میں آچکا ہے۔ تم دنیا چاہنے والے ان لوگوں کے حال سے عبرت پکڑو جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں سید المرسلین علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کی توفیق عطا کرے۔

مکتوب نمبر (۷۵)

یہ مکتوب بھی میرزا بدیع الزمان کی طرف صادر فرمایا۔

حضور سید کونین علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی پر ابھارنے کے بیان میں۔ اولاً تصحیح عقائد کے ساتھ اور ثانیاً فقہ کے ضروری احکام کے ساتھ۔ اور اس بات کے بیان میں کہ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ سے اس کی ذات کو بوسیلہ یا بے وسیلہ طلب کرنا چاہیے۔

اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ تمہیں سلامتی اور عافیت عطا کرے۔

سعادت دارین کی دولت سید کونین علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی اس متابعت پر موقوف ہے جس کی وضاحت اور جو طریقہ علمائے اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے بیان کیا ہے۔ سب سے پہلے ان اہل سنت بزرگوں کی آراء کے مطابق اپنے عقائد کی درستی ہے۔ دوسرے نمبر پر حلال و حرام، فرض و واجب، سنت و مستحب اور مباح و مشتبہ کا علم حاصل کرنا چاہیے۔ اور اس علم کے تقاضے کے مطابق عمل بھی درکار ہے۔

یہ دو اعتقادی اور عملی بازو حاصل کر لینے کے بعد اگر سعادت ازلی مدد فرمائے تو عالم قدس کی طرف پرواز میسر آسکتی ہے۔ اور اس کے بغیر خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے کمینی دنیا اس لائق نہیں کہ اسے اپنا مطلوب بنالیں۔ اور نہ مال وجاہ کو یہ حیثیت حاصل ہے کہ اسے اپنے مقاصد قرار دے لیا جائے بلند ہمت ہونا چاہیے اور حق تعالیٰ کی ذات سے بے وسیلہ یا با وسیلہ اسی کی ذات کو طلب کرنا چاہیے۔ ع

کار این ست و غیر ایں ہمہ ہیچ

اصل کام یہی ہے، اس کے سوا سب ہیچ ہے۔

جب تم نے پوری توجہ اور اخلاص کے ساتھ ہم سے دعا کی درخواست کی ہے تو آپ کو بشارت ہو کہ آپ باسلامت اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹیں گے۔ لیکن ایک شرط خاص طور پر ملحوظ رکھیں کہ قبلہ توجہ صرف ایک ذات ہونی چاہیے (اپنا مرشد کامل)۔ اپنے قبلہ توجہ متعدد افراد کو قرار دینا اپنے آپ کو تفرقے اور انتشار کا شکار کرنا ہے۔ مشہور مثل ہے:

"ہر کہ یک جا ہمہ جا و ہر کہ ہمہ جا ہیچ جا"

یعنی جو ایک جگہ قائم ہے ہر جگہ ہے اور جو ہر جگہ ہے ایک جگہ بھی نہیں

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی راہ پر استقامت عطا فرمائے۔ ان تمام پر جو متبع ہدایت ہیں اور مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتحیات کی متابعت کو لازم جانتے ہیں، سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔

مکتوب نمبر (۷۶)

قلیج خاں کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ ترقی ورع اور تقویٰ سے وابستہ ہے۔ اور فضول مباحات کو ترک کرنے کی ترغیب میں۔ اور اگر یہ میسر نہ ہو تو حرام چیزوں سے بچتے ہوئے فضول مباحات کے دائرے کو تنگ تر رکھنا چاہیے۔ اور اس امر کے بیان میں کہ حرام اشیاء سے بچنا دو قسم ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ۔ وَبِهٖ نَسۡتَعِيۡنُ۔ "ہم اللہ تعالیٰ ہی کے نام سے شروع کرتے ہیں اور اسی سے مدد کے طلبگار ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ہر عیب سے بچائے اور ہر داغدار کرنے والی شے سے محفوظ رکھے بطفیل حرمت سید البشر جن سے کجی نظر کی نفی ہو چکی ہے۔ علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات اکملہا ومن التسلیمات افضلہا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهٰىكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا[1] — جو چیز تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے رُک جاؤ۔

نجات کا دارومدار دو چیزوں پر ہے۔ اوامر کی بجا آوری اور ممنوعات سے باز رہنا۔ اور ان دو میں جزاخیر کو زیادہ اہمیت و عظمت حاصل ہے، جسے ورع اور تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حدیث میں وارد ہے:

ذُکرَ رجل عند رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم بعبادۃ و اجتہاد و ذکر آخر بورعہ فقال[2] — حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا جو عبادت گزار تھا اور اوراد و وظائف میں بہت کوشش

---

[1] سورہ حشر۔ پارہ قد سمع اللہ (۲۸)۔

[2] ترمذی شریف بروایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باسناد حسن۔

النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ وسلم لا تعدل بالرعۃ شیئا یعنی الورع۔ کرتا تھا۔ اور ایک دوسرے کا ذکر کیا گیا جو ورع سے موصوف تھا یعنی خلاف شرع امور سے بچتا تھا۔ تو آپ نے فرمایا ورع کے برابر کسی شے کو نہ سمجھو۔

اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بھی ارشاد ہے:

مِلَاکُ دِیْنِکُمُ الْوَرَعُ تمہارے دین کا دارومدار ورع وتقویٰ پر ہے۔

اور انسان کو فرشتے پر فضیلت اس ورع وتقویٰ کے سبب ہے اور مدارج قرب کی طرف ترقی بھی اس دوسرے جزء ورع وتقویٰ کے باعث ہے۔ کیونکہ ملائکہ جزء اول (عبادت) میں انسان کے ساتھ شریک ہیں۔ مگر ان میں ترقی مفقود ہے۔ پس ورع وتقویٰ کے جزء کی رعایت اسلام میں سب سے اعلیٰ ترین مقاصد میں سے ہے اور دین کے نہایت ضروری امور میں داخل ہے۔ اور اس جزء کی رعایت جس کا مدار حرام چیزوں سے بچنے پر ہے، کامل طور پر اسی وقت میسر آسکتی ہے جبکہ فضول مباحات سے بھی اجتناب کیا جائے اور مباحات میں سے بقدر ضرورت پر کفایت کی جائے۔ کیونکہ ارتکاب مباحات میں باگ کا ڈھیلا کرنا مشتبہ امور کے ارتکاب تک پہنچا دیتا ہے، اور مشتبہ سے تجاوز کرکے انسان حرام تک جا پہنچتا ہے۔

مَنْ حَامَ حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِكُ اَنْ یَّقَعَ فِیْهِ۔[۲] جو چراگاہ کے گرد گھومتا ہے قریب ہے کہ ایک روز چراگاہ میں گھس جائے۔

پس کامل ورع وتقویٰ کے حصول کے لیے مباحات میں سے بھی بقدر ضرورت پر کفایت کرنا ضروری ہے۔ اور مباح بقدر ضرورت بھی اس وقت مثمر نتائج ہے جبکہ وظائف بندگی کی ادائیگی کی نیت سے ہو ورنہ بقدر ضرورت مقدار بھی وبال ہے۔ اور بامقصد تھوڑی مقدار میں مباح کا استعمال بھی زیادہ کے حکم میں داخل ہے۔

اور جب فضول مباحات سے بالکلیہ اجتناب خصوصاً آج کل بہت کمیاب ہے۔ تو حرام چیزوں سے اجتناب کرتے ہوئے بقدر طاقت فضول مباحات کے ارتکاب کو تنگ تر کرنا چاہیے۔ اور اس ارتکاب مباحات میں ہمیشہ شرمندہ اور استغفار کرتے رہنا چاہیے۔ اور فضول مباحات کے ارتکاب کو محرمات میں داخلے کی کھڑکی تصور کرتے ہوئے ہمیشہ حق سبحانہ سے التجا اور زاری میں مشغول رہنا چاہیے۔ ممکن ہے یہ ندامت واستغفار اور التجا وتضرع اس اجتناب کا کام دے سکے جو فضول مباحات سے تعلق رکھتی ہے،

---

[۱] مشکوٰۃ شریف۔

[۲] بخاری ومسلم بروایت حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور اس طرح بندہ فضول مباحات کے ارتکاب کی آفت سے محفوظ و مامون رہ سکے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں گنہ گاروں کی عاجزی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اطاعت گزار لوگوں کی جدوجہد سے زیادہ محبوب ہے۔

اور محرمات سے بچنا بھی دو قسم پر ہے۔ ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔

دوسری قسم کی رعایت زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ غنی مطلق ذات ہے، اور ارحم الراحمین ہے۔ اور بندے فقیر اور محتاج اور فطرتاً بخیل اور کنجوس ہیں۔ لہٰذا ان کے حقوق کی ادائیگی زیادہ ضروری ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ علیٰ آلہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ کَانَتْ لَهٗ مَظْلِمَةٌ لِاَخِيْهِ	جس شخص کے ذمے اس کے بھائی کا کوئی حق از قسم
مِنْ عِرْضِهٖ اَوْ شَیْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ	بے آبروئی وغیرہ ہو تو چاہیے کہ آج ہی اس کو
مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ	معاف کروالے اس سے پہلے کہ اس کے پاس
وَّلَا دِرْهَمٌ اِنْ كَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ	نہ کوئی دینار رہے اور نہ درہم کیونکہ قیامت کے
اُخِذَ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهٖ وَاِنْ لَّمْ	روز اس حق کے بدلے اس کی نیکیاں لی جائیں گی
تَكُنْ لَّهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّاٰتِ	اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو حق والے
صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَيْهِ۔[1]	کی بدیاں لیکر اس پر ڈال دی جائیں گی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ علیٰ آلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے:

اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا	جانتے ہو مفلس اور قلاش کون شخص ہے؟ لوگوں
اَلْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَ	نے کہا ہم میں مفلس وہ شخص ہوتا ہے جس کے پاس
لَا مَتَاعَ۔ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ	نہ درہم ہو نہ سامان۔ آپ نے فرمایا میری امت میں
وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ	مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز نماز، روزہ،
يَّاْتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَّ	زکوٰۃ لے کر آئے گا۔ لیکن اس کے ساتھ اس نے
صِيَامٍ وَّزَكٰوةٍ وَّيَاْتِیْ قَدْ شَتَمَ	کسی کو گالی دی ہوگی۔ کسی پر تہمت لگائی ہوگی،
هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ	کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا۔
هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ	اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ تو اس شخص کی نیکیاں

[1] بخاری شریف بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[2] مسلم شریف بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

هٰذَا اُعْطِیَ هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ یُّقْضٰی مَا عَلَیْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَایَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ

لے کر ان کو دے دی جائیں گی۔ پھر اگر اس کی نیکیاں اس کے ذمے حقوق کی ادائیگی سے پہلے ختم ہوگئیں تو ان حقداروں کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی اور پھر اس شخص کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے بالکل سچ اور حق فرمایا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بندہ ان حضرات کی حمد و ستائش اور شکر گزاری کرتا ہے کہ ان کے دم قدم سے بلدہ معظمہ لاہور میں اس گئے گزرے زمانہ میں احکام شرعی رواج پذیر ہیں اور اس جگہ دین کی تقویت اور ملت کی ترویج حاصل ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ شہر لاہور تمام ہندوستان کے شہروں میں قطب ارشاد کی طرح ہے۔ اس شہر کی خیر و برکت تمام بلاد ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے۔ اگر اس شہر میں دین رواج پذیر ہوگا تو باقی علاقوں میں بھی دینی شعائر کا رواج متحقق رہے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا مؤید و ناصر ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا ہے۔[1]

لَا یَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ ظَاهِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ لَا یَضُرُّهُمْ مَّنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰی ذٰلِكَ۔

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ مخالفین اسلام پر غالب اور دین حق پہ قائم رہے گا۔ ان کی امداد کرنے والے انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے اور وہ اپنے حال پر قائم ہوں گے۔

چونکہ آپ کو میرے پیر و مرشد معرفت پناہ قبلہ گاہ سے رشتہ محبت کی دولت نصیب ہے اس بنا پر وہی رابطہ محبت ان چند کلمات کے لکھنے کا محرک ہوا ہے۔ اس سے زیادہ اطناب و نامناسب ہے۔ آپ کو یہ رقعہ پہنچانے والا دعاگو، نیک اور صلحاء اور شریف زادوں میں سے ہے۔ ایک حاجت آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا ہے۔ امید ہے کہ اس بارہ میں توجہ شریف مبذول کر کے اس کی حاجت روائی کریں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی بزرگ آل کی حرمت اور طفیل آپ کو دولت حقیقی اور سعادت سرمدی حاصل ہو۔ سیادت مآب میر سید جمال الدین کو میری طرف سے دعوات غریبانہ پہنچا دیں۔

---

[1] حاکم نے حضرت عمر و نیز حاکم اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نیز ابن ماجہ نے مغیرہ بن شعبہ اور ابو داؤد نے عمران بن حصین سے بالفاظ مختلفہ یہ حدیث روایت کی۔

مکتوب نمبر (۷۷)

جباری خاں کی طرف صادر فرمایا۔

اس امر کے بیان میں کہ خدائے بے مثل و بے کیف کی صحیح عبادت و بندگی کب میسر آتی ہے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

بعد از خدائے ہر چہ پرستند ہیچ نیست
بے دولت است آنکہ بہیچ اختیار کرد

خدا تعالیٰ کے سوا جس شے کی بھی پرستش کی جائے بالکل ہیچ ہے۔ وہ شخص بے نصیب ہے جو بے کار کام کو پسند کرتا ہے۔

بے مثل و بے کیف خدائے جل سلطانہٗ کی عبادت اس وقت میسر آتی ہے جبکہ ماسوی اللہ کی بندگی سے آزاد ہو کر صرف ذاتِ احد کو قبلۂ توجہ بنا لیا جائے۔ اور اس توجہ کی نشانی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہونے والی نعمت یا تکلیف دونوں برابر ایک سے محسوس ہوں۔ بلکہ اس مقام کے ابتدائے حصول کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی تکلیف انعام کی نسبت زیادہ مرغوب و پسندیدہ محسوس ہوتی ہے۔ اگرچہ آخر کار معاملہ تفویض (سب کچھ اللہ کے حوالے کرنا) تک جا پہنچتا ہے۔ اور انعام و تکلیف جو کچھ ملتا ہے بہتر اور بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہ عبادت جو رغبت جنت یا خوف دوزخ کے تحت ہوتی ہے۔ فی الحقیقت یہ عبادت اپنی عبادت ہے۔ اس سے مقصود اپنی نجات اور اپنا سرور ہے ؎

تا تو دربندِ خویشتن باشی عشق گوئی دروغ زن باشی

جب تک تو اپنی اغراض کی بندش میں ہے۔ تیرا دعویٰ عشق دروغ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

اس دولت کا حصول فنائے مطلق سے وابستہ ہے۔ اور صرف ذات احدیت کی طرف توجہ محبت ذاتی کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔ اور ولایت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے ظہور کا مقدمہ ہے۔ اس ولایت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی نعمت عظمیٰ کا حصول نبی اکرم علیہ من الصلوات انمہا و من التحیات اکملہا کی کمال اتباع پر موقوف ہے۔ کیونکہ ہر نبی علیہم الصلوات و التسلیمات کی شریعت جو از راہ نبوت اس کو عطا کی جاتی ہے، اس کی ولایت کے مناسب ہوتی ہے۔

کیونکہ ولایت میں کلیتہً رُخ حق سبحانہٗ کی طرف ہوتا ہے۔ اور جب اسے نبوت کے ساتھ دعوت وارشاد کے لیے نیچے لاتے ہیں تو وہ اسی نور کے ساتھ نیچے تشریف لاتا ہے اور اسی کمال کو مخلوق کی توجہ کے ساتھ جمع کرتا ہے۔ اور مقام نبوت کے کمالات کے حصول کا سبب بھی وہی نور ہوتا ہے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ "نبی کی ولایت[1] اس کی نبوت سے افضل ہے"۔

اس گفتگو سے بہر حال یہ بات ثابت ہوگئی کہ ہر نبی کی شریعت اس کی ولایت کے مناسب ہوتی ہے۔ اور اس شریعت کی اتباع و پیروی اس نبی کی ولایت تک پہنچا دیتی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے بعض پیروکاروں کو آپ کی ولایت سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ بلکہ وہ دوسرے انبیاء کرام کے قدموں پر ہوتے ہیں اور ان کی ولایت سے حصہ پاتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت تمام انبیاء کرام کی شریعتوں کی جامع ہے۔ اور جو کتاب (قرآن مجید) آپ پر نازل ہوئی ہے وہ تمام آسمانی کتابوں کو شامل ہے۔ پس اس شریعت کی اتباع تمام پہلی شریعتوں کی اتباع ہے۔ تو اپنی استعداد کی مناسبت کے اندازہ کے مطابق جو بعض انبیاء کے ساتھ ہوتی ہے، بعض حضرات ان انبیاء سے ولایت اخذ کرتے ہیں اور اس میں کچھ حرج نہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت بھی تمام انبیاء کی ولایتوں کو حاوی ہے علیہم الصلوات والتسلیمات۔

تو ان ولایتوں تک پہنچنا درحقیقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خصوصیت رکھنے والی ولایت کے اجزاء میں سے ایک جزو تک پہنچنا ہے۔ اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت تک نہ پہنچنے کا سبب آپ کی کمال متابعت میں کمی کے سبب ہوتا ہے۔ اور اس کمی کے بہت سے درجات ہیں۔ اس لیے ولایت کے درجات میں بھی فرق و تفاوت ہوتا ہے۔ اور اگر آپ کا کمال اتباع میسر آجاتا تو آپ کی ولایت تک وصول ممکن ہو جاتا۔ یہ اعتراض اس وقت واقع ہوتا ہے جبکہ دوسرے انبیاء کرام کی شریعتوں کے پیروکاروں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت خاصہ حاصل ہو جائے۔ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات۔ اور جب یہ بات نہیں تو اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا۔ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے ہم پر انعام فرمایا، ہمیں صراط مستقیم اور دین قویم کی طرف ہدایت و رہنمائی فرمائی۔ صراط مستقیم دین کے مضبوط راستے اور روشن شریعت سے عبارت ہے:

---

[1] جاننا چاہیے کہ یہ اہل سکر کا مقولہ ہے جیسا کہ امام ربانی قدس سرہٗ نے متعدد مکاتیب میں تصریح کی ہے۔

إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۔ آپ رسولوں میں سے ہیں اور صراط مستقیم پر ہیں۔

اس معنی و مضمون کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت حقہ کی کامل اتباع آپ کے کامل متبعین اور معظم اولیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طفیل نصیب فرمائے

اس رقعۂ دعا کو آپ کے پاس لانے والا چونکہ آپ کی طرف جا رہا تھا، تو سلسلۂ محبت ان چند کلمات کے لکھنے کا محرک بن گیا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ سبحانہ لدیکم۔

مکتوب نمبر (۷۸)

یہ مکتوب بھی جباری خاں کی طرف صادر فرمایا۔

سفر در وطن کے معنی اور سیر آفاقی و انفسی اور اس بیان میں کہ اس دولت کا حصول صاحب شریعت علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع کے ساتھ وابستہ ہے۔

حق سبحانہ و تعالیٰ شریعت حقہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے طریقہ اور راستہ پر استقامت نصیب فرمائے۔

چند روز کی بات ہے کہ بندہ دہلی اور آگرہ کے سفر سے واپس لوٹا ہے اور اپنے وطن مالوف میں آرام پذیر ہوا ہے۔ اس وقت حُبّ الوطن من الایمان نقد وقت ہے۔ وطن مالوف میں آنے کے بعد اگر سفر ہے تو اپنے وطن ہی میں ہے "سفر در وطن" اس خانوادہ عُلیہ نقشبندیہ کے اکابر کے اصول مقررہ میں سے ہے۔ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم۔

اس طریقہ میں اس سفر کی چاشنی ابتداء ہی میسر آجاتی ہے اور نہایت کے ہدایت میں درج ہونے کے طور پر حاصل ہوتی ہے۔ کارکنانِ قضاء و قدر اگر چاہتے ہیں تو اس گروہ کی ایک جماعت کو مجذوب سالک بناتے ہیں اور بیرونی سیر میں ڈال دیتے ہیں۔ اس سیر آفاقی کے مکمل ہونے کے بعد سیر انفسی میں جو سفر در وطن سے عبارت ہے آرام عطا کرتے ہیں۔ ع

ایں کار دولت است کنون تا کرا دہند

یہ کام دولت ہے۔ دیکھیے اب یہ کسے عطا کرتے ہیں۔

ع هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا

ترجمہ: نعمت والوں کو نعمتیں خوشگوار رہیں۔

اس نعمت عظمیٰ تک وصول سید اولین و آخرین علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا کی اتباع سے وابستہ ہے۔ بندہ جب تک اپنے آپ کو پورے طور پر شریعت میں گم نہ کر دے۔ اور اوامر کی بجا آوری اور ممنوعات سے رُکنے کے ساتھ مزین و آراستہ نہ کرے۔ اس دولت و نعمت کی خوشبو بندے کی روح سونگھ نہیں سکتی۔ شریعت کی مخالفت کے باوجود اگرچہ بال برابر ہی ہو اگر احوال و مواجید حاصل ہوں تو وہ استدراج میں داخل ہیں۔ آخر اسے رسوا اور ذلیل کریں گے۔ محبوب رب العالمین علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی اتباع اور پیروی کے بغیر عذاب اُخروی سے خلاصی اور نجات ناممکن ہے۔ چند روزہ زندگی کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے پسندیدہ کاموں میں صرف کرنا چاہیے وہ کیا زندگی اور کیا عیش ہے اگر بندے کا مالک و مولیٰ اس کے اعمال و افعال کی بنا پر اس سے ناراض ہو۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ بندے کے جُزی اور کُلی حالات سے واقف و آگاہ ہے اور حاضر و ناظر ہے۔ ایسی عظیم و برتر ہستی کے سامنے افعال قبیحہ کا مرتکب ہونا بڑے شرم کی بات ہے۔

مثال کے طور پر لوگوں کو اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص ان کے عیوب و ناپسندیدہ افعال پر مطلع ہو جائیگا تو ایسی صورت میں کوئی ناشائستہ حرکت کرنے کو ہرگز تیار نہیں ہوتے اور نہیں چاہتے کہ وہ ان کے بُرے اعمال سے آگاہ ہو۔ تو کیا مصیبت ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے علم واطلاع کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ یہ کیا اسلام ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا اس بندے کے برابر بھی لحاظ اور اعتبار نہیں کرتے۔ نعوذ باللہ سبحانہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ ”ہم اللہ سبحانہ کے پاس پناہ لیتے ہیں اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے برے اعمال سے۔ بمطابق حدیث مبارک:

جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ بِقَوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اپنے ایمان کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ سے تازہ کرتے رہو۔

اس کلمہ عظیم الشان کے ساتھ ہر آن تجدید ایمان کرتے رہنا چاہیے۔ اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں تمام ناپسندیدہ افعال سے توبہ اور رجوع کرتے رہنا چاہیے۔ شاید دوسرے وقت تک توبہ کی فرصت و مہلت نہ دیں۔

هَلَكَ الْمُسَوِّفُوْنَ۔ یعنی ”ابھی کریں گے“ کہنے والے ہلاک ہو چکے ہیں۔

حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات یعنی نیک کام میں تاخیر کرنے والے ہلاکت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ فرصت کو غنیمت جاننا چاہیے اور حق تعالیٰ کی مرضی کے کاموں میں اپنے لمحاتِ زندگی

صرف کرنے چاہییں۔ توبہ کی توفیق حق سبحانہ وتعالیٰ کی عنایات میں سے ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ سے ہمیشہ اس بات کے خواہاں رہیں۔ اور وہ درویش جن کا قدم شریعت میں راسخ اور پختہ ہے اور جو عالم حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں ان کی دعا وہمت و توجہ کا طالب رہنا چاہیے۔ اور ان سے مدد[1] طلب کرنی چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی ان کی مدد و دعا کی کھڑکی سے ظاہر ہو کر جناب قدس خداوند تعالیٰ کی طرف کھینچ لے۔ اور اس میں مخالفت کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ جب تک ایک بال برابر بھی شریعت سے مخالفت کی راہ کھلی ہے بدستور خطرے کا محل موجود ہے۔ مخالفت کے تمام راستے بند اور مسدود ہونے ضروری ہیں ۔

محال است سعدی کہ راہِ صفا   تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں کو چھوڑ کر صفائی اور ہدایت کے راستے پر اے سعدی چلنا محال اور ناممکن ہے۔

اہل اللہ پر اعتراض کرنا خصوصاً جہاں درمیان میں پیری مریدی کا تعلق ہو اور درمیان میں راہِ افادہ کھلا ہوا ہو ہرگز ہرگز نہ چاہیے۔ اعتراض اور نکتہ چینی کو زہر قاتل تصور کرنا چاہیے۔ اس سے زیادہ گفتگو بے مقصد اور اطناب میں داخل ہے۔

یہ چند حروف رابطہ محبت واخلاص کی بنا پر لکھے گئے ہیں۔ امید ہے کہ ملال کا باعث نہیں بنیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مُلا عمر اور شاہ حسن شریف زادے ہیں۔ ملازمت و نوکری کے طلبگار ہیں امید ہے کہ انہیں اپنے خاص ملازمین میں داخل کر لیں گے۔ اسماعیل بھی یہی ارادہ لے کر حاضر خدمت ہوا ہے۔ اگرچہ پیادہ ہے مگر امید رکھتا ہے کہ اپنے حال کے مطابق ضرور حصہ پائے گا۔ زیادہ دردسری ٹھیک نہیں۔ والسلام والاکرام۔

مکتوب نمبر (۷۹)

یہ مکتوب بھی جباری خاں کی طرف صادر فرمایا۔

[1] معلوم ہوا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ بھی اولیاء اللہ سے مدد طلب کرنے کا عقیدہ رکھتے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ عقیدہ مشرکانہ کیسے ہو سکتا ہے؟ (مترجم)

اس بیان میں کہ یہ روشن شریعت تمام پہلی شریعتوں کی جامع ہے۔ اس شریعت پر عمل کرنا تمام پہلی شریعتوں پر عمل کرنے کے مترادف ہے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

اللہ تعالیٰ شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے طریقہ اور راستہ پر ثبات و استقامت عطا فرما کر مکمل طور پر اپنی جناب قدس کی طرف کھینچ لے۔

جبکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم تمام اسمائی اور صفاتی کمالات کے جامع ہیں۔ اور وہ کتاب جو آپ پر نازل ہوئی ہے بطریقہ اعتدال تمام آسمانی کتابوں کی جو تمام انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات پر نازل ہوئی ہیں بطور خلاصہ ان کی جامع اور اسمائی وصفاتی کمالات کی مظہر ہے۔ نیز وہ شریعت جو سرور دین و دنیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائی گئی ہے تمام پہلی شریعتوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ اور وہ اعمال جو اس شریعت حقہ کے مطابق ادا ہوں تمام ماسبق شریعتوں کا انتخاب ہیں بلکہ اعمال ملائکہ کا بھی انتخاب ہیں۔ کیونکہ بعض ملائکہ حالت رکوع میں رہنے پر مامور ہیں، بعض کو سجود میں رہنے کا حکم ہے اور بعض قیام میں ہیں۔ اسی طرح پہلی امتوں میں بعض پر نماز فجر فرض تھی اور بعض دوسری امتوں پر دوسری نمازیں[1]۔ اس شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و السلام والتحیہ میں امم سابقہ اور ملائکہ مقربین کے اعمال کا خلاصہ اور نچوڑ نکال کر ان کی ادائیگی کا حکم دیا

---

[1] حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبید اللہ بن محمد سے، انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب فجر کے وقت حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ قبول ہوئی تو آپ نے فجر کی دو رکعت ادا کیں۔ اس طرح نماز فجر کا آغاز ہوا۔ اور بوقت ظہر جب حضرت اسحاق صحیح حضرت اسماعیل کا مینڈھے کی شکل میں ذبح قبول ہوا تو آپ نے ظہر کی چار رکعت ادا کیں، اس طرح نماز ظہر کی ابتدا ہوئی۔ اور جب حضرت عزیر علیہ السلام سو سال کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے تو ان سے کہا کَمْ لَبِثْتَ یعنی تم کتنی دیر یہاں پڑے رہے۔ آپ نے کہا ایک روز۔ تو آپ نے سورج دیکھا تو فرمایا ایک دن یا دن کا بعض حصہ۔ تو آپ نے چار رکعت عصر کی پڑھیں، تو اس طرح نماز عصر شروع ہوئی۔ اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مغفرت بوقت مغرب ہوئی۔ تو آپ چار رکعت ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تین رکعت پڑھ کر شدت غم اور رونے کے باعث تھک گئے۔ تو اس طرح مغرب کی نماز تین رکعت قرار پائی۔ اور عشاء کی نماز سب سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ادا فرمائی۔ پہلی امتوں میں نماز عشاء نہیں تھی۔

گیا ہے۔ لہٰذا اس شریعت کی تصدیق اور اس کے مطابق اعمال صالحہ کا بجالانا درحقیقت تمام شریعتوں کی تصدیق اور تمام شریعتوں کے مطابق اعمال کا بجالانا ہے۔ اسی بنا پر اس شریعت کی تصدیق کرنے والے خیر الامم کہلائے۔

اسی طرح اس شریعت کی تکذیب کرنا اور اس کے مطابق اعمال بجا نہ لانا تمام پہلی شریعتوں کی تکذیب ہے۔ اور تمام پہلی شریعتوں کے مطابق عمل نہ کرنا ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا انکار تمام اسمائی اور صفاتی کمالات کا انکار ہے۔ اور آپ کی تصدیق ان سب کی تصدیق ہے۔ تو لازمی طور پر آپ کے منکر اور اس شریعت کے منکر بدترین امم ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں فرمایا گیا:

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا ۔ گنوار لوگ کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں۔

محمد عربی کابروئے ہر دو سرا ست
کسیکہ خاک درش نیست خاک بر سر او

محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو دو جہاں کی عزت و آبرو ہیں۔ جو شخص آپ کے در کی خاک نہیں بنتا اس کے سر پر خاک پڑے یعنی وہ ذلیل و خوار ہو۔

اللہ صاحب انعام اور صاحب احسان ہی کی حمد و ثنا ہے کہ اس شریعت اور صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے متعلق آپ کو حسن اعتقاد اور کمال یقین آپ پر ثابت ہو چکا تھا۔ اور آپ کو اپنے نامناسب حالات پر ہمیشہ ندامت دامنگیر رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس کیفیت میں مزید اضافہ فرمائے۔

دوسرا التماس یہ ہے کہ اس رقعہ دعا کا حامل میاں شیخ مصطفٰے قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کی نسل سے ہے۔ ہندوستان میں ان کے بزرگ بزرگوں کی حیثیت میں تشریف لائے۔ ان کے بزرگوں کے ذرائع معاش اور بہت سے وظائف مقرر تھے شیخ مصطفٰے مذکور بے معاشی کے سبب فوج کی ملازمت کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور اپنی اسناد اور متعلقہ احکام اپنے ہمراہ لائے ہیں۔ انہیں امید ہے کہ آپ کے توسل سے ان کو دلجمعی اور سکون نصیب ہو جائے گا۔ شخص مذکور کے لیے بڑے آفیسروں کی خدمت میں اس طرح سفارش فرمائیں کہ مؤثر ثابت ہو۔ اور معاشی پریشانیوں کے ستائے ہوئے افراد کے لیے سکون قلب کا سبب ہو۔ والسلام والاکرام۔

مکتوب نمبر (۸۰)

میرزا فتح اللہ حکیم کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ تہتر فرقوں میں سے صاحب نجات فرقہ صرف اہل سنت و جماعت ہیں۔

اور بدعتی فرقوں کی مذمت اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے راستہ اور طریقہ پر قائم رکھے

ع کار این ست غیر ایں ہمہ ہیچ

اصل کام یہی ہے۔ باقی سب کام ہیچ ہیں۔

تہتر فرقوں میں سے ہر فرقہ اتباع شریعت کا مدعی اور اپنی نجات پر یقین رکھتا ہے:

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ، ہر گروہ اپنے شرب وطریقہ پر خوش ہے۔

سب کا نقد وقت ہے۔ لیکن جو دلیل پیغمبر صادق علیہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا نے فرقہ ناجیہ (نجات پانے والا) کی تمیز کے لیے بیان فرمائی ہے، یہ ہے:

اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی مَآ اَنَا عَلَیْهِ وَ اَصْحَابِیْ یعنی فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ جو نجات پائے گا وہ ہے جو اس طریقے پر قائم ہے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ۔

اس مقام پر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کافی ہونے کے باوجود صحابہ کرام کا ذکر ممکن ہے یہ ظاہر کرنے کے لیے ہو کہ میرا طریقہ وہی ہے جو میرے صحابہ کا ہے۔ اور نجات کا طریقہ صرف ان کی اتباع کے طریقہ سے وابستہ ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت خدا تعالیٰ کی اطاعت کی۔ (سورۂ نساء۔ پارہ ۵)

پس رسول کی اطاعت عین خدا تعالیٰ کی اطاعت ہے اور رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کے خلاف چلنا عین خدا تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی ہے۔ جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کو رسول کی اطاعت کے خلاف اور الگ کوئی چیز تصور کیا ہوا ہے اللہ تعالیٰ ان کے حال کی قرآن مجید میں خبر دیتا ہے اور ان پر حکم کفر لگاتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

يُرِيدُونَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ، وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۔	بے ایمان لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق ڈالیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض سے کفر کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کا راستہ اختیار کریں ایسے ہی لوگ درحقیقت پکے کافر ہیں۔

پس ہمارے زیر بحث مسئلے میں گزشتہ بیان سے واضح ہوگیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریقے کی پیروی سے مخالفت کرتے ہوئے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع و پیروی کا دعویٰ کرنا سراسر باطل دعویٰ ہے۔ بلکہ ایسی اتباع درحقیقت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عین معصیت اور نافرمانی ہے۔ لہٰذا صحابہ کرام سے مخالف طریقہ اختیار کرکے نجات کی مجال وگنجائش اور نجات کا امکان کہاں ہے۔

يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ۔ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۔	ان گمراہوں کا گمان ہے کہ وہ بھی کسی اچھی شئ (مسلک) پر ہیں۔ سن لو بیشک یہی لوگ جھوٹے ہیں

اور اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اتباع کا پابند صرف اہل سنت وجماعت کا گروہ ہے۔ شکر اللہ تعالیٰ سعیہم۔ لہٰذا نجات پانے والا بھی یہی فرقہ ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر طعن وتشنیع کرنے والے فرقے صحابہ کرام کی اتباع سے محروم ہیں۔ جیسے شیعہ، خارجی اور معتزلہ۔ یہ سب نو پیدا شدہ فرقے ہیں۔

ان کا رئیس و سردار واصل بن عطا امام اہل سنت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے

۱؎ سورہ نساء۔ پارہ لا یحب اللہ (۶) ۲؎ سورہ مجادلہ۔ پارہ قد سمع اللہ (۲۸)

۳؎ یہ شخص ۸۰ھ ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوا اور ۱۳۱ھ ہجری میں مرگیا۔ اس شخص کی کچھ تصانیف بھی ہیں جیسے کتاب اصناف المرجئہ۔ کتاب التوبہ، کتاب معانی القرآن۔ یہ شخص واقعہ جمل میں شرکت کرنے والے لوگوں کے عادل ہونے میں توقف کرتا تھا۔

۴؎ آپ طبقہ ثالثہ کے سردار ہیں ۱۱۰ھ ہجری میں آپ نے وصال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ستر سال کے قریب تھی۔ علامہ ابن حجر نے ان کی یوں تعریف کی ہے۔ آپ فقیہ ہیں، فاضل ہیں اور شہرت دوام کے مالک ہیں۔ کتابوں کے اوراق اور تمام ممالک اسلامیہ میں آپ کے مناقب جلیلہ اور محامد جمیلہ ثبت ہیں۔ آپ کے تذکروں سے کتب سیر ورجال بھری پڑی ہیں۔ آپ صوفیہ صافیہ کے سردار اور رئیس اور ان کے پیشرو ہیں اور صوفیہ کے سلسلے آپ پر منتہی ہوتے ہیں۔ مترجم۔

ہے۔ ایمان اور کفر کے درمیان واسطہ ثابت کرنے کی بنا پر امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے الگ ہوگیا۔ آپ نے اس کے متعلق فرمایا اِعْتَزَلَ عَنَّا "یہ شخص ہم سے جدا ہوگیا"۔ اسی طرح باقی فرقے بھی اہل سنت سے الگ مسلک و عقیدہ رکھتے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں عیب نکالنا درحقیقت پیغمبر خدا جل وعلا کی ذات میں عیب نکالنے کے مترادف ہے:

ما اٰمن برسول اللّٰہ من لم یؤقر اصحابہ۔ — اس شخص کا رسول خدا پر بھی کوئی ایمان نہیں جو صحابہ کرام کی تعظیم و توقیر کا منکر ہے۔

کیونکہ صحابہ کرام میں خبث وخرابی کا پایا جانا درحقیقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں خبث وخرابی ہونے کا باعث ہے نعوذ باللہ سبحانہ من ھذا الاعتقاد السّوء۔ ہم ایسے برے اعتقاد سے اللہ تعالیٰ کے پاس پناہ لیتے ہیں۔

نیز قرآن واحادیث کے احکام شرعیہ جو ہم تک پہنچے ہیں صحابہ کرام کی نقل وروایت اور واسطہ سے پہنچے ہیں۔ جب صحابہ کرام مطعون ہوں گے تو ان کی نقل وروایت بھی مطعون متصور ہوگی۔ اور احکام شرعیہ کی نقل وروایت چند صحابہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ تمام صحابہ کرام عدالت، صدق اور تبلیغ دین میں برابر ہیں۔ پس کسی ایک صحابی میں طعن وعیب دین میں طعن وعیب تسلیم کرنے کو مستلزم ہے۔ والعیاذ باللہ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

اور اگر صحابہ کرام پر نکتہ چینی کرنے والے یہ لوگ یہ کہیں کہ ہم بھی صحابہ کرام کی متابعت کرتے ہیں۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم تمام کی متابعت وپیروی کریں۔ بلکہ سب کی متابعت ممکن ہی نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے مسائل میں صحابہ کرام کی آپس میں آرا مختلف اور متناقض ہیں اور الگ مشرب رکھتے ہیں۔

اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ بعض کی متابعت اس وقت سودمند ہوسکتی ہے جبکہ اس کے ساتھ بعض دوسرے صحابہ کرام کا انکار نہ ہو۔ بعض کے انکار کی صورت میں بعض دوسروں کی متابعت کا وجود متصور نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ حضرت امیر علی کرم اللہ وجہہٗ نے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعظیم وتوقیر کی ہے۔ اور انہیں اپنا مقتدا اور پیشوا بننے کا اہل تصور کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے پس خلفائے ثلاثہ کے انکار کے ساتھ حضرت امیر کرم اللہ وجہہٗ کی متابعت کا دعویٰ کرنا محض افترا ہے۔ بلکہ خلفائے ثلاثہ کا یہ انکار حقیقت میں حضرت امیر کا انکار ہے اور حضرت امیر کے اقوال وافعال کا صریح رد ہے۔

شیر خدا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات میں تقیہ کا احتمال ماننا بھی کم عقلی کے باعث ہے۔
عقل صحیح اس بات کو ہرگز جائز نہیں رکھتی کہ حضرت شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمال معرفت و شجاعت کے باوجود تیس سال تک خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بغض اپنے سینے میں چھپائے رکھا اور اپنے ضمیر کے خلاف ظاہر کرتے رہے، اور اتنا عرصہ نفاق کے ساتھ ان کی صحبت و مجلس قائم رکھی۔ اہل اسلام میں سے ادنیٰ مسلمان سے بھی ایسا نفاق متصور نہیں ہو سکتا۔ اس فعل کی بدی اور شناعت کا تصور کرنا چاہیے کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ایسی بے بسی، ایسے فریب اور ایسے نفاق سے موصوف تھے۔
اور اگر بفرض محال یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعظیم و توقیر تقیہ کے تحت از روئے نفاق کرتے تھے۔ تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ وسلم خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اول سے آخر تک تعظیم و توقیر کرتے تھے اور انہیں بزرگ جانتے تھے اس کا کیا جواب ہوگا؟ آپ کی ذات کی طرف تو تقیہ کی نسبت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حق کی یہ تبلیغ و اشاعت پیغمبر پر واجب و ضروری ہوتی ہے۔ آپ کے لیے تقیہ جائز جاننا زندقہ اور بے دینی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔	اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیں اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے خدا کی رسالت کی تبلیغ نہیں کی۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائیگا

کفار کہا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم) وحی میں سے جو اس کے موافق ہوتا ہے اسے ظاہر کرتا ہے اور جو اس کے موافق نہیں ہوتا اسے ظاہر نہیں کرتا بلکہ اسے چھپائے رکھتا ہے۔ اور یہ امر طے شدہ ہے کہ نبی کا خطا پر قائم رہنا ناجائز اور ناممکن ہے۔ ورنہ اس کی شریعت میں خلل اور نقص لازم آئے گا۔
تو جب خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعظیم و توقیر کے خلاف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا۔ تو قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ ان کی تعظیم و توقیر کرنا خطا سے محفوظ اور زوال سے مامون ہے۔
اب ہم پھر اصل بات کی طرف رخ کرتے ہیں اور ان کے اعتراض کے جواب کو مزید منقح اور صاف کرتے ہیں۔ کہ اصول میں تمام صحابہ کرام کی متابعت ضروری ہے اور ان کا آپس میں اصول کے اندر قطعاً

لہ پارہ لا یحب اللہ (۶) سورۃ مائدہ۔

کوئی اختلاف نہ تھا۔ ان کا آپس کا اختلاف صرف فروع سے تعلق رکھتا ہے۔ اور وہ شخص جو بعض صحابہ میں عیب نکالتا ہے سب کی متابعت سے محروم ہے۔

بلاشبہ تمام صحابہ کرام اصول میں باہم بالکل متفق تھے۔ لیکن ان اکابردین کے انکار کی نحوست انسان کو اختلاف میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اور اتفاق سے دور پھینک دیتی ہے۔ بلکہ قائل کا انکار اس کی بات کے انکار تک پہنچا دیتا ہے۔

نیز شریعت حقہ کے مبلغ تمام صحابہ کرام ہیں۔ جیسا کہ پیچھے مذکور ہوا کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں۔ ہر ایک کی نقل و روایت کے ذریعے شریعت کا کچھ نہ کچھ حصہ ہم تک پہنچا ہے۔ اسی طرح ہر ایک سے قرآن مجید کی ایک ایک یا زیادہ آیات جمع کی گئی ہیں۔ تو صحابہ کرام کے انکار سے ان سے نقل شدہ اس آیت یا آیات کا انکار ہے۔ لہٰذا منکر کے لیے پوری شریعت پر عمل پیرا ہونا ناممکن ہے تو نجات اور فلاح کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ	تو کیا تم لوگ کتاب کے کچھ حصے پر ایمان رکھتے ہو
تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ	اور بعض کا انکار کرتے ہو، تو تم میں سے ایسا کرنے
مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ	والے کی سزا اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسے دنیا کی
فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ	زندگی میں بھی ذلت پہنچے اور آخرت میں ایسے
يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۚ	لوگ سخت عذاب کی طرف دھکیلے جائیں گے۔[1]

ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جمع کیا ہوا ہے بلکہ فی الحقیقت قرآن کے جامع حضرت صدیق و حضرت فاروق ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے کوئی اور قرآن جمع کیا ہوگا (بزعم شیعہ) تو سوچنا چاہیے کہ ان اکابر کا انکار فی الحقیقت قرآن کا انکار ہے۔ عیاذاً باللہ سبحانہ۔

کسی نے اہل تشیع کے ایک مجتہد سے سوال کیا کہ یہ قرآن تو حضرت عثمان کا جمع کیا ہوا ہے۔ آپ کا اس قرآن کے متعلق کیا عقیدہ ہے؟ تو اس مجتہد نے جواب دیا کہ انکار میں کوئی مصلحت ہم کو نظر نہیں آتی۔ کیونکہ اس کے انکار سے تمام دین کا معاملہ درہم برہم ہو جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ کوئی عقلمند انسان اس بات کو ہرگز جائز قرار نہیں دے سکتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی رحلت کے روز تمام صحابہ کرام ایک امر باطل پر جمع تھے۔ اور یہ ثابت شدہ

[1] پارہ اول سورہ بقرہ۔

امر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے وقت تینتیس ہزار صحابہ کرام مدینہ شریف میں حاضر اور موجود تھے۔ اور سب نے خوشی و رغبت سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کی۔ ان تمام صحابہ کرام کا گمراہی و ضلالت (بیعت صدیق بزعم شیعہ) پر جمع ہونا محالات میں سے ہے۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:[1]

لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ۔ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔

اور ابتدا میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کرنے میں جو دیر ہوئی وہ اس بنا پر تھی کہ آپ کو مشورہ خلافت میں طلب نہیں کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:[2]

مَا غَضِبْنَا اِلَّا لِاَنَّا اُخِّرْنَا عَنِ الْمَشُوْرَۃِ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ اَبَا بَکْرٍ خَیْرٌ مِّنَّا۔ ہمیں کسی بات سے رنج نہیں پہنچا مگر اس بات سے کہ ہمیں مشورہ میں نہیں بلایا گیا۔ اور بیشک ہمارا یقین ہے کہ ابو بکر صدیق ہم سب سے بہتر ہیں

اور صحابہ کرام کا آپ کو مشورہ خلافت میں نہ بلانا ایک مصلحت پر مبنی تھا۔ اور وہ یہ تھی کہ آپ اہل بیت میں موجود رہ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال مبارک کے حادثہ اور مصیبت میں صدمہ اولیٰ کے وقت ان کو تسلی اور صبر جمیل کی تلقین میں مصروف تھے۔ وغیر ذالک۔

اور وہ اختلافات جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام میں واقع ہوئے ہرگز خواہش نفس کے تحت نہیں تھے۔ کیونکہ اُن بزرگوں کے نفوس تزکیہ حاصل کر چکے تھے اور امارگی سے نکل کر اطمینان کے مقام پر فائز ہو چکے تھے۔ ان کی خواہشات شریعت کے تابع ہو چکی تھیں۔ بلکہ وہ اختلاف اجتہاد اور حق کی سربلندی پر مبنی تھا۔ لہٰذا جو خطا پر تھے ان کے لیے ایک درجہ ثواب ہے۔ اور جو حق پر تھے انہیں دو درجہ ثواب حاصل ہوگا۔ اس لیے زبان کو ان کی شان کے خلاف کچھ کہنے سے روکنا چاہیے اور سب کو اچھائی سے یاد کرنا چاہیے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "یہ ایسے خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا۔ تو ہمیں اپنی زبانیں بھی ان سے پاک رکھنی چاہییں"۔

امام شافعی ہی ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

---

[1] مشکوٰۃ شریف بحوالہ ترمذی شریف بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

[2] تاریخ الخلفاء۔

"لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال شریف کے بعد مجبور اور پریشان ہوئے تو انہیں اس آسمان کے نیچے ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے بہتر کوئی شخص نہ ملا تو انہوں نے اپنی گردنوں کا والی ان کو بنا لیا۔"

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول اس امر کی تصریح ہے کہ وہاں کوئی تقیہ نہیں تھا اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت صدیق کی بیعت پر راضی اور خوش تھے۔

باقی ماندہ ایک مقصودی بات یہ ہے کہ میاں سیدن ولد میاں شیخ ابوالخیر بزرگ زادہ لوگوں میں سے ہے۔ سفر دکن میں وہ آپ کے ساتھ گیا تھا۔ آپ کی عنایت والتفات کا امیدوار ہے۔ مولانا محمد عارف بھی طالب علم اور بزرگ زادہ ہے۔ اس کا باپ کا ایک عالم دین شخص تھا۔ معاشی مدد کے سلسلے میں آپ کی توجہ کا امیدوار ہے۔ والسلام والاکرام۔

مکتوب نمبر (۸۱)

لالہ بیگ کی طرف صادر فرمایا۔

اسلام کی ترویج پر ابھارنے اور اسلام اور مسلمانوں کی پستی اور ضعف اور ذلیل کفار کے غلبہ کے بیان میں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہماری اور تمہاری غیرتِ اسلامی میں اضافہ کرے۔ قریباً ایک صدی سے اسلام کی غربت اور پستی اس حد تک کو پہنچ چکی ہے کہ بلاد اسلام میں کفار صرف احکام کفر کے اجراء پر راضی نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکل مٹ جائیں اور مسلمانوں اور مسلمانی کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ اور ان کی جرأت و بے باکی یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان شعار اسلام کے اظہار کی دلیری کرتا ہے تو قتل کر دیا جاتا ہے۔ ذبیحہ گاؤ جو ہندوستان میں اسلام کے اعظم شعائر میں سے ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ کفار شاید جزیہ ادا کرنے پر راضی ہو جائیں مگر ذبح گائے پر کبھی راضی ہونے کو تیار نہیں۔

ابتدائے بادشاہت ہی میں اگر مسلمانی رواج پذیر ہو گئی اور مسلمانوں نے کچھ حیثیت پیدا کر لی تو فبہا اور اگر عیاذاً باللہ سبحانہ معاملہ سستی اور توقف میں پڑ گیا تو مسلمانوں پر سخت برے دن آجائیں گے۔ الغیاث الغیاث ثم الغیاث۔" اللہ کی بارگاہ میں فریاد۔ فریاد۔ پھر

فریاد۔ فریاد"۔ دیکھیے، کون صاحب قسمت اس دولت (ترویج اسلام) سے سرفراز ہوتا ہے۔ اور کس شہباز کا ہاتھ اس دولت تک پہنچتا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حضور سید المرسلین علیہ و علی آلہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۸۲)

سکندر خاں لودھی کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ دل کی سلامتی ماسوائے حق کے بھلانے کے بغیر میسر نہیں آسکتی۔ اور ماسوا کے بھلانے کا نام ہی فنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نظر کی کجی سے پاک، سید بشر علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے اور غیر کے حوالے نہ کرے۔

وہ چیز جو ہم اور تم سب پر لازم ہے، یہ ہے کہ غیر حق سبحانہ' و تعالیٰ سے اپنے دل کو محفوظ رکھا جائے۔ اور یہ سلامتی اس وقت میسر آتی ہے جبکہ غیر حق تعالیٰ کا دل پر گزر نہ رہے۔ اور غیر حق کا دل پر نہ گزرنا غیر حق کے نسیان اور بھول جانے پر مبنی ہے، جسے فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس بلند گروہ کے نزدیک غیر حق کا خیال بالفرض تکلف سے بھی دل میں لانا چاہیں تو ہرگز ہرگز نہیں گزر سکتا۔ کام جب تک یہاں تک نہ پہنچے سلامتی محال اور ناممکن ہے۔ آج یہ نسبت کوہِ قاف کے عنقا کی طرح نایاب ہے، بلکہ وجود تو کجا، اگر اس نسبت کا تذکرہ بھی کیا جائے تو لوگوں کو یقین نہ آئے ؎

هنيئاً لارباب النعيم نعيمها   وللعاشق المسكين ما يتجرع

ارباب نعمت کو جنت کی نعمتیں دل پسند رہیں۔ عاشق مسکین کے لیے وہی ہے جو وہ گھونٹ گھونٹ رنج والم کی شراب پی رہا ہے۔

اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ والسلام اولاً و آخراً

مکتوب نمبر (۸۳)

بہادر خاں کی طرف صادر فرمایا۔

شریعت و حقیقت اپنے ظاہر و باطن کی جمعیت کو شریعت و حقیقت کے ساتھ جمع کرنے پر ابھارنے میں:

حق سبحانہ و تعالیٰ متفرق تعلقات سے نجات عطا کر کے مکمل طور پر اپنی جناب قدس کا گرفتار کرے۔ بحرمتہ سید المرسلین علیہ و علیٰ آلہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا ؎

ہر چہ جز عشق خدائے احسن ست
گر شکر خوردن بود جاں کندن ست

خدائے احسن کے عشق کے سوا جو کچھ بھی ہے اگرچہ شکر ہی کھانا ہو در حقیقت جان کو ہلاک کرنے والی بات ہے۔

ظاہر کو ظاہر شریعت غرا (روشن) سے آراستہ کرنا اور باطن کو ہمیشہ حق تعالیٰ کے ساتھ رکھنا بہت بڑا کام ہے۔ دیکھیے کس صاحب قسمت کو ان دونوں عظیم نعمتوں سے مشرف کرتے ہیں۔ آج ان دو نسبتوں کا جمع ہونا بلکہ صرف ظاہر شریعت پر استقامت نہایت ہی نادر بات ہے۔ یہ چیز کبریت احمر سے بھی زیادہ نایاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کمال کرم سے ظاہرًا باطنًا حضور سید اولین و آخرین کی متابعت پر استقامت نصیب فرمائے۔ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات۔

مکتوب نمبر (۸۴)

سید احمد قادری کی طرف صادر فرمایا۔

اس امر کے بیان میں کہ شریعت و حقیقت ایک دوسرے کا بالکل عین ہیں۔ اور حق الیقین تک پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ اس مقام کے علوم و معارف علوم و معارف شرعیہ کے مطابق ہو جائیں اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

حق سبحانہ و تعالیٰ راہ شریعت پر استقامت عطا کرے اور مکمل طور پر اپنی جناب قدس کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتے ہوئے ہمیں ہمارے وجود بشری سے آزادی عطا کرے۔ اور غیر حق سے بالکلیہ اعراض اور

دو گردانی میسر فرمائے۔ بطفیل کج نظر سے پاک سید البشر علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا۔ ع

از ہر چہ می رود سخن دوست خوشتر است

دوست کی بات جس طرف سے بھی ہو بہت ہی اچھی ہے

اگرچہ دوست کے متعلق جو کچھ کہا جائے وہ دوست کے مقام سے بہت ہی نیچے ہے لیکن ایسی گفتگو کو جناب حق تعالیٰ وتقدس کے ساتھ قدرے مناسبت ہوتی ہے۔ اس معنی کو غنیمت شمار کرتے ہوئے اس باب میں جرأت و دلیری کرتا ہے۔

اصل اور بامقصد بات یہ ہے کہ شریعت و حقیقت ایک دوسرے کا بالکل عین ہیں اور حقیقت میں ایک دوسرے سے الگ اور جدا نہیں ہیں۔ فرق صرف اجمال و تفصیل، کشف و استدلال، غیبت و شہادت اور تکلف اور عدم تکلف کا ہے۔

وہ علوم و احکام جو روشن شریعت کے مطابق علم میں آئے ہوئے ہیں حق الیقین کی حقیقت سے موصوف ہونے کے بعد بھی وہی احکام و علوم تفصیل سے منکشف ہوتے ہیں اور غیبت سے شہادت کی طرف لے آتے ہیں۔ اور کسب کی مشقت اور تکلف کے ساتھ عمل کی وقت رفع ہو جاتی ہے۔ اور حق الیقین کی حقیقت تک وصول کی علامت یہ ہے کہ اس مقام کے علوم و معارف شرعی علوم و معارف کے بالکل مطابق ہو جاتے ہیں۔ جب تک ایک بال برابر بھی مخالفت باقی ہے۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی تک حقیقت الحقائق تک وصول حاصل نہیں ہوا۔ اور شریعت کے خلاف علم و عمل مشائخ طریقت میں سے جس سے بھی واقع ہو وہ سکر وقت پر مبنی ہے۔ اور سکر وقت دوران راہ کی بات ہے۔ نہایۃ النہایہ تک پہنچ جانے والے ارباب صحو ہیں۔ وقت ان کے آگے مغلوب ہے۔ حال اور مقام ان کی شان کے تابع ہیں ؎

صوفی ابن الوقت آمد در مثال ۔۔۔ لیک صافی فارغ است از وقت و حال

صوفی تو حال و وقت کا تابع ہوتا ہے، مگر صافی (حق الیقین تک پہنچ جانے والا بزرگ) وقت اور حال سے فارغ ہو چکا ہوتا ہے۔

تو ثابت ہو گیا کہ شریعت کی مخالفت حقیقت کا رنگ عدم وصول کی علامت ہے۔

بعض مشائخ کی عبارات میں یوں واقع ہوا ہے کہ شریعت حقیقت کا پوست اور چھلکا ہے۔ اور حقیقت شریعت کا مغز ہے۔ یہ عبارت اگرچہ متکلم کی بے استقامتی کی خبر دیتی ہے۔ لیکن ممکن ہے اس کی مراد یہ ہو کہ مجمل مفصل کے سامنے پوست کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور کشف کے سامنے استدلال چھلکے کا حکم رکھتا ہے۔ لیکن مستقیم الاحوال اکابر اس قسم کی موہم عبارات کا لانا جائز نہیں رکھتے۔ اور

اجمال و تفصیل اور کشف و استدلال کے سوا کچھ فرق بیان نہیں کرتے۔

ایک سائل نے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس سے سوال کیا کہ سیر و سلوک سے کیا چیز مقصود ہے؟ آپ نے جواب دیا "تاکہ اجمالی معرفت تفصیل کی شکل اختیار کرے، اور استدلال کشف کی صورت میں بدل جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم و عمل میں شریعت پر ثبات و استقامت عطا فرمائے۔ صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہٗ علیٰ صاحبہا۔

ایک تکلیف آنجناب کو یہ دی جاتی ہے کہ حامل رقعہ دعا میاں شیخ مصطفےٰ شریکی قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ ان کے آباء و اجداد معاش کے بہت ذرائع اور وسائل رکھتے تھے اور ان کے وظائف مقرر تھے شخص مذکور اسباب معاش کے فقدان کے باعث پریشان ہے متعلقہ اسناد اور احکام اپنے ساتھ لے کر لشکر کی ملازمت کے لیے متوجہ ہوا ہے۔ التفات و مہربانی فرما کر اس طرح توجہ فرمائیں کہ سکون قلبی حاصل ہو جائے اور اضطراب و پراگندگی سے نجات پا جائے۔ زیادہ درد سری ٹھیک نہیں۔

مکتوب نمبر (۸۵)

میرزا فتح اللہ حکیم کی طرف صادر فرمایا۔

اعمال صالحہ کے بجا لانے خصوصاً سب نمازیں باجماعت ادا کرنے کی ترغیب اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی پسندیدہ باتوں کے بجالانے کی توفیق عنایت کرے۔

آدمی کے لیے جس طرح درستی عقائد ضروری ہے۔ اعمال صالحہ کا بجالانا بھی ضروری ہے۔ اور تمام عبادتوں میں جامع تر اور طاعات میں سب سے زیادہ خدا کے قریب کرنے والی طاعت نماز کا ادا کرنا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ فَمَنْ اَقَامَھَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّیْنَ وَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْ ھَدَمَ الدِّیْنَ۔[1]	نماز دین کا ستون ہے۔ تو جس نے اسے قائم کیا اس نے اپنے دین کو قائم کر لیا۔ اور جس نے اس کو چھوڑ دیا اس نے دین کی عمارت کو گرا دیا۔

[1] دیلمی نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں مرفوعاً روایت کی۔

اور جس شخص کو ہمیشہ پابندی سے نماز ادا کرنے کی توفیق عطا کر دیتے ہیں اسے فحشا اور منکر سے بھی بچا لیتے ہیں۔ آیۂ کریمہ:

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ — بیشک نماز بے حیائی اور بُرائی سے روکتی ہے۔

اس بات کی تائید کرتی ہے۔ اور وہ نماز جو فحشا اور منکرات سے نہیں روکتی، صرف صورت نماز ہے اور حقیقتِ نماز سے خالی ہے۔ لیکن حقیقت کے ہاتھ آنے تک صورت کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہیے جو مکمل طور پر حاصل نہ ہو سکے اسے مکمل طور پر ہی ترک نہیں کرنا چاہیے۔ خدائے اکرم الاکرمین اگر صورت کو ہی حقیقت کا درجہ دیدے تو کوئی بعید نہیں۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ پورے خشوع و خضوع کے ساتھ باجماعت پوری نمازیں ہمیشہ پابندی وقت کے ساتھ ادا کرتے رہو۔ کیونکہ نماز فلاح اور نجات کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝[1] — بیشک فلاح پا گئے وہ ایمان دار جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔

کام وہی ہے جو خطرے کے وقت بھی جاری رکھا جائے۔ سپاہی غلبہ دشمن کے وقت اگر تھوڑا سا تردد بھی کریں تو اس کی بہت قدر و قیمت ہوتی ہے۔

جوانوں کی خوبی اس وجہ سے ہے کہ شہوت نفسانی کے غلبہ کے باوجود اپنے آپ کو درستی پر قائم رکھیں۔ اصحابِ کہف نے یہ سب فضیلت و بزرگی مخالفِ دین لوگوں کے پاس سے ہجرت کر جانے کے سبب حاصل کی۔ حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں وارد ہے:

عِبَادَةٌ فِي الْهَرَجِ كَهِجْرَةٍ إِلَيَّ۔[2] — فتنہ کے وقت عبادت میں مصروف رہنا میری طرف ہجرت کرنے کا ثواب رکھتی ہے۔

پس عبادت سے روکنے والے اسباب درحقیقت عبادت پر راغب کرنے والے اسباب ہیں اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔

فرزند شیخ بہاؤ الدین کو فقرا کی صحبت سے کوئی رغبت نہیں۔ دولت مند اور اہل نعمت کی طرف مائل اور کشش رکھتا ہے۔ نہیں جانتا کہ ان کی صحبت زہر قاتل ہے، اور ان کا لقمہ ظلمت اور

---

[1] پارہ ۱۸۔ سورۂ مومنون۔

[2] مسلم و ترمذی و ابن ماجہ بروایت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

بسا ہی میں زیادتی اور اضافہ کرتا ہے۔ اَلْحَذَر اَلْحَذَر ثُمَّ اَلْحَذَر "ڈرو، ڈرو، پھر ڈرو اور ڈرو" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث صحیح میں وارد ہے۔

مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِيٍّ لِغِنَاهُ ذَهَبَ ثُلُثَا دِيْنِهٖ

جو شخص کسی دولت مند کی اس کی دولت کی وجہ سے تواضع کرتا ہے اس کا دو تہائی دین تباہ ہو جاتا ہے۔

تو اس شخص پر افسوس جو دولت کی بنا پر دولت مندوں کی تواضع کرتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی توفیق خیر عطا کرنے والا ہے۔

مکتوب نمبر (۸۶)

ضلع جوک کے ایک حاکم کی طرف صادر فرمایا:

غیر حق سبحانہ سے اپنے قلب کو سالم رکھنے کے بیان میں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بطفیل حضور سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم من الصلوات افضلہا ومن التحیات والتسلیمات اکملہا حد اعتدال اور مرکز عدالت پر استقامت کی توفیق عنایت کرے۔

جو چیز ہم اور تم سب پر لازم ہے یہ ہے کہ دل کو غیر حق کے خیالات سے پاک اور سالم کریں۔ اور اس طرح سلامتی اس کی ہونی چاہیے کہ غیر حق کا دل پر بالکل گزر نہ رہے۔ اگر ہزار سال بھی زندگی وفا کرے تب بھی غیر حق کا خیال دل پر نہ گزرے۔ اس نسیان کے باعث جو غیر حق سے حاصل ہو چکا ہو۔ ع

کار این ست غیر ایں ہمہ ہیچ

اصل کام یہی ہے۔ اس کے سوا سب ہیچ ہے۔

آپ نے ملاقات کے وقت از روئے کرم نوازی فرمایا تھا کہ اگر کسی مہم اور کام میں رجوع کی ضرورت پڑے تو ہمیں لکھنا۔ اس بنا پر بندہ ایک تکلیف دیتا ہے کہ شیخ عبداللہ صوفی نیک لوگوں میں سے ہے۔ بعض حاجات کی بنا پر قرضدار ہو چکا ہے۔ امید ہے کہ اسے قرض سے نجات دلانے میں مدد فرمائیں گے والسلام۔

ل امام بیہقی نے شعب الایمان میں اور خطیب نے بروایت ابن مسعود اور دیلمی نے بروایت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کی۔ امام سیوطی فرماتے ہیں ابن جوزی کا اسے موضوعات میں داخل کرنا درست نہیں۔

مکتوب نمبر (۸۷)

پہلوان محمود کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ کس قدر سعادت کی بات ہے کہ خدائے جل وعلا کے دوست کسی کو قبول فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے اور راہِ شریعت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ پر ثابت و قائم رکھے۔

آپ کے خاندان کے لیے سب سے پہلی بشارت یہ ہے کہ یہاں شیخ مزمل تمہارے پاس تشریف لائے ہیں۔ بندہ ان کی صحبت کی برکات کی کیا شرح کرے۔

کس قدر سعادت ہے کہ خدائے جل وعلا کے دوست کسی کو قبول فرمائیں۔ چہ جائیکہ اُسے اپنی قربت ومحبت سے ممتاز کریں اور نوازیں:

هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ۔ یہ ایسی قوم ہے کہ ان کے ہمنشین بدبختی سے محفوظ ہیں

مختصر یہ کہ ان کی صحبت کو غنیمت شمار کریں اور صحبت کے آداب کی رعایت ملحوظ رکھیں تاکہ مؤثر ثابت ہو۔ زیادہ کیا لکھے۔ والسلام اوّلاً وآخراً۔

مکتوب نمبر (۸۸)

یہ مکتوب بھی پہلوان محمود کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ کس قدر نعمت ہے کہ بندہ ایمان اور نیکی میں اپنے سیاہ بال سفید کرے۔

اور جوانی میں خوف غالب رہے اور بڑھاپے میں رجا۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے۔ خدا تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ بندہ ایمان اور نیکی میں اپنے جوانی کے سیاہ بال سفید کر لے۔ حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں وارد ہے:

مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْاِسْلَامِ[1] جو شخص اسلام کی پابندی میں بوڑھا ہوا اُس کی

[1] ابوداؤد بروایت عمرو بن شعیب اور ترمذی ونسائی بروایت کعب بن مرہ بالفاظ مختلفہ۔

غُفِرَ لَهُ۔ مغفرت ہو جائے گی۔

جانب امید کو ترجیح دیں اور مغفرت کا ظن غالب رکھیں۔ کیونکہ جوانی میں خوف زیادہ درکار ہے اور بڑھاپے میں رجا اور امید کا غلبہ زیادہ ہونا چاہیے۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب نمبر ۸۹

ماتم پرسی کے متعلق میرزا علی خاں کی طرف صادر فرمایا۔

حق سبحانہ' و تعالیٰ راہِ شریعت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ پر استقامت نصیب فرمائے۔

انسان کے لیے مطابق فرمان خداوندی:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔[1] ہر جان نے موت کا مزا چکھنا ہے۔

موت سے چارہ نہیں۔

طُوْبٰى لِمَنْ طَالَ عُمْرُهٗ وَكَثُرَ عَمَلُهٗ[2] تو مبارک ہے وہ شخص جس کی عمر زیادہ ہو اور نیک اعمال بھی زیادہ ہوں۔

یہ موت ہی ہے جو مشتاق لوگوں کو تسلی دیتی ہے، اور دوست کو دوست سے ملنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ۔[3] جو شخص خدا تعالیٰ سے ملاقات کا امیدوار ہو تو بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ ملاقات ضرور آنے والا ہے۔

ہاں، پس ماندگان اور حضورگی دولت سے محروم غیر حق تعالیٰ میں گرفتار لوگوں کا حال موت کے ذریعہ اپنے مطلوب تک پہنچ جانے والوں اور قید دنیا سے رہائی پانے والوں کے مقابلہ میں بہت ہی خراب اور ابتر ہے۔ آپ کی ولی نعمت مرحومہ کا وجود اس زمانے میں بسا غنیمت تھا۔ اب تم پر لازم ہے کہ احسان کا بدلہ احسان سے دو اور دعا و صدقہ کے ذریعہ ہر آن مدد کرتے رہو۔

---

[1] سورۂ آل عمران، پارہ ۴۔

[2] ابوداؤد، مشکوٰۃ۔ احمد و ترمذی۔

[3] سورۂ عنکبوت، پارہ ۲۰۔

فَاِنَّ الْمَیِّتَ کَالْغَرِیْقِ یَنْتَظِرُ دَعْوَۃً تَلْحَقُہٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِیْقٍ۔[1]

بیشک میت ڈوبتے ہوئے انسان کی طرح ہے وہ ہر وقت دعا کا منتظر رہتا ہے جو اسے باپ یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے۔

نیز یہ بھی چاہیے کہ ان کی موت سے اپنے مرنے کی عبرت پکڑیں۔ اور اپنے آپ کو مکمل طور پر حق تعالےٰ کی رضا کے کاموں کے حوالے کر دیں اور دنیا کی زندگی کو سامان غرور کے ماسوا کچھ شمار نہ کریں۔ اگر دنیوی ساز و سامان کی کچھ بھی قدر و قیمت ہوتی تو کفار بدکردار کو ایک بال برابر بھی دنیا کی کوئی چیز نہ دی جاتی۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں ماسوا اللہ تعالیٰ سے اعراض اور اپنی جناب قدس کی طرف توجہ کی سعادت نصیب فرمائے۔ بحرمۃ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا۔ والسلام والاکرام۔

مکتوب نمبر (۹۰)

خواجہ قاسم کی طرف صادر فرمایا۔

اس امر کی ترغیب میں کہ مکمل طور پر حق سبحانہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ اور آج اس دولت کا حصول اس طبقہ علیہ نقشبندیہ کے ساتھ اخلاص اور ان کی طرف توجہ اور رجوع کے ساتھ وابستہ ہے۔ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم۔

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کمینی دنیا کو آپ کی نظر میں خوار و بے اعتبار کر دے اور آخرت کے حسن و جمال کو آئینہ باطن میں آراستہ اور مزین کر دے۔ بحرمۃ سید البشر جو نظر کی کجی سے پاک و طاہر تھے علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا۔

آپ کا التفات نامہ گرامی معزز ہدیوں کے ساتھ موصول ہوا۔ آپ نے کرم نوازی فرمائی۔ جزاکم اللہ سبحانہٗ خیر الجزاء۔

جو نصیحت محبوں اور مخلصوں کو کی جاتی ہے سب کی سب یہی ہے کہ مکمل طور پر پوری توجہ

---

[1] یہ قول اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو مشکوٰۃ میں بیہقی سے بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ معلوم ہوا کہ مردوں کو ایصال ثواب کا عقیدہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ نیز تمام اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کما فی الہدایہ۔

اور رجوع جناب قدس خداوندی عز شانہ کی طرف میسر آنا چاہیے اور غیر حق تعالیٰ سے اعراض حاصل ہونا چاہیے ع

کار این ست غیر ایں ہمہ ہیچ

کرنے کا کام یہی ہے۔ اس کے سوا سب ہیچ ہے

آج اس دولت عظمیٰ کا حصول اس بلند طبقہ نقشبندیہ کے ساتھ کامل اخلاص اور اس کی طرف توجہ اور رجوع کے ساتھ وابستہ ہے۔ ریاضات شاقہ اور مجاہدات شدیدہ سے بھی وہ چیز میسر نہیں آسکتی جو ان بزرگوں کی ایک صحبت سے میسر آجاتی ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں کے طریقے میں نہایت بدایت میں درج ہے۔ یہ بزرگ پہلی صحبت میں وہ کچھ عطا کر دیتے ہیں جو منتہیوں کو انتہاء پر جا کر میسر آتی ہے۔ ان بزرگوں کا طریقہ صحابہ کرام کا طریقہ ہے۔ کہ صحابہ کرام کو خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی اول صحبت میں وہ کمالات میسر آ گئے جو اولیاء امت کو نہایت پر پہنچ کر بھی شاید ہی میسر ہوں لہٰذا یہ چیز نہایت کے بدایت میں درج ہونے کے طور پر ہے۔ تو تم پر ان اکابر کے ساتھ محبت و عقیدت رکھنا لازم ہے۔ کیونکہ اس محبت پر ہی معاملے کا دار و مدار ہے۔ آپ پر اور تمام ہدایت کے پیروکاروں اور مصطفیٰ علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کرنے والوں پر رحمت وسلامتی کا نزول ہوتا رہے۔

مکتوب نمبر (۹۱)

شیخ کبیر کی طرف صادر فرمایا۔

اس امر کے بیان میں کہ عالم قدس کی طرف پرواز کرنے کے لیے دو پر ضروری ہیں - ایک تصحیح عقائد اور دوسرا اعمال صالحہ کی بجا آوری۔ اور اعمال شریعت اور احوال حقیقت سے مقصود تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں اور تمہیں روشن سنت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت پر استقامت نصیب فرمائے۔

کرنے والا ضروری کام یہ ہے کہ اولاً علمائے اہل سنت وجماعت کی آراء کے مطابق عقائد درست کیے جائیں۔ کیونکہ فرقہ ناجیہ (نجات پانے والا) یہی گروہ ہے۔ پھر اس کے بعد احکام فقہیہ کے مطابق علم و عمل کو اپنے پر لازم کر لینا چاہیے۔ ان دو اعتقادی اور عملی پروں کے حاصل ہونے کے بعد

عالم قدس کی طرف پرواز کرنا چاہیے۔ ع

کار این ست وغیر ایں ہمہ ہیچ

کرنے کا کام یہی ہے' اس کے سوا سب ہیچ ہے

اعمال شریعت اور احوال طریقت و حقیقت سے مقصود اور غرض وغایت تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب ہے۔ جب تک نفس تزکیہ پذیر نہیں ہوگا اور قلب کو سلامتی نصیب نہیں ہوگی۔ ایمان حقیقی جس پر نجات کا انحصار ہے میسر نہیں آسکتا۔ سلامتی قلب اس وقت وجود میں آتی ہے جبکہ دل پر غیر خدا تعالیٰ کے خیالات کا گزرنا بالکل بند ہو جائے۔ اگر ہزار برس بھی گزر جائیں دل میں غیر خدا کا گزر نہ ہو۔ کیونکہ اسی وقت ہی دل کو غیر خدا کا نسیان پورے طور پر میسر آتا ہے۔ اور اس کی نشانی یہ ہے کہ اگر غیر خدا کو تکلف اور کوشش سے بھی دل میں لانا چاہیں تو نہ آسکے۔ اس حالت کو لفظ فنا سے تعبیر کرتے ہیں' اور یہ اس راستے میں پہلا قدم ہے۔ اس کے بغیر خار دار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔ والسلام اولاً وآخراً۔

مکتوب نمبر (۹۲)

یہ مکتوب بھی شیخ کبیر کی طرف صادر فرمایا۔

اس امر کے بیان میں کہ اطمینان قلب ذکر سے نصیب ہوتا ہے۔ نظر واستدلال سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ پر ثابت قائم رکھے

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔ سن لو! اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ (پارہ ۱۳۔ سورہ رعد)

اطمینان قلب کا راستہ اللہ سبحانہ کا ذکر ہے۔ نظر واستدلال اس کا راستہ نہیں ہے

پائے استدلالیاں چوبیں بود پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

اپنے مسلک کی بنیاد صرف دلائل پر رکھنے والوں کے پاؤں لکڑی کے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ لکڑی کے پاؤں بالکل کمزور ہوتے ہیں۔

کیونکہ ذکر کے ذریعے جناب قدس خداوندی کے ساتھ ایک گونہ مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ کچھ بھی مناسبت نہیں۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

تاہم ذکر کے ذریعہ ذاکر اور مذکور کے درمیان ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے جو محبت کا موجب بنتا ہے اور جب محبت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو دل سے اطمینان کے سوا سب کچھ نکل جاتا ہے۔ اور جب معاملہ اطمینانِ قلب کے حصول تک پہنچ گیا تو ایسے شخص کو دولتِ ابدی حاصل ہو گئی ؎

ذکر گو ذکر تا ترا جان ست پاکیِ دل ز ذکرِ یزدان ست

جب تک تم میں جان ہے اس کے ذکر میں مصروف رہو۔ دل کی طہارت اللہ کے ذکر ہی سے نصیب ہوتی ہے۔

والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب نمبر (۹۳)

یہ مکتوب سکندر خاں لودھی کی طرف صادر فرمایا۔

اس امر کے بیان میں کہ تمام اوقات ذکر الٰہی جل شانہٗ میں مصروف رہنا چاہیے۔

پانچوں نماز با جماعت ادا کرنے اور مستحب اوقات میں سنن موکدہ ادا کرنے کے بعد اپنے تمام اوقات کو ذکرِ الٰہی جل شانہٗ میں مصروف رہنا چاہیے۔ کھانے، سونے، آنے اور جانے غرض تمام اوقات میں ذکر سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

ذکر کا طریقہ تمہیں بتا دیا گیا ہے اس کے مطابق ذکر کرتے رہیں۔ اگر ذکر اور جمعیت میں فتور اور خلل محسوس کریں تو اول اس فتور کا سبب معلوم کرنا چاہیے۔ پھر بارگاہِ خداوندی میں التجا اور زاری کے ذریعے اس کوتاہی کی تلافی کرنی چاہیے۔ اور اس ظلمت اور تاریکی کو دور کرنے کی کوشش اور سعی کرنا چاہیے۔ اور اس میں شیخ اور رہبر و مرشد کو وسیلہ بنانا چاہیے جس سے ذکر کی تعلیم حاصل کی ہو۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی تمام مشکل امور کو آسان کرنے والا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۹۴)

خضر خاں لودھی کی طرف صادر فرمایا:

اس امر کے بیان میں کہ انسان کے لیے عقائد کی درستی اور اعمال صالحہ کا بجالانا بہت ضروری ہے۔ تاکہ ان دو بازوؤں کے ساتھ عالم حقیقت کی طرف پرواز کر سکے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے راستے پر استقامت نصیب فرمائے۔

وہ چیز جو ضروری ہے اور جس کے بغیر چارہ کار نہیں، یہ ہے کہ اولاً مطابق آرائے صحیحہ اہل سنت وجماعت جو فرقہ ناجیہ ہے، اپنے عقائد درست کرنے چاہییں۔ پھر احکام فقہ کے موافق فرائض سنتیں، واجبات، مستحبات، حلال وحرام اور مکروہ ومشتبہ سب ضروری احکام کا علم حاصل کرنے کے بعد ان پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ جب یہ دونوں اعتقادی اور عملی بازو میسر آجائیں تو پھر اگر توفیق خداوندی جل سلطانہٗ دستگیری کرے۔ تو ممکن ہے عالم حقیقت کی طرف پرواز نصیب ہو جائے۔ ان دو بازوؤں کے مہیا ہوئے بغیر عالم حقیقت کی طرف پرواز ناممکن اور محال ہے ؎

محال ست سعدی کہ راہِ صفا توان رفت جز در پئے مصطفےٰ

اے سعدی! یہ بات ناممکن ہے کہ صفائی اور ہدایت کا راستہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلے بغیر نصیب ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی اتباع نصیب فرمائے۔

مکتوب نمبر (۹۵)

سید احمد بجواڑہ کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ انسان ایک نسخہ جامعہ ہے۔ اور انسان کا قلب بھی صفت جامعیت پر پیدا ہوا ہے۔ اور بعض مشائخ کے اقوال جو وسعتِ قلب وغیرہ کے بارے میں حال سکر میں صادر ہوئے ہیں انہیں صحیح توجیہات پر محمول کیا جائے۔ اور اس امر کے بیان میں کہ صحو سکر سے افضل ہے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

انسان ایک نسخہ جامع ہے۔ جو کچھ ساری موجودات میں ہے وہ سب کا سب تنہا انسان میں موجود ہے۔ لیکن عالم امکان کی اشیاء اس میں بطورِ حقیقت موجود ہیں، اور مرتبہ وجوب بطور صورت۔

إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا

اور اسی جامعیت پر انسان کے دل کو پیدا کیا گیا ہے۔ کہ جو کچھ پورے انسان میں ہے تنہا دل میں موجود ہے۔ لہٰذا قلب انسانی کو حقیقتِ جامعہ کہتے ہیں۔ قلب کی اسی وسعت و کشادگی کے متعلق بعض مشائخ نے جامعیت و وسعتِ قلب کے متعلق یوں خبر دی ہے کہ:

"اگر عرش اور جو کچھ اس میں ہے قلبِ عارف کے ایک کونے میں ڈال دیں تو کچھ محسوس نہ ہو"

کیونکہ قلب اربعہ عناصر، افلاک، عرش، کرسی، عقل، نفس اور مکانی اور لامکانی اشیاء سب کا جامع ہے۔

لہ یہ دراصل بخاری اور مسلم شریف میں مذکور طویل حدیث کا ایک جملہ ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خلق الله آدم علی صورته طوله ستون ذراعًا الخ

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: علماء کا اس حدیث کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض علماء تو اس حدیث کی کوئی تاویل بیان نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں یہ حدیث احادیث صفات میں سے ہے لہٰذا اس کی تاویل سے باز رہنا چاہیے۔ کیونکہ اس طرح کے متشابہات میں سلف کا یہی مذہب ہے۔

بعض دوسرے علماء اس کی تاویل کرتے ہیں۔ اور اس کی مشہور تاویل یہ ہے کہ لفظ صورت سے مراد صفت ہے۔ جس طرح عام محاورات میں کہا جاتا ہے "اس مسئلے کی صورت یہ ہے"۔ اور "فلاں معاملے کی صورتِ حال یہ ہے"۔ اب حدیث پاک کا معنی یہ ہوگا۔ "خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صفت پر پیدا فرمایا"۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان صفات کا موصوف بنایا جو اس کی صفات کا پرتو ہیں۔ تو اسے حی، عالم، قادر، متکلم، سمیع، بصیر پیدا فرمایا۔

حدیث کی دوسری تاویل یہ ہے کہ اضافت شرافت و بزرگی کے اظہار کے لیے ہے۔ جیسے بیت اللہ، روح اللہ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جمیل و لطیف صورت پر پیدا فرمایا اور آپ کی ذات کو منبع اسرار و لطائف بنایا۔

تیسری تاویل یہ ہے کہ ضمیر "ہٖ" سے مراد حضرت آدم ہی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بشر کے بالکل ابتدائی حال پر بالکل ٹھیک اور متناسب الاعضاء پیدا فرمایا کہ آپ کا طول ساٹھ گز تھا۔ دوسرے انسانوں کی طرح کہ وہ پہلے نطفہ پھر مضغہ پھر جنین ہوتا ہے پیدا نہیں فرمایا۔

چوتھی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک صورت خاصہ پر پیدا فرمایا جو تمام مخلوقات کا نسخہ جامع ہے۔ کیونکہ کائنات میں ایسی کوئی مخلوق نہیں جس کی مثال صورت آدم میں نہ ہو۔ اسی لیے انسان کو عالم صغیر کہا جاتا ہے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

تو چونکہ قلب لامکانی امور پر بھی مشتمل ہے' لہٰذا عرش اور جو کچھ اس میں ہے' قلب میں اس کی کچھ مقدار نہ ہوگی۔ کیونکہ عرش اور جو کچھ اس میں ہے باوجود وسعت و کشادگی کے دائرۂ مکان میں داخل ہے اور مکانی چیز اپنی جگہ چاہے کتنی ہی وسیع کیوں نہ ہو' لامکانی کے سامنے تنگ ہی ہے اور کوئی قدر نہیں رکھتی۔ لیکن مشائخ قدس اللہ اسرارہم میں سے ارباب صحو جانتے ہیں کہ یہ حکم (قلب کا عرش سے بھی وسیع ہونا) سکر پر مبنی ہے۔ اور شے کی حقیقت اور اس کے نمونے میں عدم امتیاز کے باعث ہے۔

عرش مجید جو ظہور تام کا محل و مقام ہے' اس سے بہت بلند ہے کہ قلب تنگ میں اس کی گنجائش ہو۔ قلب کے اندر عرش کا جو کچھ نظر آتا ہے وہ عرش کا نمونہ ہے۔ حقیقت عرش نہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قلب کے آگے عرش کے نمونے کی کچھ حیثیت نہیں۔ کیونکہ قلب بے انتہا اشیاء کے نمونوں کا جامع ہے۔ آئینہ جس میں آسمان اپنی تمام بڑائی اور اس میں موجود تمام اشیاء کے ساتھ دکھائی دیتا ہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ آئینہ آسمان سے وسیع ہے۔ ہاں آسمان کی مثال اور اس کا عکس جو آئینے میں دکھائی دیتا ہے وہ آئینہ کے سامنے چھوٹا ہے لیکن حقیقت آسمان آئینے سے بہت بڑی ہے۔ اس بحث کی ایک مثال سے وضاحت ہو جاتی ہے۔

مثلاً انسان میں کرۂ خاک کا عنصر پوشیدہ ہے۔ انسان کی جامعیت کا خیال کرتے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ انسان کرہ ارض سے وسیع ہے۔ بلکہ وجود انسان کی کرہ خاک کے سامنے کچھ مقدار نہیں بلکہ اس کے سامنے انسان ایک چھوٹی سی چیز ہے۔ دراصل ایک چھوٹی چیز میں موجود نمونے کو حقیقت جانتے ہوئے یہ حکم لگا دیا جاتا ہے۔

اسی قبیلہ سے ہے بعض مشائخ کا وہ کلام جو غلبہ سکر میں ان سے صادر ہوا ہے کہ جمع محمدی خدا تعالیٰ

(بقیہ صفحہ سابقہ) پانچویں تاویل یہ ہے کہ صورت سے مراد شان اور امر ہے کہ آپ مسجود ملائکہ ہیں اور تمام کائنات کو مسخر کرنے والے اور ان میں تصرف کرنے والے ہیں۔

بعض جاہل صوفی اس حدیث کے یہ معنی کرتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی صورت پر پیدا کیا گیا ہے اور اللہ کی یہی صورت ہے جو انسان کی ہے۔ اس معنی کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ذی صورت اور جسم ہونا لازم آتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا حدوث لازم آتا ہے۔ نیز یہ معنی آیہ کریمہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ اور لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ کے بالکل خلاف ہے اس لیے اس حدیث کا یہ معنی ہرگز نہیں اور یہ معنی گمراہی اور کفر پر مشتمل ہے۔ محققین علماء کے نزدیک مذکورہ احادیث کی صحیح تاویلات میں سے چند ایک یہاں بیان کی گئی ہیں انہی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ۔ (مترجم عفی عنہ)

جل سلطانہٗ کی جمع سے زیادہ جامع ہے ان مشائخ نے جب دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حقیقت امکان اور مرتبہ وجوب کے جامع ہیں' تو انہوں نے یہ حکم لگا دیا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جامعیت اللہ تعالیٰ شانہٗ کی جامعیت سے زیادہ ہے۔ یہاں بھی انہوں نے صورت کو حقیقت تصور کرتے ہوئے ایسا حکم لگا دیا۔ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مرتبہ وجوب کی صورت کے جامع ہیں' حقیقت وجوب کے جامع نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ و تقدس واجب الوجود حقیقی ہے۔ یہ حضرات اگر صورت وجوب اور حقیقت وجوب میں فرق کرتے تو ایسا حکم ہرگز نہ لگاتے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کے احکام سکریہ سے منزہ اور مبرا ہے۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بندے ہیں اور محدود و متناہی ہیں' اور اللہ تعالیٰ و تقدس غیر محدود اور غیر متناہی ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جو چیز احکام سکر سے تعلق رکھتی ہے وہ مقام ولایت میں سے ہے۔ اور جو شے صحو سے تعلق رکھتی ہے وہ مقام نبوت سے ہے۔ انبیا کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے کامل اتباع کرنے والوں کو بواسطہ صحو انبیاء کرام کے متبع ہونے کے طور پر اس مقام سے حصہ ملتا ہے شیخ ابو یزید بسطامی کے پیروکار سکر کو صحو سے افضل قرار دیتے ہیں۔ اسی لیے شیخ ابو یزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

لوائی ارفع من لواء محمد

میرا جھنڈا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے سے زیادہ بلند ہے

یہ بزرگ اپنے جھنڈے کو ولایت کا جھنڈا قرار دیتے ہیں اور حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے جھنڈے کو نبوت کا جھنڈا۔ پھر لوائے ولایت کو جس کا رخ سکر کی طرف ہے اسے لوائے نبوت پر جس کا تعلق صحو سے ہے ترجیح دیتے ہیں۔

اسی قبیلہ سے ہے یہ جملہ جو بعض سے صادر ہوا ہے:

اَلْوَلَایَةُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّةِ۔ ولایت نبوت سے افضل ہے۔

یہ بات کہنے والوں کا خیال ہے کہ ولایت کا رخ خدا تعالیٰ کی طرف ہے اور نبوت کا مخلوق کی طرف اور اس میں شک نہیں کہ خالق کی طرف رخ مخلوق کی طرف رخ ہونے سے افضل ہے۔

اور بعض نے اس جملے کی یوں توجیہ کی ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے لیکن اس فقیر کے نزدیک اس طرح کی باتیں دوراز کار ہیں۔ کیونکہ نبوت میں رخ صرف مخلوق کی طرف نہیں' بلکہ مخلوق کی طرف توجہ کے باوجود حق تعالیٰ کی طرف بھی توجہ موجود رہتی ہے۔ نبی کا باطن خدا تعالیٰ کے ساتھ

ہوتا ہے اور ظاہر مخلوق کے ساتھ۔ اور جس کی کل توجہ مخلوق کی طرف ہی ہو اور خالق سے بالکل غیر متعلق ہو ایسا شخص بدقسمت ہوتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات تمام موجودات سے افضل ہیں. لہٰذا بہترین دولت ونعمت بھی انہی کا حصہ ہے۔ ولایت نبوت کا جزو ہے اور نبوت کل ہے۔ لہٰذا نبوت ہی افضل ہے، خواہ نبی کی ولایت ہو یا ولی کی ولایت۔ تو ثابت ہوا کہ صحو سکر سے افضل ہے کیونکہ سکر صحو میں مندرج ہے۔ جس طرح ولایت نبوت میں مندرج ہے۔ وہ صحو اور ہوش جو عوام الناس کو حاصل ہے خارج از بحث ہے۔ اس صحو پر سکر کو ترجیح دینا ایک بے معنی امر ہے لیکن وہ صحو جو سکر کو متضمن ہے البتہ سکر سے افضل ہے۔

علوم شرعیہ جن کا مصدر و منبع مرتبہ نبوت ہے سراسر صحو ہے اور علوم شرعیہ کے مخالف جو کچھ ہے سکر سے ہے۔ صاحب سکر معذور ہوتا ہے۔ تقلید کے لائق صحو کے علوم ہیں۔ سکر کے علوم لائق تقلید نہیں ہیں ـــــ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں علوم شرعیہ کی تقلید پر ثابت رکھے۔ ان علوم کے سرچشمہ اور مصدر پر صلوٰۃ وسلام اور تحیات کا نزول ہوتا رہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر بھی رحم فرمائے جو آمین کہے۔

اور وہ جو حدیث قدسی میں وارد ہے:

لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَلٰكِنْ — میں اپنی زمین اور اپنے آسمان میں نہیں سما سکتا۔

يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ — ہاں میں اپنے بندۂ مومن کے دل میں سما سکتا ہوں۔

تو اس گنجائش سے مراد مرتبہ وجوب کی صورت کی گنجائش ہے۔ حقیقت رب کا سمانا مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے کسی شے میں حلول کرنا محال ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

پس ثابت ہو گیا کہ قلب کا لامکانی ذات کو شامل ہونا لامکانی کی صورت کے اعتبار سے ہے نہ حقیقت کے لحاظ سے۔ حقیقت کے لحاظ سے عرش اور جو کچھ اس میں ہے اس کی ذات واجب کے سامنے کچھ مقدار اور حیثیت نہیں۔ یہ حکم لامکانی ذات کی حقیقت کے ساتھ مخصوص ہے۔

مکتوب نمبر (۹۶)

محمد شریف کی طرف صادر فرمایا۔

نیک کام میں ٹال مٹول اور تاخیر کرنے سے روکنے اور ڈانٹنے میں۔ اور متابعت شریعت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ پر ابھارنے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اے فرزند! آج جبکہ فرصت کا وقت ہے، اور سکون و دل جمعی کے تمام اسباب میسر ہیں' ٹال مٹول اور تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں۔ زندگی کے بہترین اوقات کو جو کہ جوانی کا زمانہ ہے، بہترین اعمال یعنی اپنے مالک و مولیٰ تعالیٰ و تقدس کی طاعت و عبادت میں صرف کرنا چاہیے۔

اور نصاب موجود ہونے کی صورت میں زکوٰۃ ادا کرنا بھی ضروریات اسلام میں سے ہے۔ اسے بھی رغبت بلکہ خدا کا احسان جانتے ہوئے ادا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے پورے دن رات میں صرف پانچ وقت عبادت کے لیے مقرر کیے ہیں اور بڑھنے والے مال اور چرنے والے مویشیوں میں صرف چالیسواں حصہ تحقیقاً یا تقریباً فقراء کے لیے معین فرمایا ہے۔ اور مباحات کے استعمال کے میدان کو فراخ کر دیا ہے۔ بہت ہی بے انصافی ہے کہ دن رات کی ساٹھ گھڑیوں میں دو گھڑی بھی حق سبحانہ وتعالیٰ کی طاعت میں صرف نہ کیا جائے۔ اور چالیس حصوں میں سے صرف ایک حصہ بھی فقراء کو نہ دیا جائے۔ اور مباحات کے وسیع دائرہ سے پاؤں باہر نکال کر حرام اور مشتبہ چیزوں تک لے جایا جائے۔

موسم جوانی میں جو نفس امارہ کی سلطانی کا زمانہ ہے اور شیطان لعین کے غلبے کا وقت ہے، تھوڑے عمل کو زیادہ ثواب کے ساتھ قبول فرماتے ہیں۔ اور کل جب ارذل عمر تک پہنچا دیں گے، اور حواس اور قویٰ سست ہو چکے ہوں گے اور سکون و دل جمعی کے اسباب منتشر ہو جائیں گے' حسرت و پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اور بہت ممکن ہے کہ کل بڑھاپے کے وقت تک فرصت نہ دیں۔ اور ندامت و پشیمانی کی فرصت جو ایک طرح کی توجہ ہے میسر نہ آئے، اور ابدی عذاب اور دائمی سزا جس کے متعلق پیغمبر صادق علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا نے خبر دی ہے۔ اور نافرمان لوگوں کو ڈرایا ہے اور درپیش ہے۔ اس سے ضرور دوچار ہونا پڑے گا۔ آج شیطان مردود خدا تعالیٰ جل سلطانہ کے کرم کا دھوکا دے کر مداہنت میں ڈالتا ہے، اور خدائے سبحانہ، کے عفو کا بہانہ کر کے گناہوں کا ارتکاب کراتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اس دنیا میں جو آزمائش و ابتلا کا مقام ہے، دوست و دشمن کو رلا ملا دیا گیا ہے اور دونوں کو رحمت میں شامل کیا گیا ہے۔ آیہ کریمہ:

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ   میری رحمت ہر شے کو وسیع ہے۔

اس مضمون کو ظاہر کرتی ہے۔ اور قیامت کے دن دشمن کو دوست سے جدا کر دیں گے۔ آیہ کریمہ:

وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّھَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝   اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔

اسی بات کی خبر دیتی ہے۔ اس وقت رحمت کا قرعہ دوستوں کے نام نکلے گا۔ اور دشمنوں کو محروم مطلق اور

واضح طور پر ملعون قرار دیں گے۔ اور آیہ کریمہ:

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ	میں اپنی رحمت عنقریب ان لوگوں کے لیے لکھ
الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا	دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے
يُؤْمِنُوْنَ ۝	ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس معنی کی شاہد و گواہ ہے۔ یعنی میں اپنی رحمت ثابت کر دوں گا ان لوگوں کے لیے جو کفر و معاصی سے پرہیز کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے کرم و رحمت کو آخرت میں ابرار اور نیک کردار اہل اسلام کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ ہاں مطلق اہل اسلام کے لیے بھی اگر خاتمہ اچھا ہوا تو رحمت سے حصہ ملے گا۔ اگرچہ زمانہ دراز کے بعد عذاب دوزخ سے نجات پائیں گے۔ لیکن گناہوں کی تاریکی اور آسمان سے نازل شدہ احکام خداوندی سے لاپرواہی کرنے والا کیسے کہہ سکتا ہے کہ وہ دنیا سے نور ایمان سلامتی کے ساتھ لے جائے گا۔ علمائے دین نے فرمایا ہے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار گناہ کبیرہ تک پہنچا دیتا ہے اور گناہ کبیرہ پر اصرار کفر تک لے جاتا ہے۔ عیاذاً باللہ سبحانہ۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم   کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

میں نے تیرے سامنے تھوڑا سا غم دل بیان کیا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ تو دل آزردہ ہوگا۔ ورنہ باتیں بہت ہیں۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ بحرمت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق نصیب کرے۔

دوسری مقصودی بات یہ ہے کہ حامل رقیمہ مولانا اسحاق فقیر کا آشنا اور مخلص ہے اور قدیم زمانہ سے ہمسائیگی کا حق بھی رکھتا ہے۔ اگر آپ سے مدد و اعانت طلب کرے تو اس کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں۔ موصوف فن کتابت و انشاء سے بھی بقدر ضرورت واقفیت رکھتا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۹۷)

شیخ درویش کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ عبادت خداوندی سے مقصود یقین کا حاصل کرنا ہے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہم مفلسوں کو حقیقت ایمان سے مشرف فرمائے بحرمت سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ و علیہم من الصلوات اتمہا ومن التسلیمات اکملہا۔

جس طرح پیدائش انسانی سے مقصود عبادات شرعیہ کا بجالانا ہے اسی طرح ادائے عبادات سے مقصود دولت یقین کا حاصل کرنا ہے جو حقیقت ایمان ہے۔ ممکن ہے کہ آیہ کریمہ:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۔	رب تعالیٰ کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ یقین کے مقام تک پہنچ جاؤ۔

میں اسی طرف اشارہ ہو۔ اس لیے کہ کلمہ حَتّٰی جس طرح غایت کے معنی کے لیے آتا ہے معنی علیت کے لیے بھی آتا ہے۔ علیت کے لیے ہونے کی صورت میں تقدیر عبارت یوں ہوگی: ای لِاَجلِ اَنْ یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ یعنی تاکہ تم کو یقین حاصل ہو جائے۔ گویا وہ ایمان جو ادائے عبادات سے پہلے ہوتا ہے وہ صورتِ ایمان ہے، نہ کہ حقیقت ایمان۔ جسے یہاں یقین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ عزّ شانہٗ فرماتا ہے:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا ای الذین اٰمنوا صورۃ اٰمِنُوا حقیقۃ باداء وظائف العبادات الماٰمورۃ	اے ایمان والو! ایمان لاؤ یعنی اے صورۃً ایمان لانے والو، عبادات ماٰمورہ کی ذمہ داریوں کو ادا کر کے حقیقۃً ایمان لاؤ۔

فنا اور بقا سے مقصود کہ ولایت اسی دولت کے حاصل کرنے سے عبارت ہے، یہی یقین ہے اور بس۔ اور اگر فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے کوئی اور معنی مراد لیں جس سے حق تعالیٰ کے مخلوق میں حلول کا وہم پڑے تو یہ بلاشبہ الحاد اور بے دینی ہے۔ غلبۂ حال اور سکر کے وقت میں ایسی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں۔ جن سے آخر کار آگے گزرنا چاہیے اور استغفار کرنا چاہیے۔

ابراہیم بن شیبان جو مشائخ طبقات (طبقہ رابعہ) میں سے ہیں (قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم) فرماتے ہیں:

"فنا اور بقاء کا علم اخلاص وحدانیت اور صحت عبودیت کے گرد گھومتا ہے۔ اس کے ماسوا سب مغالطے اور بے دینی کی باتیں ہیں"۔

اس بزرگ نے بالکل درست فرمایا ہے۔ ان کا یہ کلام ان کی استقامت کی خبر دیتا ہے۔ فنا فی اللہ سے مراد یہ ہے کہ بندہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کے کاموں میں فنا ہو جائے۔ اسی طرح سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ وغیرہ کے معنی ہیں۔

فقیر دوسری تکلیف آپ کو یہ دیتا ہے کہ درستی کے نشانات والے میاں شیخ اللہ بخش صلاح

تقویٰ اور فضیلت سے آراستہ ہیں۔ جماعت کثیر ان سے وابستہ ہے۔ کسی بارے میں اگر جناب سے مدد طلب کریں تو امید ہے کہ توجہ شریف ان کے حال کی طرف مبذول فرمائیں گے۔

آپ پر اور ہر متبع ہدایت پر سلامتی کا نزول ہو۔

مکتوب نمبر (۹۸)

شیخ زکریا کے بیٹے عبدالقادر کی طرف صادر فرمایا۔

احادیث نبویہ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی روشنی میں نرمی اختیار کرنے کی ترغیب اور سختی ترک کر دینے کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ مرکز عدالت پر استقامت عطا فرمائے۔

حضور نبی اکرم علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی چند احادیث جو وعظ و تذکیر اور نصیحت سے متعلق ہیں، لکھی جاتی ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان کے مطابق عمل کی توفیق عطا کرے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انّ اللہ رفیقٌ یحبّ الرفقَ ویُعطی علی الرفقِ مَا لَا یُعطی علی العُنف وما لا یعطی علی ما سواہ۔ (رواہ مسلم)	بیشک اللہ تعالیٰ لطف و نرمی فرمانے والا ہے۔ نرمی کو دوست رکھتا ہے اور نرمی کرنے پر وہ کچھ عطا کرتا ہے جو سختی کرنے پر عطا نہیں کرتا۔ اور نہ نرمی کے ماسوا کسی اور چیز پر عطا کرتا ہے۔

(۲) ایک روایت میں آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا:

علیكِ بالرفقِ وایاكِ بالعُنفِ وَالفُحشَ انّ الرفقَ لا یکون فی شیءٍ الا زانہٗ ولا ینزع من شیءٍ الّا شانہٗ۔ (رواہ مسلم)	اے عائشہ! نرمی کو ہاتھ سے نہ جانے دینا اور سختی اور زبان درازی سے بچنا۔ کیونکہ رفق و نرمی سے شے میں زیبائش ہے۔ اور جب کسی شے سے رفق و نرمی کو نکال لیا جائے تو وہ شے داغدار ہو جاتی ہے۔

(۳) حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

مَنْ یُحرَمِ الرِّفقَ یُحرَمِ الخَیرَ۔	جو کوئی لطف و نرمی کی اچھی عادت سے محروم ہے

وہ نیکی سے محروم ہے۔

اور حضور نبی کریم علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ نے یہ بھی فرمایا:

(۴) اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقًا۔

تم سب میں سے مجھے زیادہ محبوب وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے۔

(۵) آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

مَنْ اُعْطِیَ حَظَّهٗ مِنَ الرِّفْقِ اُعْطِیَ حَظَّهٗ مِنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (شرح سنہ)

جسے لطف و نرمی سے حصہ عطا کیا گیا اسے دنیا اور آخرت کی نیکی میں سے حصہ عطا کیا گیا۔

حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے:

(۶) اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْاِیْمَانُ مِنَ الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ مِنَ النَّارِ۔ (مسند احمد)

حیا ایمان سے ہے اور ایمان جنت کی چیز ہے اور بیہودہ گوئی برائی سے ہے، اور برائی دوزخ میں جانے والی چیز ہے۔

(۷) اِنَّ اللّٰهَ یُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیَّ۔ (ترمذی)

بے شک اللہ تعالیٰ دشمن رکھتا ہے حد سے بڑھنے والے بیہودہ گو کو۔

(۸) اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِمَنْ یَحْرُمُ عَلَی النَّارِ وَبِمَنْ تَحْرُمُ النَّارُ عَلَیْهِ عَلٰی کُلِّ هَیِّنٍ لَیِّنٍ قَرِیْبٍ سَهْلٍ۔ (ترمذی شریف)

کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ کون آتش دوزخ پر حرام ہے اور کس پر آتش دوزخ حرام ہے؟ ہر آسان روی اختیار کرنے والے، نرم طبع، لوگوں سے نزدیک نرم خو آدمی پر۔

(۹) اَلْمُؤْمِنُوْنَ هَیِّنُوْنَ لَیِّنُوْنَ کَالْجَمَلِ الْاَنِفِ اِنْ قِیْدَ انْقَادَ وَاِنِ اسْتُنِیْخَ عَلٰی صَخْرَةٍ اسْتَنَاخَ (ترمذی شریف)

مومن نرم طبع اور مطیع فرمان ہوتے ہیں جس طرح مہار پڑا ہوا اونٹ، اگر اسے کھینچا جائے تو اطاعت کے لیے گردن رکھ دیتا ہے اور اگر کسی پتھر پر بٹھایا جائے تو بیٹھ جاتا ہے۔

(۱۰) مَنْ کَظَمَ غَیْظًا وَهُوَ یَقْدِرُ عَلٰی اَنْ یُّنْفِذَهٗ دَعَاهُ اللّٰهُ عَلٰی رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَتّٰی یُخَیِّرَهٗ فِیْ اَیِّ الْحُوْرِ شَاءَ۔ (ترمذی)

جو شخص اپنا غصہ پی گیا حالانکہ وہ اسے جاری کرنے پر قادر تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمام لوگوں کے سامنے اسے بلائے گا یہاں تک کہ وہ جو حور منتخب کرنی چاہے گا اللہ کی طرف سے اسے اختیار ہوگا۔

(۱۱) اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَوْصِنِیْ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ۔

(بخاری شریف)

ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے وصیت کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا غصہ نہ کرنا اس نے بار بار وصیت کی درخواست کی۔ آپؐ نے ہر بار اسے یہی فرمایا غصہ نہ کیا کر

(۱۲) اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ الْجَنَّۃِ؟ کُلُّ ضَعِیْفٍ مُتَضَعَّفٍ، لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ۔ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ النَّارِ؟ کُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُتَکَبِّرٍ۔

(متفق علیہ)

کیا میں تمہیں بہشت میں جانے والے لوگ بتاؤں؟ وہ ہر ایسا شخص ہے جسے لوگ کمزور اور حقیر جانیں لیکن اگر وہ خدا تعالیٰ پر کسی کام کی قسم کھائے تو اللہ اس کی قسم پوری کرے۔ کیا میں دوزخ میں جانے والوں کی خبر نہ دوں؟ وہ ہر ایسا شخص ہے جو تلخ مزاج، سخت گو، جھگڑالو اور تکبر کرنے والا ہے۔

(۱۳) اِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ وَھُوَ قَائِمٌ فَلْیَجْلِسْ فَاِنْ ذَھَبَ عَنْہُ الْغَضَبُ وَاِلَّا فَلْیَضْطَجِعْ۔ (احمد و ترمذی شریف)

جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ ایسا کرنے سے اگر غصہ ختم ہو جائے تو بہتر، ورنہ لیٹ جائے۔

(۱۴) اِنَّ الْغَضَبَ یُفْسِدُ الْاِیْمَانَ کَمَا یُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ۔ (بیہقی شریف)

بے شک غصہ ایمان کو اس طرح تباہ کرتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو تباہ کرتا ہے

(۱۵) مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ فَھُوَ فِیْ نَفْسِہٖ صَغِیْرٌ وَفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ عَظِیْمٌ۔ وَمَنْ تَکَبَّرَ وَضَعَہُ اللّٰہُ فَھُوَ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ صَغِیْرٌ وَفِیْ نَفْسِہٖ کَبِیْرٌ حَتّٰی لَھُوَ اَھْوَنُ عَلَیْھِمْ مِنْ کَلْبٍ اَوْ خِنْزِیْرٍ۔

(بیہقی شریف)

جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ اسے رفعت و بلندی عطا کرتا ہے۔ وہ اپنی ذات کو حقیر جانتا ہے مگر لوگوں کی نظروں میں وہ بزرگ ہوتا ہے۔ اور جو متکبر بنتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نیچا کرتا ہے، تو وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوتا ہے۔ لیکن خود اپنے آپ کو بڑا خیال کرتا ہے۔ ایسا شخص لوگوں کی نگاہوں میں کتے اور خنزیر سے بھی حقیر اور خوار ہوتا ہے۔

(۱۶) قَالَ مُوْسَی بْنِ عِمْرَانَ عَلٰی نَبِیِّنَا وَ

حضرت موسیٰ بن عمران علیٰ نبینا وعلیہ الصلوات

عَلَيْهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ يَا رَبِّ مَنْ أَعَزُّ عِبَادِكَ قَالَ مَنْ إِذَا قَدَرَ غَفَرَ۔ (بیہقی شریف)

والتسلیمات نے عرض کیا اے رب تیرے نزدیک تیرے بندوں میں زیادہ باعزت کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو قدرت رکھنے کے باوجود بخش دے۔

حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا:

(۱۷) مَنْ خَزَنَ لِسَانَهُ سَتَرَ اللهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللهُ عَنْهُ عَذَابَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنِ اعْتَذَرَ إِلَى اللهِ قَبِلَ اللهُ عُذْرَهُ۔ (بیہقی شریف)

جو شخص اپنی زبان کی نگہداشت کریگا اللہ تعالیٰ اس کے عیب پوشیدہ رکھے گا۔ اور جو اپنے غصے کو روکے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس سے عذاب روک لے گا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عذر خواہی کرے گا اللہ اس کے عذر کو قبول فرمائیگا۔

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

(۱۸) مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلِمَةٌ لِأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَّا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَّلَا دِرْهَمٌ إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ بِقَدَرِ مَظْلِمَتِهِ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ نَحْمِلَ عَلَيْهِ (بخاری شریف)

جس شخص پر اس کے مومن بھائی کا کوئی حق ہو یعنی ظلماً اس سے کوئی چیز لی ہو چاہیے کہ اس سے آج ہی معاف کروا لے اس سے پہلے کہ اس کے پاس نہ دینار رہے اور نہ درہم۔ اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو وہ اس سے باندازہ ظلم اس سے لے لی جائیں گی۔ اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی۔

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا:

(۱۹) أَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ الْمُفْلِسُ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْ يَّأْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِصَلٰوةٍ وَّصِيَامٍ وَّزَكٰوةٍ وَّيَأْتِيْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى

جانتے ہو مفلس اور تنگدست کون ہے؟ لوگوں نے عرض کی ہم میں مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس درہم اور سامان نہ ہو۔ آپ نے فرمایا میری اُمت میں سے بڑا مفلس اور تنگدست وہ شخص ہے جو قیامت کے روز نماز، روزے اور زکوٰۃ کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی،

هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِى النَّارِ (مسلم شریف)

کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کو قتل کیا ہوگا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ تو ایک حقدار کو بھی اس کی نیکیاں دی جائیں گی، اور دوسرے کو بھی۔ پھر اگر اس کی نیکیاں اس کے ذمے حقوق کی ادائگی سے پہلے ہی ختم ہو جائیں گی تو اہلِ حقوق کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیے جائیں گے اور پھر اسے دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لکھا کہ مجھے کوئی ایسا خط لکھیں جس میں مختصر وصیت درج ہو۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں لکھا:

(۲۰) سَلَامٌ عَلَيْكُمْ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ۔

السلام علیکم کے بعد واضح ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص لوگوں کی ناراضگی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اللہ کی رضا کا طالب رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے لوگوں کے بوجھ اور گرانی سے کافی ہوگا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو نظر انداز کرے گا اور لوگوں کو راضی کرے گا اللہ اسے لوگوں کے سپرد کر دے گا۔ یعنی اس کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے گا۔ والسلام علیک

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم و بارک نے سچ فرمایا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں مخبر صادق علیہ السلام کے ارشادات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ احادیث اگرچہ با ترجمہ لکھی گئی ہیں تاہم آپ حضرت شیخ جیو کی طرف رجوع کریں اور ان کے معانی سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ ان کے مطابق عمل نصیب ہو۔ دنیا کا قیام بہت تھوڑے عرصہ کے لیے ہے۔ اور عذاب آخرت بہت سخت اور دائمی ہے۔ عقل دوراندیش کو کام میں لانا چاہیے اور اس دنیا کی بے حلاوت تر و تازگی سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ اگر دنیا داری کی وجہ سے کسی کی عزت و آبرو ہوتی تو کفار دنیا دار سب سے زیادہ صاحب عزت ہوتے۔ ظاہر دنیا پر فریفتہ ہونا بے عقلی ہے۔

چند روزہ فرصت کو غنیمت جاننا چاہیے اور رب تعالیٰ کی خوشنودی کے کاموں میں کوشش کرنی چاہیے اور خلقِ خدا کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہیے۔

اَلتَّعْظِیْمُ لِاَمْرِ اللّٰہِ وَالشَّفْقَۃُ عَلٰی خَلْقِ اللّٰہِ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم اور مخلوقِ خدا پر شفقت و مہربانی نجاتِ اُخروی کی دو عظیم بنیادیں ہیں۔ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ فرمایا ہے نفس الامر کے عین مطابق ہے۔ معاذ اللہ مسخراپن اور بیہودگی کا اس میں قطعاً کوئی شائبہ نہیں۔ خوابِ خرگوش کب تک۔ آخر سخت ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ (پارہ ۱۸، سورۂ مومنون میں فرماتا ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ

کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری بارگاہ میں لوٹ کر نہیں آؤ گے۔

فقیر کو اگرچہ اس بات کا احساس ہے کہ آپ کا وقت اس طرح کی باتیں سننا گوارا نہیں کرتا۔ جوانی کا آغاز ہے۔ دنیوی نعمتیں میسر ہیں۔ لوگوں پر حکومت و غلبہ بھی حاصل ہے۔ (ایسے حالات میں نصیحت کی بات سننا بڑا مشکل ہے) لیکن تمہارے حالات پر شفقت کے طور پر یہ باتیں کر رہا ہے۔ ابھی کچھ نہیں بگڑا توجہ اور رجوع الی اللہ کا وقت موجود ہے۔ اطلاع کرنا شرط ہے۔ ع

درخانہ اگر کس ست یک حرف بس ست

اگر گھر میں کوئی موجود ہے تو ایک ہی حرف کافی ہے

مکتوب نمبر (۹۹)

ملا حسن کشمیری کی طرف صادر فرمایا:

اس استفسار کے جواب میں جو انہوں نے دوام آگاہی کی کیفیت اور اس کا حالت نیند کے ساتھ جمع ہونا جو سراسر غفلت اور تعطیل ہے کے متعلق کیا تھا۔

آپ کے التفات نامہ گرامی نے مشرف فرمایا۔ آپ نے دوام آگاہی کی کیفیت اور اس کا حالت نیند کے ساتھ جمع ہونا جو سراسر غفلت اور بے کاری ہے، اس دولت کے حصول کے متعلق اس سلسلہ کے بعض اکابر نے خبر دی ہے۔

مخدوم گرامی! اس اشکال کا حل ایک مقدمہ پر مبنی ہے جس کا بیان ضروری ہے۔ میں کہتا ہوں کہ روح انسانی کے اس پیکر جسمانی کے ساتھ تعلق قائم ہونے سے پہلے ترقی و عروج کی راہ بند تھی۔ اور
وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ہم میں سے ہر ایک کا ایک مقام مقرر ہے۔
کے پنجرے میں محبوس و مقید تھی۔ لیکن اس جوہر نفیس کی فطرت و سرشت میں جسم میں آنے کے بعد عروج کی استعداد موجود تھی۔ اور اس استعداد کی بنا پر ہی انسان کی فضیلت فرشتہ پر ثابت ہوئی ہے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے اس نورانی جوہر کو اس جسم کے ظلمانی پیکر کے ساتھ جمع کر دیا۔ تو پاک ہے وہ ذات جس نے نور اور ظلمت اور امر اور خلق کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ اور جب کہ یہ دونوں چیزیں حقیقت میں ایک دوسرے کی نقیض واقع ہوئی تھیں تو حکیم مطلق جل سلطانہٗ نے اس اجتماع کو برقرار رکھنے کے لیے اور اس انتظام کو موجود رکھنے کے لیے روح کی نفس کے ساتھ عشق و گرفتاری کی نسبت قائم کر دی۔ اور اس گرفتاری کو اس انتظام کا سبب بنا دیا۔ اور آیہ کریمہ:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ بیشک ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسے سب نیچوں سے نیچے کر دیا

(سورۃ تین۔ پارہ عم ۳۰)

میں اسی بیان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور روح کا یہ تنزل و گرفتاری حقیقت میں مدح بما یشبہ الذم کے قبیلہ سے ہے۔ تو اس نسبت حبی کے باعث روح نے اپنے آپ کو مکمل طور پر عالم نفس میں ڈال دیا۔ اور اپنے آپ کو اس کا تابع کر دیا۔ بلکہ اپنے آپ کو بھی بھلا دیا اور اپنے آپ کو نفس امارہ کے ساتھ تعبیر کرنا شروع کر دیا۔ روح میں یہ ایک دوسری لطافت ہے جو اس کی فطرت میں رکھ دی گئی ہے۔ اس لطافت کے کمال کے باعث روح جس طرف بھی رخ کرتی ہے اسی کا حکم اختیار کر لیتی ہے۔ تو جب اپنے آپ کو فراموش کر دیتی ہے۔ تو اپنی سابقہ آگاہی کی نسبت جو وجوب تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ میں ہے اسے بھی فراموش کر دیتی ہے۔ اور اپنے آپ کو پورے طور پر غفلت کے سپرد کر دیتی ہے۔ اور ظلمت کا حکم اختیار کر لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی اور بندہ نوازی سے انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کو مبعوث فرمایا۔ اور ان اکابر کے توسل سے اپنی طرف لوگوں کو بلایا۔ اور روح کو نفس کی مخالفت کا جو روح کا معشوق ہے حکم دیا۔ پس جو شخص واپس لوٹ آیا تو اس نے عظیم کامیابی حاصل کر لی۔ اور جس نے اپنا سر اوپر نہ اٹھایا اور زمین کے ساتھ چمٹ رہنا ہی پسند کیا تو دور کی گمراہی میں جا گرا۔

اب ہم اس اشکال کا جواب بیان کرتے ہیں:

اس مقدمہ سے معلوم ہوا کہ روح کا نفس سے اجتماع ہوجاتا ہے۔ بلکہ روح نفس میں فنا اور اس کے ساتھ بقا حاصل کرلیتی ہے۔ پس لازماً جب تک یہ اجتماع اور انتظام موجود ہے' ظاہر کی غفلت عین باطن کی غفلت ہے۔ اور جب یہ انتظام خلل پذیر ہوتا ہے' اور باطن ظاہر کی محبت سے اعراض کر کے اپنا منہ ابطن بطون (حق تعالیٰ) کی طرف کرلیتا ہے اور فانی کے ساتھ پیدا شدہ فنا و بقا رو بزوال ہو کر باقی حقیقی ذات تعالیٰ و تقدس کے ساتھ فنا و بقا حاصل کرلیتا ہے، اس وقت ظاہر کی غفلت باطنی حضور پر کچھ اثر انداز نہیں ہوتی۔ غفلت ظاہر باطن پہ کیسے اثر انداز ہوسکتی ہے جبکہ باطن نے ظاہر کی طرف پوری طرح پشت کرلی ہے۔ اور ظاہر سے باطن کی طرف کوئی شے گھس نہیں سکتی۔ پس جائز ہے کہ ظاہر غافل ہو اور باطن آگاہ۔ اور اس میں استحالہ نہیں۔

مثلاً روغن بادام جب تک پھوک کے ساتھ مخلوط ہے دونوں کا ایک حکم ہے۔ اور جب روغن پھوک سے الگ ہوا دونوں کا حکم الگ ہوگیا۔ تو اب ایک کا حکم دوسرے پر جاری نہیں ہوگا۔

اس طرح کے صاحب دولت کو اگر چاہتے ہیں' جہان کی طرف واپس لے آتے ہیں اور عالم کو اس کے وجود شریف کے توسط سے نفسانی تاریکیوں سے نجات عطا کرتے ہیں۔ اس صاحب دولت کو بطور سیر عن اللہ باللہ عالم کی طرف نیچے لاتے ہیں۔ اس کا پورا رُخ خلق کی طرف ہوجاتا ہے بغیر اس کے کہ مخلوق میں گرفتار ہو۔ کیونکہ وہ اپنی سابقہ گرفتاری پر ہی قائم ہے۔ اسے اس کے اختیار کے بغیر اس عالم میں لائے ہیں۔

پس یہ منتہی جناب قدس خداوندی تعالیٰ و تقدس سے روگردانی اور مخلوق کی طرف رُخ کرنے میں تمام مبتدیوں کے ساتھ صورۃً شریک ہے لیکن حقیقت میں ان کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتا۔ ایک گرفتاری سے دوسری گرفتاری تک بڑا فرق اور فاصلہ ہے۔

نیز مخلوق کی جانب رُخ کرنے میں یہ منتہی بے اختیار ہے۔ اسے اس میں کچھ رغبت نہیں۔ بلکہ مخلوق کی طرف اس توجہ میں بھی اسے حق تعالیٰ کی رضا مقصود ہے، اور مبتدی میں مخلوق کی طرف یہ توجہ ذاتی اور طبعی اور رغبت و چاہت سے ہے' اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے۔

ہم مبتدی اور منتہی کے درمیان ایک اور فرق بیان کرتے ہیں:

مبتدی کو یہ بات میسر ہے کہ عالم سے روگردانی کر کے اپنا رُخ حق تعالیٰ و تقدس کی طرف کرلے۔ لیکن منتہی کے لیے خلق سے اعراض محال ہے۔ ہر وقت مخلوق کی طرف رُخ اور توجہ اس کے مقام کو لازم ہے۔ ہاں مگر جبکہ اس کی دعوت کا کام مکمل کرلیا ہو اسے دار فنا سے دار بقا کی طرف منتقل کردیتے ہیں۔ اس وقت ندائے اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی اس کا نقد سرمایہ ہوتا ہے۔

مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے مقام دعوت میں مختلف باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ایک جماعت نے اس مقام کو جمع توجہ بین الحق والخلق سے تعبیر کیا ہے۔ یہ اختلاف احوال و مقامات کے اختلاف پر مبنی ہے۔ ہر ایک نے اپنے مقام سے خبر دی ہے۔ صحیح علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

اور وہ جو سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے النھایۃ ھی الرجوع الی البدایۃ کہ نہایت ابتداء کی طرف رجوع کرنے کا نام ہے۔ یہ اس مقام دعوت کے موافق ہے جو اس مسودہ میں تحریر ہوا ہے۔ کیونکہ ابتدا میں پورا رُخ مخلوق کی طرف ہوتا ہے۔ حدیث مبارک:

تَنَامُ عَيْنَایَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِیْ[1] ۔ میری صرف آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا

جو آپ نے تحریر فرمائی تھی اس میں دوام آگاہی کی طرف اشارہ نہیں بلکہ اس میں آپ نے اپنے اور اپنی امت کے حالات کے جاری رہنے سے عدم غفلت کی خبر دی ہے۔ اسی بنا پر نیند آپ کے وضو کو نہیں توڑتی تھی۔ اور جب کہ نبی اپنی امت کی محافظت میں بکریوں کے ریوڑ کے پاسباں اور نگہبان کی طرح ہے۔ لہٰذا غفلت اس کے منصب نبوت کے شایانِ شان نہیں۔

اور حدیث شریف:

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ[2] ۔ مجھے اللہ کے ساتھ ایک وقت نصیب ہوتا ہے جس میں میرے ساتھ نہ تو فرشتہ مقرب شریک ہو سکتا ہے اور نہ کوئی مرسل نبی

---

[1] یہ حدیث مسند ابو داؤد میں ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کی راوی ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام اپنی امت کے حالات سے ہر وقت آگاہ ہیں۔ اور حالات امت سے بے خبری منصب نبوت کے خلاف ہے حضرت امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم شریف کے متعلق بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ مذکورہ حدیث کی روشنی میں حضرت امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کردہ اس عقیدہ کے مطابق یہ بھی ثابت ہوا کہ جو لوگ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وسعت علم کے منکر ہیں اور اس پر معترض ہیں وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منصب نبوت کو نہیں مانتے۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسعتِ علم پر بے شمار آیات و احادیث صحیحہ دلالت کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں مزید معلومات کے لیے "خالص الاعتقاد"، "انباء المصطفیٰ بحال سر واخفیٰ"، "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" وغیرہ تصنیفات اعلیٰحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ آپ نے ان کتابوں میں ہر طرح کے اعتراضات کے جوابات بھی دیے ہیں۔

[2] موضوعات ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ و رسالہ قشیریہ۔

صحیح ہونے کی صورت میں تجلی ذاتی برقی کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ اور وہ تجلی بھی جناب قدس خداوندی جل سلطانہ، کی طرف رُخ کرنے کو مستلزم نہیں۔ بلکہ یہ تجلی اس جانب سے ہے۔ متجلّٰی لہٗ کا اس میں کچھ دخل نہیں۔ یہ تجلی معشوق کے عاشق میں سیر کرنے کی مانند ہے۔ عاشق تو سیر کرنے سے بیسر ہو چکا ہے۔ ع

آئینہ صورت از سفر دور است　　　کاں پذیرائے صورت از نور است

صورت کا آئینہ سفر کے اعتبار سے دور ہے۔ لیکن اپنی نورانیت کی وجہ سے صورت کو قبول کرتا اور اپنی طرف کھینچتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ خلق کی طرف رجوع کرنے کی صورت میں زائل شدہ حجابات پھر واپس عود نہیں کرتے۔ بے پردگی کے باوجود اسے مخلوق کے ساتھ مشغول کیا گیا ہے اور مخلوقات کی فلاح و نجات اس کے ساتھ مربوط کر دی گئی ہے۔ ان بزرگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بادشاہ سے کمال قرب رکھتا ہو اور بادشاہ اور اس کے درمیان کوئی معنوی اور صوری حجاب حائل نہ ہو۔ اس کے باوجود اسے صاحب حاجت لوگوں کی خدمات پر مامور کیا گیا ہو۔ یہ مبتدی اور منتہی مرجوع (مخلوق کی طرف لوٹائے گئے) کے درمیان ایک اور فرق ہے۔ کیونکہ مبتدی صاحب حجابات ہے لیکن منتہی کے آگے سے سب حجابات اُٹھ چکے ہیں۔

آپ پر اور تمام متبعینِ ہدایت پر سلامتی کا نزول ہو۔

مکتوب نمبر (۱۰۰)

مُلّا حسن کشمیری کی طرف صادر فرمایا۔

ان کے اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے کیا تھا کہ شیخ عبدالکبیر یمنی نے فرمایا ہے کہ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے۔

آپ کے التفات نامۂ گرامی نے مشرف فرمایا۔ جو آپ نے کرم نوازی کے طور پر تحریر فرمایا تھا آپ نے لکھا تھا کہ شیخ عبدالکبیر یمنی نے کہا ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے۔

مخدوم گرامی! فقیر اس طرح کی باتیں سننے کی تاب نہیں رکھتا۔ میری رگِ فاروقی بے اختیار حرکت میں آتی ہے۔ اور اس طرح کی باتوں کی تاویل و توجیہ کی فرصت نہیں دیتی۔ چاہے ایسی باتوں کا قائل

یہ شیخ عبد الکبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی ۔ محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی اور صدر الدین قونوی یا عبد الرزاق کاشی کا کلام ۔ ہمیں نص کے ساتھ کام ہے، فص کے ساتھ نہیں ۔ فتوحات مدنیہ نے ہمیں فتوحات مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے ۔

اللہ تعالیٰ اپنے کلام مجید میں علم غیب کے ساتھ اپنی صفت کرتا ہے اور اپنے آپ کو عالم الغیب فرماتا ہے ۔ اس ذات سبحانہٗ سے علم غیب کی نفی کرنا بہت قبیح اور برا ہے ۔ اور فی الحقیقت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی تکذیب ہے غیب کا کوئی اور معنی کرنا بھی اس برائی سے نہیں نکال سکتا ۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ان کے مونہوں سے بہت ناگوار کلمہ نکل رہا ہے ۔

کاش، میں سمجھتا کہ انہیں اس طرح کے صریح خلاف شریعت کلمات زبان پر لانے پر کون سی چیز ابھار رہی ہے ۔

منصور اگر انا الحق کہے اور بسطامی سُبحانہٗ کا نعرہ لگائے تو یہ حضرات معذور ہیں اور غلبۂ احوال کے تحت مغلوب ہیں ۔ لیکن اس طرح کا کلام احوال میں سے نہیں ، علم سے تعلق رکھتا ہے اور تاویل کا متقاضی ہے ۔ اس طرح کی باتوں کو معذوری پر محمول نہیں کیا جا سکتا ۔ اور یہاں کوئی تاویل بھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتی کیونکہ صرف اہل سکر کا کلام کسی تاویل پر محمول کیا جاتا اور ظاہر معنی سے پھیرا جاتا ہے ۔ اور اگر اس کلام کے متکلم کا اس طرح کے کلام کے اظہار سے مقصود خلق کی ملامت اور ان کی نفرت ہے تو یہ بھی برا اور قبیح ہے مخلوق کی ملامت حاصل کرنے کے اور بہت سے راستے ہیں ۔ کیا ضرورت ہے کہ انسان اپنی ملامت کے لیے اپنے آپ کو کفر کی حد تک پہنچائے ۔ اور جب کہ آپ نے اس کلام کی تاویل کے متعلق کہا اور استفسار فرمایا ہے تو "سوال کا جواب ملنا چاہیے" کے مطابق مجبوراً اس باب میں کچھ عرض کرتا ہے ۔ اور غیب کا علم اللہ سبحانہٗ ہی کو ہے ۔

اس کی ایک تاویل تو یہ کی گئی ہے کہ غیب معدوم ہے ، اور علم معدوم کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتا ۔ یعنی جب کہ غیب حق سبحانہٗ کی نسبت سے معدوم مطلق اور لاشے محض ہے تو علم کے اس کے ساتھ متعلق ہونے کے کوئی معنی نہیں ۔ کیونکہ صرف معلومیت اسے مطلق علومیت و لاشیئۃ محض سے باہر نہیں نکال سکتی ۔ جس طرح یہ کہنا درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے شریک کا عالم ہے ۔ کیونکہ اس ذات تعالیٰ و تقدس کا شریک اصلاً موجود نہیں اور لاشے محض ہے ۔ ہاں مفہوم غیب اور مفہوم شریک کا تصور ہو سکتا ہے لیکن ہمارا یہ کلام شریک اور غیب کے مصداق میں ہے ، نہ ان کے مفہوم میں ۔

اور یہی حال ہے ان تمام محالات کا جن کا مفہوم تو ممکن التصور ہے اور ان کے مصداق ممتنع التصور

ہیں۔ کیونکہ معلومیت انہیں استحالہ سے یا بری آتی ہے۔ اور کم از کم درجہ ذہنی توان کو عطا کر دیتی ہے۔

اور جو اعتراض آپ نے مولانا محمد روجی[1] کی توجیہ پر کیا ہے درست ہے۔ مرتبہ احدیت مجردہ میں نسبت علیت کی نفی مطلق علم کی نفی کو مستلزم ہے۔ علم غیب کی نفی کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔

مولانا محمد روجی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ پر آپ کے اعتراض کے علاوہ ایک اور اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ مرتبہ احدیت مجردہ میں نسبت علیت منتفی ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی عالمیت اپنے حال پر برقرار ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ذات سے عالم ہے، صفت سے عالم نہیں کیونکہ صفت تو وہاں سے ہی منتفی۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کو منتفی جاننے والے بھی حق سبحانہٗ کے عالم ہونے کے قائل ہیں۔ حالانکہ صفت علم کو اس ذات سے مسلوب قرار دیتے ہیں۔ اور جو انکشاف علمی صفت پر مرتب ہوتا ہے وہ اسے ذات پر مرتب مانتے ہیں۔ تو اسی طرح یہ بھی۔

اور وہ توجیہ جو آپ نے خود کی ہے۔ اور غیب سے مراد غیب ذات واجب تعالیٰ مراد لیا ہے اور علم کے تعلق کو اس کے ساتھ جائز قرار نہیں دیا۔ اگرچہ واجب تعالیٰ و تقدس کا علم ہی ہو۔ یہ سب توجیہات سے اقرب توجیہ ہے۔ لیکن فقیر کو واجب تعالیٰ کے اس کی ذات بحت کے ساتھ علم کا تعلق نہ ہونے میں بحث ہے۔ کیونکہ عدم جواز کی جو وجہ آپ نے بیان کی ہے وہ احاطہ معلوم کے لیے حقیقت علم کا تقاضا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات مطلق عدم احاطہ کی متقاضی ہے۔ لہٰذا اس تعلق سے دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

اس جگہ ایک اور خدشہ ہے۔ کیونکہ یہ چیز علم حصولی میں درکار ہے۔ جہاں قوت علمیہ میں معلوم کی صورت کا حصول ہوتا ہے۔ لیکن علم حضوری میں یہ چیز کچھ درکار نہیں۔ اور ہماری بحث علم حضوری میں ہے حصولی میں نہیں۔ لہٰذا اس میں کوئی خرابی نہیں کہ واجب سبحانہٗ و تعالیٰ کا علم اس کی ذات کے ساتھ بطریق حضور ہو نہ بطریق حصول۔ واللہ سبحانہٗ اعلم بحقیقۃ الحال وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ الطاہرین وسلم وبارک۔ والسلام اولاً و آخراً۔

---

[1] مولانا شمس الدین محمد روجی رحمۃ اللہ علیہ مولانا سعد الدین کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ مولانا روجی علیہ الرحمۃ سالہا سال جامع مسجد ہرات میں طالبان حق کو راہِ حق کی دعوت دیتے رہے۔ آپ کی ولادت بستی روج میں ہوئی جو شہر ہرات سے نو فرسخ جانب قبلہ میں واقع ہے۔ آپ ۸۲۰ھ ماہ شعبان المبارک کی شب برات کو پیدا ہوئے۔ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کی والدہ ماجدہ کو خواب میں مولانا کی ولادت کی بشارت دی تھی۔ (رشحات)

مکتوب نمبر (۱۰۱)

ملاحسن کشمیری کی طرف صادر فرمایا۔

اس گروہ کے رد میں جو کاملین کو ناقص خیال کر کے ان پر زبان اعتراض دراز کرتا ہے۔

اَحْسَنَ اللّٰہ سبحانہ حالکم واصلح بالکم۔ (اللہ تعالیٰ آپ کے حال کو حسن عطا کرے اور آپ کے دل کی اصلاح فرمائے۔

مولانا محمد صدیق نے آپ کا مکتوب شریف آکر دیا۔ الحمد للہ سبحانہ کہ آپ نے ہم دور افتادہ لوگوں کو فراموش نہیں کیا۔ بحسب ظاہر آپ نے نفس انسانی پر جو اعتراضات وارد کیے ہیں وضاحت سے تعبیر کے ذہن میں آئے۔ ہاں اتنی بات تو ٹھیک ہے نفس کے زمانہ امارگی میں اس پر اعتراض کیا جائے لیکن اس کے مطمئنہ ہو جانے کے بعد اس پر اعتراض کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اطمینان کے مقام پر پہنچ کر نفس حق سبحانہٗ سے راضی ہو جاتا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس سے راضی۔ پس وہ خدا تعالیٰ کا پسندیدہ اور مقبول ہو جاتا ہے اور مقبول خدا پر اعتراض روا نہیں۔ اور نفس مطمئنہ کی مراد حق کی مراد ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس دولت کا حصول تخلق باخلاق اللہ کے وقت ہوتا ہے۔ اس کا قدسی صحن ہم پست فطرت لوگوں کے اعتراض سے بلند و برتر ہے۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ ہماری طرف لوٹتا ہے۔ ع

آگہ از خویشتن چو نیست جنیں — چہ خبر دارد از چنان و چنیں

پیٹ میں پڑا ہوا بچہ جب اپنے آپ سے واقف نہیں تو وہ اِدھر اُدھر کی کیا خبر رکھے گا۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جاہل لوگ اپنے کمال جہل کے باعث نفس مطمئنہ کو نفس امارہ تصور کر لیتے ہیں۔ اور امارگی کے احکام مطمئنہ پر جاری کر دیتے ہیں۔ جس طرح کفار نے انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کو دوسرے لوگوں کی طرح سمجھتے ہوئے ان کی نبوت ورسالت کا انکار کیا ہے۔ اللہ سبحانہٗ

لہ عارف رومی فرماتے ہیں ؎

(۱) اشقیا را دیدۂ بینا نبود — نیک و بد در چشم شاں یکساں نمود

(۲) ہمسری با انبیاء برداشتند — اولیا را ہم چو خود پنداشتند

(۳) گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر — ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور (باقی بر صفحہ)

و تعالیٰ ہمیں ان اکابر اور ان کے متبعین علیہم الصلوات والتسلیمات کے انکار سے پناہ میں رکھے۔

مکتوب نمبر (۱۰۲)

ملا مظفر کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ سودی قرضہ میں مجموعی رقم حرام ہے۔ صرف زیادتی حرام نہیں مثلاً ایک شخص نے دس ٹکے دو ٹکے کے حساب سے سود پر قرض لیے، تو پورے بارہ ٹکے حرام قرار پائینگے نہ کہ سود کے صرف دو ٹکے۔ اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ (اللہ کے لیے حمد ہے۔ اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام) ۔

آپ نے اس روز کہا تھا کہ سودی قرض میں ربا صرف زیادتی ہے، اور بس۔ اور دس ٹکے قرض بحساب دو ٹکے سود میں صرف دو ٹکے سود کے ہی حرام ہیں، دس ٹکے حرام نہیں۔

جب بعض کتب فقہیہ کی طرف رجوع کیا گیا تو ظاہر ہوا کہ شریعت میں ہر ایسا عقد جس میں زیادتی کی شرط ہو ربوٰ اور سود ہے۔ لہٰذا اس طرح کا سودی قرضہ بھی حرام قرار پائے گا۔ اور جو چیز بذریعہ حرام حاصل کی جائے وہ بھی حرام ہوتی ہے۔ پس وہ دس ٹکے بھی ربوٰ اور حرام ہوں گے۔

کتاب "جامع الرموز" اور ابراہیم شاہی کی کتاب کی روایات کے ارسال کرنے سے مقصود تمہیں یہ مسئلہ سمجھانا تھا۔ باقی رہی محتاجی کی صورت۔ تو میرے مخدوم! سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔ جو محتاج اور غیر محتاج سب کو شامل ہے۔ محتاج کو اس حکم قطعی سے خارج اور مستثنیٰ

(بقیہ ص۱۴۹) ۔ (۴) این ندانستند ایشاں از عمیٰ — ہست فرقے درمیاں بے انتہا

(۱) بدبختوں کو چشم بینا نصیب نہیں تھی۔ اس لیے اچھا اور بُرا ان کی نگاہ میں یکساں تھا۔

(۲) ان بدبختوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ہمسری اور برابری کا دعویٰ کیا اور اولیاء اللہ کو اپنی طرح گمان کیا۔

(۳) اور یوں کہا کہ ہم بھی بشر ہیں اور یہ بھی بشر ہیں۔ ہم اور یہ انبیاء و اولیاء سونے اور کھانے کے پابند ہیں۔

(۴) اندھاپن کے باعث ان بدبختوں نے یہ جانا کہ ہم میں اور ان میں بے انتہا فرق ہے۔

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام رحمہم اللہ کو اپنی طرح جاننا شقاوت و بدبختی ہے اور گمراہی اور ان کے کمالات کے انکار کا پیش خیمہ ہے۔

قرار دیا حکم قطعی کو منسوخ کرنا ہے۔ قنیہ کی روایت یہ درجہ نہیں رکھتی کہ حکم قطعی کو منسوخ کر سکے۔ حالانکہ مولانا جمال لاہوری جو اعلم علماء لاہور ہیں، فرماتے تھے کہ قنیہ کی بہت سی روایات لائق اعتماد نہیں۔ اور کتب معتبرہ کی روایات کے خلاف ہیں۔ اور اگر قنیہ کی اس روایت کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو اسے اضطرار و مخمصے کی حالت پر محمول کرنا چاہیے۔ تاکہ اس حکم قطعی کا مخصص آیہ کریمہ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ کو قرار دیا جائے۔ کیونکہ قوت میں اس کی طرح ہے۔ ع

کہ رستم را کشد ہم رخش رستم

رستم پہلوان کو رستم جیسا ہی پچھاڑ سکتا ہے۔

نیز اگر محتاج سے عام محتاج مراد لے لیا جائے تو پھر ربو کی حرمت کے لیے کوئی موقع اور محل باقی نہیں رہے گا۔ کیونکہ جو شخص بھی سود کی زیادتی دینا قبول کرے گا۔ آخر کسی نہ کسی ضرورت اور محتاجی کے تحت ہی قبول کرے گا۔ کوئی بھی بلا احتیاج و ضرورت اپنے نقصان کا اقدام نہیں کرتا۔ تو اس طرح کے توہم کے باعث حکیم و حمید ذات کی طرف سے اس کی کتاب عزیز میں نازل شدہ اس حکم کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہے گا۔

اور اگر بفرض محال عام محتاجی ہی تسلیم کر لی جائے تو ہم کہیں گے محتاجی ضروریات میں سے ہے اور ضروری شئے کو باندازہ ضرورت اختیار کیا جاتا ہے۔ پس سودی روپے سے کھانا پکا کر لوگوں کو کھلانا ضرورت میں داخل نہیں اور اس کے ساتھ کوئی ضرورت متعلق نہیں۔ اسی لیے ترکہ میت میں سے میت کی ضرورت کی چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ اور اس ضرورت کو اس کے کفن دفن میں منحصر کیا ہے۔ اس کے ایصال ثواب کے لیے کھانا پکانا شرعاً احتیاج و ضرورت میں داخل نہیں۔ حالانکہ میت صدقہ و خیرات کا بہت محتاج ہوتا ہے۔

پس متنازع فیہ صورت میں اچھی طرح غور کریں کہ قرض لینے والے محتاج ہیں یا نہیں۔ اور احتیاج و ضرورت کی صورت میں سودی روپے سے جو کھانا تیار ہوگا اسے کھانے والوں کے لیے

لہ کشف الظنون میں ہے۔ قنیۃ المنیہ علی مذہب ابی حنیفہ بشیخ امام ابوالرجاء نجم الدین مختار بن محمود الزاہدی حنفی المتوفی ۶۵۸ھ کی تصنیف ہے۔ کتاب کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الذی اوضح معالم العلوم۔ علامہ برکلی نے فرمایا ہے کہ کتاب قنیہ اگرچہ غیر معتبر کتب سے او رہے۔ اور بعض علماء نے اپنی کتابوں میں اس کے حوالے نقل کیے ہیں۔ لیکن علماء کے ہاں وہ ضعف روایت کے ساتھ مشہور ہے۔ اور یہ کہ اس کا مصنف معتزلی ہے۔

اس کا کھانا حلال ہے یا نہیں ؟

عیال داری اور فوجی ملازمت کو ضرورت احتیاج کا بہانہ بنانا اور اس وجہ سے سودی قرض لینا اور اسے جائز اور حلال جاننا دینداری سے دور ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شیوہ اور دستور بناتے ہوئے جو لوگ اس بلا میں گرفتار ہیں انہیں منع کرنا چاہیے اور اس حیلے کے نادرست ہونے سے انہیں آگاہ کریں۔ ایسا کام کیوں جائے جو آخر کار اس طرح کے ممنوع اور ناجائز کام کے ارتکاب میں مبتلا کر دے۔ معاش کے ذرائع اور بہت ہیں۔ فوجی ملازمت میں ہی منحصر نہیں ہیں۔ جب آپ اہل صلاح و تقویٰ میں سے ہیں تو حلال و طیب خوراک کی تاکید آپ کو کی جا رہی ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ اس زمانہ میں بغیر شبہ کی غذا کا میسر آنا مشکل ہے۔ یہ بات درست ہے تاہم حتی الامکان شبہ کی چیز سے بچنا چاہیے۔ بے طہارت کھیتی باڑی کی روزی جس کو آپ نے غیر طیب جانا ہے، ہندوستان میں اس سے بچنا ممکن نہیں :

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ اللہ تعالیٰ نہیں تکلیف دیتا کسی جان کو مگر اس کی طاقت و وسعت کے مطابق۔

لیکن سودی کھانے کو ترک کرنا بہت آسان ہے۔ حلال کو حلال اور حرام کو حرام جاننا قطعی اور یقینی ہے کہ اس کا انکار کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ ظنی امور میں یہ بات نہیں۔ حنفی کے نزدیک بہت سے امور مباح ہیں مگر شافعی کے نزدیک وہ مباح نہیں۔ اور اس کے برعکس۔

پس ہمارے اس زیر بحث معاملے میں مشکوک ضرورت مند کے لیے سودی قرض کے حلال ہونے میں جو بظاہر نص قطعی کے حکم کے خلاف ہے، توقف کرے تو اسے گمراہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور اسے اس کی حلیت کا معتقد ہونے پر زور نہیں دینا چاہیے۔ بلکہ اس کے درست موقف کو ترجیح بلکہ یقین کا درجہ حاصل ہے۔ اور اس کا مخالف خطرے میں ہے۔

آپ کے بعض دوستوں نے نقل کیا ہے کہ ایک دن مولانا عبدالفتاح نے آپ کی خدمت میں کہا کہ اگر بلا سود قرض میسر آ جائے تو بہتر ہے۔ کسی کو سودی قرضہ لینے کی کیا ضرورت ہے۔ تو آپ نے مولانا موصوف کو ڈانٹا اور کہا کہ تم حلال شے کا انکار کرتے ہو۔

مخدوم گرامی ! ایسی باتیں حلال قطعی میں گنجائش رکھتی ہیں۔ اور اگر یہ حلال بھی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ خلاف اولیٰ ضرور ہے۔ اہل ورع رخصت پر عمل کا حکم نہیں دیتے، بلکہ عزیمت پر عمل کی

دلالت کرتے ہیں۔

لاہور کے مفتیوں نے احتیاج و ضرورت کو سبب قرار دے کر حلال ہونے کا حکم دیا ہے۔ احتیاج و ضرورت کا دامن بڑا فراخ ہے۔ اگر فراخ کریں گے تو کوئی چیز بھی سود نہیں رہے گی اور سود کے حرام ہونے کے بارے میں نص قطعی کا حکم بے فائدہ اور عبث ہو جائے گا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے آپ کو یہ بات تو خوب ملاحظہ کرنی چاہیے کہ سود پر قرض لینے والے کے لیے دوسروں کو کھانا کھلانا کون سی ضرورت میں داخل ہے؟ قنیہ کی روایت بہرحال زیادہ سے زیادہ ضرورت مند کے لیے سودی قرض لینے کو جائز قرار دیتی ہے۔ دوسروں کے لیے اس سے جواز ثابت نہیں ہوتا۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ شاید اس طرح کے کھانا پکانے والے کو کفارہ قسم یا کفارہ ظہار یا روزے کا کفارہ ادا کرنے کی ضرورت ہو۔ اور اس میں شک نہیں کہ وہ یہ کفارہ ادا کرنے میں محتاج اور ضرورت مند ہے۔ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس کفارے والا اگر کھانا کھلانے کی طاقت نہیں رکھتا، تو کفارے کے طور پر روزے رکھے۔ نہ یہ کہ سود پر قرض لے۔ اور اگر اس طرح کی اور ضرورتیں اور احتیاج درپیش آئیں تو تھوڑی سی توجہ سے تقویٰ کی برکت سے دور ہو سکتی ہیں۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا	جو شخص اللہ کا تقویٰ اختیار کرے اللہ اس کے
وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔	لیے راستہ نکال دیتا ہے اور اسے رزق عطا کرتا
(سورۂ طلاق۔ پارہ ۲۸)	ہے اس مقام سے جہاں سے اسے گمان نہیں ہوتا۔

آپ پر اور ہر متبع ہدایت پر سلامتی کا نزول ہو۔

مکتوب نمبر ۱۰۳

سیادت و بزرگی کی پناہ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

لفظ عافیت کے معنی اور سرہند کے لیے قاضی طلب کرنے کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو عافیت سے رکھے۔

آپ کے لیے اس عافیت کی دعا کی جاتی ہے جس عافیت کی ہمیشہ ایک بزرگ اپنے لیے دعا اور صرف ایک دن کے لیے ہی اس عافیت کی آرزو کی تھی۔ ایک شخص نے اس بزرگ سے سوال کیا کہ جس طرح سے آپ کی زندگی گزر رہی ہے کیا یہ عافیت نہیں؟ اس بزرگ نے

فرمایا "میں یہ چاہتا ہوں کہ صبح سے لے کر شام تک کسی وقت بھی مجھ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی کا صدور نہ ہو۔

مدت سے سرہند میں کوئی قاضی شرع نہیں۔ اور بعض احکام شرعیہ کے جاری کرنے میں بے بسی اور رکاوٹ لاحق ہوتی ہے۔ مثلاً ہمارا ایک یتیم برادرزادہ ہے۔ اس کی کچھ وراثت ہے۔ لیکن اس کا کوئی وصی نہیں۔ فقیر اس کے اس مال میں بلا اجازت شرعی تصرف نہیں کر سکتا۔ اگر قاضی شرع موجود ہو تو اس کی اجازت سے کام ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اور بہت سے کام ہیں جو قاضی نہ ہونے کے باعث التوا میں پڑے ہوئے ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۰۴

ماتم پرسی میں شاہ حسین کے قاضیوں کی طرف صادر فرمایا:

اگرچہ مغفرت پناہ کی وفات سے جو مصیبت لاحق ہوئی ہے وہ بہت شدید اور بہت سخت ہے لیکن ہم اور تم خدا تعالیٰ کے بندے ہیں۔ ہمارے لیے اپنے مولیٰ تعالیٰ و تقدس کے فعل پر راضی ہونے کے سوا چارہ نہیں۔ کارکنان قضا و قدر یہاں رہنے کے لیے نہیں لائے، کام کرنے کے لیے لائے ہیں۔ کام کرنا چاہیے۔ اگر یہاں سے کام کر کے گئے تو کوئی ڈر نہیں بلکہ ایسا شخص بادشاہ ہے۔

الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب	موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

یہ فقرہ اس کی شان میں موجود ہے۔ جانے میں مصیبت نہیں بلکہ حبیب کی طرف جانے والے کے حال میں مصیبت ہے کہ اس سے کیا سلوک کرتے ہیں۔ دعا اور استغفار اور صدقہ و خیرات سے اس کی امداد کرنی چاہیے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ وسلم نے فرمایا ہے:

ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او اخ او صدیق فاذا لحقتہ کان احب الیہ من الدنیا وما فیھا وان اللہ لیدخل	میت قبر میں ڈوبنے والے فریاد رس کے لیے پکارنے والے کی طرح ہے۔ چنانچہ میت منتظر رہتا ہے دعا کا جو اسے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے۔ جب ان کی طرف سے اسے دعا پہنچتی ہے تو وہ اس کے نزدیک دنیا

علی اھل القبور من دعاء اھل الارض امثال الجبال من الرحمۃ وان ھدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم۔ (مشکوۃ شریف)

دنیا فیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور بیشک رب تعالیٰ اہل زمین کی دعا سے اہل قبور پر پہاڑوں کی مانند رحمت داخل کرتا ہے۔ اور زندوں کا مردوں کو یہ ہدیہ ہے کہ وہ ان کے لیے استغفار اور بخشش طلب کریں۔

آپ کا التفات نامہ موصول ہوا۔ فقراء پر موسم سرما کی ہوا بڑی سخت ہے۔ ورنہ اپنے آپ کو معاف نہ کرتا (بلکہ فوراً جواب دیتا)۔ سفارش تاکید سے لکھ دی گئی ہے۔ ان شاء اللہ سود مند ثابت ہوگی۔ زیادہ گفتگو دردسری ہے۔

محبت شعار قاضی حسن اور باقی اعزہ بہت بہت دعاؤں سے مستفید ہوں۔ اور تمام کاموں میں راضی اور شکر گزار رہیں۔

مکتوب نمبر ۱۰۵

حکیم عبدالقادر کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ بیمار جب تک تندرست نہ ہو اسے کوئی غذا بھی فائدہ نہیں دیتی۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

چونکہ اطباء کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ بیمار جب تک تندرست نہ ہو کوئی غذا بھی اسے فائدہ نہیں دیتی، چاہے مرغ مسمن ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ ایسی غذا اس کے مرض کو اور بڑھا دیتی ہے

ع ہرچہ گیرد علتی علت شود

جس چیز کو بیمار اختیار کرے گا وہ بھی بیمار ہو جائے گی۔

لہٰذا پہلے بیمار کے مرض کا ازالہ کرتے ہیں، اس کے بعد آہستہ آہستہ مناسب غذاؤں کے ذریعہ اسے اصلی قوت و طاقت کی طرف لاتے ہیں۔ پس انسان جب تک مرض قلبی میں مبتلا ہے فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (ان کے دلوں میں مرض ہے) کوئی عبادت و طاعت اس کے لیے نفع مند نہیں بلکہ مضر ہے

رُبَّ تَالٍ لِلْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ يَلْعَنُهٗ

بہت سے قرآن کی تلاوت کرنے والے ہیں حالانکہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔

حدیث مشہور ہے۔ اور:

رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الْجُوْعُ وَالظَّمَاءُ — بہت سے روزے دار ایسے ہیں جنہیں روزے سے سوا بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا

حدیث صحیح ہے۔ قلبی امراض کے حکیم (مشائخ کرام) بھی پہلے مرض کے ازالے کا حکم دیتے ہیں۔ اور مرض قلبی دل کے غیر خدا کے ساتھ گرفتار ہونے کا نام ہے۔ بلکہ غیر حق کے ساتھ گرفتاری اپنی ذات کے ساتھ گرفتاری ہے۔ کیونکہ ہر شخص جو کچھ چاہتا ہے اپنی ذات کے لیے چاہتا ہے۔ اگر اولاد سے دوستی کرتا ہے تو اپنی ذات کے لیے دوستی کرتا ہے۔ اسی طرح مال و دولت اور سرداری اور مرتبے کی محبت سب کچھ اپنی ذات کے لیے ہے پس فی الحقیقت اس کا معبود اس کی خواہش نفس ہے جب تک اس گرفتاری سے خلاصی نصیب نہ ہو۔ نجات کی امید بہت دور کی بات ہے۔ اس لیے عقلمند علماء اور صاحب دانش حکماء پر اس مرض کے ازالے کی فکر کرنا ضروری ہے۔ ع

در خانہ اگر کس ست یک حرف بس ست

اگر گھر میں کوئی ہے تو ایک ہی کلمہ کافی ہے۔

مکتوب نمبر ۱۰۶

محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ اس گروہ اولیاء اللہ کی محبت جو ان کی معرفت و پہچان پر مرتب ہوتی ہے خداوند تعالیٰ جل شانہٗ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے۔

آپ کا مکتوب مرغوب جس سے فرط محبت اور کمال دوستی کا اظہار ہوتا تھا، موصول ہوا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ الحمدُ والمنۃ علیٰ ذٰلک (اس حالت کے نصیب ہونے پر اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان۔

اس گروہ کی محبت جو ان کی پہچان پر مرتب ہوتی ہے، خداوند تعالیٰ جل سلطانہٗ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے۔ دیکھیں کس صاحب قسمت کو اس نعمت سے مشرف فرماتے ہیں شیخ الاسلام ہروی فرماتے ہیں:

"الٰہی! تو نے اپنے دوستوں کو کیا کر دیا ہے۔ کہ جس نے انہیں شناخت کر لیا تجھے پایا"

اور جب تک تجھے شناخت نہ کر سکا انہیں بھی نہ پا سکا۔"

اس گروہ کے ساتھ بغض و عناد زہر قاتل ہے' اور ان پر اعتراض اور نکتہ چینی ابدی محرومی کا موجب ہے۔ اللہ سبحانہ' وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس ابتلا و آزمائش سے نجات دے۔ شیخ الاسلام مذکور نے فرمایا ہے "الٰہی! تو جسے مردود بارگاہ کرنا چاہتا ہے اسے ہم سے الجھا دیتا ہے"۔ ؎

بے عنایات حق و خاصان حق　　　گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

حق تعالیٰ اور خاصان حق تعالیٰ کی عنایات اور مہربانیوں کے بغیر کوئی فرشتہ صفت بھی ہو تو اس کا نامۂ اعمال سیاہ ہی رہے گا۔

یہ رجوع اور انابت جو حق سبحانہ وتعالیٰ نے از سر نو تمہیں عطا فرمائی ہے اسے نعمتِ عظمیٰ تصور کریں۔ اور حق سبحانہ' سے اس پر استقامت طلب کریں ——— ہر متبع ہدایت اور مصطفیٰ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی پابندی کرنے والے پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔

مکتوب نمبر ۱۰۷

یہ مکتوب بھی محمد صادق کشمیری کی طرف فرمایا۔

ان چند جواباتِ سوالات میں جن سے بدگوئی کی بو آتی ہے۔ یہ مکتوب ان فوائد ضروریہ پر مشتمل ہے جو اس بلند مرتبہ گروہ اولیاء اللہ پر ایمان رکھنے میں نفع مند ہیں۔

حق سبحانہ' وتعالیٰ اس بلند گروہ کی تصدیق اور ان پر ایمان رکھنے کی سعادت سے بہرہ ور کرے چند سوالات پر مشتمل جو مکتوب آپ نے ارسال کیا تھا، موصول ہوا۔ اگرچہ وہ سوالات جو بدگوئی اور تعصب سے آلودہ ہوں، جواب کے مستحق نہیں۔ اس کے باوجود بطور تنزل ان کے جوابات عرض کرتا ہے۔ اگر ایک کو نفع نہ ہو شاید دوسرے کو نفع حاصل ہو جائے۔

پہلا سوال یہ تھا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ متقدمین اولیاء سے بہت کرامات و خوارق کا ظہور ہوتا تھا لیکن اس وقت کے اولیاء سے کم ظاہر ہوتی ہیں؟

اگر اس سوال سے مقصود اس زمانہ کے بزرگوں کا انکار ہے کیونکہ ان سے خوارق و کرامات کا ظہور کم ہوا ہے جیسا کہ مضمون عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، تو شیطان کی فریب کاریوں سے اللہ سبحانہ کی پناہ۔ خوارق و کرامات کا ظہور نہ تو ولایت کے ارکان میں سے ہے اور نہ اس کے شرائط میں سے۔ بخلاف

نبی علیہ السلام کے لیے اس کا معجزہ، کہ اس کا اظہار مقام نبوت کے شرائط میں سے ہے۔ لیکن اولیاء اللہ سے خوارق کا ظہور عام اور شائع ہے۔ ایسا کم ہی ہوا ہے کہ کسی ولی سے ان کا ظہور نہ ہوا ہو ہاں کثرت سے ظہورِ خوارق افضلیت پر دلالت نہیں کرتا۔ وہاں ایک دوسرے پر فضیلت قربِ الٰہی جل سلطانہٗ کے درجات کے اعتبار سے ہے۔ ہوسکتا ہے کہ زیادہ قرب الٰہی رکھنے والے بزرگ سے خوارق کا ظہور بہت کم ہو اور کم قرب رکھنے والے سے ان کا ظہور زیادہ ہو۔ وہ خوارق جو اس اُمت کے بعض اولیاء سے ظاہر ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس کا دسواں حصہ بھی ظاہر نہیں ہوئے۔ حالانکہ سب سے افضل ولی ادنیٰ صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

خوارق کے ظہور پر نظر رکھنا کوتاہ نظری ہے اور استعداد تقلیدی کے کم ہونے کی دلیل ہے۔ نبوت و ولایت کے فیوض قبول کرنے کے لائق وہ جماعت ہے جن میں قوت نظری کی نسبت تقلیدی استعداد غالب ہو۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ استعداد تقلیدی کی قوت کی بنا پر حضور نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے میں بالکل کسی دلیل کے محتاج نہ ہوئے۔ اس کے برعکس ابوجہل لعین اس استعداد میں کمی کے باعث روشن نشانات اور غالب معجزات کے کثرت کے ساتھ ظہور کے باوجود تصدیق نبوت کی دولت سے مشرف نہ ہوا حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان بدنصیبوں کے بارے میں فرماتا ہے:

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا	یہ کفار جو آیت و نشانی بھی دیکھیں گے اس پر
حَتّٰى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ	ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ جب آپ کے
يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَآ	پاس پہنچتے ہیں تو آپ سے جھگڑتے ہیں۔ کافر لوگ
اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۔	کہتے ہیں یہ قرآن تو محض پرانے لوگوں کے قصے
	کہانیوں کا مجموعہ ہے۔

میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اکثر متقدمین سے بھی ساری عمر میں پانچ چھ خوارق سے زیادہ کا ظہور منقول نہیں حضرت جنید جو اس گروہ کے سردار ہیں، معلوم نہیں کہ ان سے دس کرامات کا ظہور بھی منقول ہوا ہو۔ اور خداوند تعالیٰ اپنے کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے حال سے یوں خبر دیتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ	بے شک ہم نے موسیٰ کو نو روشن معجزے
بَيِّنٰتٍ	عطا کیے۔

اور اس وقت کے مشائخ کے بارے میں کہاں سے پتہ چلا ہے کہ اتنی بھی مقدار خوارق کا ظہور

نہیں ہوتا۔ بلکہ تمام اولیاء اللہ سے چاہے پہلے ہوں یا پچھلے ہر گھڑی خوارق کا ظہور ہوتا رہتا ہے مدعی کو معلوم ہوں یا نہ ہوں۔ ع

خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست

اگر کوئی خود اندھا ہے تو اس میں سورج کا کیا قصور ہے

دوسرا سوال یہ تھا کہ طالبان صادق کے کشف وشہود میں القاء شیطانی ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر ہو سکتا ہے تو اس میں کشف شیطانی کی کیفیت کی وضاحت کس طرح ہے ؟ اور اگر نہیں ہو سکتا تو الہامی امور میں بعض غلطیوں کا پایا جانا کس سبب سے ہوتا ہے ؟

اس کا جواب یہ ہے (واللہ سبحانہ اعلم بالصواب) کہ کوئی بھی القاء شیطانی سے محفوظ نہیں۔ جبکہ یہ دخل انبیاء کرام کے لیے بھی متصور ہو سکتا ہے، بلکہ متحقق ہے تو اولیاء میں بطریق اولی ہوگا۔ طالب صادق کیا چیز ہے۔

غایۃ ما فی الباب یہ ہے کہ انبیاء کو اس القاء پر متنبہ کر دیتے ہیں اور باطل کو حق سے جدا کر دیتے ہیں۔ آیہ کریمہ:

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اٰيٰتِهٖ۔	اللہ تعالیٰ القاء شیطانی توڑتا دیتا ہے اور اپنی آیات کو مضبوط کرتا ہے۔

اس معنی پر دلالت کرتی ہے۔ اولیاء اللہ کے لیے یہ تنبیہ ضروری نہیں۔ کیونکہ ولی نبی کے تابع ہے جو کچھ نبی کے خلاف ہوگا مردود شمار ہوگا اور باطل تصور ہوگا۔ ہاں وہ صورت جس میں نبی کی شریعت اس سے خاموش ہو اور نفی یا اثبات کا فیصلہ نہ کرے تو یہاں یقین کے ساتھ درجہ میں حق وباطل کے درمیان امتیاز دشوار ہے۔ کیونکہ الہام ظنی شے ہے۔ لیکن اس عدم امتیاز کے باعث ولایت میں کچھ نقص واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ شریعت کی بجا آوری اور نبی کی متابعت نجات آخرت کی ضامن ہے۔ اور جن امور کے بارے میں شریعت نے سکوت اختیار فرمایا ہے وہ شریعت سے زائد ہیں۔ اور ہم ان امور کے مکلف نہیں ہیں۔

جاننا چاہیے کہ کشف میں غلطی کا واقع ہونا القاء شیطانی پر منحصر نہیں۔ بسا اوقات قوت متخیلہ میں احکام غیر صادقہ ایک صورت پیدا کر لیتے ہیں۔ جن میں القاء شیطانی کا کچھ دخل نہیں ہوتا۔ اسی قبیلہ سے ہے وہ جو بعض لوگ خواب حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھتے ہیں اور آپ سے بعض احکام اخذ کرتے ہیں حالانکہ فی الحقیقت ان کے خلاف پایا جاتا ہے۔ اس صورت میں القاء شیطانی

متصور نہیں۔ کیونکہ علماء کا مختار مذہب یہ ہے کہ ابلیس صورت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں متمثل نہیں ہو سکتا جیسی بھی صورت میں ہو۔ تو اس صورت میں صرف قوت متخیلہ کے تصرف کا دخل ہے۔ جس نے غیر واقع کو واقع سمجھ لیا ہے۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ جب کرامات کے طور پر تصرف اور استدراج کی صورت میں تاثیر دونوں ظاہر کے اعتبار سے برابر ہیں تو مبتدی کس طرح شناخت کرے گا کہ یہ صاحب کرامات ولی اور یہ صاحب استدراج مدعی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے (واللہ سبحانہٗ اعلم بالصواب) کہ طالب مبتدی کے لیے دونوں میں فرق و امتیاز کے لیے ایک واضح دلیل موجود ہے۔ اور وہ اس کا صحیح وجدان ہے کہ اگر وہ اس کی صحبت میں اپنے دل کو رب تعالیٰ کے ساتھ جمع پائے تو جان لے گا کہ یہ صاحب کرامات ولی ہے۔ اور اگر اس کے خلاف پائیگا تو معلوم کرلے گا یہ صاحب استدراج مدعی اور جھوٹا انسان ہے۔ اور اگر اس معنی میں خفا اور پوشیدگی ہے تو وہ عوام الانعام کو ہے، راہِ حق کے طالبوں کو نہیں۔ اور عوام کا خفا خواص کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں رکھتا۔ کیونکہ عوام کے خفا کا منشا انکار مرض قلبی اور آنکھوں کا پردہ ہے۔ عوام سے بہت سی ایسی چیزیں مخفی ہیں جن کا جاننا اس فرق کے جاننے سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

اب ہم اس مکتوب کو بعض معارف کے ساتھ ختم کرتے ہیں جو ان شکوک و شبہات کے ازالے میں تمہارے لیے نفع مند ہیں۔

جاننا چاہیے کہ تخلق باخلاق اللہ کے معنی جو ولایت میں ماخوذ و معتبر ہیں یہ ہیں کہ اولیاء اللہ کو ایسی صفات حاصل ہو جائیں جو واجب تعالیٰ کی صفات کے مناسب ہوں۔ لیکن وہ مناسبت صرف اسم میں ہوگی اور عموم صفات میں شارکت ہوگی۔ تو اص معانی میں مناسبت نہیں ہو سکتی کہ وہ محال ہے۔ اور قلب حقائق کو مستلزم ہے۔

تحقیقات میں خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ تخلقوا باخلاق اللہ کے بیان معنی کے مقام میں فرماتے ہیں:

لے بخاری و مسلم شریف میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے
قال من رانی فی المنام فقد رانی۔	خواب میں مجھے دیکھا تو اس نے مجھے دیکھا کیونکہ
فان الشیطان لا یتمثل بی	شیطان میری صورت نہیں بن سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت مَلِکْ ہے۔ اور مَلِک کے معنی سب پر تصرف کرنے والے کے ہیں۔ جب راہِ خدا کا سالک اپنے نفس پر متصرف ہوتا ہے اور اسے مغلوب کر کے رکھتا ہے اور اس کا تصرف مخلوق کے دلوں میں نافذ ہوتا ہے[1] تو اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔

اور ایک صفت سَمِیْع ہے۔ اور اس کے معنی سننے والے کے ہیں۔ جب راہِ حق پر چلنے والا ہر کسی سے حق تعالیٰ کی باتیں گرانی اور بوجھ کے بغیر سُن کر قبول کرتا ہے اور غیبی اسرار و حقائق روح کے کان سے سنتا ہے تو اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے

اور ایک صفت بَصِیْر ہے۔ بصیر کے معنی دیکھنے والے کے ہیں۔ جب سالک راہِ حق کی بصیرت کی آنکھ بینا ہو جاتی ہے، اور وہ نور فراست سے اپنے تمام عیب دیکھتا ہے، اور تمام دوسرے لوگوں کے کمالِ حال کو اپنے سے بہتر دیکھتا ہے۔ نیز حق کا دیکھنا اس کا منظور نظر ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ جو کچھ کرتا ہے حق تعالیٰ کا پسندیدہ فعل ہی کرتا ہے تو اس وقت اس صفت سے موصوف قرار پاتا ہے۔

اور حق تعالیٰ کی ایک صفت مُحْیِیْ ہے۔ اس کے معنی زندہ کرنے والے کے ہیں۔ جب سالکِ راہ چھوڑ دی گئی سنت کو زندہ اور قائم کرتا ہے تو اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت مُمِیْت ہے۔ یعنی مارنے والا۔ جب سالک ان بدعتوں سے جنہیں لوگوں نے سنت کی جگہ اختیار کیا ہوتا ہے روکتا اور منع کرتا ہے، تو اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔

عوام نے تخلق کے معنی کچھ سمجھے ہیں اور خواہ مخواہ گمراہی کے جنگل میں جا گرے ہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں ولی کے لیے احیاءِ جسم ضروری ہے اور اس پر اکثر اشیاءِ غیبی کا انکشاف ہونا چاہیے وغیر ذالک۔[2] حالانکہ یہ باتیں ظنون فاسدہ میں سے ہیں۔ اور بعض گمان گناہ ہیں۔

نیز خوارق صرف کسی کو زندہ کرنے اور مارنے میں ہی منحصر نہیں۔ الہامی علوم و معارف بھی اعظم

---

[1] معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کے لوگوں پر تصرف کرنے کا عقیدہ درست ہے۔

[2] یعنی ولی کے ولی بننے کے لیے مردے کا زندہ کرنا اور غیب کی خبریں دینا وغیرہ کوئی شرط نہیں کہ اگر یہ افعال اس سے صادر نہ ہوں تو وہ ولی ہی نہ ہو۔ امام ربانی کے اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ ولی مردے زندہ نہیں کر سکتا۔ اور غیب کی باتیں نہیں جانتا۔ کیونکہ مکتوبات شریف میں آپ نے ایک دوسرے مقام پر تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اولیاء کو ان [illegible] طاقت و قدرت بھی عطا کرتا ہے۔ فافہم

نشانات اور بلند درجہ خوارق میں سے ہیں۔ اسی لیے قرآن کا معجزہ تمام باقی معجزات سے اقوی اور باقی رہنے والا تسلیم کیا گیا ہے۔ آنکھ کھول کر دیکھیں کہ یہ علوم و معارف جو موسلا دھار بارش کی طرح برس رہے ہیں، کہاں سے آ رہے ہیں۔ پھر یہ سب علوم اس کثرت کے باوجود پورے طور پر علوم شرعیہ کے مطابق و موافق ہیں، ایک بال برابر بھی مخالفت کی گنجائش نہیں۔ یہ خصوصیت صحت علوم کی علامت ہے۔

ہمارے خواجہ قدس سرہٗ نے لکھا تھا کہ تمہارے (مجدد صاحب قدس سرہٗ کے) سب علوم درست اور مطابق شرع ہیں۔ لیکن حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی بات نقل کرنے کا کیا فائدہ جبکہ حضرت خواجہ کا قول آپ کے لیے حجت نہیں۔ اگرچہ آپ بھی اپنے آپ کو تابع فرمان شیخ خیال کرتے ہیں۔ زیادہ کیا لکھے۔

آپ کے یہ سوالات پہلے طبیعت پر گراں گزرے۔ لیکن جب یہی سوالات ان مذکورہ علوم و معارف کے ظہور میں آنے کا باعث بن گئے اور ان سوالات کے جوابات کے طور پر یہ سب باتیں دائرہ تحریر میں آگئیں تو ٹھیک اور بہتر ہوگیا ؎

ہیچ زشتے نیست کو را خوبی ہمراہ نیست
زنگی شب رنگ را دنداں چوں دُر و گوہر ست

کوئی بھی بُری شے نہیں مگر کوئی نہ کوئی خوبی بھی اس کے ہمراہ ہوتی ہے۔ جیسے رات کی طرح سیاہ رنگ والے حبشی کے دانت موتیوں کی طرح چمکتے ہیں۔

عجب کام ہے کہ آپ نے پہلے خط میں بڑے اخلاص کا اظہار کیا تھا اور اس کا سبب پے در پے دو واقعے کے ظہور کو قرار دے کر آپ نے لکھا تھا کہ ان کا اثر حالت ہوش میں بھی محسوس ہوا اور اس حد تک تم کو ندامت و پشیمانی لاحق ہوئی تھی کہ سابقہ طور طریقے سے توبہ اور رجوع نصیب ہوا، اور تم تجدید ایمان سے مشرف ہوئے۔ اب پھر ایک ماہ بھی نہیں گزرا کہ تمہاری وضع و حالت میں تبدیلی معلوم ہوئی ہے، اور پچھلے پاؤں واپس ہو کر پھر تم اپنی پہلی وضع کی طرف منتقل ہو گئے ہو یہاں تک کہ تم اس کے درپے ہوئے کہ ان دو واقعات کو تم نے القاء شیطانی یا غلط کشف کہنا شروع کر دیا۔

وہ کیا حالت تھی اور یہ کیا حالت ہے ؎

بگفتا فلانے چہ بد می کند   نہ با من کہ با نفس خود می کند

کسی نے کہا فلاں بُرا کر رہا ہے (ٹھیک ہے کرتا رہے) کیونکہ میرے ساتھ نہیں بلکہ اپنی ذات کے ساتھ بُرا کر رہا ہے —— ہر متبع ہدایت اور مصطفیٰ علیہ الصلوات والتحیات والتسلیمات کی متابعت کے پابند انسان پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔

مکتوب نمبر ۱۰۸

میاں سید احمد بخاری کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ نبوت ولایت سے افضل ہے۔ اس کے برعکس جو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔

اللہ سبحانہٗ ہم سب کو اور تم کو اور تمام مسلمانوں کو حضور سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی متابعت پر ثابت وقائم رکھے۔

بعض مشائخ نے سکر وقت میں کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ اور بعض دوسرے مشائخ نے اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد لی ہے۔ تاکہ ولی کے نبی پر افضل ہونے کے وہم کو رفع کیا جائے۔ لیکن حقیقت میں معاملہ برعکس ہے۔ کیونکہ نبی کی نبوت بھی اس کی ولایت سے افضل ہے۔ ولایت میں تو تنگی سینہ کے باعث رُخ مخلوق کی طرف نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن نبوت میں کمال انشراح صدر کی بنا پر نہ تو حق سبحانہٗ کی طرف توجہ سے مانع ہوتی ہے اور نہ خلق کی طرف توجہ حق سبحانہٗ کی طرف توجہ سے مانع ہوتی ہے۔ نبوت میں صرف مخلوق کی طرف ہی رُخ نہیں ہوتا تاکہ ولایت کو جس میں رخ حق کی طرف ہوتا ہے، نبوت پر ترجیح دیں۔ عیاذاً باللہ سبحانہٗ۔

صرف مخلوق کی طرف رُخ رکھنا عوام کالانعام کا مرتبہ ہے۔ شان نبوت بہت بلند و برتر ہے۔ اس معنی کا سمجھنا ارباب سکر پر دشوار ہے۔ مستقیم الاحوال اکابر ہی اس معرفت کے ساتھ ممتاز ہیں۔ ع

هنیئاً لارباب النعیم نعیمها

ارباب نعمت کو نعمتیں گوارا ہوں۔

دوسری مقصودی بات یہ ہے کہ میاں شاہ عبداللہ ولد میاں شیخ عبدالرحیم ان فقراء (مجدد صاحب اور ان کا خاندان) کے ساتھ تعلق قرابت رکھتا ہے۔ ان کے والد مدت تک بہادر خاں کے ملازم رہے ہیں اور صاحب مرتبہ۔ اب نابینا ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے لڑکے کو بھیجا ہے کہ بہادر خاں کے پاس جا کر ملازمت کرے۔ اس بارے میں اگر آپ کی طرف سے بھی کچھ اشارہ ہو جائے تو فائدہ مند رہے گا۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۰۹

حکیم سدرہ کی طرف صادر فرمایا:

سلامتیِ قلب اور اس کے غیر حق سبحانہٗ کو بھلا دینے کے بیان میں۔

اہل اللہ قلبی امراض کے طبیب ہیں۔ باطنی امراض کا ازالہ ان بزرگوں کی توجہ سے وابستہ ہے۔ ان کا کلام دوا اور ان کی نظر شفا ہے۔ حدیث پاک میں وارد ہے:

هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ (بخاری و مسلم) یعنی یہ ایسی قوم ہے جن کا ہمنشین بدنصیب نہیں۔

وَهُمْ جُلَسَاءُ اللهِ۔ یعنی یہ لوگ اللہ کے ہمنشین ہیں۔

بِهِمْ يُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ (بخاری شریف) انہی کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور انہی کی برکت سے رزق ملتا ہے۔

امراض باطنی اور علل معنوی میں سب سے بڑی بیماری دل کی غیر حق تعالیٰ کے ساتھ گرفتاری ہے۔ جب تک اس گرفتاری سے پورے طور پر نجات حاصل نہ ہو سلامتیِ قلب کا نصیب ہونا محال ہے۔ کیونکہ اس ذات اقدس جل سلطانہٗ کے لیے کسی اور کی شرکت کا قطعاً کوئی دخل نہیں۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (سورہ زمر) سن لو خالص دین صرف اللہ ہی کے لیے ہے

یہ کیسے روا ہو سکتا ہے کہ شریک کو غالب کر دیا جائے۔ نہایت بے حیائی کی بات ہے کہ غیر حق سبحانہٗ کی محبت کو حق تعالیٰ کی محبت پر اس طرح غالب کر دیا جائے کہ حق تعالیٰ کی محبت اس کے آگے بالکل معدوم ہو کر رہ جائے یا مغلوب ہو جائے۔ اور حدیث:

اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيْمَانِ حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

میں شاید اسی حیا کا بیان ہے۔

اور قلب کے غیر حق کے ساتھ گرفتار نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ قلب ماسوا کو کلیۃً بھول جائے اور اشیاء کو پورے طور پر اس طرح فراموش کر دے کہ اگر تکلف سے بھی اشیاء کو یاد کرنا چاہے تو یاد نہ آئیں۔ تو اشیاء کے ساتھ گرفتاری کی اس مقام میں کیا گنجائش۔ یہ حالت اہل اللہ کے نزدیک فنا سے تعبیر ہوتی ہے۔ اور یہ فنا اس راہ میں قدم اول ہے۔ اور یہ مقام انوار قدم کے ظہور کا مبدا ہے، اور

معارف و حکم کے ورود کا منشا ہے۔ اور اس حالت کے بغیر خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے

ع ہیچ کس را تا نگردد او فنا نیست راہ در بارگاہِ کبریا

کوئی شخص جب تک فنا کا مقام حاصل نہ کرے، بارگاہ کبریا تک راستہ نہیں پا سکتا۔

مکتوب نمبر ١١٠

شیخ صدرالدین کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ پیدائش انسانی سے مقصود وظائف بندگی کا ادا کرنا اور پورے طور پر جناب حق تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا ہے۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ ارباب کمال کی تمناؤں کی انتہا تک عروج عطا کرے۔

پیدائش انسانی سے مقصود وظائف بندگی کا ادا کرنا اور جناب حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف دوام توجہ ہے۔ اور یہ معنی سید اولین و آخرین علیہ من الصلوات اتمہا و من التحیات امینہا کی کامل اتباع کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قولاً، فعلاً، ظاہراً، باطناً، عملاً اور اعتقاداً کامل اتباع نصیب کرے۔ آمین یا رب العالمین ع

بعد از خدائے ہر چہ پرستند ہیچ نیست
بیدولت است آنکہ بہ ہیچ اختیار کرد

خدا تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر جس شے کی بھی پرستش کی جائے کچھ نہیں۔ وہ بدنصیب ہے جو ہیچ چیز کو اختیار کرتا ہے۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے سوا اگر کوئی چیز مقصود ہے تو وہی معبود ہے۔ غیر حق تعالیٰ کی عبادت سے اس وقت نجات نصیب ہو گی جبکہ خداوند جل وعلا کے سوا کوئی چیز مقصود نہ رہے۔ اگرچہ وہ مقاصد اُخروی اور بہشتی نعمتوں میں سے ہی کیوں نہ ہو۔ اگرچہ یہ مقاصد حسنات میں سے ہیں لیکن مقربین کے نزدیک سیئات میں داخل ہیں۔ جبکہ اُخروی امور کو مقاصد قرار دینے کی نوعیت یہ ہے تو امور دنیویہ کو مقاصد قرار دینے کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے [illegible] ناپسند ہے۔ اور جب سے اللہ نے اسے پیدا کیا ہے ایک بار بھی اس کی طرف نگاہ نہیں فرمائی۔ اور اس کی محبت گناہوں کی جڑ ہے۔ اور اس کے چاہنے والے لعنت و رد کے مستحق کے ہیں۔

الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیھا الا ذکر اللہ تعالیٰ۔ (ترمذی وابن ماجہ)

دنیا ملعون ہے اور اللہ کے ذکر کے سوا جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حبیب پاک سید الاولین والآخرین حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام آلہ الکرام کے طفیل اس دنیا کے شر اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے نجات عطا کرے۔

مکتوب نمبر ۱۱۱

شیخ حمید سنبلی کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ توحید قلب کو غیر حق سبحانہ سے آزاد کرنے کا نام ہے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

توحید دل کو ماسوائے حق سبحانہ کی توجہ سے خالی کرنے کا نام ہے۔ جب تک دل ماسوا کی گرفتاری میں مبتلا ہے۔ اگرچہ تھوڑی سی گرفتاری ہی کیوں نہ ہو بندہ ارباب توحید سے نہیں ہو سکتا۔ اس دولت کے حصول کے بغیر واحد کہنا اور واحد جاننا ارباب حصول کے نزدیک فضولیات میں سے ہے۔ ہاں، واحد کہنا اور واحد جاننا جو تصدیق ایمانی میں معتبر ہے، وہ ضروری ہے لیکن وہ دوسرے معنی میں ہے۔ لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہ اور لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ کے درمیان فرق بالکل واضح ہے۔ ایمانی تصدیق قبیلہ علم سے ہے اور وجدانی ادراک قبیلہ حال سے ہے۔ حال کے حاصل ہونے سے قبل حال کے متعلق گفتگو کرنا منع ہے۔

مشائخ کی ایک جماعت نے اس باب میں اگر کچھ باتیں کی ہیں تو وہ دو حال سے خالی نہیں:

(۱) یا تو معذوری اور غلبہ حال میں لپیٹے ہوئے کہی ہیں۔

(۲) یا لکھنے اور حال ظاہر کرنے سے ان کا یہ مقصود تھا کہ دوسروں کے حال کی کسوٹی اور ان کی استقامت کا باعث بنیں نیز تاکہ دوسرے اپنے حالات کی کمی کو ان کے حالات کے ترازو پر تول سکیں۔

ان دو صورتوں کے بغیر افشاء اسرار ممنوع ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارباب کمال کے احوال کا تھوڑا سا حصہ ہم بے نصیب لوگوں کو بھی عطا کرے اور بلند مرتبہ سنت مصطفویہ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی متابعت نصیب فرمائے۔ بحرمۃ النبی

وآلہ الامجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔

ایک دوسری تکلیف آپ کو یہ دی جاتی ہے کہ میاں شیخ عبدالفتاح حافظ ذی عزت لوگوں میں سے اور آدمی زادہ ہیں۔ کثیر العیال اور بہت سی لڑکیوں کے باپ ہیں۔ اسباب معاش کی قلت نے ان کو اس امر پر مجبور کیا ہے کہ کریم اور سخی لوگوں کے آستانے تک پہنچیں۔ امید ہے کہ ان کا مقصود پورا ہوگا۔ زیادہ گفتگو دردسری ہے۔

مکتوب نمبر ۱۱۲

شیخ عبدالجلیل تھانیسری ثم جونپوری کی طرف صادر ہوا۔

اس بیان میں کہ اصل کام یہ ہے کہ ہم اپنے آپکو عقائد اہل سنت وجماعت کے ساتھ مزین و آراستہ کریں۔ اس دولت کی موجودگی میں اگر احوال و مواجید بھی عطا کر دیں تو ہم احسان مند ہوں گے۔ ورنہ اسی دولت کو کافی جانیں گے۔ کیونکہ جب یہ ہے تو سب کچھ ہے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہم مفلسوں کو اہل حق یعنی اہل سنت وجماعت کے معتقدات حقہ کی حقیقت سے موصوف کرے اور پسندیدہ اعمال کی توفیق کو ہمارا نقد وقت بنائے۔ اور وہ احوال جو ان اعمال کے ثمرات ہیں ان سے بہرہ ور فرمائے۔ اور مکمل طور پر اپنی جناب قدس جل سلطانہ کی طرف کھینچ لے۔ ع

کار این ست وغیر ایں ہمہ ہیچ

اصل کام یہی ہے، باقی سب ہیچ ہے۔

کیونکہ وجد و حال کی وہ کیفیتیں جو فرقہ ناجیہ اہل سنت کے معتقدات کی حقیقت حاصل ہوئے بغیر ہیں سراسر استدراج ہیں۔ ان کی کچھ قدر وقیمت نہیں۔ اور ان کیفیات کو سوائے خرابی کے اور کچھ خیال نہیں کرتے۔ فرقہ ناجیہ کی اتباع کے ساتھ جو کچھ مزید عطا فرمائیں ہم اس پر احسان مند ہیں اور شکر بجالائیں گے۔ اور اگر صرف عقائد حقہ کی نعمت ہی عطا فرمائیں اور وجد و حال کی کیفیات میں سے کچھ عطا نہ کریں تو ہمیں کچھ ڈر نہیں اور ہم راضی اور خوش ہیں۔

اور بعض مشائخ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم سے غلبہ حال اور سکر وقت کے وقت اہل حق کی مدد اور صحیح آراء کے خلاف بعض علوم و معارف کا ظہور ہوا ہے چونکہ ان کی بنیاد کشف ہے اس لیے وہ معذور

ہیں۔ امید ہے کہ کل قیامت کے روز اس بنا پر ان کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ یہ لوگ خطا کرنے والے مجتہد کے حکم میں ہیں جیسے خطا کی صورت میں بھی ایک ثواب ملتا ہے۔ حق علمائے اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی جانب ہے۔ کیونکہ علماء کے علوم سنیہ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ سے اخذ کیے گئے ہیں جن کی تائید وحی قطعی سے ہوچکی ہے۔ اور صوفیہ کے ان معارف کا مقتدا کشف والہام ہے، جس میں خطا کی گنجائش ہے۔ اور کشف والہام کی صحت کی علامت علمائے اہل سنت کے علوم کے ساتھ مطابقت ہے۔ اگر کشف والہام میں بال برابر بھی مخالفت ہے تو درستی اور ثواب کے دائرہ سے باہر ہے۔ یہی صحیح علم اور صریح حق ہے۔ اس کے سوا ضلالت و گمراہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات اکملہا ومن التسلیمات افضلہا کی ظاہر و باطن اور عمل و اعتقاد متابعت و پیروی پر استقامت عطا کرے۔

آپ پر اور ہر متبع ہدایت پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔

مکتوب نمبر ۱۱۳

جمال الدین حسین کولابی کی طرف صادر ہوا۔

مبتدی کے جذبہ اور منتہی کے جذبہ کے درمیان فرق کے بیان میں۔ اور اس امر کے بیان میں کہ مجذوبوں کو اولاً صرف روح کا شہود نصیب ہوتا ہے۔ جو قلب سے اوپر ہے۔ اور وہ روح کے اسی شہود کو حق جل شانہٗ کا شہود خیال کر لیتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

جذب وکشش صرف مقام فوق تک ہوتی ہے۔ فوق فوق تک نہیں ہوتی۔ اور یہی صورت حال شہود وغیرہ میں ہے۔ پس سلوک طے نہ کیے ہوئے مجذوب جو مقام قلب میں ہیں ان کا انجذاب صرف مقام روح تک ہے جو قلب سے اوپر مقام ہے۔ ذاتِ حق تک کشش وانجذاب منتہی لوگوں کا جذبہ ہے۔ جس سے اوپر کوئی مقام نہیں۔ اور ابتدائی جذبہ میں صرف انسانی روح کا شہود ہوتا ہے۔ اور چونکہ روح اپنی اصل صورت میں موجود ہے:

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ[1] — اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔

---

[1] اس حدیث کی شرح مکتوب نمبر ۹۵ کے حاشیہ میں گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ کریں۔

لہٰذا رُوح کے شہود کو حق تعالیٰ و تقدس کا شہود سمجھ لیتے ہیں۔ اور جب کہ روح کے لیے عالم اجسام کے ساتھ ایک گونہ مناسبت ثابت ہے تو کبھی اس شہود کو شہود احدیت در کثرت کہتے ہیں اور کبھی معیت کے قائل ہوتے ہیں۔ حق جل و علا کا شہود فنائے مطلق کے حصول کے بغیر جو انتہائے سلوک پر متحقق ہوتی ہے متصور نہیں ہے

ہیچ کس را تا نگرود او فنا نیست راہ در بارگاہِ کبریا

بندے کو جب تک فنا حاصل نہ ہو، بارگاہِ کبریا تک راستہ نہیں پا سکتا

اور اس شہود کا عالم کے ساتھ کچھ تعلق نہیں۔ دونوں شہودوں میں فرق یہ ہے کہ اگر عالم کے ساتھ کسی نہ کسی وجہ سے مناسبت رکھتا ہو تو وہ شہود حق تعالیٰ نہیں۔ اور اگر بے مناسبت ہے تو شہود الٰہی ہے جل و علا شہود کا اطلاق تنگی عبارت کے باعث ہے۔ ورنہ اس کی طرف نسبت بھی اس کی ذات پاک کی طرح بے کیف و بے مثل ہے۔ ع

بےچوں را بہ بےچوں راہ نیست

مثل کو بے مثل ذات کی طرف راستہ نہیں مل سکتا

بادشاہ کی عطاؤں کو اسی کی سواریاں اٹھا سکتی ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۱۴

صوفی قربان کی طرف لکھا گیا:

حضور سید المرسلین علیہ وعلیہم و آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت پر ابھارنے کے بیان میں

حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہم بے سروسامان مفلسوں کو سید اولین و آخرین کی اتباع کی دولت سے سرفراز فرمائے اور اس پر استقامت نصیب کرے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وہ بلند ہستی ہیں کہ آپ کی دوستی کے طفیل رب تعالیٰ اپنے اسمائی اور صفاتی کمالات کو میدانِ ظہور میں لایا اور آپ کو بہترین تمام کائنات قرار دیا، علیہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا۔ آپ کی اتباع کا ایک ذرہ تمام دنیوی لذتوں اور اُخروی نعمتوں سے کئی درجے بہتر ہے۔ فضیلت روشن سنت کی متابعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور بزرگی آپ کی شریعت کی بجاآوری کے ساتھ مربوط ہے علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ۔

مثلاً دوپہر کا قیلولہ جو متابعت سنت کی نیت سے ہو کروڑ ہا راتوں کے نوافل سے اولیٰ اور افضل ہے جو بے نیت متابعت ہوں۔ اسی طرح عید فطر کے روز روزہ نہ رکھنا جس کا شریعت مصطفوی نے حکم دیا ہے، ابدالاباد (ہمیشہ) کے روزوں سے جو شرع سے ماخوذ نہیں، بہتر ہے۔ شارع علیہ السلام کے حکم سے ایک پیسہ خرچ کرنا اپنی طرف سے سونے کا پہاڑ خرچ کرنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز فجر کی نماز باجماعت ادا کر کے اپنے اصحاب پر نگاہ ڈالی، ایک شخص کو جماعت میں موجود نہ پایا۔ اس کے متعلق دریافت فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا وہ شخص ساری رات عبادت میں مصروف رہتا ہے، شاید اس وقت سو گیا ہو۔ امیر المومنین نے فرمایا اگر وہ شخص ساری رات سوتا اور صبح کی نماز باجماعت ادا کرتا تو اس سے بہتر تھا۔

گمراہ لوگوں نے بھی ریاضتیں اور مجاہدے بہت کیے ہیں لیکن شریعت حقہ کے مطابق نہیں، لہٰذا خوار اور بے اعتبار ہیں۔ اگر ان گمراہوں کے ان اعمال شاقہ پر کچھ اجر و ثواب بھی ملا تو وہ بعض دنیوی منافع ہی کی صورت میں ہوگا۔ اور اجر و ثواب کے طور پر ساری دنیا کا مل جانا بھی کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ بعض دنیوی منافع کے حاصل ہونے کا کیا اعتبار ہے۔ گمراہوں کے مجاہدات اور اعمال شاقہ کی مثال جاروب کش کی ہے جس کی کوشش و محنت سب سے زیادہ ہے، مگر اس کی مزدوری سب سے کم ہوتی ہے۔ اور شریعت کی پیروی کرنے والوں کی مثال اس جماعت کی طرح ہے جو اعلیٰ درجہ کے موتیوں اور ہیروں کے ساتھ کام میں مصروف ہو۔ ان کا کام تو بہت تھوڑا ہوتا ہے، لیکن ان کی اجرت بہت زیادہ ہوتی ہے یا ایک گھڑی کا عمل ہزار سال کے اجر کے برابر ہو سکتا ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ جو عمل موافق شریعت واقع ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کو پسند ہوتا ہے اور خلاف شریعت عمل رب تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ پس ناپسندیدہ عمل پر ثواب کے کیا معنی بلکہ عذاب کی توقع ہے۔ اس مضمون کے عالم مجاز میں بہت سے شواہد موجود ہیں، ادنیٰ توجہ سے سامنے آ سکتے ہیں ؂

ہر چہ گیرد علتی علت شود کفر گیرد کاملے ملت شود

بیمار جس شے سے بھی تعلق قائم کرے گا وہ بھی بیمار ہو جائے گی۔ اور کامل شخص کفر کی طرف رخ کرے گا تو اسے ملت حقہ کی شکل دیدے گا۔

پس تمام سعادتوں کا سرمایہ سنت کی متابعت ہے، اور تمام فسادات کا مادہ شریعت کی مخالفت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم اور تم کو سید المرسلین علیہ و علیہم و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت پر ثابت و قائم رکھے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۱۱۵

ملا عبدالحق دہلوی کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ جس راہ کو طے کرنے کے ہم درپے ہیں وہ صرف سات قدم ہے۔

مصرع: ـــــ از ہر چہ می رود سخن دوست خوشتر است

دوست کی بات جس طرف سے بھی کان میں پہنچے اچھی ہے۔

یہ راستہ جس کے طے کرنے کے ہم درپے ہیں صرف سات قدم ہے۔ دو قدم عالم خلق میں ہیں اور پانچ عالم امر میں۔

عالم امر میں پہلا قدم رکھنے پر تجلی افعال ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے قدم پر تجلی صفات اور تیسرے قدم میں تجلیات ذاتیہ کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔

پھر ارباب کمال کے درجات کے تفاوت کے مطابق تجلیات ذاتیہ میں بندہ ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ حضور سید الاولین والآخرین علیہ من الصلوات اکملہا ومن التسلیمات افضلہا کی متابعت سے وابستہ ہے۔ اور جن بزرگوں نے اس راستے کو دو قدم قرار دیا ہے انہوں نے اجمال کے طور پر اس سے عالم خلق اور عالم امر مراد لیے ہیں، طالبان حق پر معاملہ آسان کرنے کے لیے لیکن اصل بات وہی ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بیان کی ہے اسے ذہن نشین کرنا چاہیے۔

مکتوب نمبر ۱۱۶

ملا عبدالواحد[1] لاہوری کی طرف صادر فرمایا:

[1] آپ ان خوش قسمت حضرات میں سے ہیں جنہیں حضرت خواجہ محمد الباقی قدس سرہٗ نے امام ربانی قدس سرہٗ کی خدمت میں برائے تربیت بھیجا۔ آپ کثیر المراقبہ اور کثیر العبادۃ تھے۔ ایک روز آپنے ذوق وکیف کی حالت میں اپنے ایک پیر بھائی سے دریافت کیا کہ جنت میں نماز ہوگی؟ اس نے جواب میں کہا وہاں نماز نہیں کیونکہ وہ دار جزا ہے، دار عمل نہیں۔ آپ نے آہ نکالی اور رو پڑے۔ اور فرمایا جہاں اس بے نیاز ذات کی عبادت و بندگی نہیں وہاں زندگی کس طرح گزرے گی۔ ملا عبدالواحد کا بیان ہے کہ جن ایام میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ (باقی بر صفحہ ۱۷۲)

اس بیان میں کہ قلب کی سلامتی اس کے ماسوا کو بھول جانے پر موقوف ہے ۔ اور دنیوی امور میں زیادہ مصروف ہونے سے روکنے میں تاکہ دنیا کے ساتھ الفت و رغبت پیدا نہ ہو ۔

عزیز بھائی کا مکتوب مرغوب موصول ہوا ۔ اور سلامتی قلب کے متعلق جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا تھا اس سے بھی آگاہی ہوئی ۔ ہاں ہاں ، دل کی سلامتی ماسوائے حق تعالیٰ کے ہر شے کو بھول جانے پر موقوف ہے ۔ اس حد تک کہ اگر غیر حق کا خیال تکلف و کوشش سے بھی لانا چاہیں تو نہ آئے ۔ اس صورت میں غیر خدا کا گزر دل پر نہیں ہو سکتا ۔ اس حالت کو نسیانِ قلبی سے تحریر کرتے ہیں ۔ اور یہ اس راہ میں قدم اول ہے ۔ اور اس سے درجات استعداد کے مطابق مراتب ولایت کے کمالات کی بشارت ملتی ہے ۔ ہمت بلند رکھیں ۔ اخروٹ و منقیٰ یعنی معمولی اشیاء پر قناعت نہ کریں ۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْھِمَمِ[1] اللہ تعالیٰ بلند ہمت والوں کو دوست بناتا ہے ۔

دنیوی امور میں زیادہ رغبت سے خطرہ ہے کہ اس کمینی دنیا کے کاموں میں ہی نہ کہیں الجھ جاؤ ۔ دل کی موجودہ سلامتی سے دھوکا نہ کھا جائیں ۔ کیونکہ اس حالت کے چھن جانے کا امکان ہے ۔ اور دنیوی اشتغال کی طرف حتی المقدور رُخ نہ کریں تاکہ دنیا سے ہی لگاؤ پیدا نہ ہو جائے ۔ اور یہ بات نقصان میں ڈال دے (عیاذاً باللہ سبحانہٗ) فقر میں جاروب کشی دولت مندوں کی صدر نشینی سے بہتر ہے ۔ ساری ہمت اس طرف مبذول کرنی چاہیے کہ فقر و نامرادی ہی میں زندگی گزر جائے جس قدر شیر سے بھاگتے ہو اس سے زیادہ دولت اور ارباب دولت سے دور بھاگو ۔ والسلام ۔

مکتوب نمبر ۱۱۷

مُلّا یار محمدؒ قدیم بدخشی کی طرف صادر فرمایا :

اس بیان میں کہ ابتداءً قلب جس کے تابع ہوتا ہے ۔ اور انتہا میں جا کر یہ تبعیت باقی نہیں رہتی ۔

امید ہے کہ مولانا یار محمد نے ہمیں فراموش نہیں کیا ہوگا ۔ ایک عرصہ تک چونکہ قلب جس کے

(بقیہ صفحہ ۱۷۱) لاہور تشریف لائے ہوتے تھے ۔ ایک سبزی فروش بوڑھا آپ کی زیارت کے لیے حاضر خدمت ہوا ۔ آپ نے اس کی بڑی عزت کی جس سے دوسروں کو حیرانی ہوئی ۔ جب حضرت امام ربانی قدس سرہٗ سے اس عزت افزائی کا راز دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ شخص ابدال میں سے ہے ۔ (زبدۃ المقامات)

[1] الجامع الکبیر للسیوطی بروایت ابن حبان و طبرانی ، خرائطی ، ابن عساکر اور ضیا مقدسی بروایت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ

[2] صفحہ نمبر ۳۰۱ پر ملاحظ فرمائیں ۔

تابع رہتا ہے۔ اس لیے جو چیز حس سے دور ہوتی ہے قلب بھی اسے دور محسوس کرتا ہے۔ حدیث مبارک

من لم یملك عینہٗ فلیس القلب عندہٗ۔ جو شخص اپنی آنکھ کی حفاظت نہیں کرتا اس کا دل اس کے قابو میں نہیں ہوتا۔

میں اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور نہایت کار میں چونکہ قلب حس کے تابع نہیں رہتا، اس بنا پر حس سے دوری قرب قلبی پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اسی لیے مشائخ طریقت نے مبتدی اور متوسط کے لیے شیخ کامل مکمل کی صحبت سے دور رہنے کو جائز نہیں رکھا۔

الغرض "جو چیز پوری طرح حاصل نہ ہو سکے اسے بالکل ترک نہیں کرنا چاہیے" کے مطابق اسی طریقہ پر قائم رہیں اور ناجنس لوگوں کی صحبت سے پوری طرح اجتناب کریں۔

میاں شیخ مزمل کی تشریف آوری کو سعادت کا پیش خیمہ خیال کرتے ہوئے ان کی صحبت کو غنیمت جانیں اور زیادہ وقت ان کی صحبت میں گزاریں۔ کیونکہ شیخ مزمل بے نظیر شخصیت ہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۱۸

ملا قاسم علی چشتی کی طرف صادر فرمایا۔

اس جماعت کی نامرادی اور خسارے کے بیان میں جو اہل اللہ پر اعتراض کرتی ہے۔

محبت کے نشانات والے مولانا قاسم علی نے جو خط ارسال کیا تھا موصول ہوا۔ اس کے مضمون سے بھی واقفیت حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ جو شخص نیک کام کرے گا اپنے ہی نفع کے لیے کریگا

---

۵۲ (حاشیہ صفحہ سابقہ) انھیں یار محمد قدیم اس لیے کہتے ہیں کہ ان کے بعد ایک اور یار محمد حضرت کے آستانہ شریف پر پہنچے۔ بعد میں آنے والے جدید کہلائے۔ دفتر اول کے مکاتیب کے جامع یہی یار محمد جدید ہیں۔ حضرت مولانا یار محمد قدیم حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے قدیم اصحاب میں سے تھے۔ آپ قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگوں کا حضور اور ان کی نسبت آپ میں نمایاں تھی۔ کثیر السکوت اور کثیر المراقبہ تھے۔ ولایت بدخشاں آپ کا وطن مالوف تھا۔ تلاش حق میں نکلے اور عنایت ربانی نے آپ کو سرہند شریف میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے منبع برکات و خیرات آستانہ عالیہ تک پہنچا دیا۔

وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۔ اور جو برائی کرے گا تو اس کا وبال اس کی اپنی ہی جان پر آکر رہے گا۔

خواجہ عبداللہ انصاری فرماتے ہیں: "الٰہی! تو جسے برباد کرنا چاہتا ہے اسے ہمارے طعن و تشنیع میں مبتلا کر دیتا ہے۔"

ترسم آں قوم کہ بر دردکشاں می خندند   بر سر کار خرابات کنند ایماں را

مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ جو مے نوشوں پر ہنستے ہیں، شراب خانہ میں کہیں اپنا ایمان ہی نہ ضائع کر بیٹھیں

حق سبحانہٗ و تعالیٰ تمام اہل اسلام کو فقراء (اولیاء اللہ) کے انکار اور ان پر اعتراض سے بچائے بحرمۃ سید البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات۔

مکتوب نمبر ۱۱۹

میر محمد نعمان بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

شیخ مقتدا کی صحبت کی ترغیب اور اس امر کے بیان میں کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کامل حضرات اپنے بعض ناقص مریدوں کو بعض اچھی نیتوں کے تحت تعلیم طریقت کی اجازت دے دیتے ہیں۔

جناب میر صاحب کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ یہ راستہ دیوانگی چاہتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ:

لَنْ يُّؤْمِنَ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُقَالَ اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ ۔ تم میں سے اس وقت تک ہرگز کوئی بھی مومن نہیں ہوگا جب تک لوگ اسے دیوانہ نہ کہیں

اور جب دیوانگی آئی تو بندہ زن و فرزند کی تدبیر سے فارغ ہو گیا اور اِدھر اُدھر کے تفکرات سے نجات حاصل ہو گئی۔ یہ دیوانگی آپ کی طبیعت و سرشت میں موجود ہے۔ لیکن بے فائدہ عوارض کی خس و خاشاک میں آپ نے اسے چھپا رکھا ہے۔ کیا کیا جائے۔ اس ظاہری جدائی کے باعث آپ میں کچھ زیادہ ہی بے مناسبتی محسوس ہو رہی ہے۔ اس کا جلد تدارک کریں۔ اور بے استطاعتی کو عین استطاعت جانتے ہوئے اس ظاہری دوری کو دور کریں۔ اس گروہ صوفیاء کی جمعیت (دلجمعی) باقی مخلوق کی دلجمعی کے علاوہ ہے۔ جو اسباب دوسروں کے لیے سکون کا باعث ہیں وہ ان کے لیے تفرقہ اور بے چینی کا

سبب ہیں۔ مخلوق کی پراگندگی کے اسباب اختیار کرنے چاہییں تاکہ جمعیت حاصل ہو۔ اور اگر بفرض محال مخلوق کی جمعیت کے اسباب ہیں ہی اس گروہ کو بھی جمعیت عطا کردیں تو ایسی جمعیت سے ڈرنا چاہیے اور جناب حق سبحانہٗ میں التجا کرنی چاہیے تاکہ یہ جمعیت بلائے جان نہ بن جائے۔ اور دوسروں کے حالات پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ سب کچھ اختلاف درجات کے مطابق تمام مراتب نقص دور ہونے سے پہلے ہے۔ ع

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست

دوست کی جدائی اگر تھوڑی بھی ہو تو تھوڑی نہیں

مشائخ طریقت نے بعض مریدوں کو ان کے تمام مراتب سلوک طے ہونے سے پہلے بھی تعلیم طریقت کی اجازت دی ہے[1]۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے حضرت مولانا یعقوب[2] چرخی کو تعلیم طریقت اور بعض منازل سلوک طے کرانے کے بعد فرمایا "اے یعقوب! جو کچھ ہم سے تجھے ملا ہے اسے مخلوق تک پہنچا دے۔ حالانکہ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے ان کو یہ بھی فرمایا کہ میرے بعد مولانا علاؤالدین کی خدمت میں رہنا۔ چنانچہ آپ نے زیادہ کام حضرت علاء الدین ہی کی خدمت میں انجام دیا۔ یہاں تک کہ مولانا عبدالرحمٰن جامی[3] رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نفحات الانس میں آپ کو پہلے خواجہ علاء الدین عطار

---

[1] تو مرید کو ایسی اجازت ملنے سے غرور میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے اور اپنے آپ کو کامل نہیں سمجھ لینا چاہیے۔

[2] مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ کے اونچے درجے کے مریدین میں سے ہیں۔ آپ ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے۔ آپ کا اصل وطن علاقہ غزنیں میں قصبہ چرخند ہے۔ آپ عرصہ دراز تک حضرت خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں رہے ہیں۔ آپ کا مزار مبارک قصبہ ہلفتو علاقہ حصار میں ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

اذا جالستم اھل الصدق فاجلسوھم	جب اہل صدق کی مجلس میں بیٹھو تو صاف دل سے
بالصدق فانھم جواسیس القلوب	بیٹھو کیونکہ اہل اللہ دلوں کے جاسوس ہیں جو تمہارے
یدخلون فی قلوبکم وینظرون الی	دلوں میں داخل ہوتے ہیں اور تمہارے ارادوں کو
ھممکم	دیکھتے ہیں۔ (رشحات صفحہ ۶۷)

[3] حضرت مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اصل لقب عمادالدین ہے (باقی برصفحہ ۳۱۲)

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مریدین میں شمار کیا ہے۔ اور دوسرے درجے پر آپ کی نسبت حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس تفرقہ اور پراگندگی کا علاج ارباب جمعیت کی صحبت ہے۔ بار بار اور بڑی تاکید سے یہ مضمون آپ کو لکھا گیا ہے۔

سنا ہے کہ مولانا محمد صدیق نے نوکری اختیار کر لی ہے۔ اور فقراء کی وضع اور ان کے طور طریقے کو چھوڑ دیا ہے۔ افسوس ہزار افسوس، کہ کسی کو اعلیٰ علیین سے اسفل سافلین میں ڈال دیں۔ اب اس شخص کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا نوکری میں اسے جمعیت نصیب ہوگی یا نہیں ہوگی۔ اگر

(بقیہ صفحہ ۱۷۴) لیکن نورالدین کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ ۸۱۷ھ شعبان المعظم کی ۲۳ تاریخ بوقت عشاء قصبہ جام میں پیدا ہوئے۔ آپ امام الائمہ کاشف الغمہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور شاگرد حضرت امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے اجداد کرام پہلے اصفہان کے محلہ دشت میں رہتے تھے۔ حوادث زمانہ کے باعث ترک وطن کر کے ولایت جام میں اقامت پذیر ہو گئے۔ آپ ابھی بچے ہی تھے کہ اپنے والد ماجد کے ساتھ ہرات آئے اور مدرسہ نظامیہ میں داخلہ لے کر مولانا جنید اصولی کے درس میں شریک ہوئے۔ اور ان سے شرح مفتاح اور مطول وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد حضرت میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے نہایت مدقق و محقق شاگرد مولانا خواجہ علی سمرقندی سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد مولانا سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تلامذہ میں سے ایک عالم مولانا شہاب الدین محمد جاجرمی سے استفادہ کیا اور ان سے تلویح اور مطول کے کچھ مقامات پڑھے۔ پھر آپ سمرقند میں محقق وقت قاضی روم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قاضی روم نے آپ کی جودت طبع اور قوت تصرف کی بڑی تعریف کی۔ پہلے آپ نے مولانا سعد الدین کاشغری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر باطنی علوم اور اسرار و معارف کا استفادہ کیا۔ پھر حضرت خواجہ عبید اللہ احرار سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہی سے سلسلہ نقشبندیہ کے مطابق علم باطن کی تکمیل کی۔ حضرت مولانا صاحب کرامات بزرگ تھے۔ آپ کی تصنیفات کی تعداد ۴۵ ہے جو نہایت بلند پایہ ہیں۔ آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حاشیہ نفحات الانس میں آپ کی وفات کا حال بیان کیا ہے جو مختصراً یہ ہے کہ:

حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بروز اتوار ۱۳ محرم الحرام ۸۹۸ھ میں بیمار ہوئے۔ اس سے چھٹے روز بعد جمعہ مبارک کے دن علی الصبح آپ کی نبض چلنا بند ہوئی اور عین نماز صبح کے وقت آپ کی روح پر فتوح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور آپ دار فنا سے دار بقا کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ کی تاریخ وفات آیہ کریمہ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا سے نکلتی ہے۔ (رشحات باختصار)

حاصل ہوگی تو بھی بری ہے، اور اگر حاصل نہیں ہوگی تو بدتر۔

اے اللہ! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بیشک تو ہی بے اندازہ عطا فرمانے والا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۲۰

یہ مکتوب بھی میر محمد نعمان بدخشی کی طرف صادر فرمایا۔

ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

شاید حضرت میر صاحب نے ہم کو فراموش کر دیا ہے کہ کبھی سلام و پیام سے یاد نہیں فرمایا۔ فرصت بہت کم ہے، اسے نہایت اہم کام ہی میں صرف کرنا چاہیے۔ اور وہ ارباب جمعیت کی صحبت ہے۔ صحبت کے برابر کسی شے کو نہ جانو۔ چاہے کوئی ہی چیز ہو۔ آپ کو معلوم نہیں کہ صحابہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم وبارک کو انبیاء علیہم السلام کے علاوہ باقی سب لوگوں پر صحبت کی بنا پر ہی فضیلت حاصل ہوئی۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام اویس قرنی اور عمر مروانی سے افضل تھے۔ باوجودیکہ یہ دونوں بزرگ صحبت رسول علیہ السلام کے علاوہ باقی تمام درجات کی نہایت اور تمام کمالات کی غایت تک پہنچ چکے تھے۔ اسی صحبت کی فضیلت کی بنا پر ہی حضرت امیر معاویہ کی خطا ان دونوں کے صواب سے بہتر اور عمرو بن العاص کی سہو و بھول ان دونوں کی ہوش و بیداری سے افضل تھی۔ کیونکہ ان بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایمان رسول پاک علیہ السلام کی زیارت، فرشتوں کے نزول وحضور، مشاہدہ وحی اور معائنہ معجزات کی وجہ سے شہودی ہو چکا تھا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سوا اور کسی کو بھی یہ کمالات نصیب نہیں ہو سکے جو باقی تمام کمالات کی جڑ اور اصل ہیں۔ اگر حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحبت کی یہ فضیلت اس خاصیت کے ساتھ جان لیتے تو انہیں صحبت کی اس فضیلت کے پانے سے کوئی چیز نہ روکتی۔ اور نہ ہی وہ صحبت کی اس فضیلت پر کسی اور شے کو ترجیح دیتے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے خاص کرتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

سکندر را نمی بخشند آبے ۔۔۔ بزور و زر میسر نیست ایں کار

سکندر کو آب حیات عطا نہیں کرتے۔ زور و زر سے یہ کام حاصل نہیں ہوتا

اے اللہ! اگرچہ تو نے اس دنیا میں ہمیں طبقہ صحابہ سے پیدا نہیں فرمایا۔ مگر آخرت میں بحرمت

سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات ہمیں گروہ صحابہ میں اٹھانا۔ (آمین) والسلام

مکتوب نمبر ۱۲۱

یہ مکتوب بھی میر محمد نعمان کی طرف صادر ہوا۔

اس بیان میں کہ یہ راستہ سات قدم قرار پاچکا ہے اور بعض دوست چھ قدم میں اپنی منزلِ مقصود تک پہنچے ہیں۔

حضرت میر صاحب کے ہر وقت بے شمار دعائیں شامل حال ہوں۔ مدت ہوئی ہے کہ آپ نے اپنے حالات کے متعلق اطلاع نہیں دی۔ اور یہاں کے فقراء کی خبر گیری نہیں فرمائی۔ الحمدُ للہ سبحانہٗ والمنۃ (اللہ سبحانہ کی حمد اور اس کا احسان ہے) کہ فقراء خوش حال ہیں۔ اجمال کے طور پر تھوڑی سی بات بیان کرتا ہے:

اے محبت کے نشانات والے! یہ سلوک کا راستہ سات قدم قرار پا چکا ہے۔ دوستوں کی ایک جماعت نے چھ قدم ہی میں اپنے کام کو انجام تک پہنچا دیا ہے، اور ایک گروہ نے پانچ قدم میں۔ اور ایک گروہ نے چار قدم اور ایک نے اپنے درجات کے فرق کے مطابق تین قدم ہی میں منزلِ مقصود کو پالیا ہے۔ تین قدم والا بھی لوگوں کو اس راستہ کی تعلیم دے سکتا ہے، تو وہ جماعت بطریقِ اولیٰ اس راستہ کی تعلیم دے سکتی ہے جو کئی قدم آگے جا چکی ہے۔ بلند ہمتی درکار ہے۔ حقیر و معمولی اشیاء پر کفایت کرنا ٹھیک نہیں۔ اس سے زیادہ لکھنے کی گنجائش نہیں تھی۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۲۲

ملا طاہر[1] بدخشی کی طرف صادر فرمایا۔

بلند ہمت بننے کی ترغیب اور جو کچھ ہاتھ آجائے اس کی طرف توجہ نہ کرنے کے بیان میں۔

---

[1] آپ اولاً فوج میں ملازم تھے۔ ایک دفعہ جبکہ فوج کوئی قلعہ سر کرنے کی طرف متوجہ ہو چکی تھی آپ کو خواب میں حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دوسرے خلفاء کرام اور صحابہ کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو فرمایا یہ سفر ختم ہونے کے بعد تم فوج سے رہائی پاؤ گے (بقیہ ۱۱۹)

مولانا محمد طاہر خط کا جواب دیر سے دینے میں ہمیں معذور جانیں۔ مولانا یار محمد ہماری نقل و حرکت کی وجہ بتادیں گے۔

جب آپ ہندوستان کے سفر کا پختہ ارادہ رکھتے ہیں تو چلے جائیں اور اہل و عیال کی خبر گیری کریں۔ والباقی عند التلاق "باقی ملاقات کے وقت" مثل مشہور ہے۔

دل کی دائمی حضوری اور اغیار کے میل جول سے پرہیز ضروری ہے۔ ہمت بلند رکھنی چاہیے۔ اور جو کچھ ہاتھ آجائے اس پر کفایت نہیں کرنی چاہیے۔ ؎

ما از پئے نورے کہ بود شرق انوار
از مغربی و کوکب و مشکوٰۃ گزشتیم

ہم اس نور کی خاطر جو مشرق انوار بنا ہوا ہے' جانب مغرب ستاروں اور فراخ و کشادہ طاق سے آگے گزر گئے ہیں۔

اس زمانہ کے اکثر فقرا سیراب ہو جانے اور کفایت کے میدان میں مقیم ہو چکے ہیں۔ ان کی صحبت و مجالست زہر قاتل ہے۔ ان سے اس طرح دور بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔ اسی طریقہ پہ کاربند رہیں اور واقعات کو کچھ اہمیت نہ دیں۔ کیونکہ تاویل کی گنجائش کا میدان بڑا وسیع ہے۔ خواب و خیال کے مکر و فریب میں نہ آئیں۔ ؎

کیف الوصول الی سعاد و دونھا
قلل الجبال و دونھن خیوف

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۷۸) چلے جانا اور فقر و تجرید کا راستہ اختیار کرنا۔ اس سفر سے واپسی پر آپ نے ایسا ہی کیا اور کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس بزرگ نے آپ کو فرمایا تمہارا حصہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں معلوم ہوتا ہے۔ اور دہلی و لاہور کی طرف جانے کا اشارہ فرمایا۔ آپ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں پہنچے چند روز کے بعد حضرت خواجہ قدس سرہٗ کا وصال ہو گیا۔ تو آپ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ السامی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور آپ کے آستانہ شریف کے ہو کر رہ گئے۔ اور اس آستانہ سے اپنے فقر و عرفان کا حصہ پا لیا۔ آپ کو یہ سعادت حاصل تھی کہ آپ خلوت و جلوت میں عالم بیداری میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت و ملاقات سے مشرف ہوتے تھے اور مدت تک دیدار حبیب کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ نے آپ کو تعلیم طریقت کی اجازت دے کر جونپور کی طرف روانہ فرمایا۔

(زبدۃ المقامات)

(ترجمہ) سعاد (معشوقہ) تک پہنچنا آسان نہیں۔ کیونکہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور خوفناک نشیب و فراز حائل ہیں۔

والسلام۔

اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی حسن توفیق سے حصہ دوم دفتر اول کا اُردو ترجمہ اختتام پذیر ہوا وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین وعلینا معھم برحمتک یا ارحم الراحمین۔
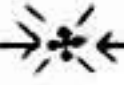
صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

لِلّٰہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

یعنی

(اردو ترجمہ)

مکتوبات امام ربّانی

حضرت مجدّد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرّہ

دفتر اوّل ــــــ حصہ سوم

(تصحیح و حواشی و ترجمہ)

مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی
خطیب و امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

(ناشر)

مدینہ پبلشنگ کمپنی۔ بندر روڈ۔ کراچی

طبع اوّل ـــــــ آفسٹ ایڈیشن ـــــــ سنہ ۱۹۷۱ء

کتاب ـــــــ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی جلد اول حصہ سوم

مترجم ـــــــ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی ۔ لاہور

طابع و ناشر ـــــــ مدینہ پبلشنگ کمپنی ۔ بندر روڈ کراچی

مطبع ـــــــ مشہور آفسٹ پریس ۔ کراچی

تعداد ـــــــ دو ہزار (۲۰۰۰)

قیمت ـــــــ حصہ اوّل ۔ دوئم ۔ سوئم
مجلد معہ پلاسٹک کور

ملنے کا پتہ

مدینہ پبلشنگ کمپنی ۔ بندر روڈ ۔ کراچی

فہرست مکتوبات امام ربانی (اردو) حصہ سوم دفتر اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُردو ترجمہ

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

جلد اوّل ——— حصہ سوم

مکتوب نمبر ۱۲۳

یہ مکتوب بھی ملا طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا۔ اس امر کے بیان میں کہ اداۓ نوافل اگرچہ حج ہی ہو اگر کسی فرض کے فوت ہونے کا سبب بنتا ہو تو وہ بھی لایعنی اور بے فائدہ امور میں داخل ہے:

اخوی ارشدی (اپنے نام کی طرح ہمیشہ تعلقات کی میل کچیل سے پاک رہے) کا مکتوب موصول ہوا۔

اے برادر حدیث میں وارد ہے :-

علامۃ اعراضہ تعالیٰ عن العبد[1]	اللہ تعالیٰ کے بندے سے اعراض کی علامت یہ ہے
اشتغالہ بمالایعنیہ۔	کہ بندہ لایعنی کاموں میں مشغول و مصروف ہو جائے۔

فرائض میں سے کسی بھی فرض سے اعراض کر کے نوافل میں سے کسی نفل عبادت میں مشغول ہونا لایعنی اور بے فائدہ ہے۔ لہذا اپنے احوال و افعال کی تفتیش کرتے رہنا ضروری ہے۔ تاکہ اس بات کا پتہ رہے کہ ہم کن کاموں میں مشغول ہیں نوافل میں یا فرائض میں۔ ایک نفلی حج کی خاطر اتنے ممنوعات کا مرتکب ہونا اچھا نہیں۔ اچھی طرح ملاحظہ کریں۔

وَالعاقل تکفیہ الاشارۃ	عقلمند کو اشارہ کافی ہے

والسلام علیکم وعلی رفقاءکم

---

[1] ابن حجر نے شرح اربعین میں اسے امام حسنؒ کا قول قرار دیا اور امام ترمذیؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ روایت کی من حسن اسلام المرء ترکہ مالایعنیہ۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا اور امام نووی نے اسے حسن کہا۔ اور ابن عبداللہ نے صحیح کہا۔ امام علی متقی رضی اللہ نے جوامع الکلم میں بالفاظ حضرت مجدد رضی اللہ عنہ مرفوعاً ذکر کیا۔
۱۲۔ مترجم عفی عنہ

مکتوب نمبر ۱۲۴

یہ مکتوب بھی مُلا طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا۔ اس امر کے بیان میں کہ راستے کی استطاعت فرضیتِ حج کے لئے شرط ہے۔ استطاعت نہ ہونے کے باوجود حج کو جانا اپنے ضروری مطلب کے حصُول کے مقابلے میں تضیع اوقات میں داخل ہے۔

اخوی خواجہ محمد طاہر بدخشی کا مکتوب شریف موصول ہُوا اللہ سبحانہ الحمد والمنۃ اللہ سبحانہ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ آپ کے ہم سے کافی عرصہ سے جدا ہونے کے باوجود فقراء سے محبت و عقیدت اور اخلاص میں سُستی راہ نہیں پا سکی۔ یہ عظیم سعادت کی علامت ہے۔

اے محبت کے نشانات والے جب تم نے رخصت طلب کی اور جانے کا عزم صمیم کر لیا تھا۔ تو تمہارے وداع ہونے کے وقت اس قدر ذکر ہُوا تھا کہ شاید ہم بھی اس سفر میں تمہارے ساتھ چل جائیں۔ اس سفر کی روانگی کے سلسلے میں جس قدر بھی استخارے کئے گئے کوئی بھی موافق نہ آیا۔ اور اس باب میں اجازت معلوم نہ ہو سکی۔ مجبوراً سفر کا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ ابتدا میں فقیر کی مرضی بھی نہیں تھی کہ تم جاؤ۔ لیکن تمہارے شوق کو دیکھ کر صراحۃً منع نہ کیا۔

استطاعت یعنی سفرِ حج کے مصارف کا موجود ہونا فرضیتِ حج کے لئے شرط ہے۔ بغیر استطاعت حج کے لئے نکل کھڑا ہونا تضیع اوقات ہے۔ ضروری کام چھوڑ کر غیر ضروری کام میں مصروف ہونا مناسب نہیں ہے بہت سے خطوط میں یہ مضمون تم کو لکھا گیا ہے۔ تم تک پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو۔ اصل بات یہی ہے آگے آپ مختار ہیں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۱۲۵

میر صالح نیشاپوری کی طرف صادر فرمایا:۔

اس امر کے بیان میں کہ عالم چاہے چھوٹا ہو (انسان) چاہے بڑا (ساری کائنات) سب کا سب اللہ تعالےٰ شانہٗ کے اسماء اور اس کی صفات کا مظہر ہے۔ اور عالم کی اپنے صانع کے ساتھ مخلوقیت اور مظہریت کی مناسبت کے سوا اور کوئی مناسبت نہیں۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ۔ اے اللہ ہم کو اشیاء کی حقیقتیں جیسی کہ فی الواقع ہیں دکھا۔

عالم چاہے چھوٹا ہو چاہے بڑا سب اللہ تعالیٰ شانہٗ کے اسماء اور اس کی صفات کے مظاہر ہیں اور اس کے شیون و کمالاتِ ذاتیہ کے آئینے ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ عزّ سلطانہٗ ایک مخفی خزانہ اور پوشیدہ راز تھا۔ اس نے چاہا کہ اپنے کمالات پردۂ خفا سے ظہور میں لائے۔ اور اجمال کو تفصیل کے رنگ میں پیش کرے۔ کائنات کو ایسے طریقہ پر پیدا فرمایا کہ ممکنات کی ذوات اور صفات اس کی ذات و صفات پہ دلالت کریں اور نشان بنیں۔

پس عالم کو اپنے صانع کے ساتھ مخلوقیت کے رشتہ اور مناسبت کے سوا اور کوئی مناسبت اور تعلق نہیں اور یہ کائنات اس کے اسماء اور شیونات پر دلالت کرنے والے امور کا مجموعہ ہے۔ خالق اور مخلوق کے درمیان اتحاد و عینیت یا خالق کا اپنی ذات کے ساتھ مخلوق کا احاطہ یا اس کی ذات کا مخلوق میں سرایت کئے ہوئے ہونا یا مخلوق کے ساتھ رب تعالیٰ کی معیت ذاتی وغیرہ تصورات، سب کے سب غلبۂ حال اور سکر وقت کی بناء پہ ہیں۔ جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ مستقیم الاحوال اکابر جنہوں نے صحو کے پیالے سے حصّہ پایا ہے۔ عالم کی اپنے صانع کے ساتھ مخلوقیت اور مظہریت کی نسبت کے علاوہ اور کوئی نسبت ثابت نہیں کرتے۔ اور احاطہ اور سَرَیان (سرایت کئے ہوئے ہونا) اور معیت علمی کے قائل ہیں۔ جیساکہ علماء حق کا مسلک و مشرب ہے۔ شکر اللہ تعالےٰ سعیہم۔

تعجب ہے کہ صوفیاء کی ایک جماعت ایک طرف بعض ذاتی نسبتوں کو ثابت کرتی ہے جیسے احاطہ اور معیت اور دُوسری طرف یہی جماعت اس امر کی معترف ہے کہ ذات حق تعالیٰ سے تمام نسبتیں مسلوب ہیں۔ حتیٰ کہ صفاتِ ذاتیہ کو بھی اس سے سلب کرتے ہیں۔ یہ صریح تناقض ہے۔ اور اس تناقض کو دُور کرنے کے لئے ذات میں مراتب ثابت کرنا تدقیقات فلسفیہ کی طرح محض تکلف ہے۔ کشف صحیح والے حضرات اس ذات کو بسیط حقیقی کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔ اور اس بسیط ذات کے سوا جو کچھ ہے اسے اسماء میں شمار کرتے ہیں۔ فرد

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست — دوست کی تھوڑی سی جدائی بھی تھوڑی نہیں ہے

درونِ دیدہ اگر نیم موست بسیار است — آنکھ میں آدھا بال بھی پڑا ہو تو وہ بھی بہت ہے

ہم اس بحث کی تحقیق کے لئے ایک مثال بیان کرتے ہیں۔ ایک ذوفنون ماہرِ عالم اگر اپنے پوشیدہ کمالات کو ظہور میں لانا چاہے تو وہ حروف اور اصوات کو ایجاد کرتا ہے۔ تاکہ ان حروف و اصوات کے پردے میں ان کمالات کو ظاہر کرے صورت میں ان حروف اور دلالت کرنے والی ان آوازوں کو اس ماہرِ عالم کے ذہن

میں موجود معانی کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں الا یہ کہ یہ حروف اور آوازیں اُن مخفی معانی کے مظاہر ہیں۔ اور ان کمالاتِ مخزونہ کے آئینے ہیں۔ ان حروف و اصوات کو ان معانی مخفیہ کا عین قرار دینا بے معنی ہے۔ اسی طرح احاطہ اور معیت بھی اس صورت میں واقع نہیں۔ معانی اپنی اصل صرافت پر ہی موجود اور قائم ہیں۔ کسی قسم کا تغیر ان معانی کی ذات و صفات میں راہ نہیں پا سکا۔ لیکن چونکہ ان معانی اور ان حروف و اصوات میں جو معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ دالیت اور مدلولیت کی ایک گونہ مناسبت پائی جاتی ہے۔ اس بناء پر بعض زائد معانی تخیل میں آجاتے ہیں۔ ورنہ فی الحقیقت وہ معانی مخزونہ ان معانی زائدہ سے منزہ اور مبرا ہیں۔ اس مسئلہ میں جو کچھ ہمارا اعتقاد ہے یہی ہے جو ذکر دیا ہے۔ مخلوق کے ذات واجب کا مظہر اور آئینہ ہونے کے علاوہ زائد امور اتحاد، عینیت اور احاطہ و معیت کا اثبات مُسکر ہے۔ وہ بلند ذات فی الحقیقت تمام نسبتوں اور مناسبتوں سے مُعَرّا اور مُبَرّا ہے۔ "چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔" اس قدر مناسبتِ ظاہریت (رب تعالیٰ کا ظاہر ہونا اور مظہریت (مخلوق کا مظہر ہونا) کے ساتھ وحدت وجود کہیں یا نہ کہیں۔ فی الواقع وجود متعدد ہیں۔ لیکن اصالت اور ظلیت اور ظاہریت اور مظہریت کے اعتبار سے۔ ایسا نہیں کہ موجود صرف ایک ہے اور باقی سب کچھ اوہام اور خیالات ہیں۔ یہ مذہب بعینہٖ سوفسطائیہ[ل] کا مذہب ہے۔

عالم کی حقیقت کا اثبات اوہام و خیالات کی صورت میں عالم کو اس طرف نہیں لے جا سکتا جو سوفسطائی کا مقصود ہے۔ **مثنوی**

چوں بدانستی تو اُورا از نخست	سوئے آنحضرتؐ نسب کردی درست
وانگہ دانستی کہ ظلّ کیستی	فارغی گر مردی وگر زیستی

ترجمہ اشعار: جب تو نے اس ذات کو پہلے جان لیا۔ تو اس ذات کے لئے تو نے نسبتوں کو بھی درست ثابت کیا۔ اور جب تُو نے جان لیا کہ تُو کس کا ظل اور سایہ ہے۔ تُو تو فارغ ہو گیا یعنی تُو نے اپنے مطلوب و مقصود کو پا لیا۔ اب چاہے تو موت کی آغوش میں چلا جائے چاہے زندہ رہے۔

ل سوفسطائیہ وہ لوگ ہیں جن کے مذہب کی بنیاد وہم پر ہے۔ حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ نے سوفسطائیہ اور صوفیہ کے مذہب کی تحقیق زیادہ وضاحت کیساتھ جلد ثانی مکتوب اوّل اور مکتوب ۴۴ میں کی ہے اور وہ تحقیق لائق اعتماد و اعتبار ہے۔ آپ کی یہ گفتگو پہلے کی ہے۔ مترجم عفی عنہٗ

مکتوب نمبر ۱۲۶

یہ مکتوب بھی میر صالح نیشاپوری کی طرف صادر فرمایا۔

اس امر کے بیان میں کہ باطل الہوں کی نفی کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ وہ باطل آلہہ چاہے آفاقی ہوں چاہے انفسی۔ اور معبود بحق جل سلطانہ کی جانب جو کچھ حوصلہ فہم اور احاطہ ادراک میں آئے اسے نفی کے نیچے لاکر صرف موجودیت پر کفایت کرنی چاہیئے۔ اگرچہ وجود کے اثبات کی بھی وہاں گنجائش نہیں۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

سیادت اور بزرگی والے میر صالح! طالب کو چاہیئے کہ آلہہ باطلہ کی نفی کا اہتمام کرے۔ وہ چاہے آفاقی ہوں یا انفسی۔ اور معبود بحق جل سلطانہ کی جانب میں جو کچھ حوصلہ فہم اور احاطہ وہم میں آئے۔ نفی کے نیچے داخل کرے۔ اور مطلوب کی موجودیت پر کفایت کرے۔ مصرع

بیش ازیں پے نہ بردہ اند کہ ہست   بارگاہ الست کے فردین

اس کا اس سے زیادہ سراغ نہیں لگا سکے کہ ہے۔ اگرچہ وجود کی بھی اس مقام میں گنجائش نہیں۔ وجود سے بھی اُوپر ذات کو طلب کرنا چاہیئے۔ علماء اہل سنت شکر اللہ تعالٰی سعیہم نے خوب فرمایا ہے کہ واجب تعالیٰ کا وجود اس کی ذات سے زائد ہے۔ وجود کو عین ذات قرار دینا اور وجود سے اُوپر کچھ ثابت نہ کرنا کوتاہ نظری ہے۔ شیخ علاؤالدولۃ[1] فرماتے ہیں:

فَوْقَ عَالَمِ الْوُجُوْدِ عَالَمُ الْمَلِكِ الْوَدُوْدِ۔   یعنی عالم وجود سے اُوپر ملک ودود یعنی رب تعالیٰ کا عالم ہے۔

اس درویش کو جب مرتبہ وجود سے اُوپر لے گئے تو جب تک مغلوب الحال رہا ذوق و وجدان کی بناء پر اپنے آپ کو ارباب تعطیل میں سے پاتا تھا۔ اور واجب جل شانہ کے وجود کا حکم نہیں لگاتا تھا۔ کیونکہ وجود کو راستے میں چھوڑ آیا تھا۔ اور مرتبہ ذات میں وجود کی گنجائش نہیں۔ اُس وقت اس درویش کا اسلام تحقیقی نہیں بلکہ تقلیدی تھا۔

---

[1] یعنی شیخ رکن الدین علاء الدولۃ سمنانی قدس سرہ۔ آپ کی کنیت شمس الدین ابوالمکارم ہے۔ اور آپ کا نام مبارک احمد بن محمد ہے۔ آپ شاہانِ سمنان میں سے ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی نورالدین عبدالرحمٰن ہے۔ آپ کی ولادت ۶۵۹ھ اور وفات ۷۳۶ھ شب جمعہ رجب المرجب میں ہوئی۔

مختصر یہ کہ جو کچھ ممکن کے حوصلہ میں آتا ہے۔ وہ بہر صورت ممکن ہی ہوسکتا ہے۔

فسبحان من لم یجعل للخلق الیہ سبیلا الا بالعجز عن معرفتہ — تو پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی طرف مخلوق کے لئے کوئی راستہ نہیں رکھا۔ مگر اس کی معرفت سے عاجز ہونے کا راستہ۔

فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے حصول سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ ممکن واجب بن جاتا ہے کیونکہ یہ محال ہے اور اس طرح قلب حقائق لازم آتا ہے جو نا ممکن ہے۔ تو جب ممکن واجب نہیں بن سکتا تو پھر ممکن کا حصہ سوا اس کے اور کچھ نہیں کہ ممکن واجب جل شانہ کے ادراک سے عاجز رہتا ہے۔ فرد

عنقا شکار کس نشود دام باز چین — کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

ترجمہ: عنقا کسی کے شکار میں نہیں آسکتا۔ لہٰذا دام سمیٹ لو۔ کیونکہ یہاں دام اور جال کے ہاتھ میں ہوا کے سوا کچھ نہیں آتا۔

بلند ہمتی اسی طرح کے مطلب کو چاہتی ہے۔ کہ اس کی کوئی چیز بھی ہاتھ میں نہ آئے۔ اور اس کا کچھ نام ونشان پیدا نہ ہو۔

ایک جماعت وہ ہے جو ایسا مطلب چاہتی ہے جسے وہ اپنا عین پاتی ہے۔ اور قرب و معیت اس کے ساتھ پیدا کرتی ہے۔ مصرع: آن ایشانند من چنینم یارب۔ وہ تو وہ ہیں لیکن یارب میں تو اس طرح ہوں۔

والسلام اولاً و آخراً

مکتوب نمبر ۱۲۷

ملا صفر احمد رومی کی طرف صادر فرمایا۔

اس امر کے بیان میں کہ خدمتِ والدین اگرچہ حسنات میں سے ہے۔ لیکن مطلبِ حقیقی تک وصول کے سامنے محض بیکاری اور خالص بے روزگاری ہے۔ بلکہ برائی میں داخل ہے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین (ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں) اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

مکتوب مرغوب موصول ہوا۔ بسلسلہ رکاوٹ جو عذر آپ نے بیان کیا ہے۔ صحیح اور درست ہے۔ اس سے بھی زیادہ بہ کچھ وقوع میں آسکے کرنا چاہیئے۔ اور اپنے آپ کو قصور وار ٹھہرانا چاہیئے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ اِحْسَانًا۔ — اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ نیک سلوک

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا۔ کرنے کی تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے اسے تکلیف کیساتھ اٹھائے رکھا اور تکلیف کیساتھ جنا۔

دوسرے مقام پر اللہ سبحانہٗ فرماتا ہے:

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ کہ میرے شکر گزار بنو اور اپنے والدین کے۔

اس کے باوجود اعتقاد یہ ہونا چاہیئے کہ مطلوب حقیقی تک وصول کے مقابلے میں سب کچھ محض بے کاری ہے۔ بلکہ جس طرح منازل سلوک طے کرنا چاہیئے اس کے سامنے محض معطل رہنا ہے آپ نے حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ (ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں) سُنا ہوگا۔ بَیت

ہر چہ جز عشق خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جاں کندن است

خدائے احسن کے عشق کے سوا جو کچھ بھی ہے چاہے شکر کھانے کا کام ہی کیوں نہ ہو اپنی جان کے ہلاک کرنے کے مترادف ہے۔

اللہ کا حق تمام مخلوق کے حقوق پر مقدم ہے۔ مخلوق کے حقوق ادا کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر ہے۔ ورنہ کس کی مجال ہے کہ اس کی خدمت چھوڑ کر دوسروں کی خدمت میں مشغول ہو تو مخلوقات کی خدمات انجام دینا اس اعتبار سے حق تعالیٰ کی خدمات میں داخل ہے۔ لیکن ایک خدمت سے دوسری خدمت تک بڑا فرق ہے۔ مزارع اور ہل چلانے والے بھی بادشاہوں کے خادم ہی شمار ہوتے ہیں لیکن خاص مقربوں کی خدمت کچھ اور ہی چیز ہے۔ وہاں زراعت اور ہل چلانے کا نام لینا بھی سراسر معصیت ہے۔ اور ہر کام کی مزدوری کام کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے۔ ہل چلانے والے کو دن بھر محنت شاقہ کرنے کے باوجود دن کی مزدوری صرف ایک ٹکہ ملتی ہے۔ اور مقرب لوگ ایک گھڑی کی خدمت سے لاکھوں روپے کے مستحق بن جاتے ہیں۔ لیکن لاکھوں روپوں کے مستحق ہونے کے باوجود انہیں ان روپوں سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ وہ بادشاہ کے قرب میں گرفتار ہیں۔ انہیں اور کسی شے سے تعلق نہیں ہوتا۔ ہل چلانے والے خدمتگار اور بادشاہ کے مقرب دونوں کی خدمتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

فرخ حسین کو کافی توفیق نصیب ہو چکی ہے۔ اس کی طرف سے مطمئن رہیں۔ اس سے زیادہ کیا لکھوں۔

والسلام

●

مکتوب نمبر ۱۲۸

خواجہ معصوم کی طرف صادر فرمایا

بلند ہمت بننے کی ترغیب اور بے مثل ذات کو مطلوب قرار دینے کے بغیر کسی شے پر اکتفا نہ کرنے کے بیان میں۔

محترم خواجہ محمد معصوم ہم، دُور افتادوں کو فراموش نہ کر دیں بلکہ دُور نہ جائیں۔ المرءُ مع من احب[1] آدمی اس کے ساتھ شمار ہوتا ہے جس سے محبت رکھتا ہے۔ مقصد کی بات یہ ہے کہ راستہ نہایت طویل ہے۔ اور مطلوب کمال بلندی پر ہے اور ہم نہایت پست اور کوتاہ ہیں اور درمیانی منازل مطلب نما سراب کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس سے پناہ کہ بندہ وسط کو نہایت خیال کر کے غیر مقصد کو مقصد قرار دے لے۔ اور چون کو بے چون تصور کر لے۔ اور مطلب حقیقی تک وصول سے رہ جائے۔ ہمت کو بلند کرنا چاہیے۔ اور کسی بھی حاصل ہو جانے والی شے پر کفایت نہیں کرنی چاہیئے بلکہ اپنے مطلب کو نہایت بلندیوں میں تلاش کرنا چاہیئے۔ اس طرح کی ہمت کا حصول شیخ مقتدا کی توجہ سے وابستہ ہے۔ اور شیخ کی توجہ مرید منتدی کی محبت اور اخلاص کے مطابق ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جسے چاہے عطا کرے۔ اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۲۹

سید نظام کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ انسان کی جامعیت اس کے تفرقے کا باعث ہے۔ اور یہی جامعیت اس کی جمعیت کا سبب ہے۔ جس طرح دریائے نیل کا پانی دوستوں کے لئے پانی اور دشمنوں کے لئے مصیبت ہے۔

آپ کا مکتوب شریف ملا۔ آدمی چونکہ تمام موجودات میں جامع ترین ہستی ہے۔ اور اس کے اجزاء میں سے ہر جزو کے تعلق کے اعتبار سے کثیر موجودات کیساتھ گرفتاری پائی جاتی ہے۔ پس فی الحقیقت اس کی جامعیت اس کی جناب قدس خداوندی جل سلطانہٗ سے سب سے زیادہ دُوری کا باعث بن چکی ہے۔ اور متعدد تعلقات بھی

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ

اس کی دُوری کا باعث بن چکے ہیں۔ اور اگر یہ توفیق خداوندی سے اپنے آپ کو ان پراگندہ تعلقات سے الگ کرلے۔ اور اپنے اصل کی طرف رجوع کرے۔ تو اس نے عظیم کامیابی حاصل کرلی۔ ورنہ دُور کی گمراہی میں جاگرا۔ اپنی جامعیت کے سبب جس طرح انسان بہترین موجودات ہے۔ اسی جامعیت کے باعث بدترین مخلوقات بھی یہی ہے۔ اس کا آئینہ بواسطہ جامعیت سب سے اتم اور اکمل ہے۔ یہ انسان اگر اپنا رُخ کائنات کی طرف رکھے۔ تو جتنا زیادہ اسے میلا کچیلا کہیں ٹھیک ہے۔ اور اگر اس کا رُخ حق تعالیٰ کی طرف ہو تو پھر مصفیٰ اور نہایت بیش نما ہے۔ ان تعلقات کی میل کچیل سے مکمل آزادی حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ آپ کے بعد دوسرے انبیاء کرام اور اولیاء عظام اپنے اپنے درجات کے مطابق صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہٗ علیٰ نبینا وعلیہم وعلیٰ اتباعہم اجمعین الی یوم الدین۔ اللہ تعالے ہمیں اور تمہیں بحرمت النبی المصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تعلقات سے نجات عطا کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وہ مقدس ذات ہیں جن کی اللہ تعالے نے بدیں الفاظ مدح فرمائی۔ ماذاغ البصر وما طغیٰ۔ یعنی حضورؐ کی نظر مبارک نہ تو کج ہوئی اور نہ ہی اُس نے حد سے تجاوز کی۔ اس سے زیادہ گفتگو موجبِ ملال ہے۔ والسّلام علیکم الاکرام

مکتوب نمبر ۱۳۰

جمال الدین کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ تلوینیاتِ احوال کا چنداں اعتبار نہیں۔ بے کیف اور بے مثال مقصد کا حصول ہونا چاہیئے۔

تلوینیات کا چنداں اعتبار نہیں۔ ان میں گرفتار نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ کیا آیا اور کیا گیا اور کیا کہا اور کیا سُنا مقصود دُوسری چیز ہے۔ جو گفت وشنید اور دید وشہود سے منزہ اور مبرا ہے۔ سلوک کے بچوں کو اخروٹ وانگور (معمولی اشیاء) سے تسلی دیتے ہیں۔ ہمت بلند ہونی چاہیئے۔ کرنے والا کام دُوسرا ہے۔ یہ سب خواب وخیال ہے۔ خواب میں کوئی شخص اگر اپنے آپ کو بادشاہ دیکھے تو وہ نفس الامر میں بادشاہ نہیں۔ لیکن اس طرح کے خواب سے بلند مراتب کے حصول کی امیدواری مترشح ہوتی ہے۔ طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالے اسرار اکابرہم میں وقائع کا کوئی اعتبار نہیں کرتے۔ اُنہوں نے یہ بیت اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ بیت

چوں غلام آفتابم ہم از آفتاب گویم ۔۔۔ نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

میں آفتاب کا غلام ہوں ہر بات آفتاب کے متعلق ہی کہوں گا۔ میں نہ رات ہوں اور نہ رات کا پرستار ہوں کہ خواب کی

اگر کوئی وارد ہو اور پھر چلا جائے۔ تو خوشی اور غمی کی کوئی ضرورت نہیں۔ بے کیف اور بے مثال مقصود کے حصول کا منتظر رہنا چاہیئے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۱۳۱

خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا:

طریقہ خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی بلندی شان۔ اور اس جماعت کے حال شکایت کے بیان میں جنہوں نے اس طریقہ میں بہت سی نئی باتیں نکال لی ہیں۔ اور انہیں اس طریقہ کی تکمیل قرار دے رکھا ہے۔

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و آلہ الطاہرین۔

اخوی ارشدی خواجہ محمد اشرف کو (اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی بزرگیوں سے نوازے اور مشرف فرمائے) معلوم ہونا چاہیئے کہ خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کا طریقہ حق تعالیٰ تک پہنچانے والے طریقوں میں سب سے زیادہ قریب ہے۔ اور دوسروں کی نہایت ان بزرگواروں کی ہدایت میں درج ہے۔ اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے بلند ہے۔ یہ سب کچھ اس بنا پر ہے کہ اس طریقہ میں التزام سنت اور بدعت سے اجتناب ہے۔ یہ بزرگ حتی الامکان رخصت پر عمل کرنا جائز نہیں رکھتے۔ اگرچہ بظاہر باطنی طور پر اسے نفع مند ہی پائیں۔ اور عزیمت پر عمل کرنے کو ہاتھ سے نہیں دیتے۔ اگرچہ صورت کے لحاظ سے سیرت اور طریقہ میں نقصان وہ ہی محسوس کریں۔ ان بزرگوں نے احوال و مواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے۔ اور اذواق و معارف کو علوم شرعیہ کا خادم تصوّر کیا ہے۔ شرع شریف کے نفیس موتیوں کو بچوں کی طرح وجد و حال کے اخروٹ اور انگوروں کے عوض نہیں لیتے۔ اور صوفیہ کی بے اصل باتوں سے مغرور اور فتنہ میں نہیں پڑتے۔ نصوص شرعیہ کے مقابلہ میں فصوص الحکم کی باتوں کو اختیار نہیں کرتے اور فتوحات مدنیہ کو چھوڑ فتوحات مکیہ (ابن عربی کی کتاب) کی طرف التفات نہیں کرتے۔ ان کا حال دائمی ہے اور ان کا وقت پائدار ہے۔ وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کو بجلی کی چمک کی طرح نصیب ہوتی ہے۔ ان بزرگواروں کو دائمی طور پر نصیب ہے۔ وہ حضور جو تھوڑی دیر بعد باقی نہ رہے ان کے ہاں اعتبار سے ساقط ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔	وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں تجارت اور سوداگری اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر سکتی۔

لیکن ہر ایک کا فہم ان کے مذاق تک نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ ممکن ہے کہ اس طریقہ علیہ کے کوتاہ اندیش لوگ ان کے

کمالات کا انکار ہی کر بیٹھیں۔ بیت

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن قصور — حاش لِلّٰہ کہ برآرم بزبان ایں گلہ را

اگر کوئی کوتاہ ہمت اس گروہِ نقشبندیہ قدس سرہم پر اعتراض کرے تو وہ جانے اللہ کی پناہ کہ اس گلے کو
میں زبان پہ لاؤں۔

ہاں اس طریقۂ علیہ کے متاخرین بزرگوں کے کچھ خلفاء نے اس طریقہ میں کچھ نئی چیزیں داخل کر دی ہیں اور اس سلسلہ کے اکابر کی روش کو ترک کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے مُریدوں کی ایک جماعت یہ عقیدہ رکھتی ہے۔ کہ ان محدثات سے اُنہوں نے اس طریقہ کی تکمیل کی ہے۔ حاشا و کلا (پناہ بخدا) کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ بہت بڑی بات ان کے مُونہوں سے نکل رہی ہے۔ جن لوگوں نے اس سلسلہ میں بعض نئی اور بے اصل باتیں داخل کی ہیں۔ ان سے اس سلسلے کی تکمیل نہیں بلکہ اس میں سلسلے کی تخریب اور اسے ضائع کرنا ہے۔ افسوس ہزار افسوس بعض وہ بدعات جن کا دُوسرے سلسلوں میں وجود تک نہیں۔ انہیں اس سلسلہ میں جاری کر دیا گیا ہے۔ مثلاً اس سلسلہ کے بعض لوگ نمازِ تہجد جماعت سے ادا کرتے ہیں۔ ارد گرد سے لوگ تہجد کے وقت جمع ہوتے ہیں اور پھر یہ لوگ پُوری جمعیت کے ساتھ یہ نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ ان کا یہ عمل مکروہ تحریمہ ہے۔ جن فقہاء نے اس جماعت کی کراہت کے لئے تداعی (لوگوں کو بُلانا) کو شرط قرار دیا ہے۔ اُنہوں نے بھی ایک گوشۂ مسجد میں اسے جائز کہا ہے۔ وہ بھی اس صورت میں کہ تین افراد سے زیادہ نہ ہوں۔ تین سے زیادہ افراد کا مل کر یہ نماز جماعت سے ادا کرنا فقہاء کے نزدیک بالاتفاق مکروہ ہے۔ نیز اس طرح نمازِ تہجد ادا کرنے میں تیرہ رکعت تصوّر کرتے ہیں۔ بارہ رکعات کھڑے ہو کر ادا کرتے ہیں۔ اور دو رکعت بیٹھ کر۔ اور ان دو کو ایک رکعت تصوّر کرتے ہیں اور اس طرح تیرہ رکعت تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ بات یوں نہیں - ہمارے نبی کریم علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات نے جو بعض دفعہ تیرہ رکعات ادا فرمائی ہیں اور بعض دفعہ گیارہ رکعات اور بعض دفعہ نو رکعات تو وہ وتروں[۱] کو ساتھ مِلا کر جفت رکعات کے بجائے طاق رکعات قرار دی ہیں یوں نہیں کہ دو رکعات نفل کو جو بیٹھ کر ادا کی ہوں ایک تصور کیا ہے۔ اس قسم کے علم و عمل کا منشا روشن سنت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی عدم تحقیق ہے۔ تعجب ہے کہ ان شہروں میں جو علماءِ مجتہدین کا مسکن و ماویٰ ہیں اس طرح کی بدعات رواج پذیر ہو چکی ہیں حالانکہ ہم فقراء اسلامی علوم کا استفاضہ ان بزرگوں کی برکات سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی درست بات کا الہام فرمانے والا ہے۔ فرد

اندکے بیش تو گفتم غم دل ترسیدم — کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

میں نے غمِ دل تھوڑا سا بیان کیا ہے۔ مَیں ڈر گیا ہوں کہ تو دل آزردہ ہو گا ورنہ باتیں بہت ہیں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۱۳۲

ملا محمد صدیق بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

دولتمندوں کی مجلس سے اجتناب اور فقراء کی صحبت کی ترغیب کے بیان میں۔

کیونکہ فقراء کے آستانوں کی جاروب کشی اغنیاء کے ہاں صدر نشینی سے بہتر ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝

اے اللہ ہمارے دلوں کو کج ہونے سے بچا۔ اس کے بعد کہ تو نے ہم کو ہدایت بخشی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ بیشک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے۔

اے برادر آپ نے ظاہر طور پر فقراء کی صحبت و ہمنشینی سے کنارہ کشی کر کے اور دل تنگ ہو کر اغنیاء کی مجلس اختیار کر لی ہے۔ آپ نے بہت برا کیا ہے۔ آج اگر تمہاری چشم بصیرت بند ہے تو کل کھول دیں گے۔ مگر اس وقت ندامت اور شرمندگی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔ بتا دینا شرط ہے۔ اے دیوانگی کے مارے ہوئے تیرا معاملہ دو حال سے خالی نہیں۔ اغنیاء کی مجلس و صحبت میں تجھے جمعیتِ خاطر نصیب ہو گی یا نہ ہو گی۔ اگر ہو گی تو وہ بھی بری ہے۔ اور نہ ہو گی تو یہ بہت ہی بری بات ہے۔ ان کی مجلس میں اگر جمعیت خاطر نصیب ہو گی تو وہ جمعیت نہیں بلکہ فی الحقیقت استدراج (کچھ وقت کے لئے مہلت) ہے۔ اس صورتِ حال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ اور اگر جمعیتِ خاطر نصیب ہی نہ ہو خسر الدنیا والآخرہ، دنیا اور آخرت کا خسارہ اس کا نشانِ حال ہے۔ یاد رکھ فقراء کے آستانے کی جاروب کشی اغنیاء کی صدر نشینی سے بہتر ہے۔ آج اس بات کی سمجھ آئے یا نہ آئے۔ آخر کار سمجھ آ جائے گی مگر اس وقت کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ لذیذ طعام اور اچھے اور فاخرہ لباس کی آرزو نے تجھے اس بلا میں ڈال دیا ہے۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ اپنے اصلی مقصد کی فکر کرو۔ جو کچھ حق سبحانہٗ تعالیٰ سے رکاوٹ کا باعث ہے۔ اس سے دور بھاگو۔ اور بچو!

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ۔

بیشک تمہاری کچھ بیویاں اور اولاد تمہاری دشمن ہے ان سے بچو۔

نص قطعی ہے۔ صحبت کے حقوق نے مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ تمہیں نصیحت کر دوں۔ آگے اس پر عمل کرو یا نہ کرو یہ تمہاری مرضی۔ شعر

وَقَدْ کَانَ مَا خِفْتُ اَنْ یَکُوْنَا   اِنَّا اِلَی اللّٰهِ رَاجِعُوْنَا

یعنی بیشک وہ بات ہو کر رہی جس کا مجھے ڈر تھا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن
ان سب لوگوں پر سلامتی کا نزول ہو جو ہدایت کے پیروکار اور حضرت محمد مصطفٰے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات اتمہا واکملہا کی سنت کے پابند ہیں۔ مجھے تمہاری فطرت اور استعداد سے کچھ اور ہی توقع تھی۔ تم نے اپنی استعداد کے جوہر نفیس کو پاخانے میں پھینک دیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن۔

مکتوب نمبر ۱۲۳

یہ مکتوب بھی مُلّا محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا۔ اس بیان میں کہ فرصت کے لمحات کو غنیمت جاننا چاہیئے۔ اور اپنے قیمتی وقت کی قدر کرنی چاہیئے۔

قاصد کے ہاتھ آپ نے جو مکتوب ارسال کیا تھا مل گیا ہے۔ فرصت کے لمحات کو غنیمت جانو۔ اور اپنے وقت عزیز کی قدر کرو۔ رسوم و عادات سے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اور حیلوں بہانوں سے خسارے اور محرومی میں ہی اضافہ ہوتا ہے۔ مخبرِ صادق حضور نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات اتمہا ومن التسلیمات اکملہا نے فرمایا ہے:

هَلَكَ الْمُسَوِّفُوْنَ۔   یعنی "یہ کام ابھی کر لوں گا" کہنے والے ہلاک ہو گئے۔

ایامِ زندگی کو موہوم مقاصد میں صرف کرنا اور موہوم مقاصد (اموال اور منافع دنیوی) کو عمر موجود کے لئے نگاہ رکھنا بہت بُرا ہے۔ چاہیئے یہ کہ نقد وقت کو اہم اور ضروری کام میں صرف کیا جائے۔ اور غیر نقد (آنے والی زندگی جو ایک وہمی امر ہے) کو بے فائدہ آسائش و آرائش کے لئے ذخیرہ بنانا چاہیئے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنی طلب میں بے آرامی کا ذرہ ہی عطا کر دے۔ تاکہ ماسوائے حق کے ساتھ آرام حاصل کرنے سے نجات میسر آ جائے۔ گفتگو بے فائدہ ہے۔ سلامتی قلب طلب کرنی چاہیئے۔ اصل مقصد کی فکر میں رہنا چاہیئے اور لایعنی امور سے مکمل طور پر گریز کرنا چاہیئے۔ بیت

ہر چہ جز عشق خدائے احسن است   گر شکر خوردن بود جاں کندن است

خدائے احسن کے عشق و محبت کے سوا جو کچھ ہے۔ اگرچہ شکر کھانے کا فعل ہی کیوں نہ ہو در اصل اپنی جان کو ہلاک کرنے کی ہی بات ہے۔

مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغ   رسولوں پر صرف بات کا پہنچا دینا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۳۴

یہ مکتوب بھی مُلّا محمد صدیق کی طرف لکھا۔ "تھوڑی دیر تک کر لوں گا" سے روکنے کے بیان میں۔

حق سبحانہ وتعالیٰ مدارج قرب میں بے اندازہ عروج عطا فرمائے۔ بحرمت سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا۔

اے محبت کے نشانات والے وقت انسان کی زندگی کو کاٹنے والی تلوار ہے۔ معلوم نہیں کل فرصت نصیب ہو یا نہ ہو۔ اہم اور ضروری کام آج ہی کرنا چاہیئے۔ اور غیر ضروری کام کل پر ڈالنا چاہیئے۔ عقل معاد کا یہی تقاضا ہے۔ جہاں عقلِ معاش اس تقاضا سے خالی ہے۔ اس سے زیادہ کیا لکھے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۱۳۵

یہ مکتوب مخلص دوست محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا:

ولایت کے مراتب کے بیان میں چاہے ولایت عامہ ہو یا خاصہ۔ نیز ولایت خاصہ کی بعض خصوصیات کے بیان میں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ ولایت فنا اور بقا کا نام ہے۔ اور یہ ولایت یا عام ہوگی یا خاص۔ اور عامہ سے ہماری مُراد مطلق ولایت ہے۔ اور خاصہ سے ولایت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام والتحیہ مُراد ہے۔ ولایت محمدیہ میں فنا اَتم اور بقا اَکمل حاصل ہوتی ہے۔ تو جو نیک بخت اس نعمتِ عظمیٰ سے مشرف کیا گیا۔ اس کا جسم طاعت کیلئے نرم ہوگیا۔ اس کا سینہ اسلام کے لئے کھُل گیا۔ اور اس کا نفس مطمئنہ ہوگیا۔ تو اس کا نفس اپنے مولا سے راضی ہوگیا۔ اور اس کا مولا اس سے راضی ہوگیا۔ اور اس کا دل رب تعالیٰ کی ذات کے لئے ہی خالص ہوگیا۔ اور اس کی رُوح پورے طور پر صفات لاہوت کے مکاشفے کے لئے آزاد ہوگئی۔ اور اس کا ستر شیون اور اعتبارات کے ملاحظہ کیساتھ موصوف ہوگیا۔ اور اس مقام میں تجلیات ذاتیہ برقیہ سے مشرف ہوگیا۔ اور اس کا لطیفہ خفی رب تعالیٰ کے کمال تنزہ اور تقدس کبریا کے سامنے دریائے حیرت میں ڈوب گیا۔ اس کا لطیفہ اَخفیٰ اس ذات کے ساتھ بے کیف اور بے مثال طریقہ پر اتصال پذیر ہوگیا۔ مصرعہ

هنيئا لارباب النعيم نعيمها ارباب نعمت کو نعمتیں گوارا ہوں۔

اور ایک بات جو ذہن میں رکھنی چاہیئے یہ ہے کہ ولایتِ خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ عروج ونزول کے تمام طریقوں میں دوسرے تمام مراتب وولایت سے ممتاز اور الگ ہے۔ جناب عروج میں تو اس طرح کہ لطیفہ اخفیٰ کی فنا اور اس کی بقاء اسی ولایتِ خاصہ کیساتھ مختص میں ہے۔ باقی تمام ولایتوں کا عروج اپنے درجات کے فرق کے مطابق صرف لطیفہ خفی تک ہے۔ یعنی بعض ارباب ولایت کا عروج مقامِ رُوح تک ہے۔ اور بعض کا عروج سِر تک۔ اور کچھ دُوسروں کا عروج لطیفہ خفی تک ہے۔ اور یہ ولایت عامہ کے درجات کی آخری حد ہے۔ اور جانب نزول میں اس طرح کہ ولایت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام والتحیہ کے اولیا کے اجسامِ طاہرہ کو بھی اس ولایت کے درجاتِ کمالات سے حصّہ ملتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شبِ معراج جہاں تک خدا تعالےٰ نے چاہا جسدِ عنصری کیساتھ عروج حاصل ہُوا۔ اور آپ پر جنت اور دوزخ پیش کیۓ گئے۔ اور اللہ تعالےٰ نے جن علوم کی وحی آپ پر نازل کرنی تھی نازل کی۔ اور وہاں آپ حق تعالیٰ کی رویت بصری سے مشرف کیۓ گئے۔ اور اس طرح کی معراج حضور سید الصلوٰۃ والسّلام کے لئے خاص ہے۔ اور وہ اولیاء جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی کمال متابعت سے موصوف ہیں اور آپؐ کے قدم مبارک کے نیچے چلتے ہیں انہیں بھی اسی مرتبہ مخصوصہ سے حصّہ ملتا ہے۔ مصرعہ : وللارض من کاس الکرام نصیبٌ۔ کریم لوگوں کے پیالے میں زمین کا بھی حصّہ ہے۔ اس باب میں آخری بات یہ ہے کہ دُنیا میں رویت کا وقوع حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ساتھ خاص ہے۔ اور جو اولیاءِ کرام آپؐ کے قدم کے نیچے ہیں انہیں جو حالت نصیب ہوتی ہے وہ رویت کی حالت نہیں۔ اور رویت اور اس حالت میں فرق اصل اور فرع اور شخص اور اس کے سایے کا فرق ہے۔ رویت اور یہ حالت ایک دوسرے کا عین نہیں۔

مکتوب نمبر ۱۳۶

یہ مکتوب بھی مُلّا محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا:

تسویف (یعنی نیک کام میں ٹال مٹول) اور مطلوبِ حقیقی کے حصُول میں تاخیر سے روکنے کے بیان میں۔

آپ کا مکتوبِ مرغوب موصول ہُوا۔ چونکہ قاصد رمضان المبارک کے آخری عشرہ متبرکہ میں پہنچا۔ اس لئے ہفتہ کے گزرنے کے بعد جواب کا پروگرام بنایا۔ خانخاناں کے خط کا جواب اور خواجہ عبداللہ کے خط کا جواب ارسال کر دیا ہے۔ اسے ملاحظہ کرلیں۔ اس دفعہ تمہارا فوج میں جانا فقیر کے نزدیک غیر معقول نظر آتا ہے معلوم

نہیں اس میں کیا حکمت ہے۔ حقیقت معاملہ کا علم اللہ سبحانہ کو ہی ہے۔ آپ کو یومیہ روزی عطا فرمائی ہوئی ہے۔ اسے غنیمت جانتے ہوئے اپنے کام کی فکر کرنی چاہیئے۔ اسے مزید روزی حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ طریقہ لامتناہی سلسلے کی شکل اختیار کر جائے گا۔ درویشی میں لمبی اُمیدیں رکھنا کفر ہے۔ اور قرض سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ اور معاملہ غیر معلوم ہے کہ خواجہ صاحب سے شاید اس کی صورت بن سکے۔ اگر اس بارے میں اشتباہ ہو تو خواجہ صاحب کی طرف یہ بات صاف اور صریح طور پر لکھیں۔ اگر وہ بھی جواب میں واضح طور پر لکھیں اور ان کی طرف سے پختہ وعدہ محسوس ہو۔ اس نیت کے تحت جا سکتے ہیں۔ لیکن تسویف (نیک کام میں ٹال مٹول) اور تاخیر کا کیا علاج۔ آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں جلد کریں فرصت کے لمحات نہایت غنیمت ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۲۷

حاجی خضر خان افغان[1] کی طرف صادر فرمایا۔

ادائے نماز کی بلندی شان میں جس کا کمال نہایت النہایتہ کیساتھ وابستہ ہے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

آپ کا مکتوب مرغوب موصول ہوا۔ مضمون وضاحت سے ذہن میں آیا۔ عبادت میں لذت اور اس کے ادا کرنے میں رنج و تکلیف کا رفع ہونا حق سبحانہ و تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ خاص کر ادائے نماز میں جو غیر منتہی کو میسر نہیں۔ علی الخصوص فرض نماز کے ادا میں۔ کیونکہ ابتداء میں نفل نماز کے ادا کرنے میں لذت نصیب ہوتی ہے۔ اور نہایت النہایتہ میں پہنچ کر لذت کی یہ نسبت ادائے فرض کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہے۔ اور

---

[1] حاجی خضر خاں مرحوم حضرت امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ کے منظورِ نظر لوگوں میں سے ہیں۔ آپ کو حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی طرف سے تعلیم طریقہ کی اجازت بھی مرحمت ہوئی۔ بے شمار مخلوق آپ کے فیض سے مستفید ہوئی۔ آپ رات کا اکثر حصہ گریہ و زاری میں بسر کرتے۔ مسکنت، تواضع، صفائی قلب اور حضور کے اوصاف سے موصوف تھے۔ اور آپ کے اوقات تلاوت قرآن مجید، اذکار و نوافل اور اوراد و وظائف سے معمور تھے۔ آپ سرہند شریف کے مضافات میں قصبہ بہلول میں سکونت رکھتے تھے۔ حاجی صاحب مرحوم اولاً حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے والد بزرگوار رحمتہ اللہ علیہ کی محفل جنت نشان میں حاضر ہوتے۔ اور سرمایہ سعادت جمع کرتے رہے۔ بعد میں آپ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں سلوک کی تکمیل کی۔ آپ نے ۱۰۵۲ھ میں وفات پائی۔ آپکا مزار شریف قصبہ بہلول پور میں ہے۔ زبدۃ المقامات۔

بندہ ادائے نوافل میں اپنے آپ کو بے کار تصور کرتا ہے۔ اور اس کے نزدیک ادائے فرض ہی کارِ عظیم قرار پاتا ہے۔ مصرعہ : ایں کارِ دولت است کنوں تاکرا دہند۔ یہ دولت اور سعادت کا کام ہے۔ دیکھئے اب یہ نعمت کسے نصیب ہوتی ہے۔

یہ بات علم میں ہونی چاہیئے۔ کہ نماز ادا کرتے وقت جو لذت نصیب ہوتی ہے۔ نفس کے لئے اس میں کوئی حصہ نہیں۔ بلکہ وہ اس لذت کی حالت میں نالہ و فغان کر رہا ہوتا ہے۔ سبحانہ اللہ کیا بلند مرتبہ ہے۔ مصرعہ هنیئاً لارباب النعیم نعیمها۔ اربابِ نعمت کو نعمتیں گوارا ہوں۔ ہم جیسے دیوانوں کے لئے اس طرح کی گفتگو ہی غنیمت ہے۔ مصرع : بارے بہ ہیچ خاطرِ خود شاد مے کنم۔ کسی طرح ہی مجھے دل کی خوشی نصیب ہو جائے۔

یہ بات بھی جان لیں کہ دُنیا میں رُتبہ نماز آخرت میں رتبہ رویت کی طرح ہے۔ دنیا میں نہایت قرب نماز میں حاصل ہوتا ہے۔ اور آخرت میں نہایتِ قرب دیدارِ خداوندی کے وقت ہوگا۔

اور یہ بات بھی ذہن میں رکھیں باقی عبادات نماز کے وسائل اور ذرائع ہیں۔ اور نماز مقاصد میں سے ہے۔

والسلام و الاکرام

مکتوب نمبر ۱۳۸

شیخ بہاء الدین سرہندی کی طرف صادر فرمایا :

کمینی دُنیا کی مذمت اور دنیاداروں کی صحبت و مجالست سے پرہیز کرنے کے بیان میں۔

فرزندِ ارشد اس کمینی اور مبغوض دُنیا پر خوش نہ ہو۔ جناب قدس خداوندی جل سلطانہٗ کی طرف دائمی توجہ کے سرمایہ کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اور اس بات کا خیال کرے کہ کیا چیز فروخت کر رہا ہے۔ اور کیا خرید رہا ہے۔ آخرت کو دنیا کے بدلے میں دے دینا اور مخلوق میں اُلجھ کر حق سبحانہ سے کٹ جانا بے وقوفی اور بے عقلی ہے۔ دنیا اور آخرت کا جمع ہونا ضدوں کے جمع ہونے کی مانند ہے۔

مَا اَحْسَنَ الدِّیْنَ وَالدُّنْیَا لَوِ اجْتَمَعَا   کیا ہی اچھا ہوتا اگر دین اور دنیا دونوں جمع ہو جاتے

ان دو ضدوں میں جس کو چاہیں اختیار کریں۔ اور جس کے عوض چاہیں اپنے آپ کو فروخت کر دیں۔ آخرت کا عذاب ابدی اور دائمی ہے۔ اور دُنیا کا سازو سامان بالکل تھوڑا ہے۔ خدا تعالےٰ سبحانہ دُنیا کو اپنا دشمن قرار دیتا ہے۔ اور آخرت اللہ تعالےٰ و تقدس کی پسندیدہ شے ہے۔ ن

عِشْ مَاشِئْتَ فَاِنَّكَ مَیِّتٌ   وَالْزَمْ مَاشِئْتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُهٗ

جتنا بھی عرصہ زندہ رہو آخر تم نے مرنا ہے۔ اور جس شے سے بھی چھٹو آخر تمہیں اسے چھوڑنا پڑے گا۔ آخر کار زن و فرزند کو چھوڑنا پڑے گا۔ لہٰذا ان کی تدابیر کو حق سبحانہ کے حوالے کرنا چاہیئے۔ اور آج اپنے آپ کو مُردہ تصوّر کرنا چاہیئے۔ اور ان کی مہمات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیئے۔

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ۔ — بیشک تمہاری کچھ بیویاں اور اولاد تمہاری دشمن ہے۔ ان سے ڈرنا چاہیئے۔

نص قطعی ہے۔ بار بار تاکید ہے۔ خواب خرگوش میں کب تک پڑے رہوگے۔ آخر آنکھ کھولنی چاہیئے۔ اہلِ دنیا کی صحبت اور اُن سے میل جول زہرِ قاتل ہے۔ اس زہر کا کشتہ دائمی موت میں گرفتار ہے۔ عقلمند کو تو اشارہ ہی کافی ہے۔ چہ جائیکہ صراحتہً بار بار تاکید اور مبالغے کیساتھ کہا جائے۔ بادشاہوں کے درباروں کا لقمہ چرب و شیریں مرضِ قلبی میں اضافہ کرتا ہے۔ تو ایسی صورت میں نجات اور فلاح کس طرح نصیب ہو سکتی ہے۔ ڈرو، ڈرو، ڈرو۔

من آنچہ شرطِ بلاغست با تو میگویم — تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

مَیں نے شرطِ تبلیغ پوری کر دی ہے۔ تو میری باتوں سے خواہ نصیحت حاصل کر خواہ ملال

شیر سے بھی زیادہ ان کی صحبت سے دُور بھاگو۔ کیونکہ شیر صرف دنیوی موت کا سبب بنتا ہے۔ اور اس سے آخرت برباد نہیں ہوتی۔ لیکن حکام و سلاطین سے میل جول ہلاکِ ابدی اور خسارہ دائمی کا سبب بن جاتا ہے لہٰذا ان کی صحبت سے بچو، ان کے لقمہ سے بچو، ان کی دوستی اور محبت سے بچو اور ان کو دیکھنے سے بھی گریز کرو۔ حدیث صحیح میں وارد ہو چکا ہے۔

مَنْ تَوَاضَعَ غَنِيًّا لِغِنَاهُ ذَهَبَ ثُلُثَا دِيْنِهٖ۔ — جو کسی غنی کی اس کی دولت کی وجہ سے تواضع کرتا ہے اس کا دو حصے دین ضائع ہو جاتا ہے۔

آپ کو احساس ہونا چاہیئے۔ کہ یہ سب تواضع اور چاپلوسی ان کی دولت کی وجہ سے ہے۔ اور اس کا نتیجہ دو حصے اپنا دین برباد کرنے کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ تو تمہارا اسلام سے کیا تعلق اور تم نجات کیسے پا سکتے ہو۔ یہ سب مبالغہ اور تاکید اس لئے ہے کہ فقیر جانتا ہے کہ ناجنس لوگوں کی صحبت اور ان کے لقمہ چرب و شیریں نے اس فرزند کو نصیحت قبول کرنے اور عقلمندی اختیار کرنے سے دُور کر دیا ہے۔ اور سرسری کلمہ و کلام سے متاثر ہونے سے امید کم ہے۔ تو مَیں بار بار کہتا ہوں کہ ان کی صحبت سے بچ۔ اور ان کی شکل سے بھی گریز کر۔

اللہ سبحانہٗ ہی توفیق عطا کرنے والا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ان باتوں سے نجات دے جو ہمارے بلند شان والے رب تعالیٰ کو نا پسند ہیں۔ بحرمتہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو سیدِ بشر ہیں اور جن کی

مدح میں مازاغ البصر وارد ہوا ہے۔ وعلی آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا۔

مکتوب نمبر ۱۳۹

جعفر بیگ نہانی کی طرف صادر فرمایا:

اس بدبخت جماعت کے بیان میں جو اہل اللہ پر اعتراض کرتی ہے۔ اس جماعت کی ہجو و مذمت جائز بلکہ مستحسن ہے۔

آپ کے التفات نامہ گرامی نے مشرف فرمایا۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔ آپ فقراء کے حالات خبر گیری رکھتے ہیں۔ اور موجودگی اور عدم موجودگی کو یکساں حیثیت دیتے ہیں۔

مخدوم گرامی! کفار قریش نے جب اپنی کمال بدبختی کی بناء پر اہل اسلام کی برائی اور مذمت میں بہت مبالغہ کیا تو حضرت رسالت مآب علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض اسلامی شعراء کو حکم دیا کہ نالائق کفار کی مذمت و برائی اشعار میں کریں۔ وہ شاعر حضرت رسالت مآب علیہ وعلی آلہ من الصلوٰت افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے سامنے منبر پر بیٹھتا اور کفار کی مذمت میں اعلانیہ اشعار کہتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے جتنا وقت یہ کفار کی مذمت میں مصروف رہتا ہے۔ روح القدس (جبریل) اس کے ساتھ رہتا ہے۔ مخلوق کی طرف سے ایذا اور تکلیف کا پہنچنا عشق کی غنیمتوں میں سے ہے۔ اے اللہ ہمیں ان عشاق میں داخل کرلے۔ بحرمت سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات۔

مکتوب نمبر ۱۴۰

ملا محمد معصوم کابلی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ رنج و محنت محبت کے لوازمات میں سے ہے۔

اے محبت کے نشانات والے رنج و محنت محبت کے لوازمات میں سے ہے۔ فقراء کے لئے درد و غم کا ہونا لازمی بات ہے۔ بیت

غرض از عشق توام چاشنی درد و غم است　　　ورنہ زیر فلک اسباب تنعم چہ کم است

تیرے ساتھ عشق لگانے سے میری غرض و غایت درد و غم کی چاشنی ہے۔ ورنہ آسمان کے نیچے ناز و نعمت کے اسباب کیا

دوست آوارگی چاہتا ہے۔ تاکہ اس کے غیر سے بالکلیہ قطع تعلق ہو جائے۔ آرام بے آرامی میں ہے۔ اور لذت و خوشی سوز میں ہے۔ قرار بے قراری میں اور راحت زخم خوردہ ہونے میں ہے۔ اس مقام میں فراغت تلاش کرنا اپنے آپ کو محنت میں ڈالنا ہے۔ اپنے آپ کو مکمل طور پر محبوب کے سپرد کرنا چاہیئے۔ اس کی طرف سے جو کچھ آئے پوری رضا اور خوشی سے قبول کرنا چاہیئے۔ اور اپنے ابرو نہیں پھیرنے چاہئیں۔ زندگی گزارنے کا طریقہ اسی روش میں ہے۔ جہاں تک ہو سکے استقامت اختیار کرو۔ ورنہ سستی تمہارے پیچھے تعاقب کر رہی ہے تمہاری مشغولیت بہت اچھی ہو چکی تھی۔ لیکن قوت سے پیشتر ہی ضعف کا شکار ہو گئی اگر تھوڑا سا بھی ان تردد ات اور شکوک اور بے اطمینانی سے اپنے وقت کو ضائع نہ کریں تو اس طرح پہلے سے بھی بہتر ہو جائے گا۔ چاہیئے کہ ان بے چینی کے اسباب کو عین جمعیت کے اسباب قرار دیں۔ تب ہی کوئی کام انجام دیا جا سکتا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۴۱

مُلّا محمد قلیج کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ سلوک کے اس کام میں عمدہ چیز محبت و اخلاص ہے۔

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ بحرمت حضرت سید المرسلین علیہ و علیہم و علی آلہ الصلوات و التسلیمات بیش از بیش ترقیات عطا فرمائے۔ قلبی احوال کے بارے میں آپ کبھی کچھ نہیں لکھتے کہ کیا صورتِ حال ہے۔ اس سلسلے میں ضرور کچھ نہ کچھ لکھا کریں کہ یہ بات غائبانہ توجہ کا موجب ہے۔ اس کام میں عمدہ بات محبت و اخلاص ہے۔ اگر اس وقت ترقی محسوس نہیں ہو رہی تو غم کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب اخلاص پر استقامت حاصل ہے۔ تو سالوں کا کام چند گھڑیوں میں میسر آ سکتا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۴۲

مُلّا عبد الغفور سمرقندی کی طرف صادر فرمایا:

اس امر کے بیان میں کہ ان بزرگوں کی اگر تھوڑی سی نسبت بھی ہاتھ آ جائے تو تھوڑی نہیں۔

آپ کا مکتوب مبارک جو التفات و توجہ سے آپ نے ارسال کیا تھا موصول ہوا۔ فقراء سے محبت اور اس گروہ کی طرف توجہ و نیاز خداوند تعالیٰ جل سلطانہٗ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے

اس پر استقامت کی درخواست اور امید ہے۔

وہ نیاز[1] جو آپ نے درویشوں کے لئے روانہ کی تھی موصول ہو گئی۔ اس پر فاتحہ سلامتی پڑھی گئی ہے۔

جو طریقہ آپ نے اخذ کیا تھا اور جو نسبت آپ کو وصال سے نصیب ہوئی تھی۔ اس کے متعلق آپ نے کچھ تحریر نہیں فرمایا۔ معاذ اللہ کہ اس میں سستی اور فتور واقع ہو جائے۔ بیت

یک چشم زدن خیال پیش نظر　　　بہتر ز وصال خوبرو میان ہمہ عمر

ایک لمحہ کے لئے محبوب حقیقی کا خیال سامنے لانا ساری عمر حسینوں کے وصال سے لطف اندوز ہونے سے بہتر ہے

ان بزرگوں کی نسبت اگر تھوڑی بھی نصیب ہو جائے تو اس کو تھوڑی خیال نہ کرو۔ کیونکہ دوسروں کی نہایت ان بزرگوں کی ابتداء میں درج ہے۔ مصرعہ۔ قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا۔ میرے باغ کی رعنائی سے میری بہار کا اندازہ کر لو۔ لیکن اس نسبت میں فتور اور خلل سے غم نہیں کرنا چاہیئے۔ جبکہ ان بزرگوں کیساتھ محبت کا رشتہ قوی اور مضبوط ہے۔ وہ قبا[2] جو کئی دفعہ پہنی گئی ہے۔ آپ کو ارسال کر دی گئی ہے۔ اسے کبھی کبھی پہنا کریں۔ اور ادب سے محفوظ رکھیں۔ اس سے بے شمار فوائد کی توقع ہے۔ جب بھی اس قبا کو پہنیں با وضو پہنیں۔ اور اپنے سبق کا تکرار جاری رکھیں۔ امید ہے کہ جمعیت تمام نصیب ہو گی۔

جب بھی کوئی بات میری طرف تحریر کریں پہلے اپنے باطنی کوائف و حالات تحریر کیا کریں۔ ظاہری حالات باطنی احوال کے بغیر کچھ اعتبار نہیں رکھتے۔ مصرعہ۔ از ہرچہ میرود سخن دوست خوشتر است۔ دوست کی بات جس طرف

---

[1] بزرگانِ دین کی خدمت میں نیاز پیش کرنے کے منکر لوگ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ پر غور فرمائیں۔

[2] حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا اپنا قبا شریف اپنے مرید کو ارسال کرنا اسے پہننے کے متعلق فرمانا اور اسے با ادب رکھنے کا حکم دینا اور یہ فرمانا کہ اس قبا سے بہت فائدے حاصل ہوں گے۔ آپ کے حسنِ اعتقاد کی بین دلیل ہے۔ آپ کا یہ طرزِ عمل صاف ظاہر کرتا ہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ بھی وہی عقیدہ رکھتے تھے جو جمہور اہل سنت و جماعت کا ہے۔ جمہور اہل سنت و جماعت بزرگانِ دین کے تبرکات سے فیض و برکت حاصل کرتے ہیں۔ ان کا ادب کرتے ہیں۔ اور ان سے نفع اور فائدہ کے حصول کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ لیکن اہلِ سنت کے اس عقیدہ کے برعکس بے ادب۔ . . . . لوگ جس طرح بزرگانِ دین کے اس طرح کے تبرکات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور ایسے عقیدے کو شرک و بدعت قرار دیتے ہیں۔ اور اوہام و خیالات کہتے ہیں۔ وہ ان مخالفین کے رسائل انکی کتابوں اور ان کی روزمرہ کی تقاریر و بیانات سے بالکل واضح ہے۔ حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ کے اس عقیدے کو جان لینے والوں پر یہ حقیقت بھی پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ملک حسن علی غیر مقلد ساکن قصبہ شرقپور شریف ضلع شیخوپورہ

سے بھی کان میں پڑے بہت ہی اچھی لگتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حضرت سید البشر نظر کی کجی سے پاک علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ظاہر او باطن کی متابعت پر ثبات ودوام عطا فرمائے۔ مصرعہ: کار اینست وغیر این ہمہ ہیچ۔ اصل کام یہی ہے۔ باقی سب بے فائدہ باتیں ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۴۳

مُلا شمس کی طرف صادر فرمایا:

اس امر کے بیان میں کہ موسم جوانی کو غنیمت جانتے ہوئے اُسے لہو ولعب میں صرف نہیں کرنا چاہیئے۔

فقراء سے محبت رکھنے والے مولانا شمس کو نیک کاموں کی توفیق نصیب ہو۔ کہ موسم جوانی کو غنیمت جانتے ہوئے لہو ولعب میں صرف نہ کرے۔ اور اخروٹ ومنقا (معمولی چیزوں) کے عوض نہ دے ڈالے۔ کیونکہ ایسی صورت میں آخر کار ندامت وپشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ بتادینا شرط ہے۔ پانچ وقت کی نماز با جماعت ادا کیا کریں۔ اور حلال وحرام میں تمیز کریں۔ نجاتِ اُخروی کا طریقہ صاحبِ شریعت کی متابعت ہے۔ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات۔ فانی لذتوں اور ہلاک ہوجانے والی نعمتوں کو اپنا منظورِ نظر نہ بنائیں۔

واللہ سبحانہ الموفق للخیرات

(بقیہ حاشیہ صفحہ) پاکستان نے اپنی تصنیف "تعلیماتِ مجددیہ" میں جو عقائد حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کئے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کا اُن عقائد سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ بلکہ ملک صاحب نے محض فریب عوام کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔ اور بزرگوں پر بہتان تراشی کرکے اپنی عاقبت مزید خراب کی ہے۔ حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ اور اہلِ سنت وجماعت کا تبرکات کے متعلق یہ عقیدہ قرآن وسنت سے بھی صاف ثابت ہے۔ قرآنِ حکیم میں وارد ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا۔ یعنی میری یہ قمیض لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو۔ اس طرح ان کی گئی ہوئی بینائی واپس آجائے گی۔ قرآنِ حکیم میں ایک اور مقام پر وارد ہے اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ یعنی اے بنی اسرائیل تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکون اور ان تبرکات

مکتوب نمبر ۱۴۴

حافظ محمود لاہوری کی طرف صادر فرمایا:

سیر و سلوک کے معنی اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کے بیان میں کہ دو طرح کی اس سیر کے علاوہ دو طرح کی سیر اور بھی ہے جو ان دو کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

سبحانہٗ وتعالیٰ بحرمتہ سید البشر اور کجی نظر سے پاک ذات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات مدارج کمالات میں بے اندازہ ترقیات عطا فرمائے۔ مصرعہ: از ہر چہ میرود سخن دوست خوشتر است۔ یعنی جس طرف سے بھی دوست کی بات کان میں پڑے بہت ہی اچھی ہے۔ سیر و سلوک علم میں حرکت سے عبارت ہے۔ جو مقولہ کیف[1] میں سے ہے۔ حرکت اَینی[2] کی یہاں گنجائش نہیں۔ پس سیر الی اللہ حرکت علمیہ سے عبارت ہے۔ جو علمِ اسفل سے علمِ اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ اور اس سے اوراُوپر پھر اوراُوپر یہاں تک کہ بندہ تمام ممکنات کے علوم طے کرنے اور ان کے مکمل طور پر

ل کیف دراصل اس عرض کا نام ہے۔ جس کا تصور وتعقل غیر کے تصور وتعقل پر موقوف نہ ہو۔ اور جو اقتضاء اولیٰ کے لحاظ سے تقسیم یا عدم تقسیم کی متقاضی نہیں۔ پھر آگے اس کے کئی اقسام ہیں جیسے کیفیت راسخہ اور غیر راسخہ اور کیفیات نفسانیہ۔ اور علم صحیح مذہب کے مطابق مقولہ کیف سے ہے۔ کما اشار الیہ مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہٗ۔

ک حرکت اینی یعنی انتقال مکانی یعنی یہاں سیر و سلوک سے مراد یہ نہیں کہ سالک ایک مکان سے منتقل ہو کر دوسرے مکان میں جا پہنچتا ہے۔ کیونکہ اس طرح کی سیر کی یہاں گنجائش نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۰) کا باقی ماندہ ذخیرہ ہوگا جسے آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون پیچھے چھوڑ گئے۔ بخاری شریف میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جبہ شریف کا ایک ٹکڑا تھا جب کوئی لاعلاج مریض آپ کے پاس آتا تو آپ وہ ٹکڑا پانی میں بھگوتیں اور اس کا پانی بیمار کو پلاتیں اسے شفا ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ کے ایک مقدس رسول حضرت یوسف علیہ السلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کا عقیدہ معاذ اللہ ہرگز مشرکانہ نہیں ہو سکتا۔ واللہ تعالیٰ الموفق للہدایۃ الصواب والیہ المرجع والمآب ونسال اللہ تعالیٰ ان یرزقنا علی الحق والہدایہ الثبات والسداد وجنبنا عن جمیع اصناف الکفر والالحاد۔

(مترجم عفی عنہٗ)

فنا ہو جانے کے بعد علم واجب تک جا پہنچتا ہے۔ اور اس حالت کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور سیر فی اللہ اس حرکت علمیہ سے عبارت ہے جو مراتب وجوب یعنی اسماء صفات شیون، اعتبارات التقدیسات اور تنزیہات ہی ہوتی ہے۔ یہانتک کہ اس مرتبہ تک جا پہنچتی ہے۔ جسے کسی عبارت سے بیان کرنا ناممکن ہے۔ اور نہ اس کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔ اور نہ اسے کسی نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ بطور کنایہ اسکا اظہار ہوسکتا ہے۔ اور نہ اسے کوئی عالم جان سکتا ہے اور نہ کوئی ادراک کرنے والا اس کا ادراک کرسکتا ہے۔ اس سیر کا نام بقا ہے۔

اور سیر عن اللہ باللہ بھی جو تیسری سیر ہے۔ حرکت علمی ہی سے عبارت ہے۔ جو علمِ اعلیٰ سے علمِ اسفل تک ہوتی ہے۔ اور اس سے اور نیچے پھر اور نیچے۔ یہاں تک کہ عارف پیچھے کی طرف چل کر پھر ممکنات تک آ پہنچتا ہے اور تمام مراتب وجوب کے علوم سے نیچے اُتر آتا ہے۔ یہ وہ عارف ہے جو اللہ سے وابستگی کے باعث سب کچھ طاقِ نسیان میں رکھ دیتا ہے۔ اور اللہ سے اللہ کے ساتھ رجوع کرتا ہے۔ یہی واجد (پانے والا) اور فاقد (نہ پانے والا) ہوتا ہے۔ اور یہی واصل اور ہجر میں مبتلا عارف ہے۔ اور یہی قریب اور بعید عارف ہے۔

اور چوتھی سیر جو اشیاء میں سیر ہے۔ یہ بھی سیر اول میں اشیاء کے علوم کے زوال کے بعد پھر آہستہ آہستہ اشیاء کے علوم کے حصول سے عبارت ہے۔ تو جیسا کہ تم جانتے ہو چوتھی سیر اول کے مقابل ہے۔ اور تیسری سیر دوسری کے مقابل ہے۔

اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ نفس ولایت کے حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اور نفس ولایت فناء اور بقا سے عبارت ہے۔ اور تیسری اور چوتھی سیر مقام دعوت کے حصول کے لئے ہے جو انبیاء کرام رُسُل عظام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور تسلیمات ان سب پر عموماً اور ان سب سے افضل پر خصوصاً ہوتی رہیں۔

اور اس بزرگ گروہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی کامل متابعت کرنے والوں کو بھی اس مقام سے حصہ ملتا ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ۔	آپ فرمادیں یہی میرا راستہ ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں اور میرے پیروکار بصیرت پر ہیں۔

یہ ہے ابتداء و انتہاء کی بات جس کے ذکر سے مقصود اس کی بلندی شان کا اظہار اور طالبانِ حق کو شوق دلانا ہے سے

برشکر غلطید اے صفرائیاں   از برائے کوریٔ سودائیاں

اے صفراوی مزاج لوگو تم شکر پر خوب لوٹو۔ کیونکہ سوداوی مزاج تو نابینگی کا شکار ہیں۔

ان لوگوں پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔ جو ہدایت کے پیروکار اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی اطاعت پر کاربند ہوں۔

مکتوب نمبر ۱۴۵

مُلّا عبدالرحمٰن مفتی کی طرف صادر فرمایا:

اس امر کے بیان میں کہ طریقہ نقشبندیہ کے مشائخ قدس سرہم نے ابتدائے سیر عالم امر سے اختیار کی ہے۔ اور اس راز کے بیان میں کہ اس طریقہ کے بعض مبتدی جلد متاثر کیوں نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے راستہ پر ثابت رکھے۔ اللہ اس بندے پر بھی رحم فرمائے جو آمین کہے۔

طریقہ نقشبندیہ کے مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے اپنی سیر کی ابتداء امر عالم سے اختیار کی ہے۔ اور عالم خلق کو اسی کے ضمن میں طے کیا ہے۔ بخلاف دُوسرے سلاسل کے مشائخ کہ ان کی سیر کی ابتداء عالم خلق سے ہوتی ہے۔ عالم خلق طے کرنے کے بعد عالم امر میں قدم رکھتے ہیں اور مقام جذبہ تک پہنچتے ہیں۔ لہٰذا طریقہ نقشبندیہ وصول میں تمام طریقوں سے زیادہ قریب ہے۔ اور دُوسروں کی انتہاء ان کی ابتداء میں درج ہے ع:

قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا   میرے باغ کی رعنائی سے میری بہار کا اندازہ کرلو

اس بلند طریقہ کے کچھ طالب ایسے ہوتے ہیں کہ باوجودیکہ ان کی سیر کی ابتداء عالم امر سے ہوتی ہے۔ تاہم وہ جلد اثر پذیر نہیں ہوتے۔ اور لذت و حلاوت جو جذبہ اور کشش کا ہراول دستہ ہے اپنے اندر جلدی پیدا نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں عالم امر، عالم خلق کی نسبت کمزور ہوتا ہے۔ اور یہی ضعف و کمزوری جلد اثر پذیری میں رکاوٹ اور سدِراہ ہوتی ہے۔ اثر پذیر ہونے میں یہ تاخیر اور دیر اس وقت تک موجود رہتی ہے جبتک ان میں عالم امر عالم خلق پر غلبہ اور قوت حاصل نہ کرلے۔ اور معاملہ برعکس نہ ہوجائے۔ اس ضعف کا علاج اس طریقہ کے مناسب یہ ہے کہ مکمل تصوّف والا مرشد پُورے تصرف سے کام لے۔ اور دُوسرے طریقوں کے مناسب اس مرض کا علاج یہ ہے کہ پہلے تزکیہ نفس کیا جائے اور ریاضات و مجاہدات شاقہ موافق شریعت اختیار کیے جائیں۔ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ۔ یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیئے کہ دیر سے اثر پذیر ہونا استعداد کے ناقص ہونے کی علامت نہیں۔ مکمل استعداد والے گروہ کے متعلق بھی یہ ممکن ہے کہ اس بلا میں مبتلا اور گرفتار ہو۔

والسلام

مکتوب نمبر ۱۴۶

سبق کے تکرار کی نصیحت میں شرف الدین حسین بدخشی کی طرف تحریر فرمایا:

فرزندی شرف الدین حسین کا مکتوب موصول ہوا۔ اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان کہ تم فقراء کی یاد کی سعادت سے بہرہ ور ہو۔ وہ سبق جو آپ نے سیکھا ہوا ہے۔ اس کے تکرار سے اپنے وقت کو معمور اور آباد رکھیں۔ اور فرصت کے لمحات سے پورا فائدہ اٹھائیں۔ ایسا نہ ہو کہ فانی کرّ و فر راہِ راست سے دُور کر دے۔ اور زائل ہو جانے والی چیزوں کی شان و شوکت بے حلاوت کر دے۔ بیت

ہمہ اندرز من بتو ایں است کہ تو طفلی و خانہ ہمہ رنگین است

تجھے میری ساری نصیحت یہی ہے۔ کہ تو بچہ ہے۔ اور گھر سارا بڑا رنگین ہے

کیا ہی عظیم نعمت ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اٹھتی ہوئی جوانی میں ہی توبہ کی توفیق عطا کر دے۔ اور پھر اس پر استقامت بھی دیدے۔ یہ کہنا بالکل درست ہے کہ دُنیا کی تمام نعمتیں اس ایک نعمت کے سامنے گہرے دریا کے آگے شبنم کا درجہ رکھتی ہیں۔ کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی رضا کا موجب ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا تمام دنیوی اور اُخروی نعمتوں سے فائق اور اعلیٰ ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔ اللہ تعالیٰ کی رضا بہت بڑی چیز ہے۔ اور سلامتی کا نزول ہر اُس شخص پر ہوتا رہے جو ہدایت کا پیروکار اور متابعت مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات اتمہا و اکملہا پر کاربند ہو۔

مکتوب نمبر ۱۴۷

خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا:

اس امر کے بیان میں کہ مخلوق سے الگ ہونا رب تعالیٰ سے وابستگی پر مقدم ہے۔ یا حق تعالیٰ سے وابستگی مخلوق سے علیحدگی پر مقدم ہے۔

حق سبحانہ و تعالیٰ بحرمت حضرت سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا مدارج کمال میں ترقیات عطا فرمائے۔

مشائخ قدس سرہم کی ایک جماعت نے گسستن (مخلوق سے کٹنے) کو پیوستن (حق کے ساتھ وابستگی) پر مقدم

رکھا ہے۔ اور دوسری جماعت نے پیوستن کو گُسستن پر مقدم قرار دیا ہے۔ اور تیسرے گروہ نے اس بارے میں توقف اختیار کیا ہے۔ شیخ ابوسعید خراز قدس سرہٗ فرماتے ہیں جبتک مخلوق سے نہیں چھوٹتے مطلوب کو نہیں پاسکتے۔ اور جب تک مطلوب کو نہیں پاسکتے۔ مخلوق سے نہیں چھوٹ سکتے۔ اور میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں پہلے کونسی چیز ہے۔ ان سطور کا راقم کہتا ہے۔ کہ گُسستن اور پیوستن دونوں ایک ہی وقت میں متحقق ہوتے ہیں یہ جائز نہیں کہ گُسستن پیوستن سے جُدا ہو یا پیوستن گُسستن کے بغیر رونما ہوسکے۔ غایہ ما فی الباب یہ ہے کہ خفا تقدم ذاتی اور دونوں کے ایک دُوسرے کی علت ہونے کے تعین میں ہے۔ شیخ الاسلام ہروی قدس سرہٗ مذہب ثانی کو اختیار کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی طرف سے سبقت کا ہونا بہتر ہے۔ ہاں وہ جماعت جو گُسستن کو مقدم جانتی ہے۔ اس سبقت کا انکار نہیں کرتی۔ پیوستن سے ان کی مُراد ظہور تام ہے۔ اور وہ ظہور مطلق پر سبقت کے منافی نہیں۔ مطلق ظہور گُسستن پر مقدم ہے۔ اور ظہور تام اس سے مؤخر ہے۔ اس تحقیق کے مطابق یہ نزاع لفظی بن جاتی ہے۔ لیکن پہلے گروہ کی نظر بلند ہے۔ کیونکہ وہ قلیل کا اعتبار نہیں کرتے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس توجیہ کے مطابق تقدم زمانی بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ خوب سمجھ لو واللہ سبحانہٗ الملھم ملصواب۔ بہرحال گُسستن اور پیوستن کا مظہر بننا چاہیئے۔ کیونکہ مرتبہ ولایت ان دو مرتبوں کیساتھ وابستہ ہے۔ اور ان دونوں کے حصول کے بغیر خار دار درخت پر ہاتھ پھیرنے کی بات ہے۔ پہلا مرتبہ سیر الی اللہ کے ساتھ مربوط ہے۔ اور مرتبہ ثانی سیر فی اللہ سے۔ اور ان دونوں کے جمع ہونے سے بندہ مرتبہ ولایت اور کمال تک پہنچتا ہے۔ اپنے درجات کے مطابق۔ اور دوسری دوسیری تکمیل حاصل کرنے اور درجہ دعوت تک پہنچنے کے لئے ہیں۔ ؎

بانگ دو کردم اگر در دہ کس است — میں نے دو دفعہ آواز کر دی ہے۔ گاؤں میں اگر کوئی ہوگا سُن لے گا۔

مکتوب نمبر ۱۴۸

مُلا صادق کابلی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ سیرابی کا اظہار کرنے والا خالی ہوتا ہے۔ اور مشائخ کرام کی رُوحانیات اور ان کی امداد سے مغرور نہیں ہوں۔ کیونکہ مشائخ کی صورتیں درحقیقت شیخ مقتدا کے لطائف ہیں۔

آپ کے دو مکتوب پے در پے موصول ہوئے۔ اوّل میں حصول اور سیری کا اظہار تھا۔ اور دُوسرا تشنگی اور بے حاصلگی کی خبر دے رہا تھا۔ الحمد للہ سبحانہٗ کہ اعتبار آخری بات کا ہوتا ہے۔ سیرابی کا اظہار کرنے والا

خالی ہوتا ہے۔ اور جو شخص اپنے آپ کو بے حاصل اور خالی تصور کرتا ہے وہ واصل ہوتا ہے۔

تمہیں بار بار کہا گیا ہے کہ مشائخ کی رُوحانیات اور ان کی امداد پر مغرور نہ ہوں۔ کیونکہ مشائخ کی وہ صورتیں فی الحقیقت شیخ مقتدا کے لطائف ہیں۔ جو مشائخ کی صورتوں میں نمودار ہوئے ہیں۔ قبلۂ توجہ کا ایک ہونا شرط ہے۔ توجہ کو پراگندہ کرنا عیاذاً باللہ سبحانہٗ خسارے اور نقصان کا موجب ہے۔

دُوسری بات یہ ہے کہ تمہیں بار بار اور تاکید سے کہا گیا ہے۔ کہ کام کاج کے سلسلے کو مختصر کریں۔ تاکہ مقصود اصلی جلد انجام کو پہنچے۔ ضروری کام چھوڑ کر بے فائدہ کام میں مصروف ہونا عقل و دُور اندیشی کے نزدیک بہت نامناسب بات ہے لیکن آپ تو اپنی رائے پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ دُوسرے کی بات تم پر کم اثر کرتی ہے۔ اس روش کے نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہیں۔ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ۔ رسُولؐ کے ذمے صرف تبلیغ ہے۔

مکتوب نمبر ۱۴۹

یہ مکتوب بھی مُلّا صادق کابلی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اگرچہ مسبب الاسباب رب تعالیٰ نے اشیاء کو اسباب پر مرتب فرمایا ہے۔ لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ نظر کسی معین سبب پر ہی لگا لی جائے۔

اخوی مولانا محمد صادق عجب آدمی ہے۔ کہ اس نے اپنے آپ کو مکمل طور پر اسباب کے سہارے پر ڈال رکھا ہے۔ اگرچہ مسبب الاسباب رب تعالیٰ و تقدس نے اشیاء کو اسباب پر مرتب فرمایا ہے۔ لیکن اس کی کیا ضرورت کہ نظر معین سبب پر ہی جما لی جائے۔ مصرع

گر درے بستہ شد ایدل دگر بکشایند ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ اے دل اگر ایک دروازہ بند ہوگیا تو دوسرے کو کھول دینگے

اس قسم کی کوتاہ نظری اہل اللہ کے ساتھ بہت ہی بے تعلقی ظاہر کرتی ہے۔ آپ جیسے لوگوں سے ایسا ہونا بہت ہی بُرا ہے۔ ایک گھڑی کے لئے اپنے گریبان میں مُنہ ڈالنا چاہیئے اور اس طور طریقے کی بُرائی کا تصور کرنا چاہیئے۔ فقراء کے لباس میں ہو کر اپنا سب کچھ کمینی اور خدا تعالیٰ کی دشمن دُنیا جمع کرنے میں لگا دینا بہت ہی بُرا ہے۔ نہایت تعجب ہے کہ یہ بُرائی آپ کی نظر میں کس قدر اچھی اور خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ دنیوی ضروریات کے حاصل کرنے میں بقدر ضرورت ہی کوشش کرنی چاہیئے۔ اپنی ساری ہمت اسی میں صرف کر دینا اور عمر عزیز کو اسی کے لئے گزارنا محض حماقت ہے۔ فرصت بڑی غنیمت ہے۔ ہزار افسوس اگر کوئی شخص اس سے بے فائدہ کاموں میں صرف کرے۔ بتانا شرط ہے۔ مَا عَلَى الرسول الا البلاغ۔ رسولؐ کے ذمے صرف تبلیغ ہے۔

لوگوں کی باتوں سے دل تنگ نہ ہوں۔ جو باتیں آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ اگر آپ میں نہیں تو غم کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ کتنی اچھی بات ہے کہ لوگ ایک شخص کو برا خیال کریں۔ اور وہ فی الحقیقت نیک ہو۔ ہاں اگر اس کا الٹ ہو تو وہ ضرور خطرے کا مقام ہے۔ والسّلام۔

مکتوب نمبر ۱۵۰

اس بیان میں کہ مطلوب و مقصود قرار دینے کے لائق صرف واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات ہے۔ خواجہ قاسم کی طرف صادر فرمایا:

برادرم خواجہ محمد قاسم کا التفات نامہ موصول ہو کر موجب فرحت ہوا۔ دنیوی حالات کی پراگندگی اور ظاہری احوال کے انتشار سے دل تنگ نہ ہوں۔ وہ اس لائق نہیں کہ انسان ان پر دل تنگ ہو۔ کیونکہ یہ جہان فنا کے مقام میں ہے۔ حق تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں میں اپنی زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ اس کے ضمن میں تنگی پیش آئے یا آسانی۔ مطلوبیت کے لائق صرف واجب الوجود جل شانہٗ کی ذات ہے۔ خاص کر آپ جیسے عزیز دوستوں کے لئے۔ اس کے باوجود اگر کسی طرح کی خدمت یا کام کے متعلق اشارہ فرمائیں گے تو بندہ اسے احسان جانتے ہوئے اس کی انجام دہی کی پوری کوشش کرے گا۔ والسّلام۔

مکتوب نمبر ۱۵۱

میر مومن بلخی کی طرف صادر فرمایا:

طریقہ خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی فضیلت و بزرگی۔ اور "یادداشت" کے معنیٰ کے بیان میں جو ان بزرگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ مصرعہ

از ہر چہ میرود سخن دوست خوشتر است — دوست کی بات جس طرف سے بھی کان میں پڑے بہت اچھی ہے۔

"یادداشت" حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ میں حضور بے غیبت سے عبارت ہے یعنی شیونی اور اعتباراتی حجابات کے بیان میں حائل ہوئے بغیر حضرت ذاتِ تعالیٰ و تقدس کے دائمی حضور کو یادداشت کہتے ہیں۔ اور اگر کبھی حضور ہو اور کبھی غیبت یعنی کسی وقت حجابات پوری طرح اٹھ جائیں اور کبھی درمیان میں حائل ہو جائیں جس طرح تجلّی ذاتی برقی میں ہوتا ہے۔ کہ بجلی کی طرح حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے آگے سے ہٹ جاتے ہیں

اور پھر جلد ہی وہ ذات پردہ شیون و اعتبارات میں روپوش ہو جاتی ہے۔ تو اس طرح کے وقتی اور عارضی حضور کا ان اکابر کے ہاں کوئی اعتبار نہیں۔

پس بے غیبت حضور کا حاصل یہ ہے کہ تجلی ذاتی برقی جو حضرت ذات کے بے واسطہ شیون و اعتبارات کے ظہور سے عبارت ہے۔ اور جو اس راہ کی نہایت میں جا کر میسر آتی ہے۔ اور فنائے اکمل کو اس مقام میں جا کر ثابت کرتے ہیں دائمی ہو جائے اور حجابات ہرگز رجوع نہ کریں۔ اور اگر حجابات پھر رجوع کر آئیں تو حضور غیبت سے تبدیل ہو جائے گا۔ اور اسے ان خواجگان قدس سرہم کی اصطلاح میں یادداشت نہیں کہیں گے۔ تو ثابت ہو گیا کہ ان اکابر کا حضور اتم اور اکمل ہے اور فنا کی اکملیت اور بقا کی اتمیت مشہود کی اتمیت اور اکملیت کے اندازہ کے مطابق ہے۔ ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا — میرے باغ کی رعنائی سے میری بہار کا اندازہ کر لو

مکتوب نمبر ۱۵۲

سیادت و بزرگی کی پناہ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ رسول کی اطاعت عین خدائے سبحانہ کی اطاعت ہے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اللہ سبحانہ وتعالےٰ فرماتا ہے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔[1] — جس نے رسول کی اطاعت کی بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

حق سبحانہ وتعالیٰ نے رسول کی اطاعت کو عین اپنی اطاعت قرار دیا۔ تو اللہ عزوجل کی وہ اطاعت جو اطاعت رسول کی شکل میں نہیں اللہ سبحانہ کی اطاعت نہیں۔ اس مضمون کی تاکید و تحقیق کے لئے قد تاکیدیہ لایا گیا تاکہ کوئی نادان و احمق ان دو اطاعتوں کے درمیان فرق نہ کرے۔ اور ایک کو دوسری جگہ اختیار نہ کرے۔ تو دوسرے مقام پر حضرت حق سبحانہ وتعالےٰ اس جماعت کی شکایت کرتا ہے۔ جو اللہ اور رسول کی اطاعت میں فرق کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

---

[1] سورۃ نساء پارہ والمحصنات

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا۔	یعنی کفار چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض سے کفر کریں گے۔ اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس سے درمیان راستہ اختیار کریں۔ یہی لوگ پکے کافر ہیں۔

ہاں بعض مشائخ کبار قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے سکر وقت اور غلبہ حال کے باعث ایسی باتیں کہی ہیں جن سے ان دو اطاعتوں میں فرق کا اظہار ہوتا ہے۔ اور ایک کے مقابلے میں دُوسرے کی محبت کی پسندیدگی مترشح ہوتی ہے۔ منقول ہے کہ سلطان محمود غزنوی اپنی بادشاہت کے ایام میں خرقان کے قریب فروکش تھا۔ اُس نے وہاں سے اپنے وکلاء کو شیخ ابوالحسنؒ خرقانی کی خدمت میں بھیجا۔ اور التماس کی کہ حضرت شیخ بادشاہ کی ملاقات کے لئے تشریف لائیں۔ اور اپنے وکلاء سے کہہ دیا کہ اگر شیخ کی طرف سے آنے میں توقف محسوس کریں تو آیہ کریمہ

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔	اللہ کی اطاعت بجالاؤ اور اس کے رسول اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت بھی کرو۔

پڑھیں۔ جب وکلاء نے شیخ کی طرف سے ملاقات کے لئے جانے میں توقف محسوس کیا تو مذکورہ آیۃ کریمہ کی تلاوت کی۔ شیخ نے جواب میں فرمایا میں اَطِيْعُوا اللّٰهَ میں اس قدر گرفتار ہوں کہ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کی اطاعت سے شرمندہ ہوں۔ اولی الامر کی اطاعت کی تو کوئی صورت ہی نہیں۔

حضرت شیخ نے حق سبحانہٗ کی اطاعت کو رسولؐ کی اطاعت کا غیر تصوّر کیا۔ یہ بات استقامت سے دُور ہے مستقیم الاحوال مشائخ اس طرح کے کلمات زبان پر نہیں لاتے اور شریعت، طریقت اور حقیقت کے تمام مراتب میں حق تعالیٰ کی اطاعت اس کے رسولؐ کی اطاعت میں جانتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی اطاعت اس کے رسولِ پاکؐ علیہ الصلوٰۃ

ل سورہ نساء پارہ لایحب اللہ۔

ل آپؒ کا نام مبارک علی بن جعفر ہے۔ آپ یگانہ روزگار اور غوثِ وقت اور مرجع خلائق تھے۔ لوگ آپؒ کے زمانے میں آپؒ ہی کی خدمت میں جاتے تھے۔ تصوّف میں آپؒ سلطان العارفین شیخ ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یافتہ ہیں۔ سلوک میں آپؒ کی تربیت حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی رُوحانیت سے ہوئی۔ آپؒ حضرت بایزید بسطامیؒ کی وفات کے بہت عرصہ بعد پیدا ہوئے۔ ۴۲۵ھ بروز منگل عاشورا کے روز وفات پائی۔ مثنوی شریف کے دفتر چہارم میں مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ نے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت

والسلام کی صورت میں نہیں۔ اسے عین گمراہی قرار دیتے ہیں۔

یہ قصہ بھی منقول ہے کہ شیخ مہنہ شیخ ابوسعیدؒ ابوالخیر ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ اور سادات خراسان میں سے ایک بہت بڑے سید بزرگ بھی آپؒ کی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ اتفاقاً اس دوران ایک مغلوب الحال مجذوب نمودار ہوا۔ حضرت شیخؒ نے اس بڑے سید بزرگ پر اس کو ترجیح دی۔ سید صاحب کو یہ بات اچھی نہ لگی۔ شیخؒ نے سید صاحب سے فرمایا آپ کی تعظیم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہے۔ اور اس مجذوب کی تعظیم رب تعالیٰ کی محبت کی بنا پر ہے۔ اس قسم کی تفرقہ آمیز باتوں کو مستقیم الاحوال اکابر جائز نہیں رکھتے۔ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ سکر حال کی بنا پر قرار دیتے ہیں۔ اور اسے ایک نقول بات سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں دیتے۔ ہاں اس قدر ضرور ہے کہ مقام کمال میں جو مرتبہ ولایت ہے۔ حق سبحانہ کی محبت غالب ہوتی ہے۔ اور مقام تکمیل میں جو مقام نبوت کا ایک حصہ ہے رسولؐ کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اطاعتِ رسولؐ پر جو عین اللہ سبحانہٗ کی اطاعت ہے۔ قائم و ثابت رکھے۔

مکتوب نمبر ۱۵۳

میاں شیخ مزمل کی طرف صادر فرمایا:

غیر حق کی غلامی سے مکمل خلاصی کے بیان میں جو فنا مطلق سے وابستہ ہے۔

آپ کا ارسال کردہ مکتوب موصول ہوا۔ الحمد للہ ذی الانعام و المِنَّۃَ اللہ صاحبِ انعام کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ طالبوں کو طلب میں بے قرار اور بے آرام رکھتا ہے۔ اور اس بے آرامی میں غیر کے ساتھ آرام پکڑنے سے نجات عطا کرتا ہے۔ لیکن غیر کی غلامی سے مکمل نجات اور خلاصی اس وقت میسر آتی ہے۔ جب بندہ فنا مطلق سے مشرف ہوتا ہے۔ اور ماسوائے حق کے نقوش آئینہ دل سے مٹا دیتا ہے۔ اور اس کا علمی اور حبی تعلق کسی شے سے باقی نہیں رہتا۔ اور حق سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کوئی شے اس کا مقصود اور مراد نہیں رہتی۔ یہ مقام حاصل ہونے کے بغیر غیر حق کی غلامی سے مکمل نجات کا خیال خار دار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔ اگرچہ اسے بے تعلقی کا گمان ہوتا ہے۔ لیکن

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا — گمان حق کی جگہ کچھ نفع نہیں دے سکتا

بقیہ
(حاشیہ صفحہ ۵۳) اور کمالات کے متعلق پیشگوئی کا قصہ بڑے پُرکیف انداز میں بیان کیا ہے۔

مصراع : ایں کارِ دولت است کنوں تا کرا رسید۔ یہ دولت وسعادت کا کام دیکھئے اب کسے عطا ہوتا ہے احوال اور مقامات میں پھنسا ہوا انسان بھی درحقیقت غیر حق تعالےٰ میں گرفتار ہے۔ دُوسری چیزوں میں گرفتاری کا کیا کہنا ہے

بہر چہ از دوست دامانی چہ کفر آں حرف و چہ ایمان
بہر چہ از راہ دُور افتی چہ زشت آں نقش و چہ زیبا

جس چیز کے باعث تم دوست سے دُور ہو جاؤ کیا حرف کفر ہو کیا ایمان (اس سے دُور بھاگو) اور جس کام میں اُلجھ کر تم راستے سے دُور ہو جاؤ وہ بُری شے ہو یا اچھی (اس کے بھی قریب نہ جاؤ)۔

تمہارے سفر نے طوالت اختیار کر لی فرصت غنیمت ہے۔ دوست اگر رخصت کے اہل ہیں تو ان سے رخصت اور اجازت لینے میں کیا رکاوٹ ہے۔ اور اگر رخصت کے اہل ہی نہیں تو ان سے رخصت لینے کی کیا ضرورت ہے۔ حق سبحانہ وتعالےٰ کی رضامندی کا خیال کرنا چاہیئے۔ مخلوق راضی ہو یا نہ ہو۔ لوگوں کی ناراضگی کا کیا اعتبار ہے۔ ع طفیل دوست باشد ہر چہ باشد۔ جو کچھ ہے سب دوست کے طفیل ہے۔ مقصود صرف خدا تعالیٰ کی ذات کو ہی قرار دینا چاہیئے۔ اس مقصود کے ساتھ کچھ اور بھی حاصل ہو جائے تو ہو جائے۔ ورنہ اگر حاصل نہ ہو تو نہ ہو۔ ع رخسارِ من اینجا و تو در گُل نگری۔ میرا رخسار تیرے سامنے ہے مگر افسوس تو اسے نہیں دیکھتا بلکہ تیری نگاہ پھول کی طرف ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۵۴

یہ مکتوب بھی میاں مزمل کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ اپنے آپ سے گزر جانا چاہیئے۔ اور اپنے اندر جانا چاہیئے۔ حق سبحانہ وتعالےٰ اپنے ساتھ رکھے۔ اور ایک لحظہ کے لئے بھی غیر کے حوالے نہ کرے۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَكِلْنَا اِلٰی اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَیْنٍ فَنَعْطَبَ وَ لَا اَقَلَّ مِنْھَا فَنَضِیْعَ۔

اے اللہ ہم کو ایک لمحہ کے لئے بھی ہمارے نفسوں کے حوالے نہ کرنا تاکہ ہم ہلاک نہ ہوں اور نہ اس سے کم وقت کے لئے بھی تاکہ ہم ضائع نہ ہوں۔

جو بلا اور مصیبت بھی آتی ہے وہ اپنے ساتھ گرفتاری کے باعث آتی ہے۔ جب انسان اپنے آپ سے نجات پا گیا تو حق سبحانہ وتعالےٰ کے غیر کے ساتھ گرفتاری سے بھی نجات پا گیا۔ کوئی اگر بُت پرستی کر رہا ہے تو

فی الحقیقت وہ اپنی ہی پرستش کر رہا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں وارد ہے۔

اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ ۔ کیا تو نے اسے دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنایا ہوا ہے۔

مصراع: ازخود چو گذشتی ہمہ عیش است وخوشی۔ جب تُو اپنے آپ سے گزر گیا (چھوٹ گیا) تو پھر سب عیش اور خوشی ہی خوشی ہے۔

دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ ۔ اپنے نفس کو چھوڑ دو، اور آ جاؤ۔

جس طرح اپنے آپ سے گزرنا ضروری ہے۔ اپنے اندر جانا اور سفر کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ مقصود کی یافت یہیں ہے۔ اپنے سے باہر مقصود کی یافت نہیں ہے۔ ؎

با تو در زیر گلیم است ہر چہ ہست ہمچو نابینا مبر ہر سوئے دست

جو کچھ ہے تیری گودڑی کے نیچے ہی ہے لہٰذا اندھوں کی طرح ادھر اُدھر ہاتھ نہ مار۔

سیر آفاقی میں دُوری ہی دُوری ہے۔ اور سیر اَنفسی میں قرب ہی قرب ہے۔ اگر شہود ہے اپنے آپ میں اگر معرفت ہے وہ بھی اپنے اندر ہی ہے۔ اگر حیرت ہے وہ بھی اپنے میں ہی ہے۔ اپنے سے باہر قدم رکھنے کی جگہ نہیں۔ بات کدھر چلی گئی۔ کوئی بے عقل یہاں سے حلول اور اتحاد نہ سمجھنا شروع کر دے۔ اور گمراہی کے بھنور میں گر پڑے۔ ؎ این جا حلول کفر بود اتحاد ہم۔ یعنی یہاں حلول و اتحاد کا اعتقاد کفر ہے۔ اس مقام تک پہنچنے سے قبل اس میں غور و فکر کرنا ممنوع ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں اور تمہیں سنت کے پسندیدہ طریقے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ پر استقامت عطا کرے۔ اپنے حالات بھی لکھا کریں۔ کیونکہ اصلاح اور توجہ میں اس کا بڑا دخل ہے۔ ظاہری رکاوٹوں سے آزاد رہیں۔ اور ان رکاوٹوں کے ہونے اور نہ ہونے کو برابر خیال کریں۔ والسلام والاکرام

مکتوب نمبر ۱۵۵

اپنے اصل مقصد کی طرف رجوع کرنے کے بارے میں یہ مکتوب بھی میاں شیخ مزمل کی طرف صادر فرمایا:

حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے ساتھ رکھے ؎

بعداز خدای ہر چہ پرستند ہیچ نیست — بیدولت است آنکہ بہیچ اختیار کرد

خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کو بھی پوجیں وہ ہیچ سے بھی کم ہے۔ وہ بدنصیب ہے، جو ہیچ اور ادنیٰ شے کو اختیار کرتا ہے

ماہ جمادی الاوّل کے شروع میں جمعہ کے روز بندہ دہلی شہر کی زیارت سے مشرف ہوا۔ محمد صادق بھی ساتھ ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کا ارادہ موافق ہوا تو چند روز بندہ یہاں گزار کر جلد ہی وطن اصلی کو روانہ ہو جائے گا۔

حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ ۔ — وطن کی محبت ایمان میں داخل ہے۔

صحیح حدیث ہے۔ بندہ بے چارہ کہاں جا سکتا ہے۔ اس کی پیشانی تو قادرِ مطلق کے قبضہ میں ہے۔

مَامِنْ دَابَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا — کوئی چلنے والی شے نہیں۔ مگر اسکی پیشانی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔ — بیشک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔

بھاگ کر کدھر جائیں۔ مگر یہ کہ ففروا الی اللہ (اللہ کی طرف دوڑو) کہتے ہوئے اس کی ذات میں اسی کی طرف دوڑیں۔ بہرحال اصل کو اصل جانتے ہوئے فرع کو اس کا طفیلی قرار دے کر اصل کی طرف توجہ کرنا چاہیئے۔

؎ ہر چہ جز عشق خدائے احسن است — گر شکر خوردن بود جان کندن است

خدائے احسن کے عشق کے سوا جو کچھ بھی ہے۔ اگرچہ شکر ہی کھانا کیوں نہ ہو دراصل جان کو ہلاک ہی کرنا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۵۶

اہل اللہ کی صحبت کی ترغیب میں یہ مکتوب بھی میاں مزمل کو لکھا:

جو خط آپ نے جالندھر کے قاضی زادہ کے ہاتھ روانہ کیا تھا، دہلی میں موصول ہو گیا۔ الحمد للہ والمنۃ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ فقراء کی محبت کا نقد سرمایہ آپ کے ہاتھ موجود ہے۔ اور مطابق بیان حدیث

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ — آدمی اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے۔

آپ بھی فقراء کے ساتھ ہیں۔ اگرچہ وقت اور زمانے کے لحاظ سے ماہ رجب نزدیک ہے۔ لیکن حقیقت میں بہت دور ہے ؎

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست — درون دیدہ اگر نیم مو است بسیار است

دوست کی جدائی اگر تھوڑے سے وقت کیلئے بھی ہو تو وہ تھوڑی نہیں۔ آنکھ میں اگر آدھا بال بھی پڑ جائے تو بہت ہے۔

چونکہ اربابِ حقوق کے حقوق کی رعایت کی بنا پر آپ نے وہاں اقامت اختیار کی ہوئی ہے۔ تو ایسا ہی کریں۔ فقیر بھی ماہ رجب تک شاید یہیں رہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

بہر حال چند روزہ زندگی کو فقراء کے ساتھ گزاریں۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۔	یعنی اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روک کر رکھو جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت میں مصروف ہیں۔ صرف اسی کی ذات کے طالب بن کر۔

نص قطعی ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالےٰ نے اپنے حبیب پاک علیہ من الصلوٰت اتمہا ومن التسلیمات اکملہا کو اس بات کا حکم دیا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ خداوندا وہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا کیا ہے۔ کہ جس نے انہیں شناخت کر لیا تجھے پا لیا۔ اور جب تک تجھے نہ پایا ان کی شناخت بھی نہ کر سکا۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اور تمہیں اس بلند مرتبہ اور شریف گروہ کی محبت عطا فرمائے۔

مکتوب نمبر ۱۵۷

حکیم عبدالوہاب کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ جب کوئی درویشوں کی خدمت میں جائے تو چاہیئے کہ اپنے آپ کو خالی کر کے جائے تاکہ پُر ہو کے واپس آئے۔ اور اس امر کے بیان میں کہ سب سے پہلے عقائد درست کرنے چاہئیں۔

آپ دو دفعہ تشریف لائے۔ لیکن جلدی ہی اُٹھ کر چلے آئے۔ اتنی فرصت نہ مل سکی کہ صحبت کے کچھ حقوق ادا کئے جاتے۔ ملاقات سے مقصود یا افادہ (فائدہ پہنچانا) ہوتا ہے یا استفادہ (فائدہ حاصل کرنا) اور جب مجلس ان دونوں باتوں سے خالی ہو تو بے کار اور بے اعتبار ہے۔

اس گروہ اہل اللہ کی خدمت میں خالی ہو کر آنا چاہیئے۔ تاکہ پُر ہو کر واپس لوٹے۔ اور اپنے افلاس اور محتاجی کا اظہار کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہ اس پر شفقت اور مہربانی فرمائیں۔ اور فیض پہنچانے کا راستہ کھلے۔ سیر ہو کر آنا اور سیر ہو کر ہی چلے جانا بے مزہ ہے۔ اپنے پُر ہونے کا خیال مرض کے باعث ہے۔ اور بے نیازی سرکشی میں ڈال دیتی ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالےٰ سرہٗ فرماتے ہیں۔ پہلے نیازمندی اور خستہ دلی درکار ہے پھر دل شکستہ

لہ سورہ کہف

کی طرف توجہ مبذول ہوتی ہے۔ لہذا بندگانِ حق کی توجہ کے لئے نیازمندی شرط ہے۔ تاہم ان اوقات میں جب ایک طالب علم یہاں آیا اور آپ کی خدمت میں سفارش کی طلب کا اظہار کیا۔ تو دل میں آیا کہ آپ کے صرف تشریف لانے کا بھی حق ہے۔ لہذا اپنی طرف سے ممکن حد تک حق ادا کرنا چاہیئے۔ اس بنا پر بذریعہ قلم گذشتہ کے تدارک اور تلافی کے طور پر چند کلمات وقت اور حال کے تقاضا کے مطابق لکھ کر آپ کی خدمت میں ارسال کئے گئے ہیں۔ واللہ الملھم للصواب والموفق للسداد۔

اے سعادت کے نشان والے جو کچھ ہم اور تم پر لازم و ضروری ہے وہ علماء حق شکر اللہ تعالیٰ سعیھم کے طریقہ کے مطابق کتاب و سُنت کے تقاضے کے موافق عقائد کی تصحیح ہے۔ اور اپنے آپ کو ان عقائد پر قائم رکھنا ہے۔ جو علمائے اہل سُنت نے قرآن و سُنت سے اخذ کئے ہیں۔ کیونکہ ہمارا اور تمہارا قرآن و سُنت کے کسی معنی کو سمجھنا کچھ اعتبار نہیں رکھتا۔ اگر ان بزرگوں کی آراء کے مطابق نہیں۔ کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے احکامِ باطلہ کو قرآن و سُنت سے ہی سمجھنے کا دعویدار ہے۔ اور یہیں سے اخذ کرتا ہے۔ حالانکہ ان کا گمان حق کے مقام پر کچھ نفع نہیں دیسکتا۔

لہ حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کو دفترِ اوّل مکتوب نمبر ۱۹۳ میں زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ مکتوب نمبر ۱۹۳ کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں۔

نخستین ضروریات بر ارباب تکلیف تصحیح عقائد است بر وفق آراء علماء اہلسنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیھم کہ نجاتِ اُخروی وابستہ باتباع آراء صواب نمائی این بزرگواراں است و فرقہ ناجیہ ہم ایشانند و ایشانند کہ بر طریق سرور و اصحاب سرور اند صلوات اللہ و تسلیماتہٗ علیہ و علیھم اجمعین۔

ترجمہ:۔ ہر عاقل و بالغ پر سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اپنے عقیدے علماء اہل سنت و جماعت کے بیان کردہ عقائد کے مطابق و موافق کرے۔ (اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے) کیونکہ آخرت میں نجات الٰہی بزرگوں کے بیان کردہ عقائد کی پیروی میں مضمر ہے۔ اس روز نجات صرف ان بزرگوں کے پیروکاروں کو نصیب ہوگی۔ اور صرف اہل سنت و جماعت ہی وہ گروہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ مستقیمہ پر قائم ہے۔

وانہ علومیکہ از کتاب و سنت مستفاد اند ہماں معتبر اند کہ ایں بزرگواراں از کتاب و سنت اخذ کردہ اند و فہمیدہ، زیرا کہ ہر مبتدع و ضال عقائد فاسدہ خود را از کتاب و سنت اخذ میکند پس ہر معنی از معانی مفہومہ ازیں ہا معتبر نباشد۔

ترجمہ: اور قرآن و حدیث سے اخذ کردہ صرف وہی مطالب اور علوم اور عقائد قابلِ اعتبار و اعتماد ہیں۔ جو ان

دوسرے نمبر پر احکام شرعیہ حلال و حرام و فرض واجب کا علم حاصل کرنا تیسرے اس علم کے مطابق عمل کرنا۔ اور چوتھے تصفیہ اور تزکیہ کا طریقہ اختیار کرنا، جو صوفیائے کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ مخصوص ہے، تو جب تک عقاید درست نہ کریں، احکام شرعیہ کا علم کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ اور جب تک یہ دونوں (تصحیح عقائد اور احکام شرعیہ کا علم) حاصل نہ ہوں عمل نفع نہیں دیتا۔ اور جب تک یہ تینوں متحقق نہ ہوں، تزکیہ اور تصفیہ کا حصول محال ہے۔

جس طرح سنتیں فرائض کو مکمل کرنے والی ہیں اسی طرح ان چار رکنوں کے اپنے متممات اور مکملات کے بعد جو کچھ ہے سب فضول ہے اور لایعنی میں داخل ہے۔

وَمِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَایَعْنِیْہِ وَاشْتِغَالُہٗ بِمَا یَعْنِیْہِ۔	بندے کے حسن اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ کر با مقصد باتوں میں مشغول ہو جائے۔

ہر اُس شخص پر سلامتی کا نزول ہو جو ہدایت کا پیروکار اور متابعت مصطفیٰ علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات پر کاربند ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹) علمائے حق نے بیان کئے اور سمجھے ہیں۔ کیونکہ ہر بدعقیدہ اور گمراہ شخص بھی اپنے عقائد فاسدہ قرآن مجید اور حدیث نبوی ہی سے ثابت کرتا ہے۔ لہٰذا ہر شخص کے بیان کردہ معنی لائق اعتبار نہیں ہو سکتے۔

صاحب تفسیر مدارک فرماتے ہیں:

اس کا فائدہ ایک تو تاکید ہے۔ اور دُوسرے اس بات کا اظہار ہے۔ کہ سیدھے راستے کی تفسیر مومنوں کا راستہ ہے۔ تاکہ یہ مسلمانوں کے راستے کے سیدھا ہونے کی کامل اور موکد طریقہ پر گواہی بن جائے۔ اور وہ مومنوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کا راستہ ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں:

یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مُرید کے مقامات ہدایت و مکاشفہ تک پہنچنے کی سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ وہ ایسے شیخ مقتدا رہنما کی اقتداء کرے جو اسے سیدھے راستے پر چلائے۔ اور گمراہیوں اور غلطیوں کے مواقع سے بچائے۔ اور یہ اس بنا پر ضروری ہے کہ اکثر مخلوق پر نقص اور کوتاہی غالب ہے اور ان کے

مکتوب نمبر ۱۵۸

شیخ حمید بنگالی کی طرف صادر فرمایا :

استعدادوں میں فرق کے مطابق مراتب کمال میں فرق اور اس کے مناسب امور کے بیان میں ۔

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ استعدادوں میں تفاوت کے موافق مراتب کمال میں بھی فرق اور تفاوت ہوتا ہے ۔ اور کمال میں تفاوت کبھی کمیّت کے لحاظ سے ہوتا ہے ۔ اور کبھی کیفیت کے اعتبار سے اور کبھی بیک وقت دونوں اعتبار سے ۔ تو بعض کا کمال مثلاً تجلی صفاتی سے ہوتا ہے ۔ اور بعض کا تجلی ذاتی سے ۔ اگرچہ ان دونوں تجلیوں اور تجلیوں والوں کے درمیان بڑا فرق ہوتا ہے ۔ تو بعض کا کمال قلب کی سلامتی اور رُوح کے نجات پانے میں ہے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ٦٠) عقول و اذہان حق تک پہنچنے اور صواب کو غلط سے تمیز کرنے میں پُورے نہیں اُترتے ۔

مختصر یہ کہ عقائد کی صحت و درستی اعمال کے لئے شرط لازم ہے ۔ عقیدہ بنیاد اور اساس ہے ۔ اور اعمال اسکی فرع اور شاخیں ہیں ۔ عقیدہ ٹھیک نہ ہو تو اعمالِ حسنہ چاہے کتنے ہی زیادہ اور کیسے ہی اخلاص کے ساتھ ادا کئے جائیں نہ ان کی قبولیت ہے اور نہ ان کی کوئی قدر و قیمت ہے ۔ اور نہ ان کا ثواب ملتا ہے ۔ یہودیوں کے درویش اور عیسائیوں کے راہب چونکہ درستی عقیدہ سے محروم ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت آپکے فضائل و کمالات چھپاتے ۔ اور تحریف سے کام لیتے ہیں ۔ لہٰذا دُوسرے کفار و مشرکین کی طرح آتشِ دوزخ میں ہمیشہ جلتے رہیں گے ۔

موجودہ دَور کے فرقے بھی بیشمار اعتقادی گمراہیوں میں مبتلا ہیں ۔ اور عام مسلمانوں کو بھی گمراہ کرنے میں مصروف ہیں ۔ چنانچہ ایک فرقہ حدیث نبویؐ کا منکر ہے ۔ ایک ختمِ نبوت کا منکر ہے ۔ ایک فرقہ فقہ اور تقلید ائمہ دین کا منکر ہے ۔ اور تقلید و استنباط کو شرک و بدعت کہتا ہے ۔ ایک اور گروہ صحابہ کرام کی شان و تعظیم کا منکر ہے ۔ اور معاذ اللہ اکابر صحابہؓ اور خلفاء راشدینؓ کو بُرا بھلا کہتا ہے ۔ اور انہیں بیدین و منافق قرار دیتا ہے ۔ ایک گروہ یزید پلید علیہ ما علیہ کی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہے ۔ اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی توہین و بے ادبی میں خوشی محسوس کرتا ہے ۔ اور ایک فرقہ وہ ہے جو بزرگانِ دین کے تصرفات ان سے مدد و استعانت ان کے وسیلے کا منکر ہے ۔ وغیرہ ذالک ۔ پھر ہر ایک اپنی صداقت اور حقانیت کے لئے قرآن و حدیث سے دلائل پیش کرتا ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ حق و نجات کے راستے پر صرف اہل سنت و جماعت قائم ہیں ۔ جیسا کہ حضرت امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے ۔ واللہ الملہم للحق والصواب ۔

اور بعض کا کمال ان دونوں کے ساتھ ساتھ شہود سری کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور ایک تیسرا گروہ ہے جس کا کمال ان تینوں کے علاوہ لطیفہ خفی کی طرف منسوب حیرت سے ہوتا ہے۔ اور ایک چوتھے شخص کا کمال ان چار چیزوں کے ساتھ اور لطیفہ اخفی کی طرف منسوب اتصال سے ہوتا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا کرے اور اللہ فضل عظیم والا ہے۔ ان مراتب مذکورہ میں سے کسی مرتبے میں کمال کے بعد یا تو مخلوق کی طرف پچھلے پاؤں رجوع واقع ہوتا ہے۔ یا اسی مقام میں قرار اور قیام ہو جاتا ہے۔ اول مقام تکمیل و ارشاد اور دعوت کے لئے حق سے خلق کی طرف رجوع ہے۔ دوسرا استہلاک و عزلت اور گوشہ نشینی کا مقام ہے۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب نمبر ۱۵۹

شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا۔ ماتم پرسی میں۔

اگرچہ آلام و مصائب بظاہر تلخ ہیں۔ اور جسم کو تکلیف پہنچانے والے ہیں۔ لیکن باطن میں شیریں اور روح کو لذت عطا کرتے ہیں۔ کیونکہ جسم اور روح آپس میں گویا نقیض ہیں۔ ایک کا رنج دوسرے کے لئے لذت کا باعث ہے۔ وہ پست فطرت جو ان دو متضاد چیزوں کے لوازمات میں تمیز نہیں کر سکتا بحث سے خارج ہے۔ اور گفتگو کے قابل ہی نہیں۔ اولائک کالانعام بل ھم اضل۔ یہ لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بدتر ہیں ؎

آگہ از خویشتن چو نیست جنین　　　چہ خبر دارد از چنان و چنین

پیٹ میں موجود بچہ جب کہ اپنے آپ سے بھی آگاہ نہیں تو وہ اِدھر اُدھر کی کیا خبر رکھے گا۔

جس شخص کی روح تنزل کر کے مرتبہ جسم میں قرار پذیر ہو چکی ہے اور جس کا عالم امر عالم خلق کے تابع ہو چکا ہو وہ اس معما کا راز کیا پا سکتا ہے۔ جب تک روح اپنے مقام اصلی کی طرف واپس نہ لوٹے اور امر خلق سے جدا نہ ہو اس وقت تک معرفت کا جمال جلوہ گر نہیں ہو سکتا۔ اس دولت کا حصول اس موت کے ساتھ وابستہ ہے۔ جو موت حسی اور صوری سے پہلے حاصل ہوتی ہے۔ اور مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے اس کو فنا سے تعبیر کیا ہے۔

؎ خاک شو خاک تا بروید گل　　　کہ بجز خاک نیست مظہر گل

خاک ہو خاک تا کہ پھول اُگ سکیں۔ کیونکہ خاک ہی پھولوں کی جائے ظہور ہے۔

اور وہ شخص جو مرنے سے پہلے مرا نہیں دراصل وہ مصیبت میں گرفتار ہے۔ اور وہ ماتم پرسی کے لائق ہے۔

آپ کے والد مرحوم کی رحلت کی خبر جو نیک نامی میں شہرت رکھتے تھے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خوب رعایت کرتے تھے، مسلمانوں کے لئے موجبِ غم اور باعثِ رنج بنی ہے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ (ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) وہ فرزند صبر کے شیوے کو اختیار کرتے ہوئے۔ فوت شدگان کا صدقہ اور دُعا اور استغفار کے ذریعہ ممد و معاون بنا رہے۔ کیونکہ مُردوں کو زندوں کی مدد کی شدید محتاجی ہے۔ حدیثِ نبوی علیہ وآلہ الصلوات والتسلیمات میں آیا ہے۔

ما المیت الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او اخ او صدیق فاذا لحقۃ کان احب الیہ من الدنیا و ما فیہا و ان اللہ لید خل علی اھل القبور من دعاء اھل الارض امثال الجبال من الرحمۃ وان ھدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم[۲]۔

میت کی مثال ڈوبنے والے اور زیاد کے لئے پکارنے والے کی طرح ہے۔ میت ہر وقت دُعا کا منتظر رہتا ہے۔ جو اسے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے۔ جب اسے ان میں سے کسی کی طرف سے پہنچتی ہے تو وہ اسے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ اور بیشک اللہ تعالےٰ زمین والوں کی دُعا سے اہلِ قبور پر پہاڑوں کی مانند رحمت داخل کرتا ہے۔ اور بیشک زندوں کی طرف سے اموات کے لئے تحفہ اور ہدیہ انکے لئے استغفار ہے۔

باقی نصیحت کی بات یہ ہے کہ ہر وقت ذکر و فکر میں رہو۔ کیونکہ فرصت نہایت ہی تھوڑی ہے۔ اسے نہایت ہی ضروری کاموں میں صرف کرنا چاہیئے۔ والسلام۔

لہ مشکوٰۃ شریف باب الاستغفار

۲ہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مُردوں کو ثواب پہنچانا اور ایصال ثواب کے طور پر صدقہ و خیرات کرنا جائز بلکہ ضروری ہے۔ نمازِ جنازہ بھی ایصال ثواب ہے۔ حضرت سعدؓ نے اپنی ماں کے ایصالِ ثواب کے لئے کنواں جاری کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی وفات پر بطور ایصال ثواب بہت سے اونٹ ذبح کئے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو عموماً ہر سال ایک بکری ذبح کر کے ایصالِ ثواب کرتے تھے۔ فقہائے کرام کا ایصالِ ثواب کے جواز پر اجماع ہے۔ ختم قرآن، گیارہویں، چہلم وغیرہ ایصالِ ثواب کی مختلف صورتیں ہیں جیسا کہ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مکی

مکتوب نمبر ۱۶۰

یہ مکتوب آپؒ نے اپنے کمترین (بندے) غلام کی طرف صادر فرمایا۔ یعنی یار محمد الجدید البدخشی الطالقانی کی طرف۔

اس بیان میں کہ مشائخ طریقت تین گروہ ہیں قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم۔ اور ان میں سے ہر ایک کے حالات کی شرح۔ اور ان میں سے ہر ایک گروہ کے کمال اور نقصان کے بیان میں۔

مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم تین گروہ ہیں۔ پہلا گروہ، اس امر کا قائل ہے کہ کائناتِ عالم حق سبحانہٗ کی ایجاد سے خارج میں موجود ہے۔ اور جو کچھ اس میں اوصاف و کمالات ہیں سب حق سبحانہٗ کی ایجاد سے ہیں۔ اور اپنے آپ کو صرف شَبَح اور مثال کے درجہ میں جانتے ہیں۔ بلکہ اس شَبَحِیَت کو بھی حق سبحانہٗ کے ہاتھ کا کرشمہ قرار دیتے ہیں۔ یہ حضرات نیستی کے سمندر میں اس طرح گم ہیں کہ نہ انہیں عالم کی خبر ہے اور نہ اپنی۔ برہنہ جسم آدمی کی طرح جس نے کسی سے عاریت کے طور پر کپڑا لے کر پہنا ہوا ور وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ یہ کپڑا عاریتہً میرے پاس ہے۔ اور کپڑے کی عاریت کا تصوّر اسقدر اس پر غالب ہو کہ اسے پہنے ہوئے ہونے کے باوجود اس کے اصل مالک کے ہاتھ میں ہی تصور کرے اور اپنے آپ کو برہنہ ہی محسوس کرے۔ اور اگر ایسے شخص کو بے شعوری اور سُکر کی حالت سے نکال کر شعور اور صحو کی طرف لائیں اور بقا بعد الفنا سے مشرف کریں۔ تو وہ اگرچہ کپڑے کو اپنے بدن پر پہنا ہُوا دیکھے گا۔ مگر اس کا یقین یہی ہوگا کہ یہ میرا نہیں دُوسرے کا ہے۔ کیونکہ وہ فنا اب درجہ علم میں ہے۔ اور گرفتاری اور تعلق جو اس کپڑے کے ساتھ تھا بالکل معدوم ہو جاتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح اس شخص کا حال ہے جو اپنے اوصاف و کمالات کو کسی سے عاریتہً لئے ہوئے کپڑے کی طرح جانتا ہے۔ صرف اتنا جانتا ہے کہ درجہ وہم میں یہ کپڑا میرے پاس موجود ہے۔ خارج میں میرے پاس کوئی کپڑا نہیں بلکہ میں برہنہ ہوں۔ یہ دید اس حد تک غالب آتی ہے کہ وہ اس وہمی لباس کو پُورے طور پر اُتار پھینکتا ہے۔ اور اپنے آپ کو برہنہ محسوس کرتا ہے۔ اس حالت سے افاقے اور صحو کے بعد اس وہمی کپڑے کو اپنے ساتھ پاتا ہے۔ لیکن شخص اول کی فنا اتم ہے۔ اور اس پر مرتب ہونے والی بقا بھی اکمل

(بقیہ حاشیہ صفحہ) نے فرمایا ہے۔ ایصالِ ثواب کی ان مختلف صورتوں کا انکار دراصل ایصالِ ثواب کا انکار ہے۔ جو گمراہ فرقے معتزلہ کا عقیدہ ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ السامی نے مکتوبات میں اور بھی جا بجا اس مسئلے کے جواز کی تصریح کی ہے۔ مترجم عفی عنہٗ۔

ہوگی۔ جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

اور یہ بزرگ گروہ ان تمام معتقدات کلامیہ میں جو کتاب و سنت اور اجماع کے موافق ثابت ہیں، علمائے اہلسنت وجماعت کیساتھ اتفاق رکھتا ہے۔ اور ان میں اور متکلمین میں صرف اتنا فرق ہے کہ متکلمین اس معنی کو علماً اور استدلالاً پاتے ہیں۔ اور یہ بزرگ کشف اور ذوق کے طور پر۔ نیز ان بزرگوں کا گروہ عالم کی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے نہایت منزہ ہونے کے باعث قطعاً کوئی نسبت ثابت نہیں کرتا۔ اور تمام نسبتوں کو سلب کرتا ہے۔ تو عالم کے واجب تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ عینیت اور جزئیت کے کیسے قائل ہوسکتے ہیں۔ صرف اس قدر نسبت ثابت مانتے ہیں کہ وہ مولیٰ ہے اور کائنات اس کی عبودیت کی صفت سے موصوف اور وہ صانع ہے اور کائنات اس کی مصنوع ہے۔ بلکہ غلبہ حال میں اس نسبت کو بھی گم کر دیتے ہیں۔ اس وقت فنائے حقیقی سے مشرف ہو کر تجلّیات ذاتیہ کو قبول کرتے ہیں۔ اور بے انتہا تجلّیات کا مظہر بن جاتے ہیں۔

دُوسرا گروہ عالم کو حق سبحانہٗ کا ظل جانتا ہے۔ مگر اس امر کا قائل ہے کہ عالم خارج میں موجود ہے۔ لیکن اصالت کے طریق پر نہیں بلکہ ظلّیت کے طور پر۔ اور یہ کہ عالم کا وجود حق سبحانہٗ کے وجود کیساتھ قائم ہے۔ جس طرح ظل اصل کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کا سایہ کافی دراز جگہ میں پھیل جائے۔ اور وہ شخص اپنی کمال قدرت سے اپنی صفات علم، قدرت، ارادہ وغیرہ حتّٰی کہ لذت و تکلیف کو بھی اس سایہ میں منعکس کرے۔ پس بالفرض وہ سایہ اگر آگ پر گرے اور اس سے تکلیف محسوس کرے تو عقلاً اور عرفاً یہ نہیں کہیں گے کہ اس شخص نے بھی تکلیف محسوس کی ہے۔ جیسا کہ تیسرا گروہ اس امر کا قائل ہے۔ اسی طرح تمام بُرے افعال جو مخلوقات سے صادر ہوتے ہیں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حق تعالیٰ کے افعال ہیں۔ جس طرح اگر سایہ اپنے ارادہ سے حرکت کرے تو یہ نہیں کہتے کہ وہ شخص متحرک ہے۔ ہاں صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ اس کی قدرت اور اس کے ارادے کا اثر ہے۔ یعنی اس کا مخلوق ہے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ قبیح شے کا پیدا کرنا قبیح نہیں۔ بلکہ قبیح کا فعل اور کسب قبیح ہے۔

تیسرا گروہ وحدت وجود کا قائل ہے۔ یعنی خارج میں صرف ایک ہی ذات موجود ہے۔ اور بس۔ اور حق سبحانہٗ کی ذات اور عالم کا خارج میں اصلاً تحقق نہیں بلکہ صرف علمی ثبوت رکھتے ہیں۔ یہ گروہ یوں کہتا ہے

الاعیان ماشمت رائحۃ الوجود۔ اشیاء نے وجود کی خوشبو بھی نہیں سونگھی۔

اگرچہ یہ جماعت بھی عالم کو حق سبحانہٗ کا ظل ہی کہتی ہے۔ لیکن ساتھ یہ بھی کہتی ہے ان کا وجود صرف مرتبہ حس میں ہے۔ نفس الامر اور خارج میں عدم محض ہے۔ اور یہ لوگ خدائے عزوجل کو صفات وجوبیہ اور امکانیہ کے ساتھ متصف مانتے ہیں۔ اور مراتب تنزلات ثابت کرتے ہیں اور ہر مرتبہ میں اسی ذاتِ احد کو اس مرتبہ کے لائق احکام کیساتھ متصف کرتے ہیں۔ اور لذت حاصل کرنے اور تکلیف اٹھانے والی بھی خدائے عز شانہٗ ہی کی ذات کو قرار

دیتے ہیں۔ لیکن ان وہمی اور محسوس ظلال کے پردہ میں۔

ان کے اس مسلک پر عقلاً اور شرعاً بے شمار اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ جن کے جواب ان کو مختلف حیلے اور تکلفات اختیار کرنے پڑتے ہیں۔

اگرچہ یہ تیسرا گروہ اپنے درجات وصل وکمال میں مختلف وتفاوت ہونے کے باوجود واصل اور کامل ہے۔ لیکن مخلوق کو ان کی ایسی باتوں نے گمراہی اور الحاد میں ڈالا ہے اور زندقہ وبیدینی تک پہنچایا ہے۔ پہلا گروہ سب سے اکمل اور اتم ہے۔ اور زیادہ محفوظ۔ اور کتاب وسنت کے زیادہ موافق ہے اس پہلے گروہ کا زیادہ محفوظ اور زیادہ موافق ہونا تو ظاہر ہے۔ باقی ان کا اکمل اور اتم ہونا اس بنا پر ہے۔ کہ وجود انسانی کے بعض مراتب اپنی نہایت لطافت اور تجرد کی بناء پر اپنے مبداء (حق تعالیٰ) سے پوری مشابہت اور مناسبت رکھتے ہیں جیسے لطیفہ خفی اور اخفیٰ۔ پس وہ جماعت جو فنائے بشری کے باوجود ان مراتب کو مبداء سے جدا نہیں کرسکتی۔ تاکہ لا کے نیچے لاکر ان کی بھی نفی کرے۔ بلکہ مبداء ان کے نزدیک ان لطائف سے ملا اور متشابہ رہا اور اپنے آپ کو عین حق سمجھ لیا تو کہنا شروع کردیا کہ خارج میں صرف حق سبحانہٗ ہی موجود ہے۔ اور خارج میں ہمارا بالکل وجود نہیں۔ لیکن چونکہ بہت سے آثار خارجیہ پائے جاتے تھے تو مجبوراً ثبوت علمی کے قائل ہوئے۔ اسی بنا پر وہ اعیان کو وجود اور عدم کے درمیان برزخ قرار دیتے ہیں، یہ لوگ جبکہ مخلوقات کے وجود کے بعض مراتب (خفی اور اخفیٰ) کو مبداء سے جُدا نہ کرسکے تو ان کے واجب الوجود ہونے کے قائل تو نہ ہوئے البتہ ان کے برزخ ہونے کے قائل ہوگئے۔ اور وجوب کا رنگ ممکن میں ثابت کردیا۔ اور یہ نہ جانا کہ یہ رنگ بھی ممکن ہی کا رنگ ہے جو واجب کے مشابہ ہے۔ اگرچہ صورت اور نام میں ہی ہو۔ اور اگر وہ اس رنگ کو جُدا کرتے۔ اور تمام مراتب ممکن کو واجب سے جدا کرتے تو اپنے آپ کو ہرگز خدا نہ دیکھتے بلکہ عالم کو حق سے جُدا کرتے اور صرف ایک ہی وجود کے قائل نہ ہوتے۔ اور جب تک اس شخص (قائل وحدت وجود) کا اثر اور نشان باقی ہے۔ اپنے آپ کو حق تعالیٰ نہیں جانتا۔ اگرچہ کہتا یہی ہے کہ میرا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ لیکن اس کا یہ قول بھی کوتاہ نظری کے باعث ہے۔

دُوسرے گروہ نے اگرچہ مراتب کو مبداء سے جدا قرار دیا ہے۔ اور کلمہ لا کے نیچے لاکر اس کی نفی بھی کی ہے۔ لیکن ظلیت اور اصالت کے واسطہ سے ایک چیز ان کے بقایا وجود سے ثابت رہی ہے۔ کیونکہ رتبہ ظل کا اصل کے ساتھ تعلق کا رشتہ بڑا قوی ہے۔ یہ نسبت ان کی نظر سے محو نہیں ہوسکی۔

لیکن پہلے گروہ نے حضرت رسالت خاتمیت علیہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا کیساتھ مناسبت اور آپ کی کمال متابعت کی بنا پر ممکن کے تمام مراتب کو واجب سے جُدا قرار دیا ہے۔ اور سب کی کلمہ لا کے نیچے لاکر نفی کردی ہے۔ اور انہوں نے ممکن کی واجب کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں دیکھی۔ اور اس کی طرف کسی نسبت

کا اثبات نہیں کیا۔ اور اپنے آپ کو اس کا عبد مخلوق بے قدرت کے سوا کچھ نہیں سمجھا اور اس اللہ عز شانہٗ کو اپنا خالق و مولیٰ جانا ہے۔ اپنے آپ کو مولیٰ سمجھنا یا اس کا ظل قرار دینا ان بزرگوں کے نزدیک سخت گراں اور دشوار ہے چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ یہ بزرگ اس واسطے سے کہ اشیاء خدا تعالیٰ کی مخلوق ہیں اشیاء سے دوستی رکھتے ہیں۔ اور اس بنا پر اشیاء ان کی نظر میں محبوب ہیں۔ اور اسی بنا پر کہ اشیاء اس کی مصنوع اور ان کے افعال بھی اس ذات جل شانہٗ کے پیدا کردہ ہیں، پورے طور اشیاء کے مطیع بنتے ہیں۔ اور انہیں تسلیم کرتے ہیں۔ اور افعال پر انکار نہیں کرتے۔ ہاں جہاں شریعت انکار کرے۔

جس طرح توحید وجودی والوں کو اشیاء کے حق تعالیٰ کا مظہر بلکہ اس کا عین کے لحاظ سے اس قسم کی محبت اور ان کی اطاعت نصیب ہوتی ہے۔ پہلے گروہ کو اشیاء کے صرف اللہ تعالیٰ کی مصنوعات اور مخلوق ہونے کے لحاظ سے اشیاء کے ساتھ دوستی حاصل ہوتی ہے ؎ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔ دیکھو ایک راہ سے دوسری راہ تک کتنا فرق ہے۔

عین محبوب کے ساتھ تو تھوڑی سی محبت کے باعث بھی دوستی روا ہے۔ لیکن مصنوعات، مخلوقات اور اس کے بندے جب تک محبوب (حقیقی) کے ساتھ پوری دوستی پیدا نہ کریں دوستی روا نہیں ہے۔ اور محبوب قرار نہیں دے سکتے اس بلند گروہ کو مقام عبدیت سے جو تمام مقامات ولایت کی انتہاہے مکمل حصہ مل چکا ہے۔ اور ان برگزیدہ حضرات کے صحت حال پر اس سے بڑی اور مکمل دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ ان کا ہر کشف کتاب و سنت اور ظاہر شریعت کے موافق ہے۔ ایک بال برابر بھی ظاہر شریعت سے مخالفت ان کی طرف راہ نہیں پا سکی۔ اے اللہ ہمیں بحرمت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و علی آلہٖ وسلم و بارک اس گروہ کے محبوں اور پیروکاروں میں کر۔

یہ درویش جس سے ان سطور کا استفادہ ہوا ہے۔ اول توحید وجودی کا معتقد تھا۔ بچپن سے ہی اس توحید کا علم اور اس پر پورا یقین رکھتا تھا۔ اگرچہ حال نہیں رکھتا تھا۔ اور جب اس راہ میں آیا تو اول توحید کا راستہ منکشف ہوا۔ اور مدت دراز تک اس مقام کے مراتب میں گھومتا رہا۔ اور بہت سے علوم جو اس مقام کے مناسب تھے۔ فائض ہوتے رہے۔ اور وہ مشکلات و واردات جو ارباب توحید پر وارد ہوتی ہیں سب کی سب کشوف اور علوم فائضہ کے ذریعہ حل ہو گئیں۔ ایک مدت کے بعد اس درویش پر ایک اور نسبت غالب ہوئی۔ اور اس کے غلبہ میں توحید وجود میں توقف پیدا ہوا۔ لیکن یہ توقف توحید وجودی والوں کے ساتھ حسن ظن کی بنا پر پیدا ہوا۔ انکار کی بنا پر پیدا نہ ہوا۔ ایک مدت تک اس بارے میں متوقف رہا۔ آخر الامر معاملہ اس کے انکار تک پہنچا۔ اور مجھے دکھایا گیا کہ یہ مرتبہ سب سے پست مرتبہ ہے۔ یہاں سے ظلیت کے مقام پر پہنچا۔ لیکن اس کا انکار بے اختیار تھا۔ نہیں چاہتا تھا کہ اس مقام سے باہر آئے۔ اس لئے کہ بہت سے مشائخ عظام اس مقام میں اقامت پذیر تھے۔

اور جب ظلیت کے مقام میں پہنچا اور خود کو اور عالم کو ظل محسوس کیا۔ جیسا کہ دُوسرا گروہ اس کا قائل ہے۔ تو اس امر کی آرزو پیدا ہوئی کہ کاش اس مقام سے باہر نہ نکلیں کیونکہ یہ درویش کمال وحدت وجود میں پاتا تھا۔ اور یہ مقام ظلیت اس سے کچھ قدر سے مناسبت رکھتا ہے۔ اتفاقاً کمال عنایت اور غریب نوازی سے اس مقام سے بھی اُوپر لے گئے۔ اور مقام عبدیت تک پہنچا دیا۔ اس وقت اس مقام کا کمال دکھائی دیا۔ اور اس کی بلندی واضح ہوئی۔ اور گزشتہ مقامات سے تائب ہوا اور استغفار کیا۔ اگر اس درویش کو اس راستے سے نہ لے جاتے اور بعض مراتب کی بعض پر فوقیت نہ دکھاتے تو اس مقام عبدیت میں اپنا تنزل جانتا۔ کیونکہ اس درویش کے نزدیک توحید وجودی سے اُوپر کوئی مقام نہ تھا۔ واللہ یحق الحق وھو یھدی السبیل۔ اللہ ہی حق کو حق ثابت کرتا ہے اور راہِ راست کی ہدایت بخشتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ اس درویش کے مکتوبات و رسائل میں بلکہ ہر سالک کے علوم و معارف میں تفاوت اور فرق کا منشا یہی مقامات متفاوتہ کا حصول[1] ہے۔

ہر مقام کے علوم و معارف الگ ہیں۔ اور ہر حال کا قال علیحدہ ہے۔ پس فی الحقیقت علوم میں تعارض اور تناقض نہیں۔ جس طرح احکام شرعیہ کے نسخ کا معاملہ ہے۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ۔ تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و آلہ وسلم

مکتوب نمبر ۱۶۱

مُلّا صالح کولابی بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ منازل سلوک کے طے کرنے سے مقصود ایمان حقیقی کا حصول ہے۔ جو اطمینانِ نفس کے ساتھ وابستہ ہے۔

منازل سلوک کے طے کرنے سے مقصود ایمان حقیقی کا حصول ہے۔ جو اطمینان نفس سے وابستہ ہے۔ جبتک نفس مطمئنہ نہ بنے نجات متصور نہیں۔ نفس اس وقت تک مرتبہ اطمینان تک نہیں پہنچتا جبتک قلب کی سیاست اس پر مسلط نہ کریں۔ اور دل کی سیاست اس وقت میسر آتی ہے جبکہ قلب پہلے کاموں سے فارغ ہو۔ اور غیر حق کی

[1] لہٰذا امام ربانی قدس سرہ کے کلام میں کوئی تعارض اور تناقض نہیں۔ کیونکہ مختلف تحقیقات مختلف مقامات سے تعلق رکھتی ہیں۔

گرفتاری سے سلامتی حاصل کرے۔ اور غیر حق کے ساتھ گرفتاری سے نجات پانے کی علامت یہ ہے۔ کہ ماسوائے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو بھول جائے۔ جب تک بال برابر بھی غیر حق سے آشنائی ہے۔ سلامتی سے دور ہے۔ تو کتنا مبارک ہے وہ شخص جس نے اپنا قلب اپنے رب کے سپرد کر دیا۔ کوشش کرنا ضروری ہے۔ تاکہ سلامتی قلب سے مشرف ہو۔ اور نفس اطمینان کے مقام تک پہنچے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے۔ اور اللہ فضلِ عظیم والا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۶۲

خواجہ محمد صدیق بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

ماہ رمضان مبارک کی فضیلت اور اس ماہ کی قرآن مجید کے ساتھ مناسبت کے بیان میں جس کی بنا پر اس کا نزول اس ماہ مبارک میں ہوا۔ اور کھجور کی جامعیت کے بیان میں کہ اس کے ساتھ روزہ افطار کرنا مستحب ہے۔ اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔

باسمہٖ سبحانہٗ۔ کلام کی شان جو شیونات ذاتیہ میں سے ہے تمام ذاتی کمالات اور صفاتی شیونات کا جامع ہے۔ جیسا کہ گزشتہ علوم میں مذکور ہوا۔ اور ماہ رمضان مبارک تمام خیرات و برکات کا جامع ہے۔ جو بھی خیر و برکت ہے اس کا فیضان حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور ذات سبحانہٗ کے شیونات کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ ہر شر و نقص جو صفحہ وجود پر آتا ہے۔ اس کا منشا فانی ذات و صفات ہیں۔

مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ۔ تجھے جو بھلائی اور خیر پہنچتی ہے اللہ کی طرف سے ہے۔ اور جو برائی پہنچتی ہے۔ وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

نص قطعی ہے۔ پس اس ماہ مبارک کی تمام خیرات و برکات ان کمالاتِ ذاتیہ کا نتیجہ ہے کہ شانِ کلام الٰہی ان سب کا جامع ہے۔ قرآن مجید اس جامع شان کی حقیقت کا خلاصہ ہے لہٰذا اس ماہ مبارک کی قرآن مجید کے ساتھ پوری مناسبت ہے۔ کیونکہ قرآن تمام کمالات کا جامع ہے۔ اور یہ مبارک مہینہ ان تمام خیرات و برکات کا جامع ہے جو ان کمالاتِ قرآنی کے نتائج ہیں اور یہی مناسبت قرآن حکیم کے اس ماہ مبارک میں نزول کا باعث بنی۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ[۱]۔ رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن حکیم کا نزول ہوا

---

[۱] پارہ دوم سورۃ بقر

اور اس میں آنے والی شب قدر اس ماہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ یہ رات مغز ہے اور یہ ماہ مبارک اس کے لئے چھلکے کی مانند ہے۔ تو جو شخص اس ماہ مبارک کو جمعیت وسکون سے گزارتا ہے اور اس کی خیرات وبرکات سے بہرہ ور ہوتا ہے تمام سال جمعیت وسکون سے گزارتا ہے۔ اور خیر وبرکت سے پُر رہتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ ہمیں اس مبارک مہینے کی خیرات وبرکات حاصل کرنے کی توفیق عطا کرے۔ اور عظیم حصہ نصیب فرمائے۔ حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام التحیۃ نے فرمایا ہے:

اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُکُمْ فَلْیُفْطِرْ عَلٰی تَمْرٍ فَاِنَّہٗ بَرَکَۃٌ۔[1]

جب تم میں سے کوئی شخص روزہ افطار کرے تو کھجور سے کرے کیونکہ وہ سراسر برکت ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم روزہ مبارک کھجور سے افطار کرتے تھے۔ اور کھجور میں برکت یہ ہے کہ اس کا درخت نخلہ کہلاتا ہے۔ اور نخلہ یعنی کھجور کا درخت جامعیت اور صفت اعدلیت پر مخلوق ہے جس طرح انسان۔ اسی لئے حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کو انسانوں کی پھوپھی کہا ہے کیونکہ اس کو پیدائش طینتِ آدم سے پیدا کیا گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

اَکْرِمُوْا عَمَّتَکُمُ النَّخْلَۃَ فَاِنَّہَا خُلِقَتْ مِنْ بَقِیَّۃِ طِیْنَۃِ اٰدَمَ۔

اپنی پھوپھی کھجور کی عزت کرو۔ کیونکہ یہ حضرت آدم کے جسم سے باقی ماندہ مٹی سے پیدا کی گئی ہے۔

اور کھجور کو برکت فرمانا اسی جامعیت کی بنا پر ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے پھل کھجور سے افطار صاحبِ افطار کی جز بن جاتا اور کھجور کی حقیقت جامعہ اس جزئیت کے اعتبار سے اسے کھانے والے کی حقیقت کا جز بن جاتا ہے۔ اور اسے کھانے والا اُس اعتبار سے ان کمالات بے نہایت کا جامع بن جاتا ہے۔ جو کھجور کی حقیقت جامع میں درج ہیں۔ اور یہ معنی اگرچہ مطلق کھانے میں بھی موجود ہے۔ تاہم افطار کے وقت کہ روزہ دار کے شہوات مانعہ اور لذاتِ فانیہ سے خالی ہونے کا وقت ہے۔ زیادہ تاثیر کرتا ہے۔ اور وہ معنی اُتم اور اکمل طریقہ پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ جو حضور علیہ من الصلوٰت انمہا ومن التسلیمات اکملہا نے فرمایا ہے کہ

نِعْمَ سَحُوْرُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ۔

مومن کی بہترین سحری کھجور ہے۔

اس اعتبار سے ہو سکتا ہے۔ کہ اس غذا میں جو صاحبِ غذا کا جزو بن جاتا ہے اس کی حقیقت کی تکمیل ہے۔ نہ کہ اس غذا کی حقیقت۔ اور جب کہ یہ معنی روزہ میں مفقود ہیں اس کی تلافی کے لئے سحری کے وقت اس کے کھانے کی ترغیب دی کہ گویا اس کا کھانا تمام ماکولات کے کھانے کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اس کی برکت جامعیت کے

---

[1] مشکوٰۃ شریف۔

اعتبار سے وقت افطار تک رہتی ہے۔ اور غذا کا یہ فائدہ اس وقت مرتب ہوتا ہے۔ جبکہ غذا تجویز شرعی کے مطابق واقع ہو۔ اور بال برابر حدود شرعیہ سے تجاوز نہ ہو۔ نیز اس فائدہ کی حقیقت اس وقت میسّر آتی ہے۔ کہ اس کا کھانے والا صورت سے گزر کر حقیقت سے ہمکنار ہو چکا ہو۔ اور ظاہر سے ترقی کر کے باطن سے آرام پذیر ہو چکا ہو۔ غذا کا ظاہر اس کے ظاہر کا مددگار ہوتا ہے۔ اور غذا کا باطن اس کے باطن کی تکمیل کرتا ہے۔ ورنہ صرف ظاہری امداد پر ہی رُکا رہتا ہے۔ اور اس کا کھانے والا بھی عین کوتاہی کا شکار رہتا ہے ؎

سعی کن تا لقمہ را سازی گہر　　　بعد ازاں چنداں کہ مے خواہی بخور

کوشش کرو تاکہ لقمے کو موتی بناؤ۔　　　اس کے بعد جتنا چاہو کھاؤ

اور صاحبِ غذا کے لئے افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر میں غذا کی تکمیل کا یہی راز ہے۔

مکتوب نمبر ۱۶۳

سیادت اور بزرگی کی پناہ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اسلام اور کفر ایک دُوسرے کی ضد ہیں۔ ان دو ضدوں کے جمع ہونے کا احتمال محال ہے۔ اور ایک کو عزت عطا کرنا دُوسرے کو ذلیل و خوار کرنے کا موجب ہے۔ نیز جو آپؐ نے اللہ تعالیٰ آپ کو سالم اور محفوظ رکھے کفار کی تذلیل اور ان سے میل جول کے بارے میں اور اس میل جول کے نقصان اور ضرر کے متعلق فرمایا۔ اور اس امر کے بیان میں کہ دنیا و آخرت بھی ایک دُوسرے کی ضد ہیں۔

الحمد للہ الذی انعم علینا و ھدانا الی الاسلام وجعلنا من اُمۃ محمد علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ والسلام تمام تعریفیں اس اللہ رب العزت کے لئے جس نے ہم پر انعام فرمایا اور ہمیں دین اسلام اختیار کرنے کی ہدایت عطا فرمائی اور ہمیں حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ والسلام کی اُمت میں سے کیا۔ دنیا و آخرت کی سعادت صرف سید کونین علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوٰۃ افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی اتباع سے وابستہ ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت احکامِ اسلامیہ کی بجا آوری اور رسوم کفر کے دُور کرنے میں ہے۔ کیونکہ اسلام اور کفر ایک دُوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کا ثابت کرنا دُوسرے کے اٹھانے کا موجب ہے۔ ان دو ضدوں کا جمع ہونا محال ہے۔ ایک کو عزت دینا دُوسرے کو ذلیل و خوار کرنے کا باعث ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے حبیبؐ

پاک علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کو فرماتا ہے۔

یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ	اے نبی کفار اور منافقین سے جہاد کریں اور
وَ الْمُنَافِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْھِمْ۔	ان پر سختی کریں۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو خلقِ عظیم سے موصوف ہیں کفار سے جہاد اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا۔ تو اس سے معلوم ہُوا کہ کفار سے سخت رویہ اختیار کرنا بھی خلقِ عظیم میں داخل ہے۔ ثابت ہُوا کہ اسلام کی عزت کفر اور اہلِ کفر کی خواری اور ذلت میں ہے۔ جس نے کفار کو عزت دی اُس نے اسلام کو ذلیل کیا۔ عزت دینے سے یہ مراد نہیں کہ ان کی خواہ مخواہ تعظیم ہی کی جائے اور انہیں اُونچی جگہ بٹھایا جائے۔ بلکہ انہیں اپنی مجالس میں جگہ دینا۔ ان کے ساتھ بیٹھنا اُٹھنا ان سے گفتگو کرنا بھی ان کے اعزاز میں شامل ہے۔ انہیں کُتوں کی طرح دُور رکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی دنیوی غرض اور کام ان سے متعلق ہو اور ان کے سوا کسی سے حاصل نہ ہو سکے تو انہیں بے قدر جانتے ہوئے بقدرِ ضرورت ان سے معاملہ کرنا چاہیئے۔ اور کمال اسلام تو یہ ہے کہ دنیوی غرض کے لئے بھی ان سے رابطہ قائم نہ کیا جائے۔ اور ان سے میل جول نہ رکھا جائے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں انہیں اپنا اور اپنے پیغمبر علیہ السلام کا دشمن قرار دیا ہے۔ خدا اور اس کے رسول علیہ السلام کے ان دشمنوں سے میل جول اور اُنس و محبت بہت بڑی تقصیروں میں شامل ہے۔ ان دشمنوں کے ساتھ دوستی اور اُنس کا کم از کم ضرر نقصان یہ ہے کہ احکامِ شرعی کے اجراء کی قدرت اور کفر کے نشانات اُٹھانے کی قوت مغلوب اور کمزور ہو جاتی ہے۔ اور ان سے تعلق دوستی کا حیا اس میں مانع ہو جاتا ہے۔ اور یہ بہت بڑا ضرر و نقصان ہے۔ دشمنانِ خدائے عز و جل سے دوستی و الفت خدا تعالیٰ کے ساتھ دشمنی کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے اور اس کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دشمنی پیدا ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔ انسان گمان کرتا ہے کہ وہ اہلِ اسلام سے ہے۔ اور خدا رسول کی تصدیق اور ان پر ایمان رکھتا ہے۔ لیکن وہ نہیں جانتا کہ اس طرح کے بُرے اعمال اس کی دولت اسلام کو بالکلیۃ مٹا کر رکھ دیتے ہیں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا (ہم اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی بُرائیوں سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں) ؎

خواجہ پندارد کہ مردِ واصل است ... حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

خواجہ صاحب کا گمان ہے کہ وہ مردِ واصل ہیں۔ لیکن فی الحقیقت خواجہ صاحب کو صرف یہ گمان ہی حاصل ہے۔

ان نالائقوں کا کام ہی یہ ہے کہ اسلام اور اہلِ اسلام کا تمسخر اُڑاتے ہیں۔ اور اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ اگر قابو پائیں تو مسلمانوں کو ہلاک کر دیں یا سب کو قتل کر دیں یا کفر کی طرف پھیر کر لے جائیں تو اہلِ اسلام کو بھی شرم کرنا چاہیئے کیونکہ ایمان با حیا بننے کا تقاضا کرتا ہے۔ مسلمانی کے ننگ و شرم کا پاس کرنا ضروری ہے۔

ہمیشہ ان کی ذلت وخواری کے درپے رہنا چاہیئے۔ ہندوستان میں اہل کفر سے جزیہ کا موقوف ہونا ان علاقوں کے سلاطین وحکمرانوں کے ساتھ دوستی کی شومی کے باعث ہے۔ ان سے جزیہ لینے کا اصل مقصد ان کی ذلت وخواری ہے اور یہ ذلت وخواری اس حد تک ہے کہ جزیے کے خوف سے اچھے کپڑے نہیں پہن سکتے۔ اور اپنا بناؤ سنگار نہیں کر سکتے۔ اور ان کے اموال لے لینے کے خوف سے ہمیشہ ڈرتے اور لرزتے رہتے ہیں۔ بادشاہوں کو یہ کیا حق حاصل ہے کہ جزیہ لینے سے روکیں۔ اللہ تعالیٰ نے جزیہ وضع ہی ان کی ذلت وخواری کے لئے کیا ہے مقصود ان کی رسوائی اور اہلِ اسلام کی عزت اور غلبہ ہے۔ ع جہود ہر کہ شود کشتہ سودِ اسلام است۔ جو غیر مسلم بھی قتل ہو اس میں اسلام کا نفع ہے۔ دولتِ اسلام کے حصول کی علامت اہلِ کفر کیساتھ بغض وعناد رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں ان کو نجس وناپاک کہا ہے۔ پس اہلِ اسلام کی نظر میں بھی اہلِ کفر نجس وپلید ہی ہونے چاہئیں۔ اور جب ان کو اس طرح ذلیل وخوار دیکھیں اور جانیں گے تو ضرور ان کی صحبت سے پرہیز اور ان کی ہمنشینی کو برُا تصور کریں گے۔ ان سے باتیں پوچھنا اور پھر ان کے مطابق عمل کرنا ان دشمنوں کا کمال اعزاز ہے۔ جو سراسر منع ہے۔ جو شخص ان کی توجہ کا طالب اور ان کے توسط سے مانگے اسے کیا حاصل ہوگا۔ یعنی کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ۔ کفار کی دُعا بے کار اور ضائع ہے۔

ان دشمنانِ اسلام کی دُعا باطل اور بے نتیجہ ہے۔ اس کی قبولیت کا احتمال ہی نہیں۔ ہاں ان سے طالب دعا ہونے میں ان کے اعزاز واکرام میں اضافہ ضرور ہوتا ہے۔ کفار اگر دعا کریں گے تو اپنے بتوں کو ضرور دُعا میں وسیلہ بنائیں گے خیال کرنا چاہیئے کہ معاملہ کہاں تک پہنچتا ہے۔ اور مسلمانی کی بُو بھی باقی نہیں رہتی۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے جب تک تم سے کوئی دیوانہ نہ ہو مسلمانی تک نہیں پہنچ سکتا۔ دیوانگی بلندی اسلام کی خاطر اپنے نفع نقصان سے آگے گزر جانے سے عبارت ہے۔ مسلمانی کی موجودگی میں جو حاصل ہو جائے ٹھیک ہے۔ اور اگر کچھ بھی حاصل نہ ہو تو نہ ہو۔ یعنی دونوں حالتیں برابر ہوں۔ اور دولت اسلام موجود اور حاصل ہے تو خدائے عزوجل اور اس کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا اور خوشنودی بھی حاصل ہے۔ رضائے مولا سے عظیم تر اور کوئی دولت ونعمت نہیں۔

رَضِينَا بِاللهِ سُبْحَانَهٗ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ نَبِيًّا وَّ رَسُوْلًا۔

ہم اللہ سبحانہٗ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ورسول ہونے پر راضی ہیں۔

مصرع: ہم بر ینیم بدار یم یارب۔ یارب مجھے اسی پر قائم رکھنا۔ بحرمت سید المرسلین علیہ وآلہ

من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا والسلام واولاً وآخراً۔

وقت کی جلدی کے باعث جو کچھ ضروری اور اہم محسوس کیا وہ اجمال کے طور پر لکھ کر بھیج دیا ہے۔ اس کے بعد اگر توفیق ایزدی نے ساتھ دیا تو اس سے زیادہ مفصل لکھ کر ارسال کیا جائے گا۔

جس طرح اسلام کفر کی ضد ہے۔ آخرت دنیا کی ضد ہے۔ دنیا اور آخرت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں بلکہ ترکِ دنیا دو طرح پر ہے۔ ایک نوع تو یہ ہے کہ بقدر ضرورت سے زائد تمام مباحات ترک کر دیئے جائیں۔ یہ ترکِ دنیا کی اعلیٰ قسم ہے۔ دُوسری قسم یہ ہے کہ حرام اور مشتبہ چیزوں سے اجتناب کیا جائے۔ یہ قسم بھی خصوصاً اس زمانہ میں بہت ہی قلیل اور نادر ہے۔

؎ آسمان نسبت بعرش آمد فرود ورنہ بس عالیست پیش خاک تود

آسمان عرش کی نسبت نیچے ہے۔ ورنہ خاک کے تودے سے تو بہت بلندی پر ہے

پس سونا چاندی اور ریشمی لباس[1] وغیرہ جنہیں شریعت مصطفویہ علی مصدرھا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ نے حرام قرار دیا ہے ان کے استعمال سے پرہیز لازمی ہے۔ سونے چاندی کے برتنوں کو زینت و آرائش کے طور پر اگر رکھیں تو قدرے گنجائش ہے۔ لیکن ان کا استعمال قطعاً حرام ہے۔ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا خوشبو ڈالنا سرمہ داں وغیرہ بنانا سب منع ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مباح امور کا دائرہ بہت ہی وسیع کیا ہوا ہے۔ مباح امور کو نعمت کے طور پر استعمال کرنا اور ان سے نفع اندوز ہونا عیش و لذت میں حرام چیزوں سے بڑھ کر ہے۔ مباحات میں حق سبحانہ کی رضا ہے۔ اور حرام اشیاء میں خدا تعالیٰ کی رضا نہیں۔ عقل سلیم ہرگز اس بات کو جائز نہیں رکھتی کہ کوئی شخص چند روزہ لذت کے لئے اپنے مولیٰ کی ناراضگی مول لے۔ خاصکر جبکہ اس حرام لذت کے عوض کئی طرح کی جائز لذتیں تجویز ہو چکی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتحیہ کی متابعت پر استقامت عطا فرمائے۔

حلال و حرام کے معاملہ میں ہمیشہ دیندار علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اور انہیں سے دریافت کرنا چاہیئے۔ اور ان کے فتویٰ کے مطابق عمل کرنا چاہیئے کیونکہ یہی نجات کا راستہ ہے۔ شریعت کے علاوہ جو کچھ ہے باطل ہے اور

---

[1] ریشمی لباس پہننے کی حرمت صرف مردوں کے لئے ہے۔ عورتوں کے لئے ریشمی لباس جائز ہے۔ یوں ہی زیور کی شکل میں سونے کا استعمال مردوں کو منع ہے۔ عورتوں کے لئے جائز ہے۔ ہاں سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال کی مرد و عورت دونوں کے لئے ممانعت ہے۔ کذا فی رد المحتار والدر المختار والفتاویٰ الخانیہ۔

بے اعتبار ہے۔

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ[1] — حق کے ماسوا سب ضلالت و گمراہی ہے۔

والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب نمبر ۱۶۴

حافظ بہاء الدین سرہندی کی طرف لکھا گیا۔

اس بیان میں کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا فیض ہر وقت اور ہمیشہ خواص و عوام پر وارد ہو رہا ہے۔ آگے اس کے قبول کرنے یا نہ قبول کرنے کا فرق اس طرف سے ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے احسان و کرم سے راہِ شریعت پر استقامت نصیب فرمائے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ کا فیض ہمیشہ اور ہر وقت از قسم مال، اولاد اور ہدایت و رہنمائی بغیر تخصیص کے نازل و وارد ہوتا رہتا ہے۔ بعض فیوض کے قبول کرنے اور بعض کے قبول نہ کرنے میں فرق اس طرف سے ہے۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللهُ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ — اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہ کیا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

موسم گرما کا سورج دھوبی اور کپڑے دونوں پر یکساں چمکتا ہے۔ لیکن اس سے دھوبی کا منہ سیاہ ہوتا ہے اور اس کا کپڑا سفید۔

اللہ تعالیٰ کے فیض کا قبول نہ ہونا جناب قدسِ خداوندی جل سلطانہٗ سے اعراض اور روگردانی کے باعث ہے۔ روگردانی کرنے والے کے لئے ذلت لازم اور نعمت سے محرومی ضروری امر ہے۔ یہاں کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے کہ بہت سے حق تعالیٰ سے روگردان لوگ دنیوی نعمتوں سے سرفراز ہیں۔ اور ان کی روگردانی اس کی محرومی کا سبب نہیں بنی۔ کیونکہ یہ نعمت نہیں بلکہ نعمت کی صورت میں نقمت (عذاب) اس کی خرابی اور بربادی کے لئے بطریق استدراج ظاہر کیا گیا ہے۔ تاکہ ایسا شخص روگردانی اور گمراہی میں منہمک رہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ[2] — کیا ان لوگوں کا گمان یہ ہے کہ ہم جو مال و اولاد کی شکل میں ان کی مدد فرما رہے ہیں انہیں اچھی چیزیں عطا

---

[1] پارہ گیارہ سورۃ یونس   [2] قد افلح سورۃ مومنون

کرنے میں جلدی کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ لوگ نہیں جانتے
کہ اصل معاملہ کیا ہے۔

پس حق تعالیٰ سے روگردانی کے باوجود دنیا اور اس کے سازوسامان کا ملنا عین خرابی ہے۔ تو ایسی صورت حال سے بچو پھر بچو۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۶۵

سیادت و بزرگی کی پناہ شیخ فرید کی طرف لکھا گیا۔

صاحب شریعت علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی ترغیب اور آپ کی شریعت کے مخالفوں کے ساتھ عداوت و بُغض رکھنے اور ان پر سختی کرنے کے بیان میں۔

اللہ سبحانہٗ آپکو نبی اُمی ہاشمی قرشی علیہ و علیٰ آلہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کی باطنی میراث کی بزرگی سے مشرف فرمائے۔ جس طرح اس نے آپ کو ظاہری بزرگی سے مشرف فرمایا ہے۔ اور اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جو آمین کہے۔

آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی میراث صوری عالم خَلق سے تعلق رکھتی ہے۔ اور میراث معنوی عالم امر سے۔ وہاں سب ایمان معرفت اور رُشد و ہدایت ہے۔ میراث صوری کی نعمتِ عظمیٰ کا شکریہ ہے کہ میراث معنوی اور باطنی سے مزین و آراستہ ہوں۔ اور میراث معنوی سے آراستگی کامل اتباع مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے بغیر میسر نہیں آسکتی۔ تو آپ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آپ کے اوامر و نواہی میں اتباع و اطاعت لازم و ضروری ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمال متابعت آپ کے ساتھ کمال محبت کی فرع ہے۔ مصرع۔

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ هَوَاهُ مُطِيْعٌ۔ محب اپنے محبوب کا پورا مطیع ہوتا ہے۔

اور آپؐ سے کامل محبت کی علامت و نشانی آپؐ کے دشمنوں کے ساتھ کامل بغض و عداوت رکھنا ہے۔ محبت میں سستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ محب محبوب کا دیوانہ ہوتا ہے۔ اس کی مخالفت کی تاب نہیں رکھتا۔ اور محبوب کے مخالفوں کے ساتھ کسی طرح بھی صلح و آشتی نہیں کر سکتا۔ دو مختلف محبتیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ جمع ضدین کو محال و ناممکن کہا گیا ہے۔ ایک کے ساتھ محبت دوسرے کی عداوت کو مستلزم ہے۔ اچھی طرح غور کرنا چاہیئے ابھی معاملہ ہاتھ سے نہیں نکلا۔ گذشتہ کا تدارک کرنا چاہیئے۔ کل جب معاملہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ندامت و شرمندگی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا ہ

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت　　　　که باکہ باختۂ عشق در شبِ دیجور

تجھے صبح روز روشن کی طرح معلوم ہو جائے گا کہ تو نے تاریک رات میں کس سے عشق لگا رکھا تھا

دنیا کا سامان دھوکا ہی دھوکا ہے۔ اور معاملہ اُخروی پر ابدی جزا مرتب ہو گی۔ چند روز زندگی اگر سید الاولین و آخرین علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت میں بسر ہو تو نجات ابدی کی امید ہے۔ ورنہ کوئی بھی ہو اور کیسا ہی اچھا عمل کیوں نہ ہو سب ہیچ اور بے کار ہے ؎

محمد عربی کہ کابروئے ہر دو سرا است　　　　کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر اُو

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم جو دونوں جہاں کی عزت و آبرو ہیں جو آپ کے دروازے کی خاک نہیں بنتا اُس کے سر پر خاک پڑے۔

اگر مثال کے طور پر فرض زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو نقصان نہ پہنچنے میں وہ بھی کلیتہ ترک کا حکم رکھتی ہے۔ کیونکہ متابعت کی دولتِ عظمیٰ کا حصول مکمل طور پر ترکِ دنیا پر موقوف نہیں۔ زکوٰۃ ادا کر دینے کی صورت میں مال پاک ہو جاتا ہے۔ اور دین میں اس کا کچھ ضرر و نقصان باقی نہیں رہتا۔ پس مال دنیاوی کے ضرر کے دفاع کا علاج مال کی زکوٰۃ نکالنا ہے۔ اگرچہ کلیتہ ترک دنیا اولیٰ اور افضل ہے۔ لیکن زکوٰۃ بھی اس ترک کلی کا کام کر جاتی ہے ؎

آسمان نسبت بعرش آمد فرود　　　　ورنہ بس عالی است پیش خاک تود

آسمان عرش کی نسبت نیچے ہے۔　　　　لیکن تودہ خاک سے پھر بھی بہت بلند ہے

تو لازم و ضروری ہے کہ ساری ہمت احکام شرعیہ کی بجا آوری میں صرف کی جائے۔ اور اہلِ شریعت یعنی علماء و صلحاء کی تعظیم و توقیر کرنی چاہیئے۔ اور شریعت کو رواج دینے میں کوشاں رہنا چاہیئے۔ اور گمراہ فرقوں اور اہلِ بدعت کو ذلیل و خوار رکھنا چاہیئے۔

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ۔　　　　جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کو گرانے میں مدد کی۔

اور کفار کیساتھ جو خدائے عزوجل اور اس کے رسول پاک علیہ و علی الصلوات والتسلیمات کے دشمن ہیں، دشمنی رکھنی چاہیئے اور ان کو ذلیل و خوار رکھنے میں کوشش کرنی چاہیئے اور کسی طرح بھی ان کو عزت کا مقام نہیں دینا چاہیئے۔ ان بدبختوں کو اپنی مجلس میں جگہ نہیں دینی چاہیئے۔ اور ان کے ساتھ کوئی اُنس و پیار نہیں کرنا چاہیئے۔ . . . . . .

. . . . اور حتی الامکان کسی معاملے میں بھی ان کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہیئے۔ اور فرضاً ضرورت پڑ ہی جائے تو تقاضائے حاجت انسانی کی طرح ناپسندیدگی اور مجبوری کی صورت میں ان سے حاجت بر آری کرنی چاہئے۔ وہ راستہ جو آپ کے جد بزرگوار علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی جناب قدس تک پہنچاتا ہے، یہی ہے۔ اگر اس

راہ پر نہ چلا جائے تو اس جناب قدس تک پہنچنا دشوار ہے۔ اور بہت بعید ہے ؎

کیف الوصول الی سعاد و دونہا قلل الجبال و دونہن خیوف

سعاد معشوقہ کی ملاقات کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔ جبکہ میرے اور اس کے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور نشیب و فراز حائل ہیں۔

زیادہ کیا پریشان کرے ؎

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

میں نے تیرے آگے تھوڑا سا غم دل بیان کیا ہے ڈرتا ہوں کہ تو دل آزردہ ہوگا ورنہ باتیں بہت ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۶۶

محمد امین کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ چند روزہ ناپائدار زندگی پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اس تھوڑی سی فرصت میں ذکر کثیر کے ساتھ جو نہایت ضروری اور اہم ہے۔ مرض قلبی کے ازالہ کی فکر کرنی چاہیئے۔

مخدوم گرامی کب تک اپنے منافع نفس کی خاطر ان کے حصول میں سرگرمی دکھاؤ گے۔ اور کب تک اپنے اُوپر غم و غصہ کا اظہار کرو گے۔ اپنے آپ کو اور تمام دوسروں کو مُردہ اور بے جان خیال کرنا چاہیئے۔ اور بے حس و حرکت گمان کرنا چاہیئے۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ بیشک آپ بھی موت کی آغوش میں جانے والے ہیں اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں۔

نص قاطع ہے۔ اس تھوڑی فرصت میں ذکر کثیر کے ساتھ جو نہایت اہم اور ضروری ہے، مرض قلبی کے ازالہ کا فکر مند ہونا چاہیئے۔ اور باطنی مرض کا علاج رب جلیل کی یاد کے ساتھ اس تھوڑی سی مہلت میں اعظم مقاصد میں سے ہے۔ وہ دل جو غیر حق میں گرفتار ہے اس سے خیر کی توقع کیا ہو سکتی ہے۔ وہ رُوح جو کمینی اور حقیر دنیا کی طرف مائل ہے۔ نفس امارہ اس سے بہتر ہے۔ اس طرف سے سراسر سلامتی قلب۔ خلاصی رُوح کا مطالبہ اور تقاضا ہے۔ اور ہم کوتاہ اندیش پورے طور پر رُوح و قلب کی گرفتاری کے اسباب حاصل کرنے کی فکر میں ہیں۔ معاملہ بہت دُور جا چکا ہے۔ کیا کیا جائے۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنی

يَظْلِمُوْنَ۔ جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

دُوسری بات یہ ہے کہ ظاہری ضعف و کمزوری کا کچھ فکر و اندیشہ نہ کریں۔ انشاءاللہ تعالیٰ یہ ضعف صحت و عافیت سے تبدیل ہو جائے گا۔ راقم کو اس کا اطمینان ہے۔ فقراء رمجدد صاحب رضی اللہ عنہ کے پہنے ہوئے کپڑے کا آپ نے مطالبہ کیا تھا۔ پیرہن بھیج دیا گیا ہے۔ اسے پہنیں اور نتائج و ثمرات کے منتظر رہیں کہ یہ پیراہن کثیر البرکت ہے۔

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است — وانکہ دیدش نقد خود مردانہ است

جس نے اس بات کو بے اصل حکایت قرار دیا وہ خود بے کار ہے اور جس نے اسے حقیقت جانا وہ مرد ہے۔

ہر متبع ہدایت اور حضرت مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کے پابند پر رحمت وسلامتی کا نزول ہوتا رہے۔

مکتوب نمبر ۱۶۷

ہروی رام ہندو کی طرف صادر فرمایا جس نے اس بلند مرتبہ گروہ کے ساتھ اخلاص کا اظہار کیا تھا۔

تمام جہانوں کے پروردگار کی عبادت کی ترغیب میں جو بے مثال و بے کیف ہے۔ اور ہندوؤں کے باطل خداؤں کی عبادت سے اجتناب کرنے کے بیان میں۔

آپ کے دونوں خط ملے۔ دونوں سے فقراء کی محبت اور اس بلند مرتبہ گروہ کی خدمت میں التجا کا اظہار ہوتا تھا۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ کسی کو اس دولت سے نوازیں۔ دُوسری بات یہ ہے کہ ؎

من آنچہ شرط بلاغ است با تو میگویم — تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

میں نے شرط تبلیغ پوری کر دی ہے۔ آگے میری باتوں سے تو نصیحت پکڑنے یا ملال محسوس کرے تیری مرضی۔

اچھی طرح جان اور آگاہ رہ کہ ہمارا اور تمہارا بلکہ تمام جہانوں کا آسمان ہوں یا زمینیں، علیین (ملائکہ) ہوں یا سفلیین (حیوانات) سب کا پروردگار ایک ہے۔ اور بے کیف و بے مثل ہے۔ وہ شبہ اور مانند سے منزہ ہے۔ شکل و مثال سے پاک و مبرا ہے۔ کسی کا باپ یا فرزند ہونا اس ذات پاک کے لئے محال ہے۔ اس کی ہمتائی اور اس جیسا ہونا اس بات کی اس بارگاہ میں کچھ گنجائش نہیں۔ مخلوق کے ساتھ اتحاد یا اس میں حلول اس ذات سبحانہ کی شان کیلئے عیب اور نقص ہے۔ اس جناب قدس کے لئے کسی شئے میں پوشیدہ ہونا اور کسی شے میں ظاہر ہونا قبیح ہے۔ وہ زمانہ میں نہیں کیونکہ زمانہ اس کی مخلوق ہے۔ اور وہ کسی مکان میں بھی نہیں۔ کیونکہ مکان بھی اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔

اس کے وجود کا آغاز نہیں۔ اور اس کی بقا کی نہایت نہیں۔ جو بھی خیر و کمال ہے۔ اس ذات سبحانہ کے لیے حاصل ہے ۔ اور جو بھی نقص و زوال ہے وہ اس بلند ذات سے مسلوب اور دُور ہے۔ پس مستحق عبادت صرف وہی بلند ذات ہے۔ اور لائق پرستش بھی وہی سبحانہ و تعالیٰ ہے۔

رام اور کرشن اور ان کی مانند اور جو ہندوؤں کے معبود ہیں سب ادنیٰ مخلوق ہیں اور انہیں ماں باپ نے جنا ہے۔ رام جسرت کا بیٹا ہے۔ اور لچھمن کا بھائی۔ اور سیتا عورت کا شوہر ہے۔

جب رام اپنی بیوی کی نگہداشت نہ کر سکا بلکہ راون اس سے چھین کر لے گیا، تو وہ دُوسرے کی کیا مدد کریگا۔ عقل دور اندیش سے کام لینا چاہیئے۔ ان کی تقلید نہیں کرنی چاہیئے۔ ہزاروں درجے شرم و عار کی بات ہے کہ کوئی تمام جہانوں کے پروردگار کو رام یا کرشن کے نام سے یاد کرے۔ یہ تو اس طرح ہے کہ کوئی عظیم الشان بادشاہ کو کمترین خاکروب کے نام سے یاد کرے۔ رام اور رحمٰن کو ایک خیال کرنا نہایت ہی بے عقلی کی بات ہے۔ خالق اور مخلوق ایک نہیں ہو سکتے۔ اور بے مثل ذات ممکن کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتی۔ رام اور کرشن کی پیدائش سے قبل پروردگار عالم کو رام و کرشن نہیں کہتے تھے۔ ان کے پیدا ہونے کے بعد کیا ہوا کہ رام اور کرشن کا نام اس ذات سبحانہ و تعالیٰ پر بولتے ہیں۔ اور رام اور کرشن کی یاد کو پروردگار کی یاد قرار دیتے ہیں۔ حاشا و کلا ثم حاشا و کلا (خدا کی پناہ پھر خدا کی پناہ)۔

ہمارے پیغمبر علیہم الصلوٰت والسلام قریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار گزرے ہیں۔ انہوں نے مخلوق کو خالق کی عبادت کی ترغیب دی ہے۔ اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا ہے۔ اور اپنے آپ کو اُس کا بندہ عاجز سمجھا ہے۔ اور وہ اس ذات تعالیٰ کی ہیبت و عظمت سے ڈرتے اور لرزتے رہے ہیں۔ اور ہندوؤں کے خداؤں نے مخلوقات کو اپنی عبادت کی ترغیب دی ہے۔ اور اپنے آپ کو الٰہ جانا ہے۔ اور اگرچہ وہ پروردگار کے قائل ہوئے ہیں لیکن اس کا اپنے اندر حلول و اتحاد بھی ثابت کیا ہے۔ اور اسی بنا پر مخلوق کو اپنی عبادت کی ترغیب دی ہے۔ اور اپنے آپ کو معبود گردانا ہے۔ اور بے تحاشا حرام چیزوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس گمان میں کہ الٰہ و معبود کے لئے کوئی شے ممنوع نہیں۔ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہیئے تصرف کرے۔ یہ لوگ اس قسم کے بے شمار تخیلات فاسدہ رکھتے ہیں۔ یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ بخلاف ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰات والتسلیمات کہ جس چیز سے انہوں نے مخلوق کو روکا ہے اس سے خود بھی اکمل و اتم طریقہ پر باز رہے ہیں۔ انہوں نے (عجز و تواضع) کے تحت اپنے آپ کو بھی دُوسرے لوگوں کی طرح انسان ہی کہا ہے۔ مصراع

ببیں تفاوت راہ کجاست تا بکجا   دیکھو راستے میں کس قدر فرق ہے۔

مکتوب نمبر ۱۶۸

مخدوم زادہ امکنگی یعنی خواجہ[1] محمد قاسم کی طرف صادر فرمایا:

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بلند مرتبہ ہونے اور اس جماعت کے حال کی شکایت کے بیان میں جنہوں نے اس طریقہ شریفہ کے ساتھ کئی طرح کی محدثات اور مخترعات لاحق کر دی ہیں اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

الحمد للہ رب العالمین والسلام علیٰ سید المرسلین و آلہ الطاہرین اجمعین۔ بعد دعوات کثیرہ اور تحیات نامحصورہ بعالی جناب خلاصہ مشائخ کرام نتیجہ اولیاء عظام حضرت مخدوم زادہ راہ حق پر مستقیم اللہ تعالیٰ اسے سلامتی اور عمر دراز عطا کرے اشتیاق و آرزومندی کا اظہار کرتا ہے۔ شعر

کیف الوصول الی سعاد و دونها قلل الجبال و دونهن خیوف

سعاد معشوقہ کا وصال کس طرح ممکن ہے۔ جبکہ میرے اور اس کے درمیان پہاڑوں کی اونچی چوٹیاں اور نشیب و فراز حائل ہیں۔

حضرت مخدوم زادہ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس بلند طریقہ کی بلندی اور طبقہ نقشبندی کی رفعت التزام سنت اور بدعت سے اجتناب کے باعث ہے۔ اس لئے اس بلند طریقہ کے اکابر نے ذکر جہر سے اجتناب فرمایا ہے۔ اور ذکر قلبی کی تلقین کی ہے۔ اور سماع، رقص، وجد و تواجد سے جو آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین علیہم الرضوان کے زمانہ میں نہیں تھا، منع کیا ہے اور خلوت نشینی اور چلہ کشی جو زمانہ صحابہ میں نہیں تھی اس کے بجائے خلوت در انجمن کو اختیار کیا ہے۔ تو لازماً اس التزام و پابندی پر نتائج عظیمہ مرتب ہوئے ہیں۔ اور بدعت سے بچنے پر ثمرات کثیرہ حاصل ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر یہ بات ہے کہ دوسروں کی نہایت ان کی ہدایت میں درج ہے۔ اور ان کی نسبت دوسروں کی نسبتوں سے فائق و اعلیٰ ہے۔ ان کا کلام امراض قلبیہ کے لئے دوا اور ان کی نظر علل معنویہ سے شفا بخشتی ہے۔ اور ان کی اعلیٰ توجہ طالبوں کو کونین کی گرفتاری سے نجات عطا کرتی ہے۔ اور ان کی بلند ہمت مریدوں کو پستی امکان سے بلندی وجوب تک پہنچاتی ہے ۔ ؎

---

[1] آپ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند ۔ کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را
از دل سالک رہ جاذبہ صحبت شاں ۔ برد وسوسہ خلوت و فکر چلّہ را

نقشبندی بزرگ عجب قافلہ سالار ہیں جو پوشیدہ راستے سے قافلے کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں۔ سالکِ راہ کے دل سے ان کی صحبت کا جاذبہ وسوسہ خلوت اور فکر چلّہ کو مٹا دیتا ہے۔

لیکن اس زمانہ میں کہ یہ نسبت شریفہ عنقائے نایاب کی طرح ہو چکی ہے۔ اور اپنا چہرہ پوشیدگی میں چھپا چکی ہے اسی طبقہ کی ایک جماعت نے اس دولت عظمیٰ اور نعمتِ قصوریٰ کے حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ہر طرف ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور ان نفیس موتیوں کے عوض چند ٹھیکریوں پر خوش ہو چکے ہیں۔ اور بچوں کی طرح اخروٹ و منقا کے ساتھ آرام پذیر ہو چکے ہیں۔ انتہائی اضطراب و حیرانی کے باعث اکابر کا طریقہ چھوڑ کر کبھی ذکر جہر سے تعلق پکڑتے ہیں اور کبھی سماع و رقص سے آرام حاصل کرتے ہیں۔ اور انجمن میں ان کو خلوت میسر نہیں آئی تو انہوں نے چالیس روزہ خلوت کے چلے اختیار کئے۔ عجب تر بات یہ ہے کہ ان بدعات کو اس نسبت شریفہ کا متمم و مکمل گمان کرتے ہیں۔ اور اس تخریب کو عین تعمیر شمار کرتے ہیں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ان کو انصاف کی توفیق عنایت کرے۔ اور ان کے کمالات کا ایک شمہ ہی ان کی جانوں کے دماغ تک پہنچائے۔ ن اور ص کی برکت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور انکی آل پاک کی حرمت کے صدقہ سے اور جبکہ ان بدعات و محدثات نے جواس علاقہ میں پھیل چکی ہیں۔ اس حد تک اکابر کے اصل طریقہ کو پوشیدہ کر دیا ہے۔ اور وہاں کے ہر شریف و کمینہ نے نئی اور جدید وضع اختیار کر لی ہے۔ اور اصل اور قدیم راستہ سے روگرداں ہو چکے ہیں۔ دل میں گزرا کہ اس کا کچھ تھوڑا ماجرا اس بلند آستانہ کے خادموں کی خدمت میں اظہار کرے۔ اور اس وسیلہ و بہانہ سے اپنے دردِ دل کو باہر پھینکے۔ مجھے معلوم نہیں کہ مخدوم زادہ کی مجلس میں کونسا گروہ ہوتا ہے۔ اور مونس محفل کون سا فرقہ ہے ؎

خوابم بشد از دیدہ درین فکر جگر سوز ۔ کآغوش کہ شد منزل و آسائش خوابت

اس جگر سوز فکر میں میری نیند اُڑ گئی ہے کہ تیری منزل اور تیری آسائش بھری نیند کا مقام کس کی آغوش میں ہے۔

اللہ سبحانہ سے التجا ہے کہ وہ آپ کی جناب قدس کو اس ہر جگہ پھیلی ہوئی وبا سے محفوظ رکھے۔ اور اس ابتلاء و آزمائش سے متاثر ہونے سے آپ کے آستانہ شریف کو بچائے۔

ہمارے مخدوم و مکرم! لوگوں نے اس طریقہ عالیہ میں نئی نئی باتوں کو اس قدر رواج دے دیا ہے۔ کہ اگر مخالف لوگ یہ کہیں کہ اس طریقہ میں تو بدعت کی پابندی اور سنت سے اجتناب ہے۔ تو انہیں یہ کہنے کی گنجائش ہے۔ نماز تہجد کو جمعیت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اور اس بدعت کو سنت تراویح کی طرح مساجد میں ادا کرتے ہیں اور رونق

بخشتے ہیں۔ اور اس عمل کو نیک خیال کرتے ہیں۔ اور دُوسرے لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے ہیں۔ حالانکہ فقہاء شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے اسے مکروہ تحریمہ کہا ہے۔ اور جن فقہانے کراہت کے لئے تداعی کو شرط قرار دیا ہے۔ وہ بھی اس نفل نماز کی جماعت کے جواز کو ایک گوشہ مسجد کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ اور تین سے زیادہ افراد کے اجتماع کو فقہانے بالاتفاق مکروہ کہا ہے۔ نیز اس طرح نماز تہجد کو تیرہ رکعت شمار کرتے ہیں کہ بارہ رکعت کھڑے ہو کر ادا کرتے ہیں اور دو رکعت بیٹھ کر ادا کرتے ہیں اور ان دو کو ایک کا حکم دیتے ہیں۔ یہ بات انہوں نے اس سے نکالی ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے نصف ثواب ملتا ہے۔ لیکن یہ علم و عمل بھی سنت کے خلاف ہے۔ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ۔ حضرت پیغمبر نے جو تیرہ رکعت ادا فرمائی ہیں وہ وتر کے ساتھ ادا فرمائی ہیں اور رکعات تہجد کا طاق ہونا وتروں کی رکعات کے طاق ہونے سے پیدا ہوا ہے۔ اس طرح نہیں جو ان لوگوں کا گمان ہے ؎

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم　　　کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ترجمہ: میں نے تھوڑا سا غم دل تیرے آگے بیان کیا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ تو دل آزردہ ہو گا ورنہ باتیں بہت ہیں۔

عجب ہے کہ ماوراءالنہر کے شہروں میں جو علماء حق کا مرکز ہیں اس قسم کی بدعات رواج پا چکی ہیں اور اس طرح کی نئی نئی باتیں شائع اور عام ہو چکی ہیں۔ حالانکہ ہم فقیروں نے علوم شرعیہ کو ان ہی علماء کی برکات سے استفادہ کیا ہے۔ اور کرتے ہیں اور اللہ سبحانہ درست بات دل میں ڈالنے والا ہے۔ اللہ سبحانہ ہمیں اور تمہیں شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے راستے پر ثابت رکھے اور جو بندہ اس پر آمین کہے اسے بھی اللہ اپنی رحمت سے نوازے۔

مکتوب نمبر ۱۶۹

بشیخ عبدالصمد سلطان پوری کی طرف صادر ہوا۔

ایک مرید کے حال کے متعلق اس کے ایک سوال کے جواب میں۔ جس مرید نے اپنے پیر سے کہا تھا کہ اگر میرے خاص وقت میں جو مجھے حق سبحانہ کے ساتھ نصیب ہوتا ہے تو بھی اگر درمیان میں آئے تو سر تن سے جدا کر دُوں۔ پیر نے اس کی اس بات کو پسند کیا اور اپنے معانقے میں لے لیا۔

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد و آلہ الطاہرین اجمعین۔ آپ کا مراسلہ شریفہ اور لطف و مہربانی سے بھرپور گرامی نامہ جو کرم نوازی کے طور پر آپ نے

بھیجا نفا موصول ہُوا اور فرحت و خوشی کا موجب ہوا ایک بات آپ نے پوچھی تھی۔ مخدوم گرامی مقصد اعلیٰ اور بلند مطلب جناب قدس خداوندی جل سلطانہ کی جناب تک پہنچنا ہے لیکن جبکہ طالب ابتداء میں ادھر اُدھر کے مختلف تعلقات کے باعث کامل میل کچیل اور پستی میں ہے اور اس ذات تبارک وتعالیٰ کی جناب قدس نہایت پاکیزگی اور بلندی میں اور وہ مناسبت جو فیض دینے اور فیض لینے کا سبب ہے طالب و مطلوب کے درمیان مفقود ہے تو ضروری طور پہ راہ جاننے والے اور راہ دیکھنے والے پیرو مرشد کے بغیر چارہ نہیں جو بیچ میں واسطے کا کام دے اور دونوں طرف سے وافر حصّہ رکھتا ہو۔ تاکہ طالب کے مطلوب تک پہنچنے کا ذریعہ بنے اور جس قدر طالب کو مطلوب کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ پیر مکمل طور پر اپنے آپ کو درمیان سے نکال لیتا ہے۔ اور طالب کو مطلوب کے ساتھ اپنے واسطہ کے بغیر واصل کر دیتا ہے۔ پس ابتداء اور درمیان میں مطلوب کو پیر کے آئینہ کے بغیر نہیں دیکھا جاسکتا اور انتہا میں آئینہ پیر کے واسطے کے بغیر ہی مطلوب کا جمال جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ اور بالکل برہنہ وصل حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس نے جو یہ کہا کہ پیر بھی اگر حاضر ہو تو سر تن سے جُدا کر دوں سُکر کے باعث کہا۔ ارباب استقامت ایسی بات نہیں کہتے اور بے ادبی کے راستے پر نہیں دوڑتے اور مُرادوں کو پیر کی برکات سے تلاش کرتے ہیں۔

والسلام

مکتوب نمبر ۱۷۰

شیخ نور کی طرف لکھا گیا :

اس بیان میں کہ جس طرح آدمی کے لئے حق جل وعلیٰ کے اوامر و نواہی کی فرماں برداری ضروری ہے اسی طرح مخلوق کے حقوق ادا کرنا اور اُن کی ہمدردی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی۔ اے برادر ارشد آدمی کے لئے جس طرح حق جل وعلا کے احکام کی فرماں برداری اور جن باتوں سے اُس نے روکا ہے۔ اسے رُکنا ضروری ہے اسی طرح مخلوق کے حقوق کی ادائیگی اور اُن سے ہمدردی کا سلوک کرنا بھی ضروری ہے۔

التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علیٰ خلق اللہ۔[1] اللہ کے احکام کی تعظیم (یعنی ان کی بجاآوری اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا سلوک

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ۔ مُلا علی قاریؒ۔

یہ حدیث ان ہی دو حقوق کی ادائیگی کا بیان اور دین کے دونوں پہلوؤں پر دلالت کرتی ہے ۔ پس دین کے دو پہلوؤں میں سے ایک پر کفایت کرنا کوتاہی ہے اور کُل کو چھوڑ کر ایک جزء پر اکتفا کرنا کمال فرمان برداری سے دُور ہے لہٰذا مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کا بوجھ اُٹھانا ضروری ہے ۔ اور اُن کے ساتھ حسنِ معاشرت اختیار کرنا بھی لازمی ہے لاپرواہی نامناسب ہے اور بے اتفاقی ٹھیک نہیں ؎

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنین عالم است   نازکی کے راست آید بار می باید کشید

ترجمہ : جو شخص عاشق بن گیا اگرچہ سارے جہان کا نازنین ہو عاشق بننے کے بعد اس کا نازنین رہنا درست نہیں ۔ بلکہ اُسے بوجھ اُٹھانا پڑے گا ۔

جبکہ مدت دراز تک آپ میری صحبت میں رہے اور مجھ سے بہت سے مواعظ اور نصیحت کی باتیں سُن چکے ہیں بات لمبا کرنے سے مَیں نے اعراض کیا اور چند مختصر فقروں پر کفایت کی اللہ سبحانہ ہمیں اور تمہیں شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے راستے پر ثابت اور قائم رکھے ۔

مکتوب نمبر ۱۷۱

مُلا طاہر بدخشی کی طرف لکھا گیا :

اس بیان میں کہ جو چیز فقراء پر لازم ہے یہ ہے کہ ہمیشہ ذِلت ، محتاجی وظائف عبودیت کی ادائیگی حدود شرعیہ کی حفاظت اور روشن سنت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اور اپنے گناہوں کی کثرت کا مشاہدہ اور علام الغیوب ذات کے انتقام کا خوف پیش نظر رہے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں :۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین و آلہ الطاہرین ۔ جو چیز ہم فقراء پر لازم و ضروری ہے یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہمیشہ بارگاہِ خداوندی میں خوار رکھیں ۔ اس کے محتاج رہیں ۔ اس کے حضور میں انکساری ، عاجزی اور التجا کرتے رہیں ۔ وظائف عبودیت کی ادائیگی ، حدود شرعیہ کی محافظت اور روشن سنت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی متابعت میں فرق نہ آنے دیں ۔ اور نیک کام انجام دینے میں نیت درست رکھیں ۔ باطن کو غیر حق کے خیالات سے آزاد کریں ۔ اپنے ظاہر کو طاعات کے سپرد کر دیں ۔ اپنے عیوب کو دیکھتے رہیں ۔ اور اپنے گناہوں کے غلبے کا مشاہدہ کرتے رہیں ۔ اور اس علام الغیوب رب تعالیٰ کے انتقام کا خوف دل میں بٹھائیں ۔ اور اپنی نیکیوں کو اگرچہ زیادہ ہی ہوں کم خیال کریں ۔ اور اپنے گناہوں کو اگرچہ وہ کم ہی ہوں زیادہ تصور کریں ۔ اور شہرت اور قبولیت خلق سے ڈرتے اور لرزتے رہیں ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی حدیث پاک ہے۔

بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ یُشَارَ اِلَیْہِ بِالْاَصَابِعِ فِیْ دِیْنٍ اَوْ دُنْیَا اِلَّا مَنْ عَصَمَہُ اللّٰہُ۔	انسان کی بدی کے لئے یہ کافی ہے کہ لوگ دین یا دُنیا کے بارے میں اس کی طرف اپنی اُنگلیوں سے اشارے کریں۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

اور اپنے افعال اور اپنی نیتوں کو عیب ناک جاننا اگرچہ وہ صبح کی طرح صاف اور واضح ہوں اور اپنے احوال اور وجد کی کیفیات کا اگرچہ وہ صحیح اور مطابق ہوں کچھ اعتبار نہ کرنا۔ اور صرف دین کی تائید اور ملت کی تقویت اور شریعت کی ترویج اور مخلوق کو حق جل وعلا کی طرف دعوت دینا ان باتوں کا کچھ اعتبار نہ کیا جائے۔ اور نہ انہیں مستحسن سمجھا جائے۔ جب تک اپنا عمل درست نہ ہو کیونکہ اس طرح کی تائید کبھی کافر اور فاسق و فاجر سے بھی وجود میں آسکتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لہ اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔	بیشک اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید فاسق و فاجر انسان سے بھی کرا لیتا ہے۔

وہ مرید جو طالب بن کر آئے اور سلوک میں مشغول ہونے کا ارادہ ظاہر کرے اُسے ببر اور شیر کی طرح خطرناک جاننا چاہیئے۔ اور ڈرنا چاہیئے۔ کہ کہیں اس طرح سے وہ اس کی خرابی نہ چاہتے ہوں۔ اور اُس کے فتنے میں پڑنے کا باعث نہ بن جائیں۔ اور اگر بالفرض کسی مُرید کے آنے سے اپنے میں فرحت اور سرور محسوس کریں تو اُسے کفر و شرک کی طرح بُرا جانیں اور اس کا تدارک ندامت اور استغفار کے ذریعہ اس حد تک کریں کہ اس سرور کا بالکل نشان نہ رہے۔ بلکہ اس فرحت کی جگہ غم اور خوف بیٹھ جائے۔ اور اپنے خلفاء کو اچھی طرح تاکید کریں کہ مُرید کے مال میں طمع اور اس سے دنیوی منافع کی امید پیدا نہ ہو۔ کیونکہ یہ بات مرید کی ہدایت میں رکاوٹ ہے اور پیر کی خرابی کا باعث ہے۔ کیونکہ اللہ کی طرف سے سب دین خالص کا مطالبہ ہے۔

٢ہ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ۔	سُن لو خالص دین اللہ ہی کے لئے ہے۔

شرک کی اُس بارگاہ میں کسی طرح بھی کوئی گنجائش نہیں اور اس بات کو بھی ذہن میں رکھیں کہ ہر تاریکی اور میل جو دل پر طاری ہوتی ہے اس کا ازالہ توبہ استغفار ندامت اور التجا سے بآسانی میسر آسکتا ہے۔ مگر وہ تاریکی اور میل جو کمینی دنیا کی محبت کے راستے سے دل پر چڑھے جو زندگی کو تلخ اور دل کو پلید کر دیتی ہے اُس کے ازالے میں سخت

لہ بخاری و مُسلم بروایت ابو ہریرۃؓ انس ابن مالکؓ مختصراً

٢ہ سورہ زمر پارہ ۲۳

دشواری اور مشکل پیش آتی ہے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بالکل سچ فرمایا ہے۔

لہ حُبُّ الدُّنْیَا رَاسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ یعنی دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں دُنیا اور دُنیا کے چاہنے والوں کی محبت اور ان سے میل جول اور اُن کی دوستی سے نجات عطا فرمائے کیونکہ دنیا کی محبت زہر قاتل اور ہلاک کرنے والا مرض اور بلائے عظیم اور عام پھیلنے والی بیماری ہے۔

اخوی ارشدی شیخ حمید اچھے طریقہ سے آپ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں اُن کی نئی اور زنانہ باتوں کو غور سے سُنیں اور غنیمت جانیں باقی باتیں ملاقات کے وقت ہوں گی۔

مکتوب نمبر ۱۷۲

شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا:

بعض اُن اسرارِ خاص کے بیان میں جو خاص میں سے بھی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں۔ اور اس بیان میں کہ اس مقام میں عارف اپنے آپ کو دائرہ شریعت سے باہر پاتا ہے۔ اور اس کے سبب کا بیان اور اس کی روشن شریعت کے ظاہر سے مطابقت اور دیگر اس سے متعلقہ مسائل کے بیان میں۔

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ میرے عزیز بھائی کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت اس کی صورت وہ ہے جس کے بیان کے علماء ظاہر کفیل وضامن ہیں۔ اور اس کی حقیقت وہ ہے جس کے بیان کے ساتھ بلند گروہ صوفیہ ممتاز ہے صورت شریعت کے عروج کی نہایت سلسلہ ممکنات کی نہایت تک ہے۔ اس کے بعد اگر مراتب وجوب میں سیر واقع ہو تو وہ حقیقت کے ساتھ ملی ہوئی ہوگی۔ اور آمیزش کا یہ معاملہ شان العلم کے عروج تک ہے جو سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات کا مبداء تعین ہے۔ اس کے بعد اگر ترقی واقع ہو تو صورت وحقیقت دونوں الگ ہو جاتی ہیں۔ اور عارف کا معاملہ شان الحیات تک جا پہنچتا ہے۔ اس عظیم مرتبہ شان کی عالم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں۔ یہ شیونات حقیقہ میں سے ہے۔ کہ اضافت کی گرد اس تک نہیں پہنچی۔ تاکہ عالم کے ساتھ اس کا تعلق پیدا ہو۔ اور یہ شان مقصود کا دروازہ ہے اور مطلوب کا مقدمہ۔ اس مقام میں عارف اپنے آپ کو دائرہ شریعت سے باہر پاتا ہے۔ لیکن چونکہ محفوظ ہوتا ہے اس لئے دقائق شریعت سے ایک دقیقہ بھی نہیں چھوڑتا

لہ مشکوٰۃ شریف بحوالہ رزین اور بیہقی شریف بروایت حسن مرسل ہے۔

وہ جماعت جو اس دولتِ عظمیٰ سے مشرف ہوتی ہے۔ ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ اگر ان کی تعداد بیان کی جائے تو شاید نہایت ہی قلیل لوگ اسے تسلیم اور قبول کریں۔ اور صوفیہ کی ایک کثیر جماعت اس مقام عالی کے سایہ تک پہنچی ہے۔ کیونکہ ہر بلند مقام کا اس کے نیچے اس کا ایک سایہ ہے۔ سایہ اور نیچے پہنچنے والی جماعت کو گمان ہوتا ہے کہ انھوں نے دائرہ شریعت سے قدم باہر رکھ لیا ہے۔ اور پوست سے ترقی کر کے مغز تک پہنچ گئے ہیں یہ مقام صوفیہ کے قدموں کی لغزش کی جگہ ہے۔ ناقصوں کا ایک گروہ اس راستہ سے الحاد و زندقہ تک پہنچا ہے۔ اور انہوں نے اپنا سر شریعت کی رسّی سے باہر نکالا ہے۔ یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے ہیں اور دُوسروں کو بھی گمراہ کیا ہے۔

اور کاملوں کی ایک جماعت جو درجات ولایت میں سے ایک درجہ سے مشرف ہوئی ہے۔ اور اس معرفت کو اس بلند مقام کے ظلال (سایوں) میں سے کسی ظل کو حاصل کیا ہے۔ اگرچہ اس مقام کے اصل تک نہیں پہنچے لیکن وہ بھٹکنے سے محفوظ رہے ہیں۔ اور آدابِ شریعت میں سے کسی ایک ادب اور مستحب امر کو بھی ترک کرنا جائز نہیں رکھا۔ اگرچہ اس معرفت کے راز کو نہیں جانتے۔ اور حقیقتِ معاملہ کو نہیں سمجھتے۔

اور جب اس فقیر پر اللہ سبحانہٗ کی عنایت و مہربانی اور اس کے حبیب پاک علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ سے اس معما کا راز منکشف ہوا ہے۔ اور حقیقتِ معاملہ جیسی کہ چاہیئے ظاہر ہو چکی ہے۔ تو اس سرگذشت کا تھوڑا سا حصّہ معرضِ تحریر میں لاتا ہے۔ ممکن ہے میری یہ تحریر ناقصوں کو راہِ راست کی طرف لائے۔ اور حقیقتِ معاملہ کی وضاحت کرے۔

جاننا چاہیئے کہ تکلیفاتِ شرعیہ بدن اور دل سے مخصوص ہیں۔ کیونکہ نفس کا تزکیہ بھی ان پر متفرع ہوتا ہے۔ اور لطائف میں سے جو لطیفے دائرہ شریعت سے قدم باہر رکھتے ہیں۔ وہ ان کے علاوہ ہیں۔ پس جو لطیفہ احکام شرعیہ کا مکلف ہے ہمیشہ مکلف ہے۔ اور جو لطیفہ مکلف نہیں وہ کبھی بھی مکلف نہیں ہوا۔ اس بات میں انتہائی اور آخری عجوبات ہے یہ ہے کہ سلوک سے قبل لطائف آپس میں مخلوط تھے۔ قلب سے جُدا نہیں تھے۔ جب سیرِ سلوک نے ہر ایک کو ایک دُوسرے سے جُدا کر دیا۔ اور ہر ایک کو اپنے مقام اصلی میں پہنچا دیا۔ تو اس وقت معلوم ہوا کہ مکلف کون تھا اور کون مکلف نہیں تھا۔

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ اُس مقام میں عارف اپنے بدن اور دل کو بھی دائرہ شریعت سے باہر پاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے۔ کہ یہ یافت تحقیقی نہیں ہے بلکہ تخیلی ہے۔ اور اس تخیل کا منشا دراصل لطیف ترین لطیفوں جنہوں نے تکالیف شرعیہ سے قدم باہر رکھے ہوئے ہیں کے رنگ میں رنگین ہونا ہے۔

اگر یہ سوال کریں کہ صورتِ شریعت کی تکلیفات قلب اور قالب سے مخصوص ہیں۔ لیکن حقیقت شریعت کی

قلب کے ماسوا میں بھی گنجائش ہے۔ پس مطلق شریعت سے قدم باہر رکھنے کے کیا معنی ہیں۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ حقیقت شریعت بھی رُوح اور سِر سے آگے نہیں گزرتی۔ اور لطیفہ خفی اور اخفیٰ تک نہیں پہنچتی اور شریعت سے باہر قدم رکھنے والے فی الحقیقت خفی اور اخفیٰ ہی ہیں۔ واللہ سبحانہٗ اعلم بحقیقۃ الحال۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو حضور سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت پر ثابت رکھے۔

مکتوب نمبر ۱۷۳

میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا:

ایک سوال کے جواب میں جو انہوں نے اُٹھایا تھا۔ اور بعض عجیب اسرار کے بیان میں جو کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی نفی اور اثبات سے تعلق رکھتے ہیں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد جناب سیادت پناہ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ آپ نے دریافت کیا تھا۔ کہ جو کچھ دید و دانش میں آتا ہے اس کی کلمہ لَا کے نیچے لا کر نفی کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ مثبت مطلوب (ذات حق) دیدہ و دانش سے بلند و بالا ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ مشہود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نفی کے لائق ہو اور مطلوب مثبت اس کے ماسوا میں پایا جائے۔

اے برادر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی بلندی شان کے باوجود بشر تھے۔ اور داغ حدوث و امکان سے متصف تھے۔ بشر خالق بشر کو کتنا پا سکتا ہے۔ اور ممکن واجب سے کیا اخذ کر سکتا ہے۔ اور حادث قدیم ذات جلت عظمتہٗ کا کس طرح احاطہ کر سکتا ہے۔

لَا یُحِیْطُوْنَ بِہٖ عِلْمًا۔ لوگ علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

نص قاطع ہے۔ حضرت شیخ عطار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نمی بینی کہ شاہے چوں پیمبر نیافت او فقر کل تو رنج کم بر

تو نہیں دیکھتا کہ حضرت پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے بادشاہ بھی فقر کل نہ پا سکے لہٰذا اس معاملے میں تمہیں رنج کم کرنا چاہیئے۔

اے عزیز مقام تفصیل چاہتا ہے۔ ہوش کے کانوں سے بات سننی چاہیئے۔

جاننا چاہیئے کہ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے دو مقام ہیں۔ نفی اور اثبات۔ پھر نفی اور اثبات۔ ہر ایک کے دو اعتبار ہیں۔ اعتبار اوّل یہ ہے کہ آلہہ باطلہ کے مستحق عبادت ہونے کی نفی کی جائے۔ اور معبود بحق کی عبادت کے

استحقاق کا اثبات کیا جائے۔ اور دُوسرا اعتبار یہ ہے کہ نفی غیر مقصودی باتوں سے بھی تعلق پذیر ہو۔ اور غیر مطلوبہ تعلقات کی بھی نفی کی جائے۔ اور جانب اثبات میں مطلوب حقیقی کے سوا کچھ ثابت نہ کیا جائے۔ اور مقصود اصلی کے سوا کسی طرف رُخ نہ کیا جائے۔ اور اعتبار اوّل میں ابتداء میں یہ کمال ہے کہ جو کچھ معلوم مشہود ہو چکا ہے۔ سب لَا کے تحت داخل ہوتا ہے۔ اور جانب اثبات میں کلمہ مستثنیٰ (اللہ) کے سوا کوئی چیز ملحوظ نہیں ہوتی۔ کچھ عرصہ بعد جب بصیرت تیز ہو جاتی ہے۔ اور راہِ مطلوب کی خاک کے سُرمہ سے سُرمگین ہو جاتی ہے تو مستثنیٰ اللہ بھی مستثنیٰ منہ کی طرح سامنے آ جاتا ہے۔ لیکن اس کے با وجود سالک اپنے آپ کو اُس مشہود ذات کے ماسوا میں گرفتار پاتا ہے۔ اور مطلوب کو اس کے باہر تلاش کرتا ہے۔ کیونکہ اس کمال کے ابتداء میں جو کچھ لَا کے تحت داخل ہُوا تھا سب کا سب دائرہ ممکنات میں سے تھا۔ جو عبادت کا استحقاق نہیں رکھتا تھا۔ اور اس کلمہ طیبہ کے تکرار کی برکت سے اس معبود سے جو مستحق ہے جُدا ہو چکا ہے۔ لیکن ضعفِ بصیرت کے سبب مرتبہ وجوب کو جو شایانِ عبادت ہے۔ کلمہ اِلَّا کے ساتھ ثابت کر کے نہیں دیکھتا تھا۔ اور کلمہ مستثنیٰ اللہ کو زبان سے ادا کرنے کے سوا کچھ نہیں حصّہ رکھتا تھا۔ لیکن قوتِ بصیرت کے بعد مستثنیٰ بھی مستثنیٰ منہ کی طرح مشہود اور ظاہر ہو گیا۔ اور جبکہ مرتبہ وجوب تمام اسماء وصفات ذات الٰہی جل سلطانہٗ کا جامع ہے۔ اور سالک کی ہمت کا تعلق بھی احدیت مجردہ سے ہے۔ کہ اس مقام میں استحقاق عبادت عدم استحقاق عبادت کی طرح راستے میں ہی رہ چکا ہے۔ تو ضرور اپنے مقصود کو اسماء اور صفات کے ماسوا میں تلاش کرتا ہے۔ اور غیر حق کے ساتھ گرفتار ہونے سے پناہ لیتا ہے ؎

چو دل با دلبرے آرام گیرد	بوصل دیگرے کے کام گیرد
نہی صد دستہ ریحاں پیش بلبل	نخواہد خاطرش جز نکہتِ گل
ز مہر آتش چو در نیلوفر افتد	تماشائے مہش کے در خور افتد
چوں خواہد تشنہ جانے شربتِ آب	نیفتد سود مندش شکر ناب

ترجمہ اشعار: (۱) جب دل دلبر کے ساتھ آرام پذیر ہو جائے تو اسے کسی اور کے وصل کے ساتھ کچھ سروکار نہیں رہتا۔

(۲) اگر تم ریحاں (ایک طرح کا پھُول) کا سو دستہ بھی بلبل کے آگے رکھو تو اس کا دل پھر بھی پھُول کی مہک اور خوشبو ہی کو چاہے گا۔

(۳) نیلوفر میں جب سُورج سے آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔ تو اسے چاند کے تماشے سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔

(۴) جب کوئی تشنہ جان ایک بار پانی پینے کا خواہش مند ہو تو اسے خالص شکر بھی نفع مند نہیں ہوتی۔ یعنی اسے پانی کی ہی طلب ہوتی ہے۔

اور اعتبار ثانی میں کمال جس سے مقصود غیر مقصود باتوں کی نفی ہوتی ہے۔ یہ ہے کہ مرتبہ وجوب کا شہود بھی مراتب امکان کے شہود کی طرح لَا کے تحت داخل ہو۔ اور جانب اثبات میں سوا کلمہ مستثنیٰ کے زبان سے ادا کرنے کے اور کوئی چیز ملحوظ نہ ہوے

چہ گویم با تو از مرغے نشانہ — کہ با عنقا بود ہم آشیانہ

ز عنقا ہست نامی پیش مردم — ز مرغ من بود آن نام ہم گم

میں تجھے اس پرندے کا کیا نشان بتاؤں۔ جو عنقا کے ساتھ ہم آشیانہ ہو۔ عنقا کا نام تو لوگوں کے سامنے ہے۔ میرے پرندے کا تو نام بھی گم ہے۔

حق بات یہ ہے کہ فطرت بلند اور اعلیٰ درجہ کی ہمت ایسے مطلب کی خواہاں ہوتی ہے۔ جس کا کچھ بھی ہاتھ میں نہ آئے۔ بلکہ جس کے دامن ادراک تک گرد بھی نہ پہنچ سکے۔ آخرت میں دیدار الٰہی حق ہے۔ لیکن میں اس کی کیفیت کا تصور ہرگز نہیں کر سکتا۔ لوگ رویت اُخروی کے وعدہ پر مسرور اور محظوظ ہیں۔ لیکن میری گرفتاری تو صرف غیب الغیب ذات کے ساتھ ہے۔ میری ساری ہمت اسی کی خواہاں ہے۔ کہ ایک بال برابر بھی مطلوب غیب سے شہادت کی طرف رُخ نہیں کرتی۔ اور گوش سے آغوش تک نہیں پہنچتی۔ اور سامان علم سے عین کی طرف نہیں لاتی۔ کیا کیا جائے مجھے پیدا ہی اس طرح کیا گیا ہے ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند — ہر کسی کو کسی کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

میں اگرچہ اس مقام میں دیوانگی کی بہت سی باتیں رکھتا ہوں لیکن ادب کے باعث لب کشائی نہیں کر سکتا۔

ع جُنُوْنِیْ مِنْ حَبِیْبٍ ذِیْ فُنُوْنٍ۔ — میرا جنون ناز و ادا والے محبوب کی وجہ سے ہے۔

عمر بگذشت و حدیث درد ما آخر نشد — شب بآخر شد کنوں کوتاہ کنم افسانہ را

عمر ختم ہوگئی مگر ہمارے درد کی داستان ختم نہ ہوئی۔ رات اختتام پذیر ہوگئی لہذا میں اپنے افسانے کو مختصر کرتا ہوں۔

ہر متبع ہدایت اور مصطفیٰ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا کی متابعت کی پابند کرنے والے پر رحمت و سلامتی کا نزول جاری رہے۔

مکتوب نمبر ۱۷۴

خواجہ اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اس راہ کے دیوانوں کو چاہیئے کہ وہ اتنی سی معیت خداوندی پر مطمئن نہ ہو جائیں۔ اور اس قرب نما بُعد سے تسکین حاصل نہ کریں۔ بلکہ بُعد نما قرب اور ہجر کی طرح کا وصل تلاش کریں اور اس کے بیان میں۔ کہ جو واقعہ انہوں نے لکھا تھا وہ جن کا ظہور اور اس کا باطل تصرف تھا۔

میرے برادرِ عزیز کا مکتوب موصول ہُوا۔ چونکہ وہ فقراء کے ساتھ محبت سے خبر دیتا تھا۔ اور اس سے اس بلند مرتبہ گروہ کے حضور میں التجاء ظاہر ہوتی تھی اس لئے خوشی اور فرحت کا موجب ہُوا۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ انسان اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہو۔

کو نقد وقت جانیں۔ لیکن یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اس راہ کے دیوانے صرف اتنی سی معیت پر ہی مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ جاتے۔ اور قرب نما بُعد سے تسکین نہیں پاتے۔ بلکہ وہ اُس قرب کو چاہتے ہیں جو بُعد نما ہو۔ اور ایسے وصل کے طالب ہوتے ہیں جو ہجر کی مانند ہو۔ ٹال مٹول اور تاخیر کرنے کو جائز نہیں رکھتے۔ اور بے کاری اور دیر لگانے کو بُرا جانتے ہیں۔ اپنے قیمتی وقت کو بے ہودہ بناوٹوں میں صرف نہ کریں۔ اور سرمایہ عمر کو بے فائدہ ملمع سازیوں میں ضائع نہ کریں۔ اعلیٰ چیز کو چھوڑ کر ردی شئے کی طرف مائل نہ ہوں۔ اور پسندیدہ شئے کو ترک کر کے بُری چیز کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ اور چرب و شیریں لقموں کے عوض اپنے آپ کو فروخت نہ کریں۔ اور باریک و خوشنما کپڑوں کے ساتھ بندگی کی لذت میسر نہیں آتی۔ شرم کرنا چاہیئے کہ تختِ شاہی کو نجاستوں سے آلودہ کریں۔ اور اس بات کو ننگ و عار جانیں کہ خدا تعالیٰ جل سلطانہ کی ملک میں لات و عزیٰ کو شریک کریں۔ اے برادر یہاں بارگاہِ خداوندی میں دین خالص کی ضرورت ہے۔ الا للّٰہ الدین الخالص (سن لو اللہ ہی کے لئے خالص دین ہے) اس بارگاہ میں شرک کے غبار کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔

لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ۔ اگر تم بھی شرک کرو گے تو تمہارے عمل بھی ضائع ہو جائیں گے۔

ایک گھڑی کے لئے اپنے اندر جھانک کر دیکھیں اگر دین خالص میسر ہے تو تمہیں بشارت ہے۔ ورنہ اس حادثے کا علاج ہونا چاہیئے۔ جو واقعہ آپ نے لکھا تھا وہ جن کا ظہور اور اس کا باطل تصرف تھا۔ اس قسم کا ظہور اور تصرف طالبوں پر اکثر طور پر وارد ہوتا رہتا ہے۔ غم نہیں کرنا چاہیئے۔

اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطَانِ کَانَ ضَعِیْفًا

لہ بخاری و مسلم شریف   لہ سورہ زمر پارہ من اظلم

اگر پھر اس قسم کا ظہور ہو تو کلمہ تمجید لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کے تکرار کے ساتھ اس خرابی کو دُور کریں۔

ہر تبع ہدایت اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت اور پابندی کرنے والے پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔

مکتوب نمبر ۱۷۵

حافظ محمود کی طرف صادر فرمایا:

احوال کی تلونیات اور تمکین کے حصول اور حدیث لی مع اللہ وقت کے معنی کے بیان میں۔

برادر عزیز کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ آپ نے اپنی تلونیاتِ احوال کا تھوڑا سا ذکر کیا ہے۔ یہ بات آپ کے علم میں ہونی چاہیئے کہ سالکوں کے لئے ابتداء وانتہا دونوں اوقات میں تلونیاتِ احوال کے بغیر چارہ نہیں۔ اس باب میں انتہائی بات یہ ہے کہ، اگر تلوین دل پر وارد ہو رہی ہے تو وہ سالک اربابِ قلوب میں سے ہے۔ اور ابن الوقت کے نام سے موسوم ہے۔ اور اگر قلب تلوین سے آگے نکل چکا ہے۔ اور احوال کی بندگی سے آزاد ہو چکا ہے۔ اور مقام تمکین میں پہنچ چکا ہے۔ تو اس وقت احوال متلونہ نفس پر وارد ہونگے جو قلب کے مقام پر اس کی جانشینی کے طور پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ تلوین تمکین کے حصول کے بعد ہے۔ اور اس تلوین والے کو اگر ابو الوقت کہیں تو گنجائش ہے۔ اور اگر محض فضلِ خداوندی جل سلطانہ سے نفس بھی اس تلوین سے گزر چکا ہے۔ اور مقام تمکین واطمینان تک پہنچ چکا ہے۔ تو اس وقت تلونیات کا ورود بدن پر ہے جو اربعہ عناصر سے مرکب ہے۔ یہ تلوین دائمی ہے۔ کیونکہ قالب (بدن) کے لئے تمکین غیر متصور ہے۔ اگرچہ وہ الطف لطائف کے رنگ سے رنگین ہو چکا ہو۔ کیونکہ وہ تمکین جو اس رنگت کے راستے سے آتی ہے۔ وہ تابع ہو کر آتی ہے۔ اور احوال متلونہ کا ورود بالاصالتہ ہوتا ہے۔ اور اعتبار اصل کا ہوتا ہے تابع کا نہیں ہوتا۔ اور اس مقام والا اخص خواص میں سے ہوتا ہے۔ اور فی الحقیقت ابو الوقت بھی وہی ہو سکتا ہے۔

اور سرورِ کائنات علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کی حدیث مبارک لی مع اللہ وقت جو آپ نے نقل کی ہے۔ ایک جماعت نے اس وقت سے دائمی وقت مراد لیا ہے۔ اور ایک دُوسری جماعت نے غیر دائمی اور اس کا رجوع اس بیان کی طرف ہے۔ کیونکہ بعض لطائف کی نسبت وقت کا استمرار ہوتا ہے۔ اور بعض کی نسبت غیر استمرار۔ لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض اور مخالفت نہیں۔ مختصر یہ کہ ظاہر کو روشن شریعت کے ساتھ آراستہ رکھتے ہوئے باطنی سبق کے تکرار میں ہمیشہ مصروف رہیں۔

اندریں بحر بے کرانہ چو غوک   دست و پائے بزن چہ دانی بوک

اس بے کنارہ سمندر میں مینڈک کی طرح ہاتھ پاؤں مار۔ شاید اپنی منزل مقصود کو پالے۔

میرے برادر عزیز مولانا محمد صدیق آگرہ میں ہیں۔ ان کی ملاقات کو غنیمت جانیں۔

مکتوب نمبر ۱۷۶

ملا محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اوقات کی محافظت اس راہ کی ضروریات میں سے ہے۔ بے کار کاموں میں اوقات کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفٰی

حدیث میں آیا ہے:

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ اِشْتِغَالُہٗ بِمَا یَعْنِیْہِ وَ اِعْرَاضُہٗ عَمَّا لَا یَعْنِیْہِ۔	انسان کے حسن اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ بامقصد کاموں میں مشغول ہو۔ اور بے مقصد کاموں سے اعراض کرے۔

لہٰذا اوقات کی محافظت کے بغیر چارہ نہیں۔ بے فائدہ کاموں میں وقت ہرگز ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ شعر خوانی اور قصہ گوئی کو دشمن کا حصہ قرار دے کر خاموشی اور باطنی نسبت کی حفاظت میں مشغول رہنا چاہیئے۔ اس راستے میں دوستوں کا اجتماع باطن کی جمعیت کے لئے ہوتا ہے۔ دل کو پراگندہ کرنے کے لئے جمع نہیں ہونا چاہیئے۔ اس لئے اُنہوں نے خلوت پر انجمن کو ترجیح دی ہے۔ اور جمعیت کو اجتماع میں تلاش کیا ہے۔ وہ اجتماع جو تفرقے اور پراگندگی کا باعث ہو اس سے اجتناب ضروری ہے۔ باطن کی جمعیت کے ساتھ جو جمع ہو جائے مبارک ہے۔ اور جو میسر نہ آئے تو وہ بُرا اور نامبارک ہے۔ ایسی زندگی گزارنی چاہیئے کہ پاس بیٹھنے والی جماعت کو صحبت و مجلس سے جمعیت حاصل ہو۔ ایسی مجلس و صحبت نہیں ہونی چاہیئے۔ جو تفرقے اور پراگندگی کا باعث ہو اس سے اجتناب ضروری ہے۔ باطن سے جمعیت کے ساتھ جو جمع ہو جائے۔ اور گفتگو ترک کر کے سکوت و خاموشی کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ یہ زندگی آپس میں شعر گوئی کا وقت نہیں اور نہ باہمی بات چیت کا وقت ہے کہ

لہ موطا امام مالک، مسند احمد، ابن ماجہ، ترمذی، بیہقی ۱۲

چہ وقت مدرسہ و بحثِ کشف وکشاف است — یہ مدرسہ اور کشف اور تفسیر کشاف کی بحثوں کا وقت نہیں۔

والسلام

مکتوب نمبر ۱۷۷

جمال الدین حسین بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی صائب اور درست رائوں کے مطابق عقائد درست کرنے کی کی ترغیب میں۔

خواجہ جمال الدین حسین کو چاہیئے کہ اپنی اٹھتی جوانی کو غنیمت جانیں۔ اور حتی الامکان اسے حق تعالیٰ جل وعلا کی رضا کے کاموں میں صرف کریں۔ یعنی سب سے پہلے آرائے صحیحہ اہل سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے تقاضا کے مطابق اپنے عقائد درست کریں دوسرے نمبر پہ احکام شرعیہ فقہیہ کے مطابق عمل کریں اور تیسرے نمبر پہ بلند مرتبہ گروہ صوفیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ سلوک کو اختیار کریں۔ جس کو اس بات کی توفیق مل گئی۔ اُس نے عظیم کامیابی حاصل کر لی۔ اور جو اس سے رہ گیا تو وہ بالکل بیّن اور کھلے ہوئے خسارے میں پڑ گیا۔

خواجہ محمد صالح کے فرزندوں کی خدمتگاری کو سعادتِ عظمیٰ جانیں۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت خواجہ صاحب کی ہی مدد واعانت ہے۔ کیونکہ خواجہ صاحب صاحبِ اقبال لوگوں میں سے ہے۔ مصراع

دادیم ترا ز گنج مقصود نشان — ہم نے تجھے خزانہ مقصود کا نشان بنا دیا

والسلام

مکتوب نمبر ۱۷۸

مرزا مظفر کی طرف صادر فرمایا:

ایک شخص کی سفارش اور سید عالمیان اور خلاصہ آدمیان علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی ترغیب میں۔

اللہ تعالیٰ تمہیں اجرِ عظیم عطا کرے۔ تمہاری شان بلند کرے۔ تمہارے کام آسان کرے اور تمہارا

سینہ فراخ کرے۔ بحرمت سید المرسلین علیہ وعلی آلہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اخلاق نبوی سے موصوف حضرات کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ کوئی انہیں احسان اور حسن معاشرت کی تلقین کرے۔ بلکہ نزدیک ہے کہ انہیں ایسی تلقین سوءِ ادب میں داخل ہو۔ غایۃ ما فی الباب یہ ہے کہ انسان محتاجی اور ضرورت کے وقت ہر چیز اور معمولی شے کو تھامنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور کمزور و لاغر چیز سے تسلی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس بنا پر فقیر محتاجوں کی دستگیری کرنے کے لئے آپ کی دردسری کا باعث بنا ہے۔

مخدوم و مکرم! احسان کرنا ہر جگہ قابلِ ستائش چیز ہے۔ خاص کر ان پر احسان کرنا تو بہت ہی اچھا ہے جو پڑوس کا قرب رکھتے ہیں۔ حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات نے پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی کی اسقدر تاکید فرمائی کہ صحابہ کرام کو گمان گزرا کہ شاید پڑوسی کو وراثت میں بھی حصّہ بنا دیا جائے گا۔

مثنوی: چوں چنیں با یکدگر ہمسایہ ایم　　تو چو خورشیدی ما چوں سایہ ایم

چہ بدے لے مایۂ بے مائیگان　　گر نگاہ داری حق ہمسائیگان

ترجمہ: جب ہم ایک دوسرے کے اس قدر نزدیکی ہمسائے ہیں۔ تو آفتاب کی طرح اور ہم سایہ کی طرح ہیں تو اے بے مایہ لوگوں کے مایہ اور پونجی کونسی بات ہے اگر تو ہمسایوں کے حق کی نگہداشت کرے۔

والسلام

مکتوب نمبر ۱۷۹

نصیحت میں میر عبداللہ بن میر محمد نعمان کی طرف صادر ہوا:

میرے عزیز فرزند ہمیشہ اپنے نام کی طرح توفیق یافتہ رہے۔ موسم جوانی کو غنیمت جانتے ہوئے علوم شرعیہ کی تحصیل اور ان کے مطابق عمل میں مشغول رہیں۔ اور اس بات کا اہتمام کریں کہ یہ قیمتی عمر بے فائدہ اور لایعنی کاموں میں صرف نہ ہو۔ اور لہو و لعب میں ضائع نہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمہارے والد بزرگوار چند روز تک تمہارے پاس پہنچ آئیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ان کے آنے کے متعلق ان کے متعلقین کو خبر دینا ہوگا۔ مصرع

پدر خویش باش اگر مردی　　اگر مرد ہو تو اپنے باپ بنو۔ یعنی خود کفیل بنو۔

والسلام

مکتوب نمبر ۱۸۰

مخدوم زادہ امکنگی یعنی خواجہ ابوالقاسم کی طرف صادر فرمایا:

سلسلہ کے پیروں کے بعض اسمائے گرامی کے استفسار میں جن میں تردد پیدا ہوا تھا۔

مخدوم و مکرم! جو کچھ ہمارے حضرت خواجہ یعنی حضرت خواجہ محمد باقی علیہ الرحمۃ سے ہمارے ان پیروں کے اسمائے گرامی کی تحقیق کے بارے میں حضرت خواجگی امکنگی اور حضرت خواجہ احرار کے درمیان گزرے ہیں پہنچا ہے یہ ہے کہ ان دو حضرات کے درمیان دو بزرگ گزرے ہیں۔ ایک حضرت خواجہ امکنگی کے والد بزرگوار حضرت مولانا درویش محمد[1] ہیں۔ اور دوسرے بزرگ حضرت مولانا محمد زاہد[2] ہیں۔ جو حضرت مولانا درویش محمد کے ماموں ہیں۔

چند روز کی بات ہے کہ مشیخت پناہ خواجہ خاوند محمود[3] ہمارے اس علاقہ میں تشریف لائے تھے۔ انہوں نے پہلی ملاقات میں ہی مولانا خواجہ درویش محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر شروع کر دیا اور کہا کہ مولانا کو کسی سے اجازت نہیں تھی۔

---

[1] مولانا درویش محمد ظاہری و باطنی علوم کے جامع اور صوری و معنوی رموز و اسرار سے واقف تھے۔ جذبہ و استغراق کے اوصاف سے موصوف اور سخا و عطا میں معروف تھے۔ آپ نے پندرہ برس زہد و ریاضت میں گزارے۔ اور تجرید و تفرید کی حالت میں ویرانوں میں بسر کیے۔ اور حضرت خضر علیہ السلام کی رہنمائی سے خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ کر باطن کی تکمیل کی۔ ۹۷۰ھ میں وصال فرمایا۔

[2] مولانا محمد زاہد فقر و تجرید و تفرید اور ورع و تقویٰ زہد و عبادت اور اتباع سنت میں بلند مقامات پر فائز تھے۔ حضرت خواجہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں پہنچنے سے چند برس پیشتر ریاضت و مجاہدہ میں اسقدر مصروف رہے کہ اپنی آنکھ کو نیند سے آشنا نہ ہونے دیا۔ اور اشارہ غیبی کے تحت حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک ہی صحبت میں تکمیل ہو گئی اور خرقہ خلافت لے کر واپس وطن تشریف لے آئے۔

(حواشی ہدیہ مجددیہ)

[3] خواجہ خاوند محمود رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ نسب میں چھ واسطہ سے خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتے ہیں۔ آپ نے باطنی نسبت خواجہ اسحاق دہ بیدی سے حاصل کی تھی۔ اس کے بعد آپ نے سیاحت اختیار کی اور کشمیر میں اقامت گزین ہوئے اور وہاں ایک خانقاہ تعمیر کی اور ترویج طریقت میں مصروف ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے سیاحت اختیار کی اور یہیں وصال فرمایا۔ آپ کا مزار پرانوار لاہور میں انجینئرنگ یونیورسٹی کے جانب شمال محلہ بیگم پورہ میں

اسی بنا پر ابتداء میں کسی کو مرید نہیں کرتے تھے۔ اور آخر میں جاکر پیری مریدی کا سلسلہ شروع کیا۔ انہیں کہا گیا کہ مولانا صاحب بزرگ تھے اور تمام ماوراءالنہر کا علاقہ اُن کی بزرگی کا قائل ہے۔ وہ ہرگز ایسا نہیں کرسکتے تھے کہ بلا اجازت ابتداء عمر یا آخر عمر میں پیری مریدی کا سلسلہ شروع کرتے۔ ایسا کرنا خیانت میں داخل ہے جس کا ایک ادنیٰ مسلمان سے بھی گمان نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ اکابردین ایسا کریں۔ اس کے بعد خواجہ خاوند محمود نے کہا کہ ایک روز مولانا درویش محمد صاحب خواجہ کلان دہ بیدی کی خدمت میں حاضر تھے۔ خواجہ کلاں دہ بیدی خربوزہ تناول فرما رہے تھے۔ مولانا نے خربوزہ کھانے کی طلب کا اظہار فرمایا تو خواجہ دہ بیدی نے فرمایا تمہارا خربوزہ مکمل ہوچکا ہے ریختہ ہوچکا ہے (مولانا نے فرمایا آپ گواہی دیتے ہیں کہ ہمارا خربوزہ درجہ کمال کو پہنچ چکا ہے۔ خواجہ کلان دہ بیدی نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا خربوزہ درجہ تمام وکمال کو پہنچ چکا ہے۔ اس وقت سے مولانا نے مرید کرنا شروع کیا۔ خواجہ خاوند محمود کی یہ نقل وروایت بھی بہت بعید معلوم ہوتی ہے۔ یہ بات نہیں ہوسکتی کہ مولانا صرف اتنی سی بات سے اپنے آپ کو شیخ تصوّر کرلیں اور لوگوں کو مرید بنانے کے درپے ہوجائیں۔ اس کے بعد حضرت خواجہ خاوند محمود نے فرمایا کہ ان دو بزرگوں کا نام جو حضرت مولانا اور خواجہ احرار کے درمیان نقل کیا جاتا ہے۔ اور دو نام بتائے جاتے ہیں درست نہیں ہیں۔ اور انہوں نے دو اور نام بتائے۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ سلوک میں مولانا درویش محمد کی نسبت اپنے ماموں سے نہیں۔ بلکہ کسی دُوسرے شخص سے نسبت ہے۔ ان کی ان باتوں سے بڑا تعجب ہُوا۔ اس ضرورت کے تحت آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ ان دو بزرگوں کے نام تحقیق کرکے لکھ بھیجیں تاکہ کسی کو گفتگو کی مجال نہ رہے۔ اور اجازت کی بات لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان کی بزرگی ہی اس کا ثقہ اور معتبر گواہ ہے۔ تاہم اگر اجازت کے بارے میں بھی لکھ بھیجیں تو بہتر ہے تاکہ معترضین کی زبان بند ہوجائے۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ حضرت خواجہ خاوند محمود کا مقصود ان پریشان باتوں سے کیا تھا۔ اگر ان کا مقصود ان باتوں سے ہم بے سرمایہ فقراء کی زور دار طریقہ سے نفی تھی کیونکہ پیر کی نفی مرید کی نفی کو بلاشبہ مستلزم ہے۔ تو ہم بے سرمایہ لوگوں کی نفی کے بہت طریقے ہیں۔ کیا ضرورت تھی کہ اس غرض کے لئے بزرگوں کی نفی کی جائے۔ اور اگر ان کا مقصود

بقیہ حاشیہ صفحہ ( ) واقع ہے۔ اس وقت یعنی ۱۳۹۰ھ میں محکمۂ اوقاف مغربی پاکستان کے زیر تحویل ہے۔ مزار مُبارک کا گنبد پہلے بہت خستہ ہوچکا تھا اب محکمہ نے دوبارہ اس کی مرمت کروائی ہے۔ اس کی دیکھ بھال کے لئے عملہ مقرر کیا ہے۔ محکمہ اوقاف کی تحویل میں آنے سے قبل مزار شریف سے ملحقہ مسجد بھی کس مپرسی کی حالت میں تھی۔ خطیب و امام کا باقاعدہ انتظام نہیں تھا۔ محکمہ نے اس خامی کو بھی دُور کردیا ہے۔ اب پانچ وقت پابندی سے جماعت کی نماز ہوتی ہے۔ اور رونق میں اضافہ ہوچکا ہے۔ محمد سعید احمد مترجم عفی عنہٗ

کچھ اور تھا اور صرف ان دو بزرگوں کی نفی مطلوب تھی تو یہ بھی غیر مستحسن ہے۔ جیسا کہ یہ بات ہر اس شخص پر پوشیدہ نہیں جو تھوڑی سمجھ بھی رکھتا ہے۔ اے اللہ ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ بیشک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے۔ بحرمت سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات۔ اور ہر متبع ہدایت پر سلامتی کا نزول ہو۔

مکتوب نمبر ۱۸۱

حضرت مخدوم زادہ یعنی میاں خواجہ محمد صادق (اللہ اسے سلامت رکھے اور محبوں کے سروں پر تا دیر اسے قائم رکھے) کی طرف صادر فرمایا:

ان کے اس استفسار کے جواب میں کہ اس کا سبب کیا ہے کہ میں مشائخ کی ایک جماعت کو دیکھتا ہوں کہ قرب الٰہی جل شانہٗ کے مراتب میں کم درجہ رکھتے ہیں حالانکہ مقامات زہد وتقویٰ وغیرہ میں بلند درجات پر فائز ہیں۔ اور مشائخ کرام کی ایک دوسری جماعت دیکھتا ہوں جو مراتب قرب میں فوقیت رکھتی ہے حالانکہ مقامات مذکورہ میں نیچے ہے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

میرے فرزند ارشد محمد صادق نے دریافت کیا ہے کہ اس کا کیا سبب ہے کہ میں مشائخ کی ایک جماعت کو دیکھتا ہوں کہ قرب الٰہی جل سلطانہٗ کے مراتب میں ادنیٰ درجہ رکھتی ہے۔ حالانکہ مقامات زہد وتوکل، صبر ورضا میں ان کے درجات بلند معلوم ہوتے ہیں۔ اور مشائخ کی ایک دوسری جماعت کو دیکھتا ہوں کہ مراتب قرب میں بلند درجہ رکھتی ہے۔ اور مقامات زہد وتوکل وغیرہ میں نیچے ہے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ ان مقامات کی اکملیت یقین کے زیادہ اتم ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اور یقین کا اتم ہونا جناب قدس خداوندی جل شانہٗ میں زیادہ نزدیکی کے سبب سے ہے۔ پس یہ بات چند امور سے خالی نہیں یا تو ہماری کشفی نظر خطا کرتی ہے۔ کہ قریب کو بعید جانتی ہے۔ اور بعید کو قریب۔ یا ان مقامات کی اکملیت کا سبب یقین کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ یقین پر مرتب نہیں ہوتا بلکہ کسی دوسرے امر پر ہوتا ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یقین پر ہی مرتب ہوتا ہے۔ جس قدر قرب زیادہ ہوگا یقین زیادہ ہوگا۔ اور ان مقامات پر اکملیت کا سبب بھی یقین کا اتم ہونا ہے۔ کوئی دوسرا نہیں اور نظر کشفی بھی صحیح ہے۔ غایۃ ما فی الباب یہ بات ہے کہ قرب کا حصول لطائف میں سے سب سے زیادہ لطیف کو ہے۔ پس یقین بھی انہی کا حصہ ہوگا اور ان مقامات کی اکملیت چونکہ یقین کے اتم ہونے پر مرتب ہوتی ہے۔ اس وجہ سے وہ بھی انہی کو حاصل ہوگی۔ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی بزرگ کثرت قرب کے باوجود لطیف ترین لطیفہ کے ...

میں اقامت گزین ہو۔ اور سب سے ظاہر ترین لطیفے (قالب) کی طرف رجوع نہ کیا ہو۔ اور دُوسرے کی بزرگی سے جو زیادہ قرب رکھتا ہے، مقاماتِ مذکورہ میں اس سے اکمل ہو اور لطائف میں سے ظاہر ترین لطیفہ قالب کی طرف رجوع کیا ہو۔ کیونکہ لطیفہ قالب جب اس قرب سے محروم ہے۔ تو یقین بھی اس کا حصّہ نہیں ہے۔ تو ان مقامات کی اکملیت کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ اور وہ بزرگ جس کا رجوع اس لطیفہ کی طرف ہے اُس نے بھی اس لطیفہ کا حکم اختیار کر لیا ہے۔ اور دُوسرے لطائف کے یقینات جو پہلے حاصل ہو چکے تھے پوشیدہ ہو چکے ہوں۔ بخلاف اس بزرگ کے جس کا رجوع قالب کی طرف نہیں ہُوا۔ اس کا حکم لطیف ترین لطیفہ کا حکم ہے۔ قرب و یقین اس کے حق میں مضبوط و مستحکم ہو چکا ہے۔ اور روپوش نہیں ہُوا۔ پس لازمی طور پر وہ مقاماتِ مذکورہ میں اتم اور اکمل ہوگا۔ لیکن جاننا چاہیئے کہ صاحبِ رجوع جس طرح قرب و یقین میں اکمل ہے۔ مقامات میں بھی اکمل ہے۔ لیکن اس کے ان کمالات کو پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ اور دعوتِ خلق کی خاطر اور مخلوق کے ساتھ حصول مناسبت کے لئے جو فائدہ دینے اور فائدہ حاصل کرنے کا سبب ہے، اس کے ظاہر کو عوام الناس کے ظاہر کی طرح کر دیا گیا ہے۔ اصل کے اعتبار سے یہ مقام انبیاءِ مرسل کا ہے۔ علیہم الصلوات والتسلیمات۔ اس لئے حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علے نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اطمینان قلب طلب کیا۔ اور یقین کے حصول میں عوام الناس کی طرح آنکھ سے دیکھنے کے محتاج ہوئے۔ اور حضرت عُزیز علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

أَنّٰى يُحْيِي هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا[1] — اللہ تعالیٰ اس بستی کو دوبارہ کیسے زندگی عطا کریگا

اور جس نے رجوع نہیں کیا اُس نے اپنے یقین سے یوں کہا کہ اگر پردہ[2] اٹھ جائے تو بھی میرے یقین میں مزید اضافہ نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا کلام ہے تو اس پر محمول کرنا چاہیئے کہ یہ آپ کا رجوع الی الخلق سے پہلے کا کلام ہے۔ کیونکہ رجوع کے بعد صاحب رجوع عامتہ الناس کی طرح حصول یقین میں دلائل و براہین کا محتاج ہوتا ہے۔ اس درویش کے لئے رجوع سے قبل علم کلام کے تمام معتقدات بدیہی ہو چکے تھے۔ اور محسوسات سے زیادہ ان کا یقین تھا۔ لیکن رجوع کے بعد وہ یقین روپوش ہو گیا تھا۔ اور عامتہ الناس کی طرح دلائل و براہین کا محتاج ہو گیا۔ ع

چنانکہ پرورشم مید ہند میرویم — میری جس طرح پرورش کرتے ہیں میں اسی طرح بڑھتا اور نمودار ہوتا ہوں۔

والسلام

---

[1] سورہ بقر پارہ تلک الرسل

[2] یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا ارشاد ہے۔

مکتوب نمبر ۱۸۲

مُلّا صالح کولابی کی طرف صادر فرمایا:

حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث پاک کے بیان میں کہ آپ نے اپنے بعض صحابہ کرام کو جنہوں نے بُرے خیالات اور وسوسے آنے کی شکایت کی تھی، فرمایا ذالک من الایمان (یہ چیز ایمان میں سے ہے) اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

درویشوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی کہ طالبوں کے وسوسوں اور خطرات کی بات چل پڑی۔ اس ضمن میں یہ حدیث ذکر ہوئی کہ خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے بعض اصحاب نے آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بُرے خیالات اور وسوسوں کی شکایت کی۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔ ذالکَ مِنْ کمالِ الایمان۔ یہ چیز کمال ایمان سے ہے۔ اس وقت اس فقیر کے دل میں حدیث پاک کے یہ معنی آئے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم بحقیقۃ الحال۔ کمالِ ایمان کمالِ یقین سے عبارت ہے۔ اور کمالِ یقین کمالِ قرب پر مرتب ہوتا ہے۔ اور جس قدر قلب اور اس سے اُوپر کے لطائف کو قربِ الٰہی جل شانہٗ زیادہ حاصل ہوگا۔ ایمان ویقین میں بھی اضافہ ہوگا۔ اور قالب سے اس کی بے تعلقی اور بڑھ جائے گی۔ اس وقت دل میں خطرات زیادہ مقدار میں ظہور پذیر ہوں گے۔ اور نامناسب وسوسے آئیں گے۔ لہٰذا بُرے خطرات کا سبب کمال ایمان ہے۔ تو نہایۃ النہایہ کے منتہی حضرات کو جس قدر بُرے خطرات زیادہ تر اور نامناسب ہوں گے ایمان کی اکملیت بھی زیادہ ہوگی۔ کیونکہ کمال ایمان الطف لطائف کی لطیفہ قلب کے ساتھ مکمل بے مناسبتی کا تقاضا کرتا ہے۔ اور یہ بے مناسبتی جس قدر زیادہ ہوگی قالب زیادہ خالی ہوگا۔ اور ظلمت وکدورت کے زیادہ نزدیک ہوگا۔ اور اس میں وساوس وخطرات کا ورود زیادہ ہوگا۔ لیکن مبتدی اور متوسط کا یہ حال نہیں اس لئے اس طرح کے وساوس زہر قاتل ہیں اور اس کے باطنی مرض کو زیادہ کرنے والے ہیں۔ لہٰذا بات سمجھنے میں کوتاہی کرنے والوں میں سے نہ بنو۔ یہ معرفت اس درویش کے دقیق معارف میں سے ہے۔ اور ہر متبع ہدایت اور متابعت مصطفیٰ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پابندی کرنے والے پر سلامتی کا نزول ہو۔

ع

لہ صحیح مسلم شریف۔ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔

مکتوب نمبر ۱۸۳

ملا معصوم کابلی کی طرف صادر فرمایا:

نصیحت کی باتوں میں۔

حق سبحانہ وتعالیٰ شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے راستے پر استقامت عطا فرما کر کلیتہً اپنی جناب قدس کا گرفتار بنائے۔ اُمید ہے کہ مختلف تعلقات اور پراگندہ توجہات جنہوں نے ظاہر پر غلبہ حاصل کیا ہوا ہے باطنی نسبت میں مانع نہیں ہوں گی۔ اس کے باوجود سعی و کوشش کریں کہ ظاہری پراگندگی میں بھی تخفیف ہو۔ ایسا نہ ہو کہ باطن تک بھی سرایت کر جائے۔ اور مطلب تک پہنچنے میں رکاوٹ بن جائے عیاذاً باللہ سبحانہ من ذالک (اس سے اللہ سبحانہ کی پناہ) اور دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس لائق نہیں کہ اپنی قیمتی عمر صرف کرکے اس کو حاصل کرے۔ بتانا شرط ہے۔ خواب خرگوش میں کب تک رہو گے ؎

اے سرائے و باغ تو زندان تو　　　خان و مان تو بلائے جان تو

اے شخص تیری سرائے اور تیرا باغ تیرے لئے قید خانہ ہے (تو اس کی محبت میں گرفتار ہے) تیرا مال و متاع تیرے لئے وبال جان ہے۔

موت سے پہلے اگر کام کر لیا تو فبہا ورنہ خرابی ہی خرابی ہے۔ باطنی سبق کو عزیز جاننا چاہیئے۔ اور جو کچھ اس کے منافی ہے اسے دشمن سمجھنا چاہیئے ؎

ہر چہ جز عشق خدائے احسن است　　　گر شکر خوردن بود جان کندن است

خدائے احسن کے عشق و محبت کے سوا جو کچھ ہے چاہے شکر کھانے کا فعل ہی کیوں نہ ہو جان کو ہلاک ہی کرنا ہے۔

ما علی الرسول الا البلاغ　　　قاصد پر صرف پیغام پہنچانا ضروری ہے۔

والسلام

مکتوب نمبر ۱۸۴

قلیج اللہ کی طرف صادر فرمایا:

حضور سید المرسلین علیہ وعلی آلہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی متابعت کی ترغیب میں۔

میرے فرزند عزیز کا مکتوب مرغوب جو محبت و اخلاص سے تحریر فرمایا تھا۔ میر سید خواجہ نے پہنچایا۔ فرحت کا موجب ہُوا۔ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ کاموں کے کرنے کی توفیق عطا کرے۔ بحرمت النبی اور بحرمت آپ کی بزرگ آل کے علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اتمہا۔

لے فرزند جو کچھ کل کام آئے گا وہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسّلام والتحیہ کی متابعت ہے۔ احوال و مواجید، علوم و معارف، اشارات و رموز اگر اس متابعت کے ساتھ جمع ہو جائیں تو فبہا۔ اور بہت اچھے ہیں۔ ورنہ استدراج اور خرابی کے سوا کچھ نہیں۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کو وصال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا۔ اور اُن کا حال پوچھا۔ حضرت جنید نے اس کے جواب میں کہا۔ حقائق و معارف کے بیان میں سب عبارتیں بے کار گئیں۔ اشارات فنا ہو گئے۔ اور نصف رات کے وقت جو رکعات ہم پڑھتے تھے ان کے سوا کسی ۓ نے ہم کو نفع نہ دیا۔ تو تم پر حضورؐ اور آپؐ کے خلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسّلام کی متابعت لازم کرنا لازم ہے۔ اور قولاً عملاً اعتقاداً حضورؐ کی شریعت کی مخالفت سے بچنا۔ کیونکہ آپؐ کی متابعت سراسر برکت ہے۔ اور آپؐ کی مخالفت نحوست اور بربادی ہے۔

جو رسالہ آپ نے ارسال فرمایا تھا موصول ہُوا۔ بعض مقامات سے اس کا مطالعہ کیا بہت پسند آیا۔ لیکن ایک اور کام تصنیف و تالیف سے بھی زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ اس میں مشغول و مصروف ہونا زیادہ مناسب اور زیادہ اولیٰ ہے۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۱۸۵

ایک شخص کی سفارش کے سلسلے میں منصور عرب کی طرف صادر فرمایا:

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام والتحیہ کے راستے پر استقامت عطا فرمائے۔ اور تمہاری ساری ہمت اپنی ذات قدس کی طرف پھیر لے۔ جو کچھ ہم اور تم پر لازم ہے بغیر حق تعالیٰ کی گرفتاری سے دل کو سالم اور محفوظ رکھنا ہے۔ اور یہ سلامتی اس صورت میں میسر آتی ہے کہ غیر حق کے خیال کا گزر دل پر ہرگز نہ رہے۔ اگر فرضاً ہزار برس زندگی وفا کرے تو بھی دل میں غیر حق کا خیال نہ گزرے۔ اس بیان کے باعث جو دل کو حق تعالیٰ کے ماسوا سے حاصل ہو چکا ہے۔ ع کار اینست وغیر این ہمہ ہیچ۔ اصل کام یہی ہے اس کے سوا سب ہیچ ہے۔ دُوسری لائق بیان بات یہ ہے کہ مولانا فاضل سرہندی جو آپ کی خدمت علیہ میں حاضر ہے۔ اس کا باپ سرہند میں ہے اس کی یہ آرزو ہے کہ اپنے بڑھاپے اور ضعف و

لاغری کے ایام میں اپنے بیٹے کی ملاقات سے مسرور اور خوش ہو۔ اس بنا پر اُس نے اس سلسلہ میں آپ کو تکلیف دینے کے لئے فقیر کو وسیلہ بنایا ہے۔ معاملہ آپ کے قبضہ میں ہے بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

والسلام

مکتوب نمبر ۱۸۶

خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کابلی کی طرف صادر فرمایا:

متابعت سنت پر اُبھارنے اور بدعت سے بچنے اور اس بیان میں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

(بندہ عاجز) حق سبحانہ وتعالیٰ سے تضرع، زاری، التجا، محتاجی، ذلت، انکساری کے ساتھ پوشیدہ اور ظاہر طور پر سوال کرتا ہے کہ جو کچھ دین میں نیا پیدا ہوا ہے۔ اور نیا ایجاد ہوا ہے۔ جو زمانہ خیر البشر اور آپؐ کے خلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے زمانہ میں نہیں تھا۔ اگرچہ وہ چیز روشنی اور چمک دمک میں سپیدۂ صبح کی طرح ہو اس ضعیف بندے کو اس گروہ کے ساتھ جس نے اس کو اختیار کر لیا ہے اس نئے عمل کا گرفتار نہ کرے۔ اور اس نئی ایجاد شدہ چیز کے حُسن پر فریفتہ نہ کرے۔ بحرمت سید المختار وآلہ الابرار علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

کہنے والوں نے کہا ہے کہ بدعت دو قسم ہے۔ حسنہ اور سیئہ۔ حسنہ اس نیک عمل کا نام رکھتے ہیں جو حضورؐ اور آپؐ کے خلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا کے زمانہ کے بعد پیدا ہوئی ہے اور کسی سنت کو اٹھانے اور دُور کرنے والی نہ ہو۔ اور سیئہ اس کو کہتے ہیں جو سنت کو مٹانے اور دُور کرنے والی ہو۔

یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت کے اندر حُسن[1] و نورانیت کا مشاہدہ نہیں کرتا۔ اور ظلمت و کدورت

---

[1] حضرت امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مکتوبات میں "بدعت" سے بچنے اور اس سے دُور رہنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ اور بدعت اور بدعتی لوگوں کی مذمت کی ہے۔ آپؒ نے جو لکھا ہے بالکل حق اور صحیح لکھا ہے۔ لیکن مخالفینِ اہلِ سنت اپنے مخصوص نظریات کے تحت حضرت شیخ مجدد رضی اللہ عنہ کے موقف و مسلک کو غلط رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور بدعت سے متعلق اپنے مسلک کی تائید و حمایت میں حضرت شیخ قدس سرہٗ کی عبارات کو پیش کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو بہکاتے ہیں۔ لہٰذا آپؒ کے مسلک و موقف کی وضاحت

کے سوا کسی شے کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر فرضاً آج مبتدع کے عمل کو ضعف بصارت کے باعث طراوت و تازگی کی شکل میں دیکھتے ہیں تو کل جب کہ نظر تیز کر دیں گے تو پتہ چل جائے گا کہ خسارے اور ندامت کے سوا اس کا کچھ نتیجہ نہیں تھا۔ بَیت

بر وقت صبح شود ہمچو روز معلومت　　　　که باکه باختهٔ عشق در شب دیجور

صبح کے وقت روز روشن کی طرح تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تُو نے شبِ تاریک میں کس کے ساتھ رشتۂ عشق جوڑ رکھا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۱) ضروری ہے۔ اس سلسلے میں علماء کرام نے جو کچھ لکھا ہے مختصراً یہاں درج کیا جاتا ہے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ دیانت و انصاف کی نگاہ سے اس کا مطالعہ فرمائیں۔ علامہ محمد مراد مکی محشی مکتوبات شریف اس مقام پر حاشیہ میں لکھتے ہیں:

(۱) ولا یخالف قوله فی ذالک قول العلماء الاسلاف رحمهم الله حیث قسموا البدعة علی حسنة وسیئة وارادوا بالحسنة ما یکون له اصل فی الصدر الاول ولو اشارة کبناء المنائر والمدارس والرباطات وتدوین الکتب وترتیب الدلائل ونحو ذالک والسیئة مالیس له اصل فیه اصلاً۔ فالامام قدس سره لا یطلق اسم البدعة علی القسم الاول لوجود اصله فی الصدر الاول فلا یکون مبتدعاً ومحدثا بل نخصیه بالقسم الثانی فقط لکونه مبتدعاً ومحدثاً حقیقة ولقوله صلی الله تعالی علیه وسلم کل بدعة ضلالة فالنزاع بینهما لفظی اعنی فی اطلاق اسم البدعة علی القسم الاول وعدم اطلاقه۔

(ترجمہ) اور اس بارے میں آپ کا قول علمائے اسلاف رحمہم اللہ کے اس قول کے مخالف نہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں حسنہ اور سیئہ۔ وہ بدعت حسنہ سے ایسی شے مراد لیتے ہیں جس کی صدر اول میں اصل موجود ہو اگرچہ اشارۃً ہی ہو جیسے مسجدوں کے مناروں، مدارس اور مسافر خانوں کی تعمیر، اور کتابوں کی تدوین اور دلائل کی ترتیب اور اسی طرح کی اور چیزیں۔ اور بدعت سیئہ سے ایسی چیز مراد لیتے ہیں جس کی صدر اول میں بالکل اصل موجود نہ ہو تو امام ربانی قدس سرہٗ قسم اول پر بدعت کے نام کا اطلاق نہیں کرتے۔ کیونکہ اس کی اصل صدر اول میں موجود رہتی ہے۔ لہٰذا وہ چیز بدعت اور محدث نہیں۔ بلکہ آپ بدعت صرف قسم ثانی کو قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ وہی درحقیقت بدعت اور محدث ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ تو

حضور سید البشر علیہ وآلہ الصلوت والتسلیمات فرماتے ہیں:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔ (بخاری ومسلم)	جس نے ہمارے اس دین میں وہ چیز نکالی جو اس میں نہ ہو تو وہ شے مردود ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵) علمائے اسلاف اور حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمۃ کے درمیان نزاع لفظی ہے کہ قسم اول پر بدعت کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں۔

(۲) حضرت شیخ محمد مظہر دہلوی قدس سرہٗ مقامات سعیدیہ میں فرماتے ہیں:

البدعۃ الحسنۃ عند الامام الربانی قدس سرہٗ داخلۃ فی السنۃ ولا یطلق علیھا اسم البدعۃ بموجب کل بدعۃ ضلالۃ والنزاع لفظی بینہٗ وبین العلماء القائلین بوجود الحسن فی البدعۃ۔

(ترجمہ) بدعت حسنہ امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک سنت میں داخل ہے اور آپ موجب حدیث کل بدعۃ ضلالۃ اس پر بدعت کا اطلاق نہیں فرماتے۔ تو اس بارے میں آپ اور دوسرے علمائے کرام کے درمیان جو بدعت حسنہ کے قائل ہیں نزاع لفظی ہے۔

(۳) فکل بدعۃ لم تخالف السنۃ وھی البدعۃ الحسنۃ عند العلماء داخلۃ عند الامام الربانی قدس سرہٗ فی السنۃ۔

(ترجمہ) تو ہر بدعت جو مخالف سنت نہ ہو اور علماء کے نزدیک وہی بدعت حسنہ ہے۔ اور امام ربانی کے نزدیک وہ سنت میں داخل ہے۔

(۴) شاہ عبد الغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ انجاح الحاجۃ حاشیہ ابن ماجہ میں حدیث من احدث فی امرنا ھٰذا مالیس منہ الخ کے تحت فرماتے ہیں:

ای مالیس من وسائلہ فان الوسیلۃ داخلۃ فیہ ولھذا قال الشیخ المجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ان العلوم التی وسائل لامر الدین کالصرف والنحو داخلۃ فی السنۃ ولا یطلق علیھا اسم البدعۃ عندہ رضی اللہ عنہٗ لیس منھا حسن البتۃ۔

(ترجمہ) یعنی وہ چیز جو دین کے وسائل میں سے نہ ہو۔ کیونکہ شے کا وسیلہ اور ذریعہ اس میں داخل ہوتا ہے۔ اسی لئے شیخ مجدد رضی اللہ عنہٗ کے نزدیک وہ علوم جو دین کے وسائل ہیں جیسے صرف ونحو سنت میں داخل ہیں اور آپ اس پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے۔ کیونکہ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بدعت میں کوئی حسن اور خوبی نہیں۔

جو چیز مردود ہو اس میں حُسن کہاں سے آسکتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الھدیٰ۔ ھدی محمد و شر الامور محدثاتھا و کل بدعۃ ضلالۃ۔

بعد حمد و صلوٰۃ پس ربیشک بہتر بات کتاب اللہ ہے اور سب سے بہتر سیرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔ اور چیزوں میں سب سے بدتر نئی باتیں ہیں اور ہر نئی چیز گمراہی ہے۔

دوسری جگہ آپؐ نے فرمایا:

اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبدا حبشیاً فانہٗ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجد۔ وایاکم و محدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔

اے لوگو میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، اس کی بات سننے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی تلقین کرتا ہوں۔ اگرچہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت اختلاف دیکھے گا تو تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ اور اسے مضبوطی سے تھامو۔ اور اسے اپنی ڈاڑھوں سے پختگی سے پکڑو۔ اور نئے امور سے بچنا پس بیشک ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی و ضلالت ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۶) نیز معمولات اہل سنت کے مطابق حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ اپنے پیر و مرشد کی مجلس عرس شریف میں شریک ہوتے تھے۔ حضرات القدس جلد دوم ص۲۹ پر ہے کہ آپ بتقریب عرس حضرت خواجہ قدس سرہٗ دہلی تشریف لائے۔ آپ نے خود اپنے مکتوبات شریف کے دفتر اوّل جلد دوم ص۲۴۳ میں فرمایا ہے۔

در ایام عرس حضرت خواجہ جیو قدس سرہٗ بحضرت دہلی رسیدہ بخاطر داشت کہ در ملازمت علیہ نیز برسد دریں اثنا خبر کوچ منتشر گشت بضرورت توقف نمودہ۔

حضرت خواجہ جیو قدس سرہٗ کے عرس مبارک کے ایام میں فقیر دہلی آیا۔ ارادہ تھا کہ حضرت (شیخ فرید) کی خدمتِ عالی میں بھی حاضر ہو۔ آنے کی تیاری میں تھا کہ آپ کے تشریف لے جانے کی خبر مشہور ہوگئی تو ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔

تو جب دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت و گمراہی ہے۔ تو بدعت میں اچھائی کے ہونے کے کیا معنی۔ نیز احادیث سے جو کچھ سمجھ میں آتا ہے یہ ہے کہ ہر بدعت رافع سنت ہے۔ لہذا بعض بدعات سے تخصیص کی کوئی گنجائش نہیں۔ پس ہر بدعت سیئہ ہی ہوگی۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ۔

کوئی قوم بدعت جاری نہیں کرتی مگر اس کی مثل سنت اٹھالی جاتی ہے۔ تو سنت کو مضبوطی سے تھامنا بدعت جاری کرنے سے بہتر ہے۔

(مسند احمد)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے۔

مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِیْ دِیْنِهِمْ اِلَّا نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لَا یُعِیْدُهَا اِلَیْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔

کوئی قوم اپنے دین میں بدعت جاری نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ اس کی مثل سنتوں سے چھین لیتا ہے پھر قیامت تک وہ سنت انہیں واپس عطا نہیں کرتا۔

(دارمی شریف)

جاننا چاہیئے کہ بعض بدعات جنہیں علماء اور مشائخ بدعت حسنہ کہتے ہیں جب ان کا خوب مطالعہ کیا جائے۔ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ بھی رافع سنت ہیں۔ مثلاً میت کے کفن میں عمامے کو انہوں نے بدعت حسنہ کہا ہے حالانکہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۷) (۶) فوت شدگان کی فاتحہ دلاتے تھے۔ اور ایصال ثواب کرتے تھے۔ مکتوبات شریف میں آپ کے اس عمل کی تصریح موجود ہے۔

(۷) مزارات بزرگان پر تشریف لے جاتے تھے اور تبرکات بزرگان کو تبرک جانتے تھے اور عقیدت کیساتھ قبول کرتے تھے۔

حضرات القدس جلد ۲ صفحہ ۹۔

(۸) حضرت امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تصورِ شیخ، استمداد اولیاء کرام کے قائل ہیں جیسا کہ مکتوبات شریف میں آپ نے جابجا ان مسائل کو وضاحت سے لکھا ہے۔ ان مختلف فیہ مسائل میں حضرت مجدد قدس سرہٗ کے مسلک و موقف کے متعلق پورے طور پر واقف ہونے کے لئے بندہ کی تالیف "مسلک امام ربانی" کا مطالعہ فرمائیں۔

علماء کرام کی مذکورہ تحقیقات اور حوالجات سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہٗ کا مسلک اہل سنت کے مسلک کے عین مطابق ہے اور مخالفین آپ کا مسلک غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ مترجم عفی عنہٗ

یہ بدعت بھی رافع سنت ہے۔ کیونکہ اس سے کفن کے تین کپڑوں میں تین کے عدد کا نسخ ہے۔ اور نسخ عین رفع ہے یوں ہی مشائخ نے دستار کے شملے کو دائیں جانب چھوڑنے کو مستحسن کہا ہے۔ حالانکہ اس بارے میں سنت یہ ہے کہ پشت پر دونوں کاندھوں کے درمیان ہو۔ تو ظاہر ہے کہ یہ بدعت بھی رافع سنت ہے۔ نیز علماء نے جو نیت نماز میں کہا ہے کہ دل سے نیت کے باوجود زبان سے نیت کرنا بھی مستحسن ہے۔ حالانکہ زبان سے نیت کرنا حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے نہ صحیح روایت سے ثابت ہے اور نہ ضعیف روایت سے اور نہ صحابہ کرام اور تابعین عظام سے یہ ثابت ہے کہ وہ زبان سے بھی نیت کرتے تھے۔ بلکہ دستور یہ تھا کہ جب اقامت ہوتی تھی تو ساتھ ہی وہ تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔ تو زبان سے نیت کرنا بھی بدعت ہے۔ اور علماء نے اس بدعت کو بھی حسنہ کہا ہے۔ اور یہ فقیر جانتا ہے کہ یہ بدعت سنت تو کجا فرض کے خاتمے کا بھی باعث ہے۔ کیونکہ زبان سے نیت کے جائز ہونے کی صورت میں اکثر لوگ زبان سے نیت پر ہی کفایت کر بیٹھیں گے۔ اور دل کی غفلت کی کچھ پرواہ نہ کریں گے۔ پس اس ضمن میں نماز کے فرائض میں سے ایک فرض نیت قلبی بھی چھوٹ جاتی ہے۔ اور اس سے نماز ہی فاسد ہو جاتی ہے۔ یہی حال باقی بدعات اور محدثات کا ہے۔ کہ یہ سب کسی نہ کسی طرح سنت پر زیادتی ہے۔ اور زیادتی نسخ ہے اور نسخ رفع ہے۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم کی سنت کی متابعت کے ہی پابند رہو۔ اور آپ کے صحابہ کرام کی اقتدا پر ہی کفایت کرو۔ کیونکہ صحابہ کرام ہدایت کے ستارے ہیں۔ تم ان میں سے جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ باقی رہا قیاس اور اجتہاد فقہی تو وہ بالکل بدعت نہیں بلکہ وہ نصوص کے معنی کو ظاہر و واضح کرتا ہے کسی نئی چیز یا لائد چیز کو ثابت نہیں کرتا۔ تو اے اصحاب بصیرت عبرت پکڑو۔ اور ہر متبع ہدایت اور حضرت مصطفٰے علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی پابندی کرنے والے پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔

مکتوب نمبر ۱۸۷

خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں طریق رابطہ (تصور شیخ) مقصود تک پہنچانے والے راستوں میں سب سے زیادہ قریب ہے۔ اور اس بیان میں کہ رابطہ (تصور شیخ) مرید کے لئے ذکر الٰہی کرنے سے بھی زیادہ نافع ہے۔

جو مکتوب آپ نے دوستوں کو لکھا تھا، نظر پڑا اور تحریر شدہ حالات سے واقفیت ہوئی۔

جاننا چاہیئے کہ بناوٹ اور تکلف کے بغیر شیخ سے رابطے کا حصول پیر و مرید کے درمیان مناسبت تام کی نشانی

ہے۔ جو افادے اور استفادے کا سبب ہے۔ اور کوئی راستہ بھی طریق رابطہ (تصورِ شیخ) سے زیادہ قریب نہیں۔ دیکھیں یہ دولت کس سعادتمند کو عطا کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ العزیز اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ سایۂ رہبر بہ است ذکرِ حق۔ رہبر کا سایہ ذکرِ حق کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ زیادہ بہتر کہنا نفع کے اعتبار سے ہے۔ یعنی مرید کے لئے رہبر کا سایہ اس کے ذکرِ حق کرنے سے زیادہ نفع مند ہے۔ کیونکہ مرید کو اس وقت مذکور (یعنی اللہ جل و علا) کے ساتھ کامل مناسبت حاصل نہیں ہوتی تاکہ براستہ ذکر اسے مکمل نفع حاصل ہو۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب نمبر ۱۸۸

خواجہ محمد صدیق بدخشی کی طرف صادر ہوا:

ان مسائل کے حل میں جو اس نے دریافت کیے تھے۔

میرے برادر عزیز کا مکتوب مرغوب موصول ہوا۔ آپ نے تین امور کے متعلق دریافت کیا ہے۔ اے محبت کے نشانات والے۔ مرتبہ قلب میں بعض لطائف کا پوشیدہ رہنا صرف ان لطائف پر ہی بند ہے جن کا قلب متضمن ہے۔ وہ لطائف اس میں پوشیدہ نہیں ہیں جو قلب سے ماوراء ہیں۔ کیونکہ ان کے قلب میں پوشیدہ ہونے کے کچھ معنی نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ شخص جس کی استعداد مرتبہ قلب یا روح تک ہے۔ پیر صاحب تصرف کا تصرف اسے مراتب فوق تک لے جا سکتا ہے۔ لیکن یہاں ایک باریک بات ہے کہ جو روبرو بات چیت سے تعلق رکھتی ہے۔ تحریراً اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ نیز ایک بات یہ ہے کہ جب ظاہر باطن کا رنگ اختیار کرے اور باطن ظاہر کے رنگ سے رنگین ہو جائے۔ تو کیا مشکل ہے کہ ظاہر کے احکام باطن میں اور باطن کے احکام ظاہر میں نمایاں اور پیدا ہو جائیں۔

والسلام

مکتوب نمبر ۱۸۹

شرف الدین حسین بدخشی کی طرف صادر ہوا:

اس بیان میں کہ بے فائدہ تعلقات میں گرفتار ہونے کے باوجود فقراء کی یاد ان کے ساتھ شدید مناسبت اور تعلق کا اظہار کرتی ہے۔ اور کمینی دنیا پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اور باطنی سبق

کو تمام کاموں سے عزیز رکھنا چاہیئے۔ اور اس بیان میں کہ احکام شریعت سے سرتابی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ پورے احسان اور عجز وزاری سے انہیں قبول کرنا چاہیئے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں:

الحمد للہ رب العالمین والسلام علی سید المرسلین وآلہ الطاہرین اجمعین۔

عزیز وارشد فرزند ارجمند۔ شرف الدین حسین کا مکتوب شریف موصول ہو کر موجب فرحت وتازگی ہوا۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ بے فائدہ گرفتاریوں اور مصروفیتوں کے باوجود فقراء دُور از کار کی یاد ذہن سے محو نہیں ہوئی۔ اس یاد سے شدت مناسبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہی چیز افادہ اور استفادہ کا سبب ہے۔ بعض واقعات جو آپ نے درج کیئے تھے۔ اچھے اور عمدہ ہیں اور باطنی ارتباط پر قوی دلیل ہیں۔

اے فرزند کمینی دنیا کی طراوت وتازگی پر فریفتہ نہ ہونا۔ اور اس کے بے معنی کروفر پہ عاشق نہ ہونا۔ کیونکہ بے حقیقت اور بے اعتبار ہے۔ آج اگر یہ معنی ذہن میں نہیں آتا کل ضرور آجائے گا۔ لیکن اس وقت کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

گوشش از بار درگراں شدہ است　　　نشود نالہ و فغانِ مرا

اس کے کان موتیوں کے زیور سے بھاری ہوئے ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ میرے نالے اور فغان کو نہیں سنتے۔

چاہیئے کہ باطنی سبق کو خداوند تعالےٰ جل شانہٗ کی عظیم نعمتوں سے جانتے ہوئے اس کے تکرار پر فریفتہ اور حریص رہیں۔ اور پانچ وقت کی نماز سستی اور کوتاہی کے بغیر باجماعت ادا کرتے رہیں۔ اور چالیس روپے میں سے اللہ کا احسان جانتے ہوئے فقراء اور مساکین کو دیں۔ اور حرام اور مشتبہ چیزوں سے اجتناب اور پرہیز کریں۔ اور مخلوقات پر مشفق اور مہربان رہیں۔ نجات اور رستگاری کا طریقہ یہی ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۱۹۰

میر محمد نعمان بدخشی کے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کی طرف صادر ہوا:

ذکر الٰہی جل سلطانہٗ کے دوام پر ابھارنے اور بلند مرتبہ طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم اور طرز وطریقہ ذکر اور دُوسرے مناسب امور کے بیان میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ سید المرسلین وآلہ الطاہرین اجمعین۔

تو اس بات کو جان اور آگاہ رہ کہ تیری سعادت بلکہ تمام انسانوں کی سعادت اور سب کی فلاح ونجات

اپنے مولیٰ جل سلطانہ کے ذکر میں ہے۔ جہاں تک ممکن ہو سکے تمام اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہٗ میں مستغرق اور معروف رکھنا چاہیئے۔ اور ایک لحظہ کے لئے بھی غفلت کو جائز نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ دوام ذکر طریقہ حضرات خواجگان (نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں ابتداء میں ہی میسر آجاتا ہے۔ اور "نہایت ابتداء میں درج ہے" کے طریقہ پر حاصل ہو جاتا ہے۔ لہذا طالب کے لئے اس بلند مرتبہ طریقہ کو اختیار کرنا زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔ بلکہ لازم و واجب ہے۔ پس تجھ پر لازم ہے کہ قبلہ توجہ کو ہر طرف سے ہٹا کر کلیتہ اس طریقہ علیہ کے بلند مرتبہ اکابر کی طرف کرے۔ اور ان کے باطن سے ہمت اور توجہ طلب کرے۔ ابتداء میں ذکر کرنے سے چارہ نہیں۔ چاہیئے کہ قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہو۔ کیونکہ دل کے گوشت کا ٹکڑا قلب حقیقی کے لئے حجرے اور گھر کی مانند ہے۔ اور اسم مبارک "اللہ" کو اس قلب پر گزارے۔ اور اس وقت قصداً کسی عضو کو بھی حرکت نہ دے۔ کلیتہ قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائے۔ اور خیال میں بھی قلب صنوبری کو جگہ نہ دے۔ اور اس طرف متوجہ نہ ہو۔ کیونکہ مقصود قلب کی طرف توجہ ہے۔ نہ کہ اس کی صورت کا تصور۔ اور لفظ مبارک اللہ کے معنی کو بے مثال اور بے کیف ملاحظہ کرے اور کسی صفت کو بھی اس کے ساتھ نہ ملائے اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کو بھی لحاظ و خیال میں نہ لائے۔ تاکہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی بلندی سے صفات کی پستی کی طرف نہ آئے۔ اور اس سے شہود وحدت کثرت میں نہ پڑے۔ اور بے کیف ذات کی گرفتاری سے چون اور کیف والی شے کے تہ آرام نہ پکڑے۔ کیونکہ جو..... چون اور کیفیت رکھنے والی شے میں نمایاں ہوگا وہ بے کیف نہیں ہو سکتا۔ اور جو کچھ کثرت میں نمودار ہوتا ہے۔ واحدِ حقیقی نہیں ہو سکتا۔ بے چون ذات کو چون کے دائرہ سے باہر تلاش کرنا چاہیئے۔ بسیط حقیقی کو احاطہ کثرت سے باہر طلب کرنا چاہیئے۔

اور اگر بوقت ذکر الٰہی بے تکلف پیر کی صورت ظاہر ہو تو اسے بھی دل میں لے جائے۔ اور دل میں بٹھا کر ذکر کرے۔[1]

تم جانتے ہو پیر کیسی ہستی ہے۔ پیر وہ ذات ہے کہ جناب قدس خداوندی جل شانہٗ تک پہنچنے کے ملتے

---

[1] معلوم ہوا کہ تصور شیخ جائز اور درست ہے۔ حضرت امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں۔ لیکن جن حضرات کو ہر چیز میں شرک ہی نظر آتا ہے۔ وہ اسے بھی شرک ہی کہتے ہیں۔ چنانچہ مولوی اسماعیل دہلوی مصنف تقویتہ الایمان کے پیر سید احمد صاحب رائے بریلوی نے شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہٗ کو کہا تھا کہ تصور شیخ صریح شرک ہے۔ ملاحظہ ہو سید احمد شہید مؤلفہ غلام رسول مہر۔

میں اس سے استفادہ کرتے ہو۔ اور اس سے اس راہ میں طرح طرح کی مدد و اعانت[1] حاصل کرتے ہو۔ خالی کلاہ اور چادر اور شجرہ جو مروج ہو چکا ہے پیری مریدی کی حقیقت سے خارج ہے۔ اور عادات و رسوم میں داخل ہے۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ شیخ کامل مکمل کا کرتا بطور تبرک[2] اپنے پاس رکھے۔ اور اس کے ساتھ اعتقاد و اخلاص سے زندگی گزارے۔ شیخ کے کرتے کو پاس رکھنے میں ثمرات و نتائج کا قوی احتمال ہے۔

تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ خوابیں اور واقعات اعتماد و اعتبار کے لائق نہیں۔ کوئی شخص اگر اپنے آپ کو خواب یا واقعہ میں بادشاہ یا قطب وقت دیکھے تو حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ ہاں خواب اور واقعہ سے باہر عالم حقیقت اور نفس الامر میں اگر بادشاہ یا قطب بن جائے تو ماننے کے لائق ہے۔ لہذا بیداری میں اگر احوال و مواجید ظاہر ہوں تو ان پر اعتماد کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔ اور تم جانتے ہو کہ ذکر کا نفع اور اس پہ آثار و نتائج مرتب ہونا شریعت کی بجا آوری سے وابستہ ہے۔ اس لئے فرائض اور سنتوں کی ادائیگی اور حرام اور مشتبہ چیزوں سے اجتناب میں پوری احتیاط کرنی چاہیئے۔ اور چھوٹی بڑی بات میں علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور ان کے فتوی کے تقاضا کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۱۹۱

خانخاناں کی طرف لکھا گیا:

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی ترغیب اور اس بیان میں کہ تکالیف شرعیہ میں آسانی اور سہولت کی پوری رعایت کی گئی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس راستے کی ہدایت دی اور ہمیں ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی تھی اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا۔ بیشک ہمارے رب تعالیٰ کے رسول حق کے ساتھ

---

[1] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العالی پیرو مرشد سے مدد و اعانت حاصل کرنے کے قائل و معتقد ہیں۔ اور یہ چیز شرک و بدعت نہیں۔

[2] معلوم ہوا کہ حضرت شیخ مجدد رضی اللہ عنہ بزرگوں کے تبرکات کے بھی قائل و معتقد ہیں۔ جیسا کہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے۔

تشریف لائے۔

سعادت ابدی اور نجات سرمدی انبیاء کرام کی (اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کی سلامتی ان سب پر عموماً اور ان سب سے افضل پر خصوصاً نازل ہوتی رہیں۔ کی متابعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ فرضاً اگر ہزار سال بھی عبادت کی جائے۔ اور ریاضت شاقہ اور مجاہدات شدیدہ کو بروئے کار لایا جائے تو بھی اگر ان بزرگوں (انبیاء کرام) کی متابعت کے نور سے منور اور روشن نہ ہوں بارگاہِ ایزدی میں ان کی ایک جو برابر قیمت نہیں۔ اور دوپہر کے سونے کے ساتھ جو سراسر غفلت اور بے کاری ہے لیکن ان بزرگوں (انبیاء کرام) کے حکم کے مطابق ہو وہ مجاہدات اس نیند کے برابر نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مجاہدات چٹیل اور خالی میدان کی طرح بے فائدہ سمجھے جائیں گے۔ یہ خداوند جل شانہٗ کی کمال مہربانی ہے کہ تمام شرعی تکالیف اور دینی امور میں نہایت ہی آسانی اور سہولت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

مثلاً رات دن کے آٹھ پہر میں صرف سترہ رکعت (فرض) نماز ادا کرنے کی تکلیف دی گئی ہے۔ اور ان کے ادا کرنے میں سارا ایک گھنٹہ بھی صرف نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں نماز میں قرأت جس قدر میسر آسکے اسی پر کفایت کی اجازت دی گئی ہے۔ اور اگر قیام مشکل ہو تو بیٹھ کر ادا کرنے کی اجازت ہے۔ اور اگر بیٹھ کر ادا کرنا مشکل ہو تو لیٹ کر ادا کرنے کی اجازت ہے۔ اور جب رکوع و سجود مشکل ہو اشارے سے ادا کرنے کا حکم ہے۔ اور وضو میں اگر پانی استعمال کرنے پر قدرت نہ ہو تو تیمم کو اس کی جگہ مقرر کیا ہے۔ اور زکوٰۃ میں چالیس حصوں میں سے صرف ایک حصہ فقراء و مساکین کے لئے مقرر فرمایا گیا ہے۔ اور اسے بھی بڑھنے والے مالوں اور چرنے والے مویشیوں پر منحصر کیا ہے۔ اور تمام عمر میں صرف ایک حج فرض کیا ہے۔ اور اس کے لئے بھی راستے کے خرچ، سواری اور راستے میں خطرہ نہ ہونے کے ساتھ مشروط فرمایا ہے۔ اور دائرہ مباح کو وسیع اور کشادہ کر دیا ہے۔ چار آزاد عورتیں نکاح کے ساتھ اور زرخرید لونڈیں جس قدر چاہیں مباح فرمائی ہیں۔ اور طلاق کو نکاح کی تبدیلی کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ اور کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں میں زیادہ مباح اور کم حرام کی ہیں وہ بھی بندوں کی بہتری اور ان کے فائدے کی خاطر۔

مثلاً ایک بدمزہ ضرر و نقصان سے لبریز شراب کو حرام کیا ہے۔ اور اس کے عوض بے شمار فائدے مند اور خوش ذائقہ اور خوشبودار شربتوں کو جائز اور مباح فرمایا ہے۔ عرق لونگ اور عرق دارچینی میں ان کے خوش مزہ اور خوشبودار ہونے کے باوجود اس قدر فائدے اور منافع ہیں جو بیان میں نہیں آسکتے۔ کڑوی، بدمزہ بدبو بدخو ہوش و حواس کھونے والی اور پُرخطر (شراب) کو خوشبودار اور خوشگوار چیز سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اس کے علاوہ ان دونوں میں حلال و حرام کے اعتبار سے جو فرق ہے وہ الگ ہے اور وہ فرق و تمیز جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور نارضامندی کی وجہ سے ہے الگ ہے۔

یوں ہی اگر بعض ریشمی کپڑوں کو حرام کیا ہے تو کیا ڈر ہے۔ جبکہ کئی طرح کے قیمتی اور دیدہ زیب کپڑے ان کے عوض حلال کر دیئے ہیں۔ اور پشمینہ اور صوف کا لباس جو عام طور پر مباح ہے، ریشمی لباس سے کئی درجے بہتر ہے۔ پھر ریشمی لباس بھی صرف مردوں کے لئے حرام ہے عورتوں کے لئے حلال اور جائز ہے۔ اور اس کے منافع بھی مردوں کو ہی پہنچتے ہیں۔ اور یہی سونے چاندی کا حال ہے۔ کہ ان سے عورتوں کے زیورات درحقیقت مردوں ہی کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ اگر کوئی بے انصاف اس آسانی اور سہولت کے باوجود اسلام پر چلنا مشکل اور دشوار جانے تو مرض قلبی میں مبتلا اور باطنی بیماری میں گرفتار ہے۔ بہت سے کام ایسے ہیں جنکا کرنا تندرست لوگوں کے لئے آسان ہوتا ہے۔ لیکن کمزور لوگوں کے لئے ان کی انجام دہی نہایت ہی مشکل ہوتی ہے۔ اور مرض قلبی سے مراد آسمان سے نازل شدہ خدا تعالیٰ کے احکام پر دلی یقین کا نہ ہونا ہے۔ ایسے لوگوں کو اس وقت جو تصدیق حاصل ہے وہ صرف صورت تصدیق ہے۔ نہ کہ حقیقت تصدیق۔ حقیقت تصدیق کے حصول کی علامت احکام الٰہیہ کی بجا آوری میں آسانی کا پایا جانا ہے۔ ورنہ بے فائدہ رنج اٹھانے کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْ مِنْ رُسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مِنْ يُّنِيْبُ۔

مشرکوں پر وہ بات بھاری ہے جس کی طرف تو ان کو بلاتا ہے۔ اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے برگزیدہ کرتا ہے۔ اور اپنی طرف اسے ہی ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔

ہر متبع ہدایت اور مصطفٰے علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت کی پابندی کرنے والے پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔

مکتوب نمبر ۱۹۲

شیخ بدیع الدین سہارنپوری کی طرف صادر فرمایا:

میرے عزیز اور رشد و ہدایت والے بھائی نے استفسار کیا تھا کہ "گیارھویں عرضداشت میں جو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ کی طرف لکھی گئی تھی واقع ہوا ہے کہ ایک رنگین مقام میں راس فقیر کا گزر ہوا

لہ پارہ الیہ یرد سورۃ شوریٰ ۱۳

جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام سے بلند تر ہے" اس کلام کے کیا معنی ہیں؟ اللہ تعالےٰ تجھے رشد وہدایت عطا کرے تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ عبارت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت کو مستلزم نہیں۔ خاص کر جب کہ لفظ "ہم" بھی موجود ہے جس کے معنی "بھی" کے ہیں (جس سے صرف ایک طرح کی شرکت ظاہر ہوتی ہے) اور اگر تسلیم بھی کرلیں کہ یہ عبارت فضیلت کو مستلزم ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ کلمات اور اس طرح کے دوسرے کلمات جو اس عرضداشت میں واقع ہوئے ہیں، ان واقعات میں سے ہیں جو اپنے پیر ومرشد کی طرف تحریر کئے گئے ہیں۔ اور اس گروہ صوفیہ میں یہ بات طے شدہ ہے کہ واقعات میں سے جو کچھ پیش آئے صحیح ہو یا غیر صحیح بے تکلف اپنے پیر کے سامنے ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ غیر صحیح میں بھی تاویل وتعبیر کا احتمال ہے۔ لہٰذا ان کے اظہار سے چارہ نہیں اور جس بات کو ہم بیان کر رہے ہیں اس میں اپنے معنی کے لحاظ سے کچھ خرابی نہیں۔

علماء کرام نے اس کا ایک اور حل بھی تجویز کیا ہے۔ کہ جزئیات میں سے ایک جزئی میں غیر نبی کو اگر نبی پر فضیلت لازم آجائے تو کچھ حرج نہیں۔ بلکہ ایسی فضیلت کا وقوع بھی ہو چکا ہے۔ جیسا کہ شہداء کے بارے میں وہ فضیلت کی باتیں وارد ہو چکی ہیں جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے متعلق وارد نہیں۔ اس کے باوجود فضل کلی نبی کی ذات کے لئے ہی ہے۔ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات۔ لہٰذا ایسی صورت میں غیر نبی کو اس جزئی کے کمالات میں سیر واقع ہو اور اپنے آپ کو اس مقام بلند تر پائے تو اس کی گنجائش ہے۔ اگرچہ وہ مقام بھی اسے نبی کی متابعت سے ہی نصیب ہوا ہے۔ اور نبی کے لئے بھی مطابق حدیث۔

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔	جو شخص نیک طریقہ جاری کرے۔ تو اس کے جاری کرنے اور جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے سب کا ثواب اُسے ملے گا۔

مکمل حصہ ملتا ہے۔ تو جب غیر نبی کو نبی پر فضیلت جزئی جائز ہے۔ تو غیر نبی پر بطریق اولیٰ فضیلت جزئی ثابت

لہ چنانچہ مکتوبات ۱۱ کی عبارت جس میں یہ مضمون واقع ہوا ہے۔ یوں ہے۔ "خود را ہم بانعکاس آں مقام رنگین ومنقش یافت" یعنی میں نے اپنے آپ کو بھی اس مقام کے پرتو سے رنگین اور منقش پایا۔ اور ہم کے لفظ سے صرف ایک طرح کی شرکت مفہوم ہوتی ہے۔ اس سے تو مساوات بھی ثابت نہیں ہوتی چہ جائیکہ ان الفاظ سے فضیلت ثابت کی جائے باقی معاند کے عناد کا کچھ علاج نہیں۔ ۱۲

سہ کیونکہ واقعات اپنے پیر ومرشد کی خدمت میں عرض کرنے سے قبل نہ تو ظاہر پر مبنی ہوتے ہیں اور صحت کو مستلزم ہوتے ہیں بلکہ بین بین ہوتے ہیں۔ سہ افضلیت کا مدار فضیلت کلی پر ہے۔ نہ کہ فضیلت جزئی پر۔

ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہمارے اس کلام میں بالکل کوئی اشکال نہیں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۱۹۳

فرقہ اہل سنت و جماعت کی رائوں کے موافق عقاید کو درست کرنے اور احکام فقیہہ یعنی حلال و حرام و فرض و واجب و سنّت و مندوب و مکروہ جن کا علم فقہ ذمہ دار ہے کے سیکھنے کی ترغیب میں۔ اور اسلام کی غربت اور اُس کی تائید و ترقی کے لئے برانگیختہ کرنے کے بیان میں سیادت پناہ شیخ فرید کی طرف لکھا ہے:۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَللّٰہُ تَعَالٰی نَاصِرُکُمۡ وَمُعِیۡنُکُمۡ عَلٰی کُلِّ مَا یَعِیۡبُکُمۡ وَیَشِیۡنُکُمۡ حق تعالےٰ اُس چیز پر جو آپ کو عیب دار اور داغ دار کرے آپ کا مددگار اور معاون رہے۔

ارباب تکلیف پر پہلے نہایت ضروری ہے کہ علمائے اہل سُنّت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیھم کی رائوں کے موافق اپنے عقاید کو درست کریں۔ کیونکہ عاقبت کی نجات انہی بزرگواروں کی بے خطا رائوں کی تابعداری پر موقوف ہے۔ اور فرقہ ناجیہ بھی یہی لوگ اور ان کے تابعدار حضرات ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریق پر ہیں۔ اور ان علوم سے جو کتاب و سنت سے حاصل ہوئے ہیں وہی معتبر ہیں جو ان بزرگواروں نے کتاب و سنت سے اخذ کئے ہیں اور سمجھے ہیں۔ کیونکہ ہر بدعتی و گمراہ بھی اپنے فاسد عقاید کو اپنے خیال فاسد میں کتاب و سنت ہی سے اخذ کرتا ہے۔ پس ان کے اخذ کردہ معانی میں سے کسی معنی پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے[1]۔ اور ان عقاید حقہ کی درستی کے لئے امام اجل تورپشتی کا رسالہ بہت مناسب اور عام فہم ہے۔ اپنی مجلس شریف میں اس کا ذکر کرتے رہا کریں۔ لیکن رسالہ مذکورہ چونکہ استدلال پر مشتمل ہے اور اس میں طول و بسط بہت ہے۔ اس لئے کوئی ایسا رسالہ جو صرف مسائل ہی کو شامل ہو۔ بہتر اور مناسب ہے۔ اسی اثنا میں فقیر کے دل میں گذرا کہ اس بارہ میں ایک ایسا رسالہ لکھے جو اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مشتمل ہو۔ اور سہل ماخذ ہو۔ اگر ہو سکا تو جلدی ہی لکھ کر خدمت میں بھیجا جاوے گا۔

---

[1] معلوم ہُوا کہ قرآن و حدیث کے صرف معنی قابل اعتبار ہیں جو علمائے اہل سنت اور بزرگان دین نے بیان کئے ہیں۔ یہ ایسا ضابطہ ہے کہ اسے اختیار کرنے سے انسان گمراہ فرقوں کے اثر سے محفوظ رہتا ہے۔

ان عقائد کے درست کرنے کے بعد حلال و حرام و فرض و واجب و سنت و مندوب و مکروہ جن کا علم فقہ متکفل ہے، کا سیکھنا اور اس علم کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ بعض طالبوں کو فرمائیں کہ فقہ کی کتاب جو فارسی عبارت میں ہو۔ جیسے مجموعہ خوانی اور عمدۃ الاسلام مجلس میں پڑھتے رہا کریں۔ اور اگر نعوذ باللہ ضروری اعتقادی مسئلوں میں سے کسی مسئلہ میں خلل پڑ گیا۔ تو نجات آخرت کی دولت سے محروم ہو گیا۔ اور اگر عملیات میں سستی واقع ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ توبہ ہی سے معاف کر دیں۔ اور اگر مواخذہ بھی کریں گے تو پھر بھی نجات تو ہو ہی جائے گی۔ تو عمدہ کام عقائد کا درست کرنا ہے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمام احوال و مواجید کو ہمیں دیدیں اور ہماری حقیقت کو اہل سنت و جماعت کے عقائد کے ساتھ آراستہ نہ کریں تو سوائے خرابی کے ہم کچھ نہیں جانتے۔ اور اگر تمام خرابیوں کو ہم پر جمع کر دیں۔ لیکن ہماری حقیقت کو اہل سنت و جماعت کے عقائد سے نوازدیں۔ تو پھر کچھ خوف نہیں۔

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلٰی طَرِیْقَتِہِمُ الْمَرْضِیَّۃِ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْبَشَرِ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُہَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُہَا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سید البشر علیہ و آلہ الصلوات والسلام کی طفیل طریقہ پسندیدہ پر ثابت قدم رکھے۔

ایک درویش لاہور کی طرف سے آیا ہوا تھا۔ اُس نے بیان کیا کہ شیخ جیو پُرانی منڈی کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ اور میاں رفیع الدین نے ان کی التفات کے اظہار کے بعد کہا کہ نواب شیخ جیو نے اپنی حویلی میں جامع مسجد بنائی ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ حق تعالیٰ ان کو زیادہ توفیق عنایت فرمائے۔ مخلصوں اور یاروں کی اس قسم کی باتیں سُن کر بہت ہی خوشی حاصل ہوتی ہے۔

میرے سیادت پناہ مکرم! آج اسلام بہت غریب ہو رہا ہے۔ آج اس کی تقویت میں ایک جیتل کا صرف کرنا کروڑہا روپیوں کے بدلے قبول کرتے ہیں۔ دیکھیں کون سے بہادر کو اس دولتِ عظمیٰ سے مشرف فرماتے ہیں۔ دین کی ترقی اور مذہب کی تقویت ہر وقت خواہ کسی سے وقوع میں آئے بہتر اور زیبا ہے۔ لیکن اس وقت میں کہ اسلام غریب ہوتا جاتا ہے۔ اہل بیت کے آپ جیسے جوانمردوں سے نہایت ہی زیبا اور خوب ہے۔ کیونکہ یہ دولت آپ جیسے بزرگوں کے خاندان کی خانہ زاد ہے۔ اس کا تعلق آپ سے ذاتی ہے اور دوسروں سے عارضی۔ حقیقت میں نبی علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام کی وراثت اسی عظیم القدر امر کے حاصل کرنے میں ہے۔ حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم ایسے زمانہ میں موجود ہوئے ہو کہ اگر اوامر و نواہی میں سے دسویں حصہ کو ترک کرو تو ہلاک ہو جاؤ۔ اور تمہارے بعد ایسے لوگ آئیں گے کہ اگر

اوامرو نواہی میں سے دسویں حصّہ کو بجالائیں گے۔ اب یہ وہی وقت ہے اور یہ لوگ وہی لوگ ہیں ؎

گوئے توفیق وسعادت درمیاں افگندہ اند　　کس بمیداں درنمے آید سواراں را چہ شد

ترجمہ:۔ توفیق وسعادت کا گیند میدان میں پڑا ہے سواروں کو کیا ہو گیا ہے کہ اسے اٹھانے کے لیے کوئی آگے نہیں بڑھتا۔

کافر لعین گوبند اور اس کی اولاد کا مارا جانا بہت خوب ہوا۔ اور ہنود مردود کی بڑی شکست کا باعث ہوا۔ خواہ کسی نیت سے اُس کو قتل کیا ہو۔ اور خواہ کسی غرض سے اُس کو ہلاک کیا ہو۔ بہرحال اس میں کفار کی خواری اور اہل اسلام کی ترقی ہے۔

اس فقیر نے اس کافر کے قتل ہونے سے پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ بادشاہ وقت نے شرک کے سر کی کھوپڑی کو توڑا ہے۔ واقعی وہ بہت بُت پرست اہلِ شرک کا رئیس اور اہل کفر کا امام تھا۔ خَذَلَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی اللہ تعالیٰ انہیں خوار کرے۔

اور دین و دنیا کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بعض دعاؤں میں اہل شرک کو اس عبارت میں لعنت و نفرین فرمائی ہے :۔

اَللّٰهُمَّ شَتِّتْ شَمْلَهُمْ وَفَرِّقْ جَمْعَهُمْ وَخَرِّبْ بُنْيَانَهُمْ وَخُذْهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُقْتَدِرٍ

یا اللہ تو ان کی جمعیت کو پراگندہ کر اور ان کی جماعت میں تفرقہ ڈال اور ان کے گھروں کو ویران کر اور ان کو ایسا پکڑ جیسے غالب طاقتور پکڑتا ہے۔

اسلام اور اہلِ اسلام کی عزت، کفر اور اہل کفر کی خواری میں ہے۔ جزیہ سے مقصود کفار کی خواری اور اُن کی اہانت ہے۔ جس قدر اہلِ کفر کی عزت ہو، اسی قدر اسلام کی ذلّت ہے۔ اس سررشتہ کو اچھی طرح نگاہ رکھنا چاہیئے۔ اکثر لوگوں نے اس سررشتہ کو گم کر دیا ہے۔ اور بدبختی سے دین کو برباد کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ اے نبی کفار اور منافقین سے جہاد کر اور ان کے ساتھ سختی سے معاملہ کر۔

کفار کے ساتھ جہاد کرنا اور ان پر سختی کرنا دین کی ضروریات میں سے ہے۔ کفر کی باقی رسمیں جو پہلے زمانہ میں پیدا نہ ہوئی تھیں۔ اس وقت کہ بادشاہ اسلام کو اہلِ کفر کے ساتھ وہ توجہ نہیں رہی مسلمانوں کے دل اس سے بہت پشیمان ہیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ بادشاہ اسلام کو ان بدمذہبوں کی رسموں کی بُرائی سے مطلع کریں۔ اور ان کے دُور کرنے میں کوشش کریں۔ شاید بادشاہ کو ان بقایا رسوم کی برائی کا علم نہ ہو۔ اور اگر وقت کے لحاظ سے مناسب سمجھیں تو بعض علمائے اہل اسلام کو اطلاع دیں تاکہ وہ آکر اہل کفر کی برائی ظاہر کریں۔ کیونکہ احکام شرعی کی تبلیغ کے لیے خوارق وکرامات کا اظہار کرنا کچھ درکار نہیں۔ قیامت کے دن کوئی عذر نہ سنیں گے کہ تصرف کے بغیر احکام

کے بغیر احکام شرعی کی تبلیغ نہیں کی۔

انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام جو بہترین موجودات سے ہیں جب احکامِ شرعی کی تبلیغ کرتے تھے۔ اور اُمت کے لوگ معجزہ طلب کرتے تھے۔ تو فرماتے تھے کہ معجزات خدا کی طرف سے ہیں۔ ہم پر احکام کا پہنچانا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت شاید حق تعالےٰ ایسا امر ظاہر کر دے جو ان لوگوں کے حق ہونے کے اعتقاد کا باعث ہو جائے۔ بہرحال مسائل شرعیہ کی حقیقت سے اطلاع دینا ضروری ہے۔ جب تک یہ واقع نہ ہو۔ اس امر کی ذمہ داری علما اور بادشاہ کی بارگاہ کے مقرب لوگوں پر ہے۔ یہ کس قدر بڑی سعادت ہے کہ اس گفتگو میں کسی جماعت کو تکلیف پہنچے۔

انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام نے احکام کی تبلیغ میں کونسی تکلیفیں ہیں جو برداشت نہیں کیں۔ اور کیسی کیسی مصیبتیں ہیں جو ان کے پیش نہیں آئیں۔

انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بہتر و مہتر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ کسی نبی کو ایسی ایذا نہیں پہنچی جیسی کہ مجھے ایذا پہنچی ہے ؎

عمر بگذشت و حدیث عشق ما آخر نہ شد　　　شب بآخر شد کنوں کوتاہ کنم افسانہ را

ترجمہ: عمر گزر گئی لیکن ہمارے عشق کی داستان ختم نہ ہوئی۔ رات گزر گئی اس لئے میں افسانے کو مختصر کرتا ہوں

مکتوب نمبر ۱۹۴

ملت کی ترقی اور دین کی تائید کی ترغیب میں اور اس سے متعلق بیان میں صدر جہاں کی طرف لکھا:

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَعَافَاکُمْ حق تعالےٰ آپ کو سلامت و عافیت سے رکھے۔ احکام شرعیہ کے جاری ہونے اور مذہب مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دشمنوں کی خواری کی باتیں سن کر ماتم زدہ مسلمانوں کے دل کو خوشی اور رُوح کو تازگی حاصل ہوئی۔ اس بات پر اللہ تعالےٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ اور اللہ مالک قدیر سے سوال ہے کہ اپنے نبی بشیر و نذیر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی طفیل اس بڑے کام میں ترقی بخشے مجھے یقین ہے کہ اسلام کے مقتدا یعنی سادات عظام اور علمائے کرام خلوت و جلوت میں اس دین متین کی ترقی اور اس صراط مستقیم کی تکمیل کے درپے ہوں گے۔ بھلا کوئی بے سروسامان اس بارہ میں کیا دم مارے۔ آپ نے سُنا ہوگا کہ بادشاہ اسلام اسلامی استعداد کی خوبی سے علماء کا خواہاں ہے۔ الحمدُ للہ علےٰ ذالک۔

آپ کو معلوم ہے کہ زمانہ سابق میں جو فساد پیدا ہوا تھا۔ وہ علماء کی ہی کمبختی سے ظہور میں آیا تھا۔ اس بارہ میں

اُمید ہے کہ پُورا پُورا تتبع مدنظر رکھ کر علمائے دیندار کے انتخاب کرنے میں پیش دستی کریں گے۔ علمائے بددین کے چور ہیں۔ ان کا مقصود ہمہ تن یہ ہے کہ خلق کے نزدیک مرتبہ و ریاست و بزرگی حاصل ہو جائے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْ فِتْنَتِہِمْ ۔ اللہ تعالےٰ ان کے فتنہ سے بچائے۔ ہاں ان میں سے جو بہتر ہیں۔ وہ سب خلقت سے اچھے ہیں کل قیامت کے دن ان کی سیاہی کو فی سبیل اللہ شہیدوں کے خون کے ساتھ تولیں گے۔ اور ان کی سیاہی کا پلّہ بھاری ہو جائے گا۔ شَرُّ النَّاسِ شَرُّ الْعُلَمَاءِ وَخَیْرُ النَّاسِ خَیْرُ الْعُلَمَاءِ سب لوگوں میں سے بُرے بُرے عالم ہیں۔ اور سب خلقت سے اچھے اچھے عالم ہیں۔

دُوسری التماس یہ ہے کہ بعض نیتیں آمادہ کرتی ہیں کہ اپنے آپ کو لشکر میں پہنچائے۔ لیکن ماہ مبارک رمضان کے نزدیک آنے کے باعث حضرت دہلی میں ٹھیرنے کا اتفاق ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ اس مبارک مہینے کے گزرنے کے بعد ان عزیزوں کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۹۵

شریعت کی ترقی پر ترغیب دینے اور اسلام اور اہلِ اسلام کی کمزوری پر افسوس ظاہر کرنے کے بیان میں صدر جہاں کی طرف صادر فرمایا:

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ وَ اَبْقَاکُمْ حق تعالےٰ آپ کو سلامت اور باقی رکھے۔ بادشاہوں کا احسان چونکہ تمام خلقت پر ہے اس لئے مخلوقات کے دل اس مضمون کے موافق کہ جُبِلَتِ الْخَلَائِقُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْہِمْ مخلوقات اپنے محسن کی محبت پر پیدا کی گئی ہے۔ اپنے محسنوں کی طرف مائل ہے۔ پس بادشاہوں کا جس قدر احسان عام لوگوں پر ہوتا ہے۔ اس ارتباط اور تعلق کے باعث اتنا ہی بادشاہوں کے نیک اور بُرے اخلاق اور بُرے اور بھلے عادات لوگوں میں اثر کرتے جاتے ہیں۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہیں۔ گذشتہ زمانہ کے حالات اس بات کے مصداق ہیں۔

اب جب کہ سلطنتوں میں انقلاب آ گیا ہے۔ اور دشمنی اور فساد نے اہلِ مذہب کو بگاڑ دیا ہے۔ اسلام کے پیشواؤں یعنی بڑے وزیروں اور امیروں اور بزرگ عالموں پر لازم ہے کہ اپنی تمام ہمت کو روشن شریعت کی ترقی میں لگائیں۔ اور سب سے اوّل اسلام کے گرے ہوئے ارکان کو قائم کریں۔ کیونکہ تاخیر میں خیریت ظاہر نہیں ہوتی۔ اور غریبوں کے دل اس تاخیر سے نہایت بے قرار ہیں۔ گذشتہ زمانہ کی سختیاں ابھی تک مسلمانوں کے دلوں میں برقرار ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کا تدارک نہ ہو سکے اور اسلام کی غربت اس سے بھی زیادہ ہو جائے۔ جب

بادشاہ سُنت سَنیہ مصطفےٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ترقی میں سرگرم نہ ہوں اور بادشاہ کے مقرب بھی اس بارہ میں اپنے آپ کو الگ رکھیں۔ اور چند روزہ زندگانی کو عزیز سمجھیں تو پھر اہل اسلام بیچاروں پر زمانہ بہت ہی تنگ ہو جائے گا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

آنچہ از من گم شدہ گر از سلیماں گم شدے   ہم سلیماں ہم پری ہم اہرمن بگریستے

ترجمہ: جو چیز مجھ سے گم ہوئی ہے وہ اگر سلیمان سے بھی گم ہو جاتی، تو سلیمان اور پریاں اور جن سب روتے۔

؎ صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّھَا   صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

ترجمہ: مجھ پر ایسے مصائب ٹوٹے ہیں کہ اگر وہ مصائب دنوں پر ٹوٹتے تو وہ دن راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔

اسلامی نشانوں میں سے ایک نشان اسلامی شہروں میں قاضیوں کا مقرر کرنا ہے۔ جو گذشتہ زمانہ میں محو ہو گیا تھا۔ سرہند میں جو اہل اسلام کے بڑے شہروں میں سے ہے کئی سال سے کوئی قاضی نہیں۔

حامل رقیمہ ہذا قاضی یوسف کے باپ دادا جب سے سرہند آباد ہوتے ہیں۔ قاضی ہوتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ بادشاہوں کے بہت اسناد ان کے پاس ہیں۔ اور صلاح و تقویٰ سے بھی آراستہ ہے۔ اگر بہتر سمجھیں تو اس عظیم الشان کام کو اس کے حوالہ فرمائیں۔

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی وَ اِیَّاکُمْ عَلٰی جَادَّۃِ الشَّرِیْعَۃِ الْحَقَّۃِ عَلٰی مَصْدِرِھَا الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ۔ اللہ تعالےٰ ہم کو اور آپ کو شریعت حقہ علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھے۔

مکتوب نمبر ۱۹۶

منصور عرب کے نام صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ وہ راستہ جس کو ہم طے کرنے کے درپے ہیں۔ سب سات قدم ہے۔ اور ہر قدم پر سالک اپنے آپ سے دُور اور حق سبحانہ کے نزدیک ہوتا جاتا ہے۔

آپ کا مرحمت نامہ بڑے نیک وقت میں پہنچا۔ اللہ تعالےٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ خاص لوگ عام لوگوں کی یاد سے فارغ نہیں ہیں۔ اور بزرگ لوگ غریبوں کی غمخواری سے خالی نہیں ہیں۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاءِ حق تعالےٰ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا کرے۔

میرے مخدوم! ع

از ہر چہ میرود سخن دوست خوشتر است — دوست کی بات جس طرف سے بھی ہو بہت اچھی ہے

یہ راہ جس کے طے کرنے کے ہم درپے ہیں۔ سب سات قدم ہے۔ دو قدم عالم خلق سے تعلق رکھتے ہیں اور پانچ عالم امر سے۔

پہلے قدم پر جو سالک عالم امر میں رکھتا ہے تجلی افعال ظاہر ہوتی ہے۔ اور دوسرے قدم پر تجلی صفات۔ اور تیسرے قدم پر تجلیاتِ ذاتیہ کا ظہور شروع ہونے لگتا ہے۔ پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ ترقی ہوتی جاتی ہے۔ جیسے کہ اس حال کے جاننے والوں پر پوشیدہ نہیں لیکن یہ سب کچھ حضرت سیّد اوّلین و آخرین صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت پر منحصر ہے۔ اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ یہ راہ صرف دو قدم ہے۔ اس سے ان کی مراد مختصر طور پر عالمِ خلق اور عالمِ امر ہے۔ تاکہ طالبوں کی نظر میں یہ کام آسان دکھائی دے۔

ان سات قدموں میں سے ہر ایک قدم پر سالک اپنے آپ سے دُور ہوتا جاتا ہے۔ اور حق تعالےٰ کے نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ اور ان قدموں کے طے کرنے کے بعد فنائے اتم ہے۔ جس پر بقا اکمل مترتب ہے۔ اور ولایت خاصہ محمدیہ علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حاصل ہونا اس فنا و بقا پر موقوف ہے۔ ع

ایں کار دولت است کنوں تا کرا دہند — یہ دولت مندی کا کام ہے دیکھیں اب یہ کسے عطا کرتے ہیں۔

ہم نامُراد فقیروں کو اس قسم کی باتوں سے کیا مناسبت ہے۔ سوائے اس کے کہ اہلِ کمال کے صاف پانی سے اپنے کام و دہاں کو سیراب و شیریں کریں۔

گہ ندارم از شکر جز نام بہر — زیں بسے خوشتر کہ اندر کام زہر
آسماں نسبت بعرش آمد فرود — ورنہ بس عالی است پیشِ خاکِ تود

ترجمہ: اگرچہ شکر سے مجھے صرف اس کا نام ہی حاصل ہے لیکن یہ اس سے بہتر ہے کہ میرے منہ میں زہر ہو۔ آسمان عرش کی نسبت نیچے ہے مگر خاک کے تودے سے بہت ہی بلند ہے۔

والسلام اوّلاً و آخراً

مکتوب نمبر ۱۹۷

پہلوان محمود کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ سعادت مندوہ ہے جس کا دل دنیا سے سرد پڑ چکا ہو۔ اور حق سبحانہ وتعالیٰ

کی محبت کی حرارت سے گرم ہو۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو راہِ شریعت پر قائم رکھے۔ سعادتمند وہ ہے جس کا دل دُنیا سے سرد اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی محبّت سے گرم ہو۔ دُنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ اور اسے چھوڑ دینا تمام عبادتوں کا سر ہے۔ دُنیا حق تعالیٰ کو بہت ہی ناپسند ہے۔ جب سے اُس نے اسے پیدا کیا ہے ایک بار بہ نظرِ شفقت اس کی طرف نہیں دیکھا۔ اور دنیا کے طالب دُور کر دینے اور نفوت کے لائق ہیں۔ اور اس نفرت و دُوری کے داغ سے داغدار ہیں۔ حدیث میں ہے۔

اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ وَّ مَلْعُوْنٌ مَّا فِیْھَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰہِ (ترمذی و ابن ماجہ)
دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے۔ مگر اللہ کا ذکر۔

جب کہ ذاکر لوگ بلکہ ان کے ذراتِ وجود کا ہر ذرہ اللہ سبحانہ کے ذکر سے پُر ہے تو حق تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اس وعید (ڈانٹ) سے خارج ہیں اور اہلِ دنیا میں شمار نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ دنیا اس چیز کا نام ہے جو دل کو حق سبحانہٗ سے روکے اور اس کے غیر سے مشغول کرے۔ وہ چیز مال و اسباب کے قبیلہ سے ہو خواہ مرتبہ اور سرداری کی طلب۔ اور خواہ ننگ و ناموس ہو۔

فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا۔
اس شخص سے روگردانی کرو جو ہمارے ذکر سے پھر چکا ہو۔

نص قطعی ہے۔ دُنیا کی ہر چیز بلائے جان ہے۔ دنیا دار دنیا میں تو ہمیشہ تفرقہ اور پراگندگی کا شکار رہتے ہیں اور آخرت میں ندامت اور حسرت کرنے والے گروہ میں ہوں گے۔ دُنیا کے ترک کی حقیقت اس کی طرف رغبت کو ترک کرنا ہے۔ اور ترکِ رغبت اس وقت حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ دُنیا کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جائے۔ اور اس معنی کا حصول اربابِ جمعیت (اولیاء کرام) کی صحبت کے بغیر مشکل اور دشوار ہے۔ ان بزرگوں کی صحبت اگر میسر ہو تو اسے غنیمت جاننا چاہیئے اور اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دینا چاہیئے۔

اور میاں شیخ مزمل کی صحبت اگرچہ تمہارے لئے غنیمت ہے۔ اور ایسے نادر الوجود بزرگ سُرخ گندھک سے بھی زیادہ نایاب ہیں۔ تاہم اہلِ کرم کا شیوہ ایثار ہے۔ یعنی دوسرے کی حاجت کو اپنی حاجت و ضرورت پر فوقیت دیتے ہیں۔ چند روز کے لئے اگر میاں شیخ مزمل کو رخصت دیں تو بڑی برمحل بات ہے۔ کام سے فارغ ہونے کے بعد انشاء اللہ العزیز واپس آجائیں گے۔ اور غائبانہ اخلاص تمہارے لئے حاضر و موجودگی کی طرح کام کرتا ہے۔ زیادہ گفتگو دردسری ہے۔ اللہ سبحانہٗ ہمیں اور تمہیں حضور سید البشر علیہ و علیٰ آلہٖ من الصلوات انتہاء و من التحیات اکملہا کی متابعت پر استقامت عطا کرے۔ والسلام والاکرام

مکتوب نمبر ۱۹۸

خانخاناں کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اس زمانہ میں فقراء کی دولتمندوں کے ساتھ آشنائی بڑی دشوار بات ہے۔

اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

دعا ہے کہ فتوحات مکیہ (صوفیائے کرام کے کلمات قدسیہ کا مطالعہ) فتوحات مدنیہ (اتباع شریعت مطہرہ) کی چابی اور موجب بنے۔ بحرمتہ النبی وآلہ الامجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔ آپ کا التفات نامہ گرامی جو فقراء کے نام لکھا تھا موصول ہو کر زیادتی محبت کا باعث ہوا۔ تمہیں بشارت ہو، پھر بشارت ہو۔

مخدوم گرامی اس زمانہ میں فقراء کے لئے دولتمندوں کے ساتھ آشنائی اور تعارف پیدا کرنا بہت مشکل ہے۔ اگر فقراء لکھنے اور کہنے میں تواضع اور حسنِ خلق اختیار کریں۔ جو فقر کے لوازمات میں سے ہے۔ تو کوتاہ اندیش لوگ بدظنی کے تحت یہ گمان کرتے ہیں کہ فقراء لوگ لالچی اور محتاج ہیں۔ اس بدظنی میں اپنی دنیا اور آخرت کا نقصان کر بیٹھتے ہیں۔ اور ان بزرگوں کے کمالات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور اگر فقراء لوگ بے نیازی کا سلوک کرتے ہیں جبکہ وہ بھی لوازمات فقر سے ہے تو کم فہم لوگ اپنے اُوپر قیاس کر کے اسے بدخلقی قرار دیتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں فقیر اور درویش بھی متکبر اور بدخلق ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ استغنا اور بے نیازی بھی فقر کے لوازمات میں سے ہے۔ کیونکہ ضدین کا جمع ہونا اس جگہ محال نہیں رہا۔ ابوسعید خراز رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے اپنے رب کو جمع اضداد سے پہچانا۔ اگرچہ مدعیان عقل وفکر اس مقدمے کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور محال قرار دیتے ہیں۔ لیکن ان کا تسلیم نہ کرنا کچھ غم کی بات نہیں۔ کیونکہ ولایت کا مقام ان کی عقل ونظر سے بلند تر ہے۔ باقی حالات میر صاحب اور مولانا صاحب تفصیل سے عرض کر دیں گے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ اور پیر تبع ہدایت پر سلامتی کا نزول ہونا رہے۔

مکتوب نمبر ۱۹۹

مُلّا محمد امین کابلی کی طرف صادر فرمایا:

ورد اور مشغولی کے قبول فرمانے میں جس کا انہوں نے اظہار کیا تھا۔

مبارک خط جو محبت و اخلاص کی زیادتی سے بھرا ہُوا اور دوستی وخلوص پر مشتمل تھا۔ پہنچا اور خوشی کا باعث ہُوا۔ حق تعالیٰ آپ کو عافیت بخشے۔ آپ نے چونکہ کسی ورد کی طلب ظاہر کی تھی۔ اس لئے برادر سعادتمند مولانا محمد صدیق کو بھیجا گیا ہے۔ تاکہ اس طریقہ علیہ کے ذکر میں آپ کو مشغول کریں۔ اور جو کچھ فرمائیں اس کے بجالانے میں بڑی کوشش کریں۔ اُمید ہے کہ بہت فائدے حاصل ہوں گے۔ چونکہ ذکر کا تلقین کرنا صرف لکھنے ہی سے کافی نہ تھا اور حضور اور صحبت سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے برادر مذکور کو بھیجنے کی تکلیف دی گئی ہے۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۲۰

ملا شکیبی اصفہانی کی طرف صادر فرمایا:

نفحات کی مشکل عبارتوں کے حل کرنے میں جن کی تشریح طلب کی گئی تھی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ

تمام تعریفیں اللہ رب العلمین کے لئے ہیں اور حضور سید المرسلین اور اُن کی آل پاک پر صلوٰۃ وسلام کا نزول ہوتا رہے۔

آپ نے فرمایا تھا کہ نفحات کی وہ عبارات جو مغلق اور مشکل ہیں کی شرح کی جائے اس بنا پر چند کلمے لکھنے کی جرات کی ہے۔

میرے مخدوم ومکرم! عین القضاۃ[1] ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ ان لوگوں کا حال بیان کرتے ہوئے جو بغیر کسی رہبر کے نہ چلے ہوئے راستے پر چلے، فرماتے ہیں کہ" ان میں سے بعض کو مغلوبی نے اپنی پناہ میں نگاہ رکھا اور مستی ان کے سر کی سائبان ہوگئی اور جو باتمیز تھا اس کے سر کو قطع کر دیا"۔

راہ مسلوک (جاری) سے مُراد واللہ اعلم سلوک کا راستہ اور دس مشہور مقامات کا ترتیب وار اور مفصل طور پر طے کرنا ہے۔ اور اس راستے میں نفس کا تزکیہ قلب کے تصفیہ پر مقدم ہے۔ اور اس میں انابت و توبہ بدایت کی شرط ہے۔ اور راہ نامسلوک سے مُراد جذبہ اور محبت کا راستہ ہے۔ اور اس میں تصفیہ قلب تزکیہ نفس

---

[1] آپ کی کنیت ابوالفضائل اور نام عبداللہ بن محمد المیانجی ہے لقب عین القضاۃ ہے آپ شیخ محمد بن حمویہ اور شیخ احمد غزالی کی صحبت میں رہے ہیں۔ آپ کے صوری اور معنوی کمالات وفضائل آپ کی تصنیفات سے ظاہر ہیں جس قدر کشف حقائق آپ نے کیا ہے کم ہی کسی اور بزرگ نے کیا ہوگا۔ آپ صاحب کرامات بزرگ تھے۔ (نفحات الانس)

پر مقدم ہے۔ اور یہ اجتبا کا راستہ ہے جس میں انابت و توبہ کی شرط نہیں۔ اور یہ راستہ محبوبوں اور مُرادوں کا راستہ ہے برخلاف پہلے راستے کے کہ وہ محبّوں اور مُریدوں کا راستہ ہے۔

تو ان میں سے بعض جو قوت جذبہ اور محبت کا غلبہ رکھ مغلوبی اور مستی سے یہی مُراد ہے، رکھتے تھے۔ آفاقی اور انفسی یعنی ظاہری اور باطنی شیطانوں کی شرارت سے محفوظ رہے۔ اور ان کے بہکانے اور گمراہ کرنے سے بچے رہے۔ اگرچہ ان کا کوئی رہبر نہ تھا۔ لیکن فضل ایزدی نے ان کی رہبری کی اور ان کو مطلوب حقیقی تک پہنچا دیا۔ اور ان میں سے جو باتمیز تھا یعنی جذبہ کی قوت نہ رکھتا تھا۔ اور محبت کا غلبہ اس کے حق میں مفقود تھا۔ چونکہ کوئی اس کا رہبر نہ تھا اس لئے دین کے دشمنوں نے اس کو رستہ سے بہکا دیا۔ اور اس کو ہلاک کر دیا۔ اور اسے دائمی موت میں گرفتار کر دیا۔

اور منجملہ مغلوبوں کے وہ دو ترک تھے جن کی نسبت حسین قصاب نے رمز و اشارہ سے حکایت کی ہے کہ "میں ایک بڑے قافلہ کے ساتھ ایک راستہ میں جا رہا تھا کہ اچانک اس قافلہ سے دو ترک باہر نکل گئے اور نا سلوک رستہ کو اختیار کیا۔ غرض وہ رستہ جس پر بڑا قافلہ جا رہا تھا۔ وہ راہِ سلوک ہے جو دس مشہور مقامات کو مفصل اور ترتیب وار قطع کرنے سے طے ہوتا ہے۔ کیونکہ اکثر مشائخ خاص کر متقدمین اسی راستے سے اپنے مقصد تک پہنچے ہیں۔ اور غیر جاری راستہ جو ان دونوں ترکوں نے اختیار کیا۔ اور حسین قصاب نے اس راہ میں ان کی متابعت کی۔ وہ جذبہ اور محبت کا راستہ ہے جو اس مشہور اور جاری راہ کی نسبت وصول الی اللہ کے بہت نزدیک ہے۔ اور اس راہ کا مقدمہ لذات اور آرام پانا ہے۔ جو حِس سے بے حِس ہونے اور شعور سے بے شعور ہونے کا باعث ہے۔ اور اس حالت سے رات مُراد لی ہے۔ اور جب خلق سے یہ بے حِس اور بے شعور ہونا حق تعالےٰ کے حضور اور شعور کو شامل ہے۔ تو اس حضور اور شعور کو چاند کے لفظ سے بیان فرمایا۔

یہ مقام کچھ شرح چاہتا ہے گوش ہوش سے سُننا چاہیئے کہ جسد کا مدبر رُوح ہے۔ اور قالب کا مربی قلب ہے۔ قوائے جسدی قوتِ رُوحانی سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور جسمانی حواس قلب کی نورانیت سے مستفاد ہیں۔ پس ناچار حق تعالیٰ کی پاک جناب کی طرف قلب اور رُوح کو توجہ کرنے کے وقت جو طریق جذبہ میں لازم ہے۔ ابتدائے حال میں کہ کمی اور نقص کا وقت ہے جسد کی تدبیر اور قالب کی تربیت میں فتور پڑ جاتا ہے۔ جو حِس کے بیکار ہونے اور شعور سے بیخبر ہونے کا باعث ہو جاتا ہے۔ اور قوائے اور اعضا کی سستی تک پہنچا دیتا۔ اور بے اختیار زمین پر سُلا دیتا ہے۔

اس حالت کو شیخ اجل شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہٗ نے فتوحات مکیہ میں سماع رُوحی سے تعبیر کیا ہے۔ اور وہ سماع جس میں حرکت دوری اور رقص ہے اس کو طبعی سماع کہا ہے۔ اور اس سے منع کرنے

میں بڑا مبالغہ کیا۔ پس ثابت ہوا کہ ظاہری غیبت باطنی حضور کو شامل ہے اور جسد کا بجس ہونا شعور رُوحی پر مشتمل ہے۔ جس کی تعبیر چاند سے مناسب ہے۔ اب ہم پھر اصل بات کو بیان کرتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ چاند کا سیاہ بادل میں چھپ جانے سے مراد صفات بشریہ کا ظہور ہے۔ جو مبتدیوں کے اس حضور و آگاہی کو پردہ میں چھپا لیتا ہے۔ اور یہ پردہ میں آجانا درمیانی حالات تک ہی ہے۔ کیونکہ ابتدا سے گزر کر درمیان میں آجانے والوں کے لئے پوری پوشیدگی نہیں ہوتی صرف کچھ قدرے ہوتی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ انہی معنوں سے کہا ہے کہ جب آدھی رات ہوئی پھر چاند بادل سے نکلا اور ان دو جوانمردوں کے قدموں کے نشان کو میں نے پھر معلوم کیا۔ کیونکہ حالت بسط میں جو حضور و آگاہی کا وقت ہے راستہ روشن ہو جاتا ہے اور مسافت زیادہ طے کی جاتی ہے۔ جب صبح ہوئی یعنی وہ غیبت و ذہول دُور ہو گیا اور وہ حضور و آگاہی زیادہ ہو گئی۔ اور خلق کی توجہ کے ساتھ جمع ہوئی۔ اس حضور کا کنایہ آفتاب طلوع ہونے سے کیا ہے۔ اور پہاڑ سے مراد بشریت کا وجود ہے جو اس وقت پر ظاہر کیا گیا۔ کیونکہ اس راستے میں نفس کا تزکیہ قلب کے تصفیہ کے بعد ہے۔ اور چونکہ وہ دونوں تُرک قوت جذبہ اور محبت کا غلبہ رکھتے تھے۔ اس لئے بہادروں کی طرح بشریت کے پہاڑ پہ چڑھ گئے اور ایک دم میں اُس کے اُوپر جا پہنچے۔ اور ایک قسم کی فنا سے مشرف ہوئے۔ اور حسین قصاب میں چونکہ اس طرح کے جذبہ کی قوت نہ تھی۔ بڑی محنت سے اس پہاڑ پر چڑھا۔ لیکن وہ بھی ان ترکوں کی متابعت کی برکت سے میسّر ہوا۔ ورنہ اس کا سر اُڑا دیتے اور ہلاک کر دیتے۔

لشکر گاہ اعیان ثابتہ کے مرتبہ سے مراد ہے جو حقائق امکانی کے تعینات اور وجوبی علمی تعین کا جامع ہے کہ بے نہایت خیمے ان تعینات سے کنایہ ہے۔ اور ان کے درمیان ایک بڑا خیمہ جس کو سلطانی خیمہ کہا۔ اس سے تعین علمی وجوبی کی طرف اشارہ ہے۔ اور جب حسین قصاب نے سُنا کہ وہ سلطانی خیمہ ہے تو خیال کیا کہ اب مطلب کو پہنچ گیا۔ چاہا کہ سکر و مستی کی سواری سے جس کی مدد کے بغیر یہ راہ طے نہیں ہو سکتا۔ نیچے اُترے اور مطلوب کو پا کر آرام کرے۔ ابھی دایاں پاؤں رجو رُوح سے مراد ہے کیونکہ اس راہ نامسلوک میں قلب و رُوح کے پاؤں سے چلتے ہیں نہ علم و عمل کے پاؤں سے کیونکہ یہ راہ سلوک سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اور اوّل چیز جو مستی سے نکلتی ہے یہی رُوح ہے اور پھر قلب نکلتا ہے جس سے مراد بایاں پاؤں ہے) رکاب سے نکالا ہی تھا کہ اس کے کان میں الہام پہنچا کہ سلطان خیمہ میں نہیں ہے۔ اور واقعی اسی طرح ہے۔ اور حسین قصاب چونکہ جذب کی قوت نہ رکھتا تھا۔ تھوڑی سی بشارت سُن کر مستی سے نکل آیا۔ اور وہ دو ترک چونکہ جذب قوی اور غلبہ محبت رکھتے تھے۔ اس قسم کی بشارتوں پر فریفتہ نہ ہوئے۔ اور بہادروں کی طرح اُوپر چڑھ گئے۔ حسین قصاب اگر ہزار سال تک بھی انتظار کرے ہرگز سلطان کو خیمہ میں نہ پائے گا۔ کیونکہ وہ وراء الوراء ہے۔

قولہ: گھوڑے پر چڑھ کر شکار کو گیا ہے۔ یعنی خوبصورت مظہروں اور جلوہ گاہوں پر بیٹھا ہے۔ اور عاشقوں کے دلوں کو شکار کر رہا ہے۔ یہ آوازاور یہ بات حسین قصاب کے فہم و سمجھ کے موافق تھی۔ جو تنزل کے طور پر اس سے کہی گئی۔ ورنہ جس جگہ وہ ذات تعالیٰ وتقدس ہے وہاں بیٹھنا اور شکار کے لیے جانا کچھ معنی نہیں رکھتا ؎

لاہوریان سرائے روز بہی　　باز گشتند و جیب و کیسہ تہی

ترجمہ: لوگ لاہو (معرفت) کی پُررونق سرائے جیب اور کیسہ خالی لے کر واپس لوٹ آئے۔

اس عبارت سے ایک اور معنی دل سست میں آئے جو مقام تفرد اور کبریائی کے مناسب ہیں۔ اگرچہ یہ معنی بھی اس پاک بارگاہ جل شانہ کے لائق نہیں ہیں۔ لیکن دُوسرے معنوں سے زیادہ بہتر اور مناسب ہیں۔ اور وہ معنی یہ ہیں کہ وہ وحدت پر جو تعین اوّل ہے اور مرتبہ واحدیت سے بڑھ کر ہے، بیٹھا ہے اور چونکہ مرتبہ وحدت میں تمام علمی اور عینی تعینات کا استہلاک اور فنا ہے۔ اس لئے شکار کو جو وحوش وطیور کے ہلاک کا باعث ہے۔ اس مقام کے مناسب جان کر شکار کے لئے گیا ہوا فرمایا:

شیخ محمد معشوق طوسی اور امیر علی عبوہ بادشاہ کی شکار گاہ میں پہنچ گئے اور اس کا شکار ہو گئے۔ لیکن معشوق طوسی زیادہ آگے اور زیادہ قریب ہے۔ اور حسین قصاب پادشاہ کے واپس آنے کی امید پر واحدیت کے خیموں ہی میں رہا۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْمُرَادِ وَمَا فِیْہِ مِنَ الصَّوَابِ وَالسَّدَادِ اور حقیقت مراد کو اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے اور اس میں بہتری اور صواب اُسی کو معلوم ہے۔

میرے مخدوم طریقہ نقشبندیہ قدس سرہم کے بزرگواروں نے اسی نامسلوک راستہ کو اختیار کیا ہے۔ اور غیر مقررہ رستہ ان بزرگواروں کے طریقہ میں مقررہ راہ بن گیا ہے۔ اور بے بیشمار لوگوں کو اسی راہ سے توجہ و تصرف کے ساتھ مطلب تک پہنچاتے ہیں۔ اس طریق کے لئے وصول لازم ہے۔ بشرطیکہ پیر مقتداء کے آداب مدنظر رکھا جائے۔ کیونکہ اس طریق میں بوڑھے اور جوان اور عورتیں اور بچے وصول میں برابر ہیں۔ بلکہ مُردے بھی اس دولت سے اُمیدوار ہیں۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ میں نے حق تعالےٰ سے ایسا طریق مانگا ہے جو بلاشبہ مطلوب تک پہنچانے والا ہے۔

اور حضرت خواجہ علاءالدین عطار قدس سرہٗ نے جو خواجہ نقشبند کے خلیفہ اوّل ہیں اس معنی کی وضاحت کے طور پر یہ شعر پڑھا ہے:۔

گر نشکستی دل دربان راز　　قفل جہاں را ہمہ بکشادمے

ترجمہ: اگر راز و بھید کے دربان کا دل ٹوٹنے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں تمام جہان کے تالے کھول دیتا

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی طَرِیْقَۃِ ھٰؤُلَآءِ الْاَکَابِرِ اللہ تعالٰی ہم کو ان بزرگواروں کے طریقہ پر ثابت قدم رکھے۔

مکتوب نمبر ۲۰۱

ایک استفسار کے جواب میں کوچک بیگ حصاری کی طرف لکھا ہے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالٰی کی حمد و ثنا اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔ جناب کوچک بیگ حصاری نے پوچھا ہے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ علوم سب کے سب دو تین حرفوں میں مندرج ہیں۔ اس بات کا یقین کریں یا نہ کریں ؟ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ ظاہراً اس شخص نے علم و سماع اور کتابوں کے مطالعہ کی رُو سے کہا ہوگا۔ کیونکہ متقدمین بزرگوں سے اس قسم کی باتیں سرزد ہوئی ہیں۔

حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ تمام علوم بسم اللہ کی با میں مندرج ہیں۔ بلکہ اس با کے نقطہ میں۔ اور اگر وہ شخص اس بات میں کشف کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا امر دو حال سے خالی نہیں۔ اگر وہ یہ کہے کہ مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تمام علوم دو تین حرفوں میں عام طور پر مندرج ہیں۔ خواہ ان دو تین حرفوں کو اس کے معلوم کے ساتھ مخصوص کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ تو صدق کا احتمال رکھتا ہے۔ اور اگر کہے کہ سب علوم کو دو تین حرفوں کے ضمن میں مجھ پر منکشف کیا ہے۔ اور ان دو تین حرفوں کے صفحہ میں تمام علوم کا مطالعہ کرتا ہوں۔ تو وہ جھوٹا مدعی ہے۔ اس بات کا یقین نہ کرنا چاہیئے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کی اتباع کی اور حضرت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۰۲

میرزا فتح اللہ خاں کی طرف صادر فرمایا :

ان لوگوں کے حال پر افسوس کرنے میں جنہوں نے اپنے آپ کو ان بزرگوں کی عقیدت کی لڑی میں پرو دیا اور پھر بلا وجہ ان بزرگواروں سے قطع تعلق کر لیا۔

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ وَاِیَّاکُمْ عَلَی الطَّرِیْقَۃِ الْمُسْتَقِیْمَۃِ الْمَرْضِیَّۃِ الْمُصْطَفَوِیَّۃِ عَلٰی صَاحِبِھَا

الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ۔ حق تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے پسندیدہ اور سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھے۔

ایک دن مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم کی غیرت کی نسبت گفتگو ہو رہی تھی کہ اس اثنا میں اس بات کا بھی ذکر درمیان آیا کہ اُن لوگوں کا کیا حال ہو گا، جنہوں نے اپنے آپ کو ان بزرگواروں کی جماعت میں داخل کیا ہے یا اُن کے ضمن میں اپنے آپ کو لائے ہیں۔ اور انہوں نے قبول فرمایا ہے۔ اور پھر بلا وجہ و بے سبب ان بزرگواروں سے تعلق کاٹ لیا۔ اور ظن و گمان سے دوسرے کے دامن کو جا پکڑا ہے۔ اس ضمن میں آپ کا اور قاضی سنام کا بھی ذکر ہوا تھا۔ یہ بات ٹھیک معلوم نہیں شاید ایک لمحہ تک ہوتی رہی ہو گی۔ اور وہ بھی خاص موقع پر مبنی تھی۔ بعد ازاں خدا نہ کرے کہ فقیر نے کسی مسلمان کو تکلیف دینے کا ارادہ کیا ہو یا دل میں کینہ چھپا رکھا ہو۔ اپنی خاطر شریف کو اس بات سے جمع رکھیں۔

آپ کو معلوم ہو گا کہ ہمارا طریق دعوت اسماء کا طریق نہیں ہے۔ اس طریقہ کے بزرگواروں نے ان اسماء کے مسمّٰی میں فنا ہونا اختیار کیا ہے۔ اور ابتداء ہی سے ان کی توجہ احدیت صرف کی طرف ہے۔ اور اسم و صفت سے سوائے ذات کے اور کچھ نہیں چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ اوروں کی نہایت ان کی ہدایت میں مندرج ہے۔ ؏

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا　　　میرے باغ سے میری بہار کا اندازہ کر لو

اب چونکہ اس تذکرہ نے بیشمار نقلوں کی وجہ سے ایک نئی صورت پیدا کر لی ہے۔ اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ اُس طرف سے کئی قسم کی وہمی باتیں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ان کے دفع کرنے کے لئے یہ چند کلمے لکھنے کی جرأت کی۔ آپ کی آشنائی سے کچھ زیادہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی آپ کی ناآشنائی سے کچھ نقصان پہنچتا ہے۔ صرف آپ کی خیر خواہی ملحوظ و منظور تھی۔ لیکن اَلرَّاضِیْ بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظْرَ (جو اپنے ضرر پر آپ راضی ہو وہ شفقت و مہربانی کا مستحق نہیں ہوتا) مثل مشہور ہے۔ یقیناً جان لیں کہ اس فقیر نے آپ کے ضرر کا ارادہ نہیں کیا۔ اور نہ ہی انشاء اللہ تعالیٰ کرے گا۔ وہ تو صرف ایک بات تھی جو از روئے غیرت کے جو درویشوں کو ہونی چاہیئے۔ مناسب موقع پہ کہی گئی تھی۔ دل میں کسی قسم کے فکر کو دخل نہ دیں۔

دوسرے یہ کہ وہ شخص جو اپنے آپ کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہٗ سے افضل جانے اس کا امر دو حال سے خالی نہیں ہے یا وہ زندیق محض ہے یا جاہل صرف۔ چند سال ہوئے کہ اس فقیر نے اس سے پہلے بھی فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کے بارہ میں ایک مکتوب آپ کی طرف لکھا تھا پھر تعجب کی بات ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد بھی آپ اس قسم کی باتیں پسند کرتے ہیں۔ وہ شخص جو حضرت امیر رضی اللہ عنہٗ کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہٗ سے افضل کہے۔ اہل سنت و جماعت کے گروہ سے نکل جاتا ہے تو پھر اس شخص کا کیا حال ہے جو اپنے

آپ کو افضل جانے۔ اور اس گروہ میں یہ بات مقرر ہے کہ اگر کوئی سالک اپنے آپ کو خسیس کتے سے بہتر جانے تو وہ ان بزرگوں کے کمالات سے محروم ہے۔

سلف کا اجماع اس بات پر منعقد ہو چکا ہے کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہٗ تمام انسانوں سے افضل ہیں۔ وہ بڑا ہی احمق ہے جو اس اجماع کے برخلاف کرے۔

اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ امیر حمزہ رضی اللہ عنہٗ کا قاتل وحشی جو ایک مرتبہ خیر البشر علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی پہنچا۔ اویسؓ قرنی سے جو خیر التابعین ہیں کئی درجے بہتر ہے۔

پس ایسے شخص کے حق میں اس قسم کی باتوں کا خیال کرنا عقل دُور اندیش سے دُور ہے جس عبارت سے لوگوں کے دلوں میں یہ وہم پیدا ہوا ہے۔ اس کو غور سے دیکھنا چاہیئے۔ اور اصل معاملہ کو سمجھنا چاہیئے۔ صرف حاسدوں کی تقلید کرنی مناسب نہیں۔ حالانکہ مشائخ نے غلبۂ سکر میں بہت نامناسب باتیں کہی ہیں۔ چنانچہ شیخ بسطامؒ فرماتے ہیں لِوَائِیْ اَرْفَعُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ میرا جھنڈا محمدؐ کے جھنڈے سے بلند ہے۔ تو ایسی باتوں سے افضل ہونے کا گمان نہیں کر سکتے کہ یہ عین بے دینی ہے۔ اور فقیر کی کلام میں تو اس قسم کی باتوں کا ذکر تک بھی نہیں ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۲۰۳

ملا حسینی کی طرف صادر فرمایا:

اس بزرگ گروہ کی محبت کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ ان کا ہمنشین بدبختی سے محفوظ ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَحْسَنَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَحْوَالَکُمْ وَ اَصْلَحَ اَعْمَالَکُمْ وَ اٰمَالَکُمْ اللہ تعالیٰ آپ کے احوال کو اچھا کرے۔ اور آپ کے اعمال اور اُمیدوں کو نیک کرے۔

آپ کا مکتوب شریف جو فقراء کی محبت سے خبر دے رہا تھا اس کے پہنچنے سے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ حق تعالیٰ اس بلند گروہ کی محبت کو دن بدن زیادہ کرے۔ اور ان کی نسبتِ نیاز مندی کو سرمایہ روزگار بنائے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ[1] کے بموجب ان کا محب انہی کے ساتھ ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہمنشین بدبخت

---

[1] مسلم و بخاری شریف ۱۲

نہیں ہوتا۔

حدیث نبوی[1] علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہے کہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کے سوا خدائے تعالےٰ کے چند ایسے فرشتے ہیں جو راستوں اور بازاروں میں اہلِ ذکر کی تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ جب وہ ذاکروں کے گروہ کو کہیں ذکر کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ تمہارا مطلب حاصل ہو گیا۔ پس جمع ہو کر اپنے پروں سے ان کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ جب وہ ذکر سے فارغ ہوتے ہیں تو فرشتے آسمان پر جاتے ہیں۔ پس حق تعالےٰ حالانکہ اپنے بندوں کے حال کو بخوبی جانتا ہے، فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کیسے دیکھا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ خدایا تیری حمد و ثنا کرتے تھے۔ اور تجھ کو بزرگی سے یاد کرتے تھے اور تجھ کو تمام عیوب اور نقصان سے پاک بیان کرتے تھے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کیا اُنہوں نے مجھے دیکھا ہے فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نہیں دیکھا ہے۔ پھر خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو پھر اُن کا کیا حال ہو۔ ملائکہ عرض کرتے ہیں کہ پھر اس سے زیادہ بزرگی اور پاکیزگی سے یاد کریں۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ مجھ سے کیا طلب کرتے تھے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ بہشت مانگتے تھے۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے کیا اُنہوں نے بہشت کو دیکھا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ نہیں دیکھا ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ بہشت کو دیکھ لیں تو پھر اُن کا کیا حال ہو۔ فرشتے عرض کرتے ہیں پھر اس سے زیادہ اس کی طلب اور حرص کریں۔ پھر حق تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ وہ کس چیز سے ڈرتے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ دوزخ سے ڈرتے تھے۔ اور تجھ سے پناہ مانگتے تھے۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ پھر اس سے زیادہ پناہ مانگیں۔ اور اس سے زیادہ ڈریں اور بھاگیں۔ پھر حق تعالےٰ فرماتا ہے فرشتوں کو کہ تم گواہ رہو میں نے سب کو بخش دیا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں یارب اس ذکر کی مجلس میں فلاں آدمی ذکر کے لئے نہیں آیا تھا۔ بلکہ کسی دنیاوی حاجت کے لئے آیا تھا اور ان میں بیٹھ گیا تھا۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اَنَا جَلِیْسُ[2] مَنْ ذَکَرَنِیْ (میں اُس کا ہمنشیں ہوں جس نے میرا ذکر کیا) کے بموجب میرے ایسے ہمنشیں[3] ہیں۔ ان کا ہمنشین بدبخت نہیں ہوتا۔

---

[1] بخاری و مسلم شریف بروایت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ [2] بخاری شریف بروایت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ

[3] حضور غوث الثقلین الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ شعر

انا من رجال لا یخاف جلیسہم　　ریب الزمان ولا یری ما یرھب

ترجمہ: میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کے ہمنشین کو زمانے کے حوادث کا کوئی ڈر نہیں۔ اور نہ وہ کوئی ڈر کی چیز دیکھے گا۔

اس حدیث اور پہلی حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ سے لازم آتا ہے کہ ان کے محب ان کے ساتھ ہیں اور جو کوئی ان کے ساتھ ہے وہ بدبخت نہیں ہوتا۔

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَ اِیَّاکُمْ عَلٰی مَحَبَّۃِ ھٰؤُلَاءِ الْکِرَامِ بِحُرْمَۃِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الْھَاشِمِیِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَکُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم کو ان بزرگوں کی محبت پر ثابت قدم رکھے بحرمت النبی الامی الہاشمی علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام جب تک ذکر کرنے والے اس کا ذکر کریں اور غافل اس کے ذکر سے غافل رہیں۔

اور جو آپ نے اپنے احوال کی نسبت شیخ الہ داد کے مکتوب میں لکھا تھا۔ اس قسم کی نیستی اور گم ہونا بہت طالبوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ اپنی ہمت بلند رکھیں اور جو کچھ حاصل ہو۔ اُس پر قناعت نہ کریں ؎

بس بیرنگ است یار دلخواہ اے دل   قانع نشوی بزنگ ناگاہ اے دل

ترجمہ: دل کو چاہنے والا یار بہت بے رنگ ہے۔ اے دل اچانک کسی رنگ پر قناعت نہ کر لینا ۱۲

اس گروہ کی محبت نہایت ضروری ہے حق تعالیٰ ان لوگوں کی صحبت میں داخل کرے ؎

گرد مستاں گرد گر مے کم رسد بوئے رسد   گرچہ بوئے ہم نباشد رویت ایشاں بس است

ترجمہ: مستوں کے گرد گھومتے رہو اگر ان سے شراب نہیں ملے گی بو تو ضرور پہنچے گی۔ اور اگر بو بھی نہ پہنچے تو ان کو دیکھ لینا ہی کافی ہے۔

اسی طریق پر جو حضرت قبلہ گاہی خواجہ عبدالباقی قدس سرہٗ سے اخذ کیا ہے۔ اللہ کے اسم مبارک کو کامل توجہ کے بعد بیچونی اور بیچونگی کے معنے سے دل میں گزاریں۔ اور حاضر و ناظر کے معنی کا تصور نہ کریں۔ بلکہ کسی صفت کو ملحوظ نہ رکھیں۔ اسی اسم مبارک کو اچھی توجہ کے بعد ہمیشہ دل میں حاضر رکھیں بعض ضروری باتیں حضور و صحبت پر منحصر ہیں۔ اگر ملاقات میسر ہوئی تو بیان کی جائیں گی۔ ملاقات کے وقت تک تازہ احوال لکھتے رہیں۔ کیونکہ ان کا مطالعہ غائبانہ توجہ کا باعث ہوتا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۲۰۴

میر محمد نعمان بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اہلِ خسران کے طعنوں سے رنج محسوس نہ کریں اور جو کام درپیش ہے اُس میں مشغول رہیں اور دوستوں کی جمعیت اور ترقیوں کے حاصل ہونے میں کوشش جاری رکھیں۔

جناب میر نعمان اہل خسران کی پریشان باتوں سے رنج نہ اٹھائیں۔ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ کہ ہر ایک اپنی طرز پر کام کرتا ہے۔ آپ کو لائق ہے کہ ان کے بدلے اور مکافات کے درپے نہ ہوں۔ دروغ کو کبھی فروغ نہیں ہے۔ ان کی متناقض باتیں ہی ان کے بازار کی رونق کو کم کر دیں گی۔ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ[1] جس کے لئے اللہ نے کوئی نور نہیں بنایا اُس کے لئے کوئی نور نہیں۔ وہ شغل جو درپیش ہے اس میں کوشش کریں۔ اور اس کے غیر سے آنکھ بند کر لیں۔ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ کہ اللہ پھر چھوڑ دے ان کو تاکہ اپنی بیہودہ باتوں میں لگے رہیں۔

اخی محمد صادق وقت پر آپہنچے۔ عشرہ اعتکاف اتفاق سے بجالائے۔ اور فتوحات اور واردات تازہ سے مشرف ہوئے۔ الحمد للہ کہ تمام دوستوں کے اوقات جمعیت سے گزرے ہیں۔ اور پے در پے ترقیاں حاصل ہو رہی ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالےٰ بڑے فضل والا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ

مکتوب نمبر ۲۰۵

خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف لکھا:

اس بیان میں کہ اصلی مقصود صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی کمال متابعت سے مشرف فرمائے۔ کیونکہ صدیقین کی اصلی غرض اور مقصود یہی ہے۔ اور اس کے سوا سب کچھ جھوٹے وہم اور بیہودہ خیالات ہیں۔ حق تعالےٰ آپ کو اور ہم کو ان سے بچائے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ دَائِمًا۔ اور سلام ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت مصطفےٰ علیہ وآلہ الصّلوٰۃ والسّلام کی متابعت کو ہمیشہ لازم پکڑا۔

•

[1] پارہ ۱۸ سورہ نور ۱۲

مکتوب نمبر ۲۰۶

ملا عبدالغفور سمرقندی کی طرف لکھا:

دنیا اور اس کے ناز و نعمت میں گرفتار ہونے کی برائی میں۔

اَللّٰهُمَّ نَبِّهْنَا قَبْلَ اَنْ يُّنَبِّهَنَا الْمَوْتُ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَاَتَمُّهَا وَاَفْضَلُهَا یا اللہ تو ہم کو سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طفیل آگاہ کردے پیشتر اس کے کہ ہم کو موت آگاہ کرے۔

آپ کا شریف اور لطیف خط جو اس دُور افتادہ حقیر کے نام لکھا ہوا تھا پہنچ کر بڑی خوشی کا باعث ہوا۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاءِ اللہ تعالے آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

اے بھائی! آدمی کو چرب اور لذیذ کھانوں اور نفیس اور دیدہ زیب کپڑوں کے لئے دنیا میں نہیں لائے۔ اور عیش و عشرت اور کھیل کود کے لئے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ انسان کے پیدا کرنے سے مقصود اس کی ذلت وانکسار اور عجز و محتاجی ہے جو بندگی کی حقیقت ہے۔ لیکن وہ انکسار اور احتیاج جس کا شریعت مصطفویہ علے صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے حکم فرمایا ہے۔ کیونکہ باطل لوگوں کی وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو شریعت روشن کے موافق نہیں ہیں۔ سوائے خسارہ کے کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔ اور ان سے سوائے حسرت اور ندامت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ چاہیئے کہ اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالے سعیہم کے عقائد کے موافق احکام شرعیہ سے عملی اور اعتقادی طور پر اپنے ظاہر کو آراستہ اور پیراستہ کرنے کے بعد اپنے باطن کو ذکر الٰہی سے آباد رکھیں۔ اور وہ سبق جو طریقہ عُلیہ نقشبندیہ قدس سرہم سے اخذ کیا ہے، اس کا تکرار کریں۔ کیونکہ ان بزرگواروں کے طریق میں انتہا ابتدا میں درج ہے۔ اور ان کی نسبت سب نسبتوں سے اعلیٰ ہے۔ کوتاہ اندیش ان باتوں کا یقین کریں یا نہ کریں۔ فقیر کا مقصود دوستوں کو رغبت اور شوق دلانا ہے۔ مخالف اس بحث سے خارج ہیں ؎

ہر کہ افسانہ بخواند افسانہ ایست   ہر کہ نقدش دید خود مردانہ ایست

ترجمہ: جس نے اسے افسانہ قرار دیا وہ خود افسانہ ہے یعنی بے حقیقت ہے اور جس نے اسے اپنا مقصد قرار دیا وہ مرد ہے

غرض یہ کہ عاقبت کی بہتری ذکر پر وابستہ ہے۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[1] اس مطلب

---

[1] سورہ جمعہ۔ یعنی اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ فلاح اور نجات پاؤ۔ ۱۲

گواہ ہے۔ پس ذکر کثیر کو برقرار رکھنا چاہیئے۔ اور جو کچھ اس دولت کے نامناسب ہے۔ اس کو دشمن جاننا چاہیئے۔ نجات کا علاج یہی ہے ؎

ذکر گو ذکر تا ترا جان است　　پاکئ دل ز ذکر رحمان است

ترجمہ: جب تک تم میں جان باقی ہے ذکر اور یاد الٰہی میں لگے رہو۔ کیونکہ دل کی پاکیزگی ذکر رحمان پر منحصر ہے ۱۲

مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ قاصد کا کام حکم پہنچا دینا ہے ؛ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ[1] سن لو اللہ کے ذکر سے دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ نص قاطع ہے۔ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا ہے کہ اس پر ثابت اور برقرار رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کیونکہ اصل مقصود یہی ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا اور سلام ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

جامہ فرجی یعنی قبا جو نیک وقتوں میں کئی دفعہ پہنا گیا ہے۔ ارسال کیا گیا ہے۔ اس کو پہن لیں۔ حق تعالیٰ اپنے نبی اور ان کی آل پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طفیل تمام کاموں کا انجام بخیر کرے۔

مکتوب نمبر ۲۰۷

مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ ظاہری اور جسمانی قرب کو دلوں کے قرب میں بڑی تاثیر ہے۔ اور اس بیان میں کہ وجد و حال کو جب تک شرع کے میزان پر نہ تولیں نیم دام سے بھی نہیں خریدتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ تمام حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

مدت گزری ہے کہ جناب کی اور حضرات مخدوم زادوں کی اور فرزندی میاں جمال الدین حسین اور باقی عزیزوں اور بزرگوں اور بلند بارگاہ کے خادموں بالخصوص میاں شیخ الہ داد اور میاں الہ دیا کی خیریت کی خبر نہیں پہنچی۔ اس کا مانع سوائے اس امر کے کچھ نہ ہوگا کہ شاید جناب نے اس دور افتادہ کو بھلا دیا ہوگا۔ ہاں

---

[1] پارہ ۱۳ سورہ رعد ۱۲

بدنوں کے قرب کو دلوں کے قرب میں بڑی تاثیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ولی صحابہؓ کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ باوجود اس قدر بلند مرتبہ ہونے کے چونکہ خیر البشر صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت میں حاضر نہیں ہوئے، ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔

کسی شخص نے عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالےٰ سے پوچھا کہ معاویہؓ افضل ہے یا عمرو بن عبدالعزیزؒ۔ تو آپ نے جواب دیا کہ وہ غبار جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ معاویہ کے گھوڑے کے ناک میں داخل ہُوا۔ عمرو بن عبدالعزیزؒ سے کئی درجے بہتر ہے۔

اس طرف کے احوال واوضاع مع متعلقین اور تابعداروں کے بخیر و عافیت ہیں اس بات پر بلکہ تمام نعمتوں پر اور خاص کر اسلام اور حضرت سید الانام صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت کی نعمت پر اللہ تعالےٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ کیونکہ اصلی مقصود یہی ہے۔ اور نجات کا مدار اسی پر ہے۔ اور دنیا و آخرت کی سعادت کا پانا اسی پر وابستہ ہے۔

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ وَ اِیَّاکُمْ عَلٰی ذٰلِكَ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَعَلَیْهِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَ اَکْمَلُهَا۔ اللہ تعالےٰ ہم کو اور آپ کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طفیل اس متابعت پر ثابت قدم رکھے۔ ع

کار این است غیر ازیں ہمہ ہیچ　　　اصل کام یہی ہے باقی سب ہیچ ہے

صوفیوں کی بیہودہ باتوں سے کیا حاصل ہوتا ہے اور ان کے احوال سے کیا بڑھتا ہے۔ وہاں وجد و حال کو جب تک شرع کی میزان پر نہ تولیں نیم درم سے نہیں خریدتے۔ اور کشف اور الہاموں کو جب تک کتاب و سنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں نیم جو کے برابر بھی پسند نہیں کرتے۔

طریق صوفیہ پر سلوک کرنے سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ کا جو ایمان کی حقیقت ہیں زیادہ یقین حاصل ہو جائے۔ اور فقیہہ احکام کے ادا کرنے میں آسانی میسر ہو۔ نہ کہ اس کے سوا کچھ اور امر۔ کیونکہ رویت کا وعدہ آخرت میں ہے اور دنیا میں البتہ واقع نہیں ہے۔ وہ مشاہدات اور تجلیات جن کے ساتھ صوفیہ خوش ہیں، وہ صرف ظلال سے آرام پانا اور شبہ و مثال سے تسلی حاصل کرنا ہے۔ حق تعالےٰ وراء الوراء ہے۔

عجب کاروبار ہے کہ اگر ان کے مشاہدات اور تجلیات کی حقیقت پوری پوری بیان کی جا ئے تو یہ ڈر لگتا ہے کہ اس راہ کے مبتدیوں کی طلب میں فتور اور ان کے شوق میں قصور پڑ جائے گا۔ اور ساتھ ہی اس بات کا بھی ڈر ہے کہ اگر باوجود علم کے کچھ بھی نہ کہے۔ تو حق باطل کے ساتھ ملا رہے گا۔ یَا دَلِیْلَ الْمُتَحَیِّرِیْنَ دُلَّنِیْ بِحُرْمَةِ مَنْ جَعَلْتَهٗ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اے سرگشتہ اور

حیرانوں کے راہ دکھانے والے ہم کو اُس وجود پاک کی حرمت سے سیدھی راہ کی ہدایت کر جس کو تو نے رحمتہ للعالمین بنایا ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔
کبھی کبھی اپنے احوال کی کیفیات سے اطلاع دیتے رہیں کیونکہ یہ امر محبت کے زیادہ ہونے کا موجب ہے۔
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ اَفْضَلُهَا وَاَكْمَلُهَا اور سلام ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت کی راہ اختیار کی اور حضرت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۰۸

حضرت مخدوم زادہ یعنی محمد صادق[1] کی طرف صادر فرمایا (اللہ تعالیٰ اسے تادیر عقیدتمندوں کے سروں پہ قائم رکھے)۔

اس سوال کے جواب میں کہ اس طریق کا سالک کبھی اپنے آپ کو انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقامات میں پاتا ہے بلکہ بعض اوقات دیکھتا ہے کہ اس سے بھی اُوپر چلا گیا ہے۔ اس میں کیا راز ہے۔

میرے فرزند نے پوچھا تھا کہ اس راہ کا سالک مقامات عروج میں کبھی اپنے آپ کو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقامات میں پاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات یوں محسوس کرتا ہے کہ ان مقامات سے بھی بلند چلا گیا ہے۔ اس معنے کا راز کیا ہے۔ حالانکہ سب کا اس بات پر اتفاق اور اجماع ہے کہ فضیلت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے ہے۔ اولیا جو کچھ حاصل کرتے ہیں۔ یا ولایت کے مقامات تک پہنچتے ہیں۔ انہی کی متابعت سے پہنچتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وہ مقامات اُن مقامات عروج کی نہایت نہیں ہیں۔ بلکہ ان بزرگواروں کا عروج ان مقامات سے کئی مرتبہ بلند ہے۔ کیونکہ وہ مقامات اسمائے الٰہی جلّشانہ سے مراد ہیں جو ان کے تعینات کے مبادی اور حضرت حق تعالےٰ کی طرف سے فیوض کے وسیلے ہیں۔ کیونکہ حضرت ذات کو اسمائے وسیلے کے بغیر عالم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے۔ اور رغنا کے سوا کوئی نسبت حاصل نہیں ہے۔ آیت کریمہ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ[2] (اللہ جہان والوں سے غنی ہے) اس معنی پر گواہ ہے۔ اور

---

[1] حضرت خواجہ محمد صادق رحمتہ اللہ علیہ حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۰۰۰ھ میں ہوئی اور ۱۰۲۵ھ ربیع الاوّل بروز پیر وصال فرمایا۔

[2] پارہ ۲۰ سورہ عنکبوت

جب یہ بزرگوار مراتب عروج سے نزول فرماتے ہیں اور اُوپر کے انوار کو اپنے ساتھ لے کر نیچے آتے ہیں تو ان اسماء میں ان کے مرتبوں کے اختلاف کے بموجب جو ان کے طبعی مقامات کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، اقامت فرماتے ہیں اور وطن بنا لیتے ہیں۔ پس اگر کوئی ان کو قرار پذیر ہونے کے بعد ڈھونڈے تو ان کو انہی اسماء میں پائے گا۔ پس وہ بلند استعداد والا جو حضرت ذات کی طرف متوجہ ہے ناچار عروج کے وقت ان اسماء میں پہنچیگا اور اس جگہ اُوپر کو گزر جائے گا۔ اِلیٰ مَاشَاءَ اللّٰہ لیکن جب وہ سالک اُوپر سے نیچے آئے گا۔ اور اس اسم میں جو اس کے وجودی تعین کا مبدء ہے نزول کرے گا۔ تو وہ اسم ذات ان اسموں سے جو انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے مقامات ہیں بہت نیچے ہوگا۔ اور اس جگہ مقامات کا فرق ظاہر ہو جائے گا کیونکہ افضلیت کا مدار اس بات پر ہے کہ جس کا مقام بلند ہے وہی افضل ہے۔ اور جب تک سالک اپنے اسم میں واپس نہ آئے اور اپنے اسم کو ان اسموں سے نیچے معلوم نہ کرے ان بزرگواروں کی افضلیت کو ذوق و حال کے طور پر معلوم نہیں کر سکتا۔ بلکہ تقلید کے طور پر ان کو افضل کہتا ہے۔ اور پہلے یقین یہ ان کی اولیت کا حکم کرتا ہے۔ لیکن اس کا وجدان و ذوق اس کے حکم کا مکذب ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں بارگاہ الٰہی میں التجا اور زاری اور عجز و نیاز کرنا ضروری ہے تا کہ اصل حقیقت ظاہر ہو جائے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سالکوں کے قدم پھسل جاتے ہیں۔ اس جواب کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں:۔

معقولی یعنی اہلِ فلسفہ نے کہا ہے کہ دُھواں خاکی اور آتشی اجزا سے مرکب ہے۔ جس وقت دُھواں اُوپر کو جاتا ہے تو خاکی اجزا آتشی اجزا کے ہمراہ اُوپر چلے جاتے ہیں۔ اور قاسر کا قسر حاصل ہونے سے عروج کر جاتے ہیں۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ اگر دُھواں قوی ہو۔ تو وہ کرۂ نار تک چڑھ جاتا ہے۔ اس وقت اجزائے خاکی اجزائے آبی اور اجزائے ہوائی کے مقامات میں جو بالطبع فوقیت رکھتے ہیں پہنچ جائیں گے۔ اور وہاں سے عروج کر کے اوپر چڑھ جائیں گے۔ اس صورت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اجزائے خاکی کا مرتبہ اجزائے ہوائی کے رتبہ سے بلند تر ہے۔ کیونکہ وہ فوقیت باعتبار قاسر کے ہے نہ باعتبار ذات کے۔ اور کرۂ نار تک پہنچنے کے بعد جب وہ اجزائے خاکی نیچے گریں گے اور اپنے اصلی مرکز پر پہنچیں گے۔ تو بیشک ان کا مقام آب و ہوا کے مقام سے نیچے ہوگا۔

پس بحث مذکورہ میں اس سالک کا عروج بھی ان مقامات سے باعتبار قاسر کے ہے اور وہ قاسر گرمی محبت کی زیادتی اور جذبۂ عشق کی قوت ہے۔ اور ذات کے اعتبار سے اس کا مقام ان مقامات سے بہت نیچے ہے۔

یہ جواب جو کہا گیا ہے منتہی کے حال کے مناسب ہے۔ لیکن اگر ابتدا میں یہ وہم پیدا ہو جائے اور اپنے

آپ کو بزرگوں کے مقامات میں معلوم کرے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء اور توسط میں ہر مقام کا ظل اور مثال ہے اور مبتدی اور متوسط جب ان کے ظلال میں پہنچتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ ان مقامات کی حقیقت تک پہنچ گئے ہیں۔ اور ظلال اور حقائق کے درمیان فرق نہیں کر سکتے۔ اور ایسے ہی بزرگوں کے شبہ اور مثال کو جب اپنے مقامات کے ظلال میں پاتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ ان مقامات میں بزرگوں کے ساتھ مشترک ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہاں شے کے ظل کا نفس شے کے مانند ہونا لازم آتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْيَاءِ كَمَا هِيَ وَجَنِّبْنَا عَنِ الْاِشْتِغَالِ بِالْمَلَاهِيْ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا يَا اللّٰهُ تو ہم کو حضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طفیل اشیاء کی اصل حقیقت سے پورا پورا آگاہ کر اور لہو ولعب کے ساتھ مشغول ہونے سے بچا۔

مکتوب نمبر ۲۰۹

میر محمد نعمان بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

رسالہ مبدء ومعاد کی بعض مشکل عبارتوں کے حل کرنے میں اور بعض عبارتوں کے بیان میں جو اس کی تائید میں لکھی گئی ہیں۔ اور ایک مکتوب کے جواب میں جو اس طریق کی ضروری باتوں پر مشتمل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ اَجْمَعِيْنَ تمام تعریفیں اللہ رب العلمین کے لئے ہیں اور سید المرسلین اور ان کی آل پاک پر صلوٰۃ وسلام ہو۔

میرے سیادت پناہ عزیز بھائی میر محمد نعمان جمعیت سے رہیں۔ اس طرف کے احوال حمد کے لائق ہیں۔ سرائے فرخ میں رخصت ہونے کے وقت آپ نے اور برادرم محمد اشرف نے اس عبارت کے معنی جو رسالہ مبدء ومعاد میں واقع ہے پوچھے تھے چونکہ وقت نے یاوری نہ کی۔ اس لئے رکاوٹ واقع ہو گئی۔ اب دل میں آیا کہ اس عبارت کے حل میں کچھ لکھا جائے تاکہ دوستوں کی تسلی اور تشفی کا موجب ہو۔ رسالہ کی عبارت یہ ہے کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحلت فرمانے سے ہزار اور چند سال کے بعد ایک ایسا زمانہ آرہا ہے کہ حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج فرماتی ہے اور حقیقت کعبہ کے مقام سے متحد ہو جائیگی اور اس وقت حقیقت محمدی کا نام حقیقت احمدی ہو جائیگا۔ اور ذات احد جل سلطانہ کا مظہر

بن جائے گی۔ اور دونوں اسم مبارک اپنے مسمّی کے ساتھ متحقق ہو جائیں گے۔ اور پہلا مقام حقیقت محمدیؐ سے خالی رہے گا۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علےٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام نزول فرمائیں اور شریعت محمدی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے موافق عمل کریں گے۔ اس وقت حقیقت عیسوی اپنے مقام سے عروج فرما کر حقیقت محمدیؐ کے مقام میں جو خالی رہا تھا، قرار پکڑے گی۔

جاننا چاہیئے کہ شخص کی حقیقت اس کے تعین وجوبی سے مُراد ہے کہ اس شخص کا تعین امکانی اس تعین کا ظل ہے۔ اور وہ تعیّن وجوبی اسمائے الٰہی مثل علیمؔ وقدیرؔ و مریدؔ و متکلمؔ وغیرہ میں سے ایک اسم ہے اور وہ اسم الٰہی اس شخص کا رب اور اس کے وجودی فیوض کا مبدء ہے۔ اور اس اسم کی نسبت حضرت ذات کے ساتھ مختلف مراتب میں ہے۔ مرتبہ صفت میں اور توابع وجودی کہ اس کا وجود ذات کے وجود پر زائد ہے۔ یہی اسم اطلاق پاتا ہے۔ اور مرتبہ شان میں بھی کہ اس کی زیادتی ذات پر مجرد اعتبار سے ہے۔ یہی اسم صادق آتا ہے۔ اور صفت و شان کے درمیان فرق، اُس مکتوب میں جو سلوک اور جذبہ کے بیان میں لکھا گیا تھا، مفصل ذکر پا چکا ہے۔ اگر معلوم نہ ہو، تو اس مکتوب کی طرف رجوع کریں۔ اور شک نہیں ہے کہ شان کا حاصل ہونا بھی اگرچہ مجرد اعتبار ہے۔ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس سے اوپر اس کے شان کے مناسب اور زائد معنی ہوں جو اس کے وجود اعتباری کا مبدء ہوں۔ پس اس اسم کو اس مرتبہ سے بھی نصیب حاصل ہے اور اس معنے زائدہ کے فوق میں بھی یہ احتمال جاری ہے۔ لیکن قوتِ بشری اس کے ضبط کرنے سے عاجز ہے۔ اس فقیر بے بضاعت نے ایک اور مرتبہ کو بھی عبور کیا ہے۔ لیکن اس مرتبہ کے فوق میں سوائے استغراق اور نیستی کے کچھ حاصل نہیں ہے وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ[1] ہر صاحبِ علم کے اُوپر علم والا ہے سہ

هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا
وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

ترجمہ: ارباب نعمت کو نعمتیں گوارا ہوں اور عاشق مسکین کے لئے وہی درد و غم ہے جسے وہ گھونٹ گھونٹ پی رہا ہے۔

اہل اللہ کی ایک دُوسرے پر فضیلت اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق ان مختلف مراتب کے طے کرنے کے اعتبار سے ہے۔ اور اس اسم سے واصل اولیا بہت تھوڑے ہیں۔ کیونکہ اکثر ان میں سے سلوک اور سیر تفصیلی کے طریق پر تمام مراتب امکانیہ سے عروج کرنے کے بعد اس اسم کے ظلال میں سے کسی ظل

---

[1] سورہ یوسف پارہ ۱۳ - ۱۲

تک واصل ہیں۔ اور صرف جذبہ کے طریق سے بھی اس اسم تک واصل ہونے کا وہم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ بے اعتبار اور بے اعتماد ہے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے اس اسم سے عروج کیا ہے۔ اور مراتب متفاوتہ کو کم و بیش طے کیا ہے، وہ بہت ہی تھوڑے ہیں۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شخص کی حقیقت جیسے کہ تعین وجوبی کو کہتے ہیں تعین امکانی کو بھی کہتے ہیں۔ جیسا یہ تمہیدات معلوم ہو گئے۔ تو میں کہتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام مخلوقات کی طرح عالم خلق اور عالم امر سے مرکب ہیں۔ اور وہ اسم الٰہی جو ان کے عالم خلق کی تربیت کرنے والا ہے - شان العلیم ہے۔ اور وہ جو ان کے عالم امر کی تربیت فرماتا ہے وہ معنے ہے جو اس شان کے وجود اعتباری کا مبدء ہے۔ جیسے کہ گزر چکا۔ اور حقیقت محمدی شان العلیم سے مراد ہے۔ اور حقیقت احمدی اس معنے سے کنایہ ہے جو اس شان کا مبدء ہے اور حقیقت کعبہ سبحانی بھی اسی معنے سے مراد ہے۔ اور وہ نبوت جو حضرت آدم علےٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے پہلے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھی۔ اور اس مرتبہ کی نسبت خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ کُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ میں نبی تھا جبکہ آدم ابھی پانی اور کیچڑ میں تھا۔ وہ باعتبار حقیقت احمدی کے تھی جس کا تعلق عالم امر سے ہے۔ اور اس اعتبار سے حضرت عیسٰی علےٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کلمۃ اللہ تھے اور عالم امر سے زیادہ مناسبت رکھتے تھے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کی خوشخبری اسم احمدؐ سے دی ہے اور فرمایا ہے مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ خوشخبری دینے والا ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اُس کا نام احمدؐ ہے، اور وہ نبوت جو عنصری پیدائش سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ صرف حقیقت محمدی کے اعتبار سے نہیں ہے۔ بلکہ دونوں حقیقتوں کے اعتبار سے ہے۔ اور اس مرتبہ میں آپ کی تربیت کرنے والی وہ شان اور اس شان کا مبدء ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مرتبہ کی دعوت پہلے مرتبہ کی دعوت کی نسبت زیادہ اتم ہے۔ کیونکہ

لہ ترمذی شریف بروایت حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہٗ بالفاظ

قالوا متی وجبت لك النبوة قال ادم بین الروح والجسد

شرح السنۃ میں یہ روایت بایں الفاظ مروی ہے

انی عند الله مكتوب خاتم النبیین و ادم لمنجدل فی طینته

لہ پارہ ۲۸ سورہ صف

اُس مرتبہ میں آپ کی دعوت عالمِ امر سے مخصوص تھی۔ اور آپ کی تربیت رُوحانیوں پر منحصر تھی۔ اور اس مرتبہ میں آپ کی دعوت خلق وامر دونوں کو شامل ہے۔ اور آپ کی تربیت اجساد وارواح پر مشتمل ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اس جہان میں آپ کی عنصری پیدائش کو آپ کی ملکی پیدائش پر غالب کیا ہوا تھا تاکہ مخلوقات کے ساتھ جن میں بشریت زیادہ غالب ہے۔ وہ مناسبت جو افادہ اور استفادہ کا سبب ہے زیادہ پیدا ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالےٰ نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بشریت کے ظاہر کرنے کے لئے بڑی تاکید سے امر فرماتا ہے کہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ لفظ مِثْلُکُمْ کا لانا تاکید بشریت کے لئے ہے۔ اور وجودِ عنصری سے رحلت کر جانے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی روحانیت کی جانب غالب ہوگئی اور بشریت کی مناسبت گم ہوگئی۔ اور دعوت کی نورانیت میں تفاوت پیدا ہو گیا۔

۱؎ معلوم ہُوا کہ عالم امر اور عالم ارواح میں بھی سب کی تربیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے کی اور آپ اجساد اور ارواح دونوں کے مربی ہیں۔

۲؎ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت یا آپ کے نوُر ہونے کے متعلق حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ کے مسلک وعقیدہ کی وضاحت آپ کی درج ذیل عبارات سے ہو جاتی ہے۔

(۱) دفتر سوم مکتوب ۱۰۰ میں حضرت شیخ مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

باید دانست کہ خلقِ محمدی در رنگِ خلقِ سائرِ افرادِ انسانی نیست۔ بلکہ بخلق ہیچ فردے از افرادِ عالم مناسبت ندارد کہ او صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باوجود نشاء عنصری از نورِ حق جل وعلا مخلوق گشتہ۔ کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ ودیگراں را این دولت میسر نشدہ است۔

ترجمہ: جاننا چاہیئے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش دُوسرے افرادِ انسانی کی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ جہان کے تمام افراد میں سے کسی فرد کے ساتھ آپ کی پیدائش اور آپ کا وجود انور مناسبت ومشابہت نہیں رکھتا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام باوجود جسم عنصری رکھنے کے نورِ حق تعالےٰ سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے" میں اللہ کے نوُر سے پیدا ہوا ہوں" اور دُوسرے کسی کو یہ دولت نصیب نہیں ہوئی۔

(۲) اسی مکتوب میں چند سطر بعد فرماتے ہیں:

وبکشف صریح معلوم گشتہ است کہ خلقت آنسرور علیہ السلام ناشی از امکان است کہ بصفات اضافیہ

بعض اصحاب کرامؓ نے فرمایا ہے کہ ابھی ہم آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دفن سے فارغ نہ ہوئے کہ ہم نے اپنے دلوں میں فرق محسوس کیا۔ ہاں ایمان شہودی ایمان غیبی سے بدل گیا۔ اور معاملہ آغوش سے گوش تک آپہنچا۔ اور دیکھنے سے سُننے تک نوبت آگئی۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے جب ہزار سال گزرے جو بڑی لمبی مدت اور بڑا دراز زمانہ ہے۔ تو روحانیت کی طرف اس طرح غالب ہوئی کہ بشریت کی تمام جانب کو اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ حتیٰ کہ عالم خلق نے عالم امر کا رنگ اختیار کیا۔ پس ناچار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عالم خلق سے جس چیز نے اپنی حقیقت کی طرف رجوع کی تھی۔ یعنی حقیقت محمدیؐ عروج کر کے حقیقت احمدیؐ سے لاحق ہو گئی اور حقیقت محمدیؐ حقیقت احمدیؐ سے متحد ہو گئی۔

(حاشیہ صفحہ ۱۴۴)
تعلق دارد بہ امکانیکہ در سائر ممکنات عالم کائن است۔

ترجمہ: اور کشف صریح سے معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس امکان سے پیدا ہوئے ہیں جو صفات اضافیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس امکان سے پیدا نہیں ہوئے جو باقی کائنات عالم میں پایا جاتا ہے۔

اسی مکتوب میں فرماتے ہیں:

نور نبیّت کہ در نشاء عنصری بعد از انصباب از اصلاب بارحام متکثرہ بمقتضائی حکم و مصالح بصورت انسانی کہ احسن تقویم است ظہور نمودہ است و مسمی بمحمد و احمدؐ شدہ۔

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نور ہیں جو عالم اجسام میں پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتے رہے ہیں اور پھر آخر کار مختلف رحموں سے منتقل ہوتے ہوئے حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر بصورت انسان جو بہترین صورت ہے ظہور فرمایا، اور محمد و احمد کے نام سے موسوم ہوئے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مذکورہ عبارات واضح کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حق تعالیٰ سے پیدا ہوئے ہیں اور حکم و مصالح کے تحت انسانی صورت میں عالم اجسام میں جلوہ فرما ہوئے ہیں۔

اسی مکتوب میں فرماتے ہیں:

۱۴، و ہر چند بدقت نظر صحیفہ ممکنات عالم را مطالعہ نمودہ مے اید۔ وجود آنسرور علیہ السلام در آنجا مشہود نمگیرد دو چوں وجود آنسرور علیہ السلام از عالم ممکنات نباشد بلکہ فوق ایں باشد ناچار او را سایہ نہ بود۔ و نیز در عالم شہادت سایہ شخص از شخص لطیف است و چوں لطیف تر از وے در عالم نباشد او را سایہ چہ صورت دارد علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

ترجمہ: اور کتنی ہی باریک نظر سے صحیفہ ممکنات کا مطالعہ کیا جائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود انور اس میں سے معلوم نہیں ہوتا اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم ممکنات میں سے نہیں ہیں بلکہ اس سے بلند و ارفع امکان

اس جگہ حقیقت محمدی اور حقیقت احمدی سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ کے خلق و امر کا تعین امکانی ہے۔ نہ تعین وجوبی کہ تعین امکانی اس کا ظل ہے۔ کیونکہ تعین وجوبی کے عروج کے کچھ معنے نہیں اور اس تعین کے ساتھ متحد ہونا معقول نہیں ہے۔

جب حضرت عیسےٰ علےٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے۔ تو حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی متابعت کریں گے۔ اور اپنے مقام سے عروج فرما کر تبعیت کے طور پر حقیقت محمدی کے مقام میں پہنچیں گے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کی تقویت کریں گے۔ گذشتہ شریعتوں کا بھی یہی حال تھا کہ اولوالعزم پیغمبروں کے رحلت فرما جانے سے ہزار سال کے بعد انبیائے کرام اور رسل عظام مبعوث ہوتے تھے۔ جو ان پیغمبروں کی شریعت کو تقویت دیتے تھے۔ اور ان کے کلمہ کو بلند کرتے تھے۔ اور جب پیغمبر اولوالعزم کی دعوت و شریعت کا دورہ تمام ہو جاتا تھا تو دوسرا اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہو جاتا تھا۔ اور نئے سرے سے اپنی شریعت ظاہر کرتا تھا۔ اور چونکہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت نسخ و تبدیل سے محفوظ ہے۔ اس لئے حضورؐ کی اُمت کے علماء کو انبیا کا مرتبہ عطا فرما کر شریعت کی تقویت اور ملت کی تائید کا کام ان کے سپرد فرمایا ہے۔ بلکہ ایک اولوالعزم پیغمبر کو حضورؐ کا تابعدار بنا کر حضورؐ کی شریعت کو ترقی بخشی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ہم ہی نے قرآن مجید کو نازل کیا۔ اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اور جاننا چاہیئے کہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رحلت کر جانے سے ہزار سال بعد حضورؐ کی اُمت کے اولیا جو ظاہر ہوں گے۔ اگرچہ وہ قلیل ہوں گے مگر اکمل ہوں گے۔ تاکہ اس شریعت کی تقویت پورے طور پر کر سکیں۔

حضرت مہدی جن کی تشریف آوری کی نسبت حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشارت فرمائی ہے۔ ہزار سال کے بعد پیدا ہوں گے۔ اور حضرت عیسےٰ علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام خود بھی ہزار سال کے بعد نزول فرمائیں گے۔

خلاصہ یہ کہ اس طبقہ کے اولیا کے کمالات اصحاب کرام رضوان اللہ عنہم کے کمالات کی مانند ہیں۔ اگرچہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد فضیلت و بزرگی اصحاب کرام کے لئے ہے۔ لیکن یہ ایک ایسا مقام ہے کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ (۴۴۵) سے پیدا ہوتے ہیں جس بنا پر آپ کے جسم شریف کا سایہ نہیں تھا۔ اور نیز اس عالم شہادت میں شے کا سایہ شے سے لطیف تر ہوتا ہے۔ اور جب حضور علیہ السلام سے زیادہ لطیف کوئی چیز جہاں میں نہیں ہے تو آپ کے جسم مبارک کے لئے سایہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔

کمال مشابہت کے باعث ایک کو دُوسرے پر فضیلت نہیں دے سکتے۔
اور ہو سکتا ہے کہ اسی وجہ سے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا[1] ہو کہ لَا یُدْرٰی اَوَّلُهُمْ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُهُمْ نہیں معلوم ان میں سے اوّل زمانہ کے بہتر ہیں یا آخر زمانہ کے۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ لَا اَدْرِیْ اَوَّلُهُمْ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُهُمْ میں نہیں جانتا کہ ان میں سے اوّل کے بہتر ہیں یا آخر کے۔ کیونکہ فریقین میں سے ہر ایک کا حال آپ کو معلوم تھا۔ اسی واسطے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ لیکن چونکہ کمال مشابہت کے باعث تردّد کا مقام تھا۔ اس لئے لَا یُدْرٰی فرمایا۔
اگر کوئی سوال کرے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصحاب کے زمانہ کے بعد تابعین کے زمانہ کو اور تابعین کے زمانہ کے بعد تبع تابعین کے زمانہ کو بہتر فرمایا ہے۔ تو یہ دونوں قرن بھی یقیناً اس گروہ سے بہتر ہوں گے پھر یہ طبقہ کمالات میں اصحاب کرام کے ساتھ کیسے مشابہ ہوگا۔ تو اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ اس قرن کا اس طبقہ سے بہتر ہونا اس اعتبار سے ہو کہ اولیاء اللہ کا ظہور کثرت سے ہوگا۔ اور بدعتیوں اور بدکاروں اور گنہگاروں کا وجود کم ہوگا۔ اور یہ امر ہرگز اس بات کے منافی نہیں کہ اس طبقہ کے اولیاء اللہ میں سے بعض افراد ان دونوں قرنوں کے اولیاء سے بہتر ہوں جیسے کہ حضرت مہدی سے

فیض رُوح القدس ار باز مدد فرماید | دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

رُوح القدس کا فیض اگر دوبارہ مدد فرمائے تو دُوسرے بھی وہ کام کر سکتے ہیں جو حضرت مسیح کرتے تھے
لیکن اصحاب کا زمانہ ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ اس کی نسبت گفتگو کرنا فضول ہے۔ سابق سابق ہی ہیں اور جنت نعیم میں مقرب ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ دُوسروں کا پہاڑ جتنا سونا خرچ کرنا ان کے ایک سیر جَو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہے۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے۔
جاننا چاہیئے کہ پہلے بیان سے اس عبارت کے معنے واضح ہو گئے۔ جو رسالہ مبدء معاد میں اس عبارت کے اُوپر لکھی گئی ہے کہ کعبۂ ربانی کی حقیقت حقیقتِ محمدی کی مسجود ہو گئی۔ کیونکہ کعبہ ربّانی کی حقیقت بعینہٖ حقیقت احمدی ہے کہ حقیقت محمدی دراصل اس کا ظل ہے۔ پس ناچار حقیقت محمدی کی مسجود ہوگی۔ اگر سوال کریں کہ

---

[1] پوری حدیث اس طرح ہے۔ مثل امتی مثل المطر لا یدری اوله خیر ام آخره۔ ترمذی شریف یعنی میری اُمت کا حال بارش کی طرح ہے نہیں معلوم ہو سکتا کہ بارش کا پہلا حصّہ بہتر ہے یا آخری حصّہ یعنی ساری اُمت بہتر ہے جس طرح ساری بارش نافع اور خیر ہے۔ یہ حدیث الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ بروایت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہٗ ابن عساکر میں بھی موجود ہے۔ ۱۲

کعبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اولیائے اُمت کے طواف کے لئے آتا ہے۔ اور ان سے برکات حاصل کرتا ہے۔ حالانکہ اس کی حقیقت حقیقتِ محمدی پر متقدم ہے تو پھر یہ بات کس طرح جائز ہوگی؟

مَیں جواب میں کہتا ہوں کہ حقیقت محمدی تنزیہ اور تقدیس کی بلندی سے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزول کرنے کے مقامات کی نہایت ہے۔ اور کعبہ کی حقیقت عروج کعبہ کے مقامات کی نہایت ہے۔ اور حقیقت محمدی کے واسطے مرتبہ تنزیہ پر عروج کرنے کے لئے پہلا مرتبہ حقیقتِ کعبہ ہے۔ اور حقیقت محمدی کے عروج کی نہایت کو سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور جب حضورؐ کی اُمت میں سے کامل اولیاء کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عروجات سے پُورا پُورا حصہ حاصل ہے تو پھر اگر کعبہ ان بزرگواروں سے برکات حاصل کرے تو کیا تعجب ہے۔[1]

زمیں زادہ بر آسماں تافتہ　　زمین وزماں را پس انداختہ

ترجمہ: خاک سے پیدا شدہ آسمان پر جا پہنچا اور زمین و زمان کو پیچھے چھوڑ گیا

اور دُوسری عبارت بھی جو اس رسالہ سے اس مقام میں لکھی گئی تھی حل ہوگئی۔ اور وہ عبارت یہ ہے کہ کعبہ کی صُورت جس طرح کہ اشیا کی صورتوں کی مسجُود ہے۔ اسی طرح کعبہ کی حقیقت بھی ان اشیاء کی حقیقتوں کی مسجود ہے۔ کیونکہ مقدمات سابقہ سے معلوم ہُوا ہے کہ حقائق اشیا اُن اسمائے الٰہی سے مُراد ہے جو ان کے وجود اور ان کے وجود کے متعلقات کے فیوض کا مبدء ہے۔ اور حقیقت کعبہ ان اسماء کے فوق ہے۔ پس بیشک حقیقت کعبہ حقائق اشیاء کی مسجود ہوگی۔ ہاں اگر اولیاء میں سے اکمل کو حقیقت کعبہ سے بالاتر سیر واقع ہو جائے۔ اور بالاتر انوار کو حاصل کر کے اپنے حقائق کے مراتب میں جو مراتب عروج میں اشیاء کے طبعی مقامات کی مانند ہیں، نیچے اُتر آئیں۔ تو کعبہ ان کی برکات سے توقع رکھے گا جیسے کہ پہلے گزر چکا۔

اور نیز رسالہ مبدء و معاد میں چند فقرے انبیائے اولوالعزم کے ایک دُوسرے سے افضل ہونے میں لکھے گئے تھے۔ ان کے ایک دُوسرے کے افضل ہونے کے معنی چونکہ کشف و الہام پر مبنی ہیں جو ظنی ہیں اس لئے اس کے لکھنے اور فضیلت میں تفرقہ کرنے سے ندامت اور توبہ کرتا ہے کیونکہ قطعی دلیل کے سوا اس بارہ میں گفتگو کرنا جائز نہیں اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ جَمِيْعِ مَا كَرِهَ اللّٰهُ قَوْلاً وَّ فِعْلاً میں اُن تمام اقوال و افعال سے جو اللہ کو ناپسند ہیں توبہ کرتا ہوں اور بخشش مانگتا ہوں۔

آپؒ نے اپنے مکتوب میں یہ بھی لکھا تھا کہ:۔

---

[1] سبحان اللہ اولیاء کرام کی کتنی عظیم شان ہے کہ کعبہ بھی ان کے طواف کو آتا ہے۔

مَیں نے سرائے فرخ میں پوچھا تھا کہ طالبوں کو طریقت سکھانا میرے حال کے مناسب ہے یا نہیں اور تم نے جواب میں لکھا تھا کہ نہیں۔

فقیر کو یاد نہیں رہا کہ عام طور پر نفی کی ہو۔ بلکہ یہ کہا ہوگا۔ کہ شرائط پر مشروط ہے۔ بے شرائط ہرگز مناسب نہیں۔ اور اب بھی اسی طرح جانیں۔ چاہیئے کہ شرائط کو مدنظر رکھنے میں بڑی احتیاط کریں اور ہرگز سُستی نہ کریں۔ اور جب تک استخاروں کے ساتھ اس بات کا یقین نہ ہو جائے کہ طریقہ سکھانا چاہیئے۔ تب تک کسی کو نہ سکھائیں۔ اور برادرم مولانا یار محمد قدیم کو بھی اس بات کی طرف رہنمائی کریں اور بڑی تاکید سے کہیں کہ طریقت چلانے میں جلدی نہ کرے۔ کیونکہ مقصود دکان کھولنا نہیں ہے۔ بلکہ حق تعالےٰ کی مرضی کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ اطلاع دینا شرط ہے۔

دُوسرے یہ کہ آپ نے اپنے مریدوں کی نسبت گلہ کیا تھا۔ گلہ تو آپ کو اپنی وضع کی نسبت کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ آپ اس جماعت سے اس طرح زندگی بسر کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ آزار و تکلیف ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ پیر کو چاہیئے کہ مریدوں کی نظر میں اپنے آپ کو آراستہ اور شان و شوکت سے رکھے نہ یہ کہ ان کے ساتھ اختلاط کا دروازہ کھول دے اور ان سے ہمنشینوں کی طرح سلوک کرے۔ اور حکایت و گفتگو سے مجلس گرم رکھے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۱۰

نفحات کی عبارت کے حل کرنے اور بعض ضروری نصیحتوں کے دَر میں مُلا شکیبی اصفہانی کی طرف لکھا:

آپ کا شریف و لطیف خط جو از روئے شفقت و مہربانی اس حقیر بے سامان کے نام لکھا ہُوا تھا شرف صدور لایا۔ اور اس کے مطالعہ سے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ آپ سلامت رہیں اور سلامت ہی جائیں۔ اور جب تک رہیں فقراء کی محبت پر رہیں۔ اور جب جائیں ان کی محبت کا سرمایہ لے کر جائیں۔ اور جب اُٹھیں اُن کی محبت میں اُٹھیں۔ بحرمت اُس وجودِ پاک کے جس نے فقر پر فخر کیا اور اس کو دولتمندی پر اختیار کیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

آپ نے از روئے کرم کے لکھا تھا کہ اُس حکایت کا اصل معاملہ کیا ہے جو نفحات میں شیخ ابن السکینہ قدس سرہٗ کے مُرید کی نسبت مذکور ہے کہ ایک دن دریائے دجلہ میں غسل کے موقع پر غوطہ لگایا اور سر دریائے نیل سے جا نکالا اور مصر میں چلا گیا۔ اور وہاں شادی کی اور اس کے ہاں بیٹے پیدا ہوئے۔ اور سات سال تک مصر میں مقیم رہا۔ اتفاقاً پھر ایک دن غسل کے لئے دریائے نیل میں غوطہ لگایا۔ اور سر دریائے دجلہ میں جا نکالا۔ دیکھا کہ اس کے کپڑے جو دریائے دجلہ کے کنارے پر رکھے تھے۔ بدستور موجود ہیں۔ اُن کپڑوں کو پہن کر گھر آیا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ مہمانوں کے لئے کھانا جو آپ نے فرمایا تھا تیار ہے۔ الیٰ آخرہٖ۔

میرے مخدوم! اس حکایت کا اشکال اس وجہ سے نہیں ہے کہ برسوں کا کام ایک گھڑی میں کیسے میسّر ہوگیا۔ کیونکہ اس قسم کا معاملہ بہت واقع ہوتا ہے۔

حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج میں عروج کے مرتبے طے کرنے اور وصول کی منزلیں قطع کرنے کے بعد جو کئی ہزار برسوں میں میسّر ہوسکیں۔ جب اپنے دولت خانہ میں واپس آئے تو دیکھا کہ بستر خواب ابھی گرم ہے۔ اور کوزہ میں وضو کا پانی ابھی حرکت میں ہے۔

اس کی وجہ وہی ہے جو اس حکایت کے نقل کرنے کے بعد نفحات میں مذکور ہے کہ یہ بات بسط زمان کی قسم سے ہے۔ بلکہ اس حکایت کا اشکال اس سبب سے ہے کہ بغداد میں جو وقت ہو وہی مصر میں ہو۔ حالانکہ عرصہ سات سال کا درمیان پیدا ہو۔ مثلاً اہل بغداد اس وقت سن تین سو ساٹھ ہجری میں ہوں۔ اور اہل مصر اس وقت تین سو ستاسٹھ ہجری میں۔ عقل و نقل اس بات کو پسند نہیں کرتی۔ یہ معاملہ ایک یا دو شخصوں کی نسبت ہو تو جائز ہے لیکن شہروں اور متعدد مکانوں کی نسبت محال ہے۔ جو کچھ اس فقیر کی خاطر دفاتر میں گزرتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حکایت عالت بیداری سے نہیں ہے۔ بلکہ خواب و واقعات کی قسم سے ہے کہ سننے والے کے لئے خواب رؤیت سے مشتبہ ہوگئی ہے۔ اور نیند سے بیداری کا وہم گزرا ہے۔ اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوتے ہیں۔ بلکہ اسی اشتباہ کے ظن سے ہے کہ خواب میں دیکھا ہے اور خواب میں اپنے پیر سے کہا ہے۔ اور فرزندوں کو لایا ہے وغیرہ وغیرہ اور وہ حکایت بھی جو اس حکایت کے بعد شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہٗ سے نقل کرتے ہیں اسی قسم سے ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ کُلِّھَا۔ اور تمام امور کی اصلی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ اس عبارت کی شرح لکھنی چاہیئے کہ جسد کا مربّی رُوح ہے اور قالب کا مربّی قلب۔

میرے مخدوم! ان دونوں عبارتوں کا مطلب ایک ہی ہے اور وہ انسان کہ عالم خلق کو اس کے عالم امر سے تربیت کرتا ہے۔ اور چونکہ جسد کا لفظ رُوح کے لفظ کے ساتھ اکثر استعمال واقع ہوتا ہے اور قالب و قلب کے درمیان لفظی مناسبت ہے۔ اس واسطے ہر ایک کو اپنے مناسب لفظ کے ساتھ جمع کر کے عبارت کا اختلاف اختیار کیا گیا ہے۔ آپ نے نصیحتوں کی طلب ظاہر فرمائی ہے۔

میرے مشفق مخدوم! شرم آتی ہے کہ باوجود اس خرابی اور گرفتاری اور بے سامانی اور بیحاصلی کے اس بارہ میں کچھ لکھے۔ اور صریح طور پر یا اشارہ کے طور پر اس قسم کی کلام کرے۔ لیکن اس بات کا بھی ڈر ہے کہ اگر قول معروف سے اپنے آپ کو معاف رکھے تو اس سے خست اور کمینہ پن ظاہر ہوتا ہے اور بخل و کنجوسی کی نوبت پہنچتی ہے۔ اس لئے چند باتیں لکھنے کی جرأت کرتا ہے۔

میرے مخدوم! دنیا کے بقا کی مدت بہت قلیل ہے۔ اور اس قلیل سے بھی اکثر تمت ہو گئی ہے اور بہت کم باقی رہ گئی ہے۔ اور بقائے آخرت کی مدت خلود اور دوام ہے۔ اور معاملہ خلود کو بقائے چند روزہ کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ بعد ازاں یا دائمی راحت ہے یا دائمی عذاب۔

مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو خبر دی ہے وہ سچ ہے اس میں خلاف کا احتمال نہیں ہے۔ اپنی عقل دُور اندیش سے کام لینا چاہیئے۔

میرے مخدوم! عمر کا بہتر اور قیمتی حصہ ہوا و ہوس میں گزر گیا۔ اور خدا تعالےٰ کے دشمنوں کی رضامندی میں بسر ہوا۔ اور عمر کا نکما حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اگر آج ہم اس کو خدائے تعالےٰ کی رضامندی میں حاصل کرنے میں صرف نہ کریں۔ اور اشرف کی تلافی ارذل سے نہ کریں اور تھوڑی محنت کو ہمیشہ کے آرام کا وسیلہ نہ بنائیں۔ اور تھوڑی نیکیوں سے بہت سی بُرائیوں کا کفارہ نہ کریں۔ کل کونسا مُنہ لے کر ہم خدائے تعالےٰ کے سامنے جائیں گے۔ اور کیا حیلہ پیش کریں گے۔ یہ خواب خرگوش کب تک رہے گی۔ اور غفلت کی روئی کب تک کانوں میں پڑی رہے گی۔ آخر ایک دن بینائی سے پردے اُٹھا دیں گے۔ اور غفلت کی روئی کانوں سے دُور کر دیں گے۔ لیکن پھر کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اور سوائے حسرت و ندامت کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ موت کے آنے سے پہلے ہی اپنا کام بنا لینا چاہیئے۔ اور واشوقا کہتے ہوئے مرنا چاہیئے۔ اوّل عقاید کا درست کرنا ضروری ہے۔ اور اس امر کی تصدیق سے جو تواتر و ضرورت کے طور پر دین سے معلوم ہوا ہے چارہ نہیں ہے۔ دُوسرے ان باتوں کا علم و عمل ضروری ہے جن کا متکفل علم فقہ ہے۔ اور تیسرے طریقہ صوفیہ کا سلوک بھی درکار ہے۔ نہ اس غرض کے لئے کہ غیبی صورتیں اور شکلیں مشاہدہ کریں۔ اور نوروں اور رنگوں کا معائنہ کریں حسی صورتیں اور انوار کیا کم ہیں کہ کوئی ان کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجاہدوں سے غیبی صورتوں اور انوار کی ہوس کرے۔ حالانکہ یہ حسی صورتیں اور انوار اور وہ غیبی صورتیں اور انوار دونوں حق تعالےٰ کی مخلوق ہیں۔ اور حق تعالےٰ کے صانع ہونے پر روشن دلیلیں ہیں۔ چاند و سُورج کا نور جو عالم شہادت سے ہے اُن انوار سے جو عالم مثال میں دیکھیں۔ کئی گنا زیادہ ہے۔ لیکن چونکہ یہ دید دائمی ہے اور خاص و عام اس میں شریک ہیں اس لئے اس کو نظر اور اعتبار میں نہ لا کر انوار غیبی کی ہوس کرتے ہیں۔ ہاں ع

آبے کہ رود پیش درت تیرہ نماید

ترجمہ: جو پانی تیرے دروازے کے سامنے سے گزرتا ہے وہ تجھے کالا نظر آتا ہے۔

طریق صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ میں یقین زیادہ حاصل ہو جائے۔ تاکہ استدلال کی تنگی سے کشف کے میدان میں آجائیں۔

مثلاً واجب الوجود تعالےٰ و تقدس کا وجود جو اوّل استدلال یا تقلید کے طور پر معلوم ہوا تھا۔ اور

اس کے اندازہ کے موافق یقین حاصل ہوا تھا۔ جب طریق صوفیہ کا سلوک میسر ہو تو یہ استدلال و تقلید کشف شہود سے بدل جاتا ہے اور یقین اکمل حاصل ہو جاتا ہے۔ سب اعتقادی امور میں یہی قیاس ہے۔ اور نیز طریق صوفیہ کے سلوک سے یہ مقصود ہے کہ احکام فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی حاصل ہو جائے اور وہ مشکل دور ہو جائے جو نفس کی امارگی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اس فقیر کا یہ یقین ہے کہ طریق صوفیہ حقیقت میں علوم شرعیہ کا خادم ہے۔ نہ شریعت کے مخالف کچھ اور امر۔ اور اپنی کتابوں اور رسالوں میں اس معنی کی تحقیق کی ہے۔ اور اس غرض کے حاصل ہونے کے لیے تمام طریقوں میں سے طریقہ علیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا بہت مناسب اور بہتر ہے کیونکہ ان بزرگواروں نے سنت کی متابعت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے کنارہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر متابعت کی دولت ان کو حاصل ہو اور احوال کچھ نہ رکھتے ہوں تو خوش ہیں۔ اور اگر با وجود احوال کے متابعت میں قصور معلوم کریں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر تمام احوال و مواجید ہمیں دے دیں اور ہماری حقیقت کو اہل سنت و جماعت کے اعتقاد سے نہ نوازیں تو سوائے خرابی کے ہم کچھ نہیں جانتے۔ اور اگر اہل سنت و جماعت کا اعتقاد ہم کو دے دیں اور احوال کچھ نہ دیں تو پھر کچھ غم نہیں ہے۔ اور نیز اس طریق میں نہایت بدایت میں مندرج ہے۔ پس یہ بزرگ پہلے قدم میں وہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں جو دوسروں کو نہایت میں جا کر حاصل ہوتا ہے۔ اگر فرق ہے تو صرف اجمال و تفصیل اور شمول و عدم شمول کا ہے۔ یہ نسبت بعینہ اصحاب کرام علیہم الرضوان کی نسبت ہے۔ کیونکہ اصحاب حضرت خیر البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی صحبت میں وہ کچھ حاصل کر لیتے تھے جو اولیائے امت کو نہایت میں بھی شاید ہی حاصل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ خواجہ اویس قرنی قدس سرہٗ جو خیر التابعین ہے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کے مرتبہ کو نہیں پہنچا۔ جس کو صرف ایک ہی دفعہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی۔ کیونکہ صحبت کی بزرگی تمام فضیلتوں اور کمالوں سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ ان کا ایمان شہودی ہے۔ اور دوسروں کو یہ دولت ہرگز نصیب نہیں ہوئی۔ ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

یہی وجہ ہے کہ ان کا ایک سیر جَو خرچ کرنا دوسروں کے پہاڑ جتنا سونا خرچ کرنے سے بہتر ہے۔ اور تمام اصحاب اس فضیلت میں برابر ہیں۔ پس سب کو بزرگ جاننا چاہیے اور نیکی سے یاد کرنا چاہیے۔ کیونکہ اصحاب سب کے سب عادل ہیں اور روایت اور تبلیغ احکام میں سب برابر ہیں۔ ایک کی روایت کو دوسرے کی روایت پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔ قرآن مجید کے اُٹھانے والے یہی لوگ ہیں۔ اور آیاتِ متفرقہ کو ان کے عادل ہونے کے بھروسہ پر ہر ایک سے دو آیتیں یا تین آیتیں یا کم و بیش اخذ کر کے جمع کیا ہے۔ اگر اصحاب میں سے کسی ایک پر طعن کریں تو وہ طعن قرآن مجید کے طعن تک

پہنچا دیتا ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض آیات کا حال وہی ہو۔ اور ان مخالفتوں اور جھگڑوں کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہیے اور ہوا و تعصب سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو صحابہ کے احوال کو بخوبی جانتے ہیں' فرمایا ہے کہ:

تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللهُ عَنْهَا اَيْدِيَنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا اَلْسِنَتَهَا۔ یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا پس ہمیں چاہیے کہ اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں

اور اسی قسم کا مقولہ امام اجل حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے۔ والسّلام اوّلاً و آخراً۔

مکتوب نمبر ۲۱۱

مولانا یار محمد قدیم بدخشی کی طرف صادر فرمایا۔

ایک سوال کے جواب میں جو مولوی علیہ الرحمۃ کے مقولہ کے بارہ میں کیا گیا تھا۔ اور مقام تکمیل و ارشاد کی ضروری شرطوں کے بیان میں۔

میرے عزیز بھائی مولانا یار محمد قدیم کا مکتوب مرغوب پہنچ کر فرحت کا موجب ہوا۔ حضرت حق تعالیٰ بحرمت النبی و آلہ الامجاد صلی اللہ علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام' کمال اور تکمیل کی بلندی تک پہنچائے۔

مولوی علیہ الرحمۃ کے مقولہ کی نسبت پوچھا تھا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ وہ نازنین جو میری بغل میں تھا وہ حق تعالیٰ تھا۔ آیا اس قسم کی باتیں کہنی جائز ہیں یا نہیں۔ تو جاننا چاہیے کہ اس قسم کی باتیں اس راہ میں بہت واقع ہوتی ہیں اور زبان پر آتی ہیں۔ اس قسم کا معاملہ تجلی صوری کا ہے کہ صاحب معاملہ اس صورت متجلی کو حق تعالیٰ خیال کرتا ہے۔ ورنہ بات دراصل وہی ہے جو شیخ بزرگ امام ربانی خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہٗ نے فرمائی ہے۔

تِلْكَ خَيَالَاتٌ تُرَبِّيْ بِهَا اَطْفَالُ الطَّرِيْقَةِ۔ یہ وہ خیال ہیں جن سے طریقت کے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے۔

دوسرے یہ کہ چونکہ آپ کو طریقہ سکھانے کی ایک قسم کی اجازت دی گئی ہے۔ اس لیے اس بارہ میں چند فائدے لکھے جاتے ہیں۔ گوش ہوش سے سن کر ان پر عمل کریں۔

جاننا چاہیے کہ جب کوئی طالب آپ کے پاس ارادت سے آئے۔ اس کے طریقہ سکھانے میں بڑا تامل کریں۔ شاید اس امر میں آپ کا استدراج مطلوب ہو اور خرابی منظور ہو۔ خاصکر جب کسی مرید کے آنے میں خوشی و سرور پیدا

ہو۔ تو چاہیے کہ اس بارہ میں التجاو تضرع کا طریق اختیار کر کے بہت سے استخارے کریں تاکہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس کو طریقہ سکھانا چاہیے۔ اور استدراج و خرابی مراد نہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ کے بندوں میں تصرف کرنا اور اپنے وقت کو ان کے پیچھے ضائع کرنا خدائے تعالیٰ کے اذن کے بغیر جائز نہیں۔ آیت کریمہ:

لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۬ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ۔ تاکہ تو لوگوں کو اندھیرے سے نور کی طرف نکالے اللہ کے اذن سے۔

اسی مطلب پر دلالت کرتی ہے۔

ایک بزرگ فوت ہو گیا۔ اس کو خطاب ہوا کہ تو وہی ہے کہ جس نے میرے دین میں میرے بندوں پر زرہ پہنی تھی؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کہ تو نے میری خلق کو میری طرف کیوں نہ چھوڑا، اور دل کو کیوں نہ میری طرف متوجہ کیا؟

اور وہ اجازت جو آپ کو اور دوسروں کو دی گئی ہے چند شرائط سے مشروط ہے۔ اور حق تعالیٰ کی رضامندی کا علم حاصل کرنے پر وابستہ ہے۔ ابھی وقت نہیں آیا کہ مطلق اجازت دی جائے۔ اس وقت کے آنے تک شرائط کو اچھی طرح مدنظر رکھیں، اطلاع دینا شرط ہے۔ اور تبریز نعمان کی طرف بھی یہی لکھا گیا ہے، وہاں سے معلوم کر لیں۔ غرض کوشش کریں تاکہ وہ وقت آجائے اور شرائط کی تنگی سے چھوٹ جائیں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۱۲

مولانا محمد صدیق بدخشی کی طرف صادر فرمایا۔

اس کے بعض سوالوں کے جواب میں جو اس نے پوچھے تھے۔ اور اس واقعہ کے حل میں جو اس نے دیکھا اور لکھا تھا۔

آپ کے دو مکتوب مرغوب پے در پے پہنچ کر بڑی خوشی کا موجب ہوئے۔ حضرت حق تعالیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طفیل بے شمار ترقیاں عطا فرمائے۔

آپ نے پوچھا تھا کہ صاحب تصرف پیر اپنے تصرف سے مستعد مرید کو ان مرتبوں میں جو اس کی استعداد سے بڑھ کر ہیں پہنچا سکتا ہے یا نہیں؟ ہاں پہنچا سکتا ہے۔ لیکن ان بلند مرتبوں میں جو اس کی استعداد کے مناسب ہیں۔ نہ ان مراتب میں جو اس کی استعداد کے مخالف ہیں۔ مثلاً وہ مرید جو ولایت موسوی کی استعداد رکھتا ہے۔ اور اس کی استعداد کی نہایت قوت اس ولایت کے نصف راہ تک پہنچنے کی ہے۔ تو صاحب تصرف پیر اس کو اس ولایت کے نہایت درجات تک پہنچا سکتا ہے۔ لیکن یہ کہ اس کو ولایت موسوی سے ولایت محمدی میں لائے اور اس

ولایت میں اس کو ترقی بخشتے۔ معلوم الوقوع نہیں ہے۔

اور نیز آپ نے پوچھا تھا کہ وہ کونسا مرتبہ ہے جس میں اخفیٰ جو انسانی لطائف میں سے زیادہ لطیف ہے نفس امارہ کا حکم رکھتا ہے۔ اور دنارت و خساست میں اس کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے۔

میرے بھائی کو معلوم ہو کہ اخفیٰ اگرچہ لطائف میں سے لطیف ہے۔ لیکن دائرۂ امکان میں داخل ہے اور حدوث کے داغ سے داغدار ہے۔ جب سالک دائرۂ امکان سے پاؤں باہر رکھتا ہے اور مراتب وجوب میں سیر فرماتا ہے۔ اور ظلال وجوبی سے ان کے اصلوں میں پہنچتا ہے اور صفت و شان کی قید سے چھوٹ جاتا ہے۔ ناچار ممکن اس کو خوار و بے اعتبار نظر آتا ہے۔ اور اس کے احسن و الطف کو دنارت و خساست میں برابر دیکھتا ہے اور نفس و اخفیٰ کو اس مقام میں یکساں خیال کرتا ہے۔

اور آپ نے لکھا تھا کہ بالواسطہ یا بلا واسطہ ہم نے سنا ہے کہ عبادت کے وقت حق تعالیٰ کو حاضر و ناظر دیکھ کر عبادت کرنا حق تعالیٰ کے تنزل کا موجب ہے۔ بندہ کی طرح عبادت کرنی چاہیئے۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ کو حاضر سمجھ کر عبادت کرنی بے ادبی میں داخل ہے۔

اے محبت کے نشان والے! مجھے معلوم نہیں کہ اس فقیر سے اس قسم کی بات سرزد ہوئی ہو۔ کہیں اور جگہ سے دیکھی ہوگی۔

اور وہ واقعہ جو آپ نے لکھا تھا۔ اور اس واقعہ میں حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تھا بہت نیک اور اصلی ہے۔ پانی سے مراد علم ہے۔ اور اس میں ہاتھ ڈالنا علم میں قدرت کا حاصل ہونا ہے۔ اور اس بارہ میں حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مشارکت اس کے حاصل ہونے کی مؤکد و مؤید ہے۔ کیونکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت رحمٰن کے شاگرد ہیں:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ سکھائے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام چیزوں کے نام۔

حاصل کلام یہ کہ اس واقعہ میں علم سے مراد علم باطن ہے۔ بلکہ علم باطن کی وہ قسم جو اہل بیت علیہم الرضوان کی نسبت سے مناسبت رکھتی ہے۔ والباقی عند التلاق۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۲۱۳

سیادت پناہ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

پند و نصائح کے بیان میں اور فرقہ ناجیہ یعنی علمائے اہل سنت و جماعت کی تابعداری کرنے اور بُرے علماء کی صحبت سے جنہوں نے علم کو دنیاوی اسباب حاصل کرنے کا وسیلہ بنایا ہے' بچنے کی ترغیب میں۔

عَصَمَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَمَّا لَا یَلِیْقُ بِجَنَابِکُمْ بِحُرْمَۃِ جَدِّکُمُ الْاَمْجَدِ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ

حق تعالیٰ آپ کو آپ کے جد بزرگوار علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام کی طفیل ان باتوں سے بچائے جو آپ کی جناب کے لائق نہیں ہیں۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے:

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔ احسان کا بدلہ احسان ہے۔

فقیر نہیں جانتا کہ آپ کے احسان کا بدلہ کس احسان سے ادا کرے۔ سوائے اس بات کے کہ نیک وقتوں میں سلامتی دارین کی دُعا سے تر زبان رہے۔ اللہ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ یہ بات بے تکلف حاصل ہے۔ اور دوسرا احسان جو مکافات کے لائق ہے وہ پند و نصیحت ہے۔ اگر قبول ہو جائے تو زہے سعادت۔

اے شرافت و نجابت کے مرتبہ والے! تمام نصیحتوں کا خلاصہ دینداروں اور شریعت کے پابند لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا ہے۔ اور دین و شریعت کا پابند ہونا تمام اسلامی فرقوں میں سے فرقہ ناجیہ یعنی اہل سنت و جماعت کے طریقہ حقہ کے سلوک پر وابستہ ہے۔ ان بزرگواروں کی متابعت کے بغیر نجات محال ہے' اور ان کے عقاید کی اتباع کے بغیر خلاصی دشوار ہے۔ تمام عقلی' نقلی اور کشفی دلیلیں اس بات پر شاہد ہیں۔ ان میں سے کسی میں خلاف کا احتمال نہیں ہے۔ اگر معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص ان بزرگواروں کے سیدھے راستہ سے ایک رائی کے برابر بھی الگ ہو گیا' تو اس کی صحبت کو زہر قاتل جاننا چاہیے اور اس کی ہمنشینی کو زہر مار خیال کرنا چاہیے۔ بیباک طالب علم خواہ کسی فرقہ کے ہوں' دین کے چور ہیں۔ ان کی صحبت سے بھی بچنا ضروری ہے۔ یہ سب فتنہ و فساد جو دین میں پیدا ہوا ہے' انہی لوگوں کی کم بختی سے ہے کہ انہوں نے دنیاوی اسباب کی خاطر اپنی آخرت کو برباد کر دیا ہے۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْهُدٰی فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی پس ان کی اس تجارت نے ان کو نفع نہ دیا اور نہ ہی انہوں نے ہدایت پائی۔

کسی شخص نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ آسودہ اور فارغ بیٹھا ہے۔ اور گمراہ کرنے اور بہکانے سے ہاتھ کوتاہ کیا ہوا ہے۔ اس نے اس کا سبب پوچھا۔ لعین نے کہا اس وقت کے بُرے علماء میرا کام کر رہے ہیں اور گمراہ کرنے اور بہکانے کے ذمہ دار بن چکے ہیں۔

وہاں کے طالبوں سے مولانا عمر بہت نیک طبع آدمی ہے۔ بشرطیکہ آپ اس کو حوصلہ دیں اور حق کے کہنے پر دلیر کریں۔ اور حافظ امام بھی اسلام کا جنون رکھتا ہے۔ کیونکہ اسلام میں اس قسم کا جنون ضرور ہونا چاہیے:

لَنْ یُؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّہٗ مَجْنُوْنٌ — تم میں سے کوئی ایمان دار نہ ہوگا جب تک اس کو دیوانہ نہ کہا جائے۔

آپ کو معلوم ہے کہ اس فقیر نے تقریراً و تحریراً نیک صحبت کی ترغیب میں کوتاہی نہیں کی اور بُری صحبت سے بچنے کے لیے مبالغہ کرنے میں اپنے آپ کو معاف نہیں رکھا۔ کیونکہ فقیر اسی کو اصل عظیم جانتا ہے۔ آگے قبول کرنا آپ کے اختیار میں ہے۔ بلکہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے:

فَطُوْبٰی لِمَنْ جَعَلَہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مَظْھَرَ الْخَیْرِ۔ — پس اس شخص کے لیے مبارک ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خیر کا مظہر بنایا۔

آپ کے احسانوں کی یاد اس گفتگو پر آمادہ کرتی ہے اور رنج و ملال کے لاحظہ کو درمیان سے اٹھا دیتی ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۲۱۴

خانخاناں کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اور اس سوال مشہور کے جواب میں کہ کفار کو کفر موقت کے باعث دائمی عذاب کیوں ہوگا۔ اور ایک حاجت مند کی سفارش میں۔

طُوْبٰی لِمَنْ جَعَلَہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مَظْھَرَ الْخَیْرِ۔ — مبارک ہے وہ شخص جس کو خدائے تعالیٰ نے نیکی کا مظہر بنایا۔

حق تعالیٰ نے دنیا کو آخرت کی کھیتی بنایا ہے۔ وہ شخص بڑا ہی بدنصیب ہے جو سب کا سب بیج کھا جائے اور استعداد کی زمین میں نہ ڈالے اور ایک دانہ سے سات سو دانہ نہ بنائے اور اس دن کے لیے کہ بھائی بھائی سے بھاگے گا اور ماں بیٹے کی خبر نہ لے گی، کچھ ذخیرہ نہ کرے۔ ایسے شخص کو دنیا و آخرت کا خسارہ حاصل ہے۔ اور سوائے حسرت و ندامت کے کچھ فائدہ نہیں۔ نیک بخت لوگ دنیا کی فرصت کو غنیمت جانتے ہیں۔ نہ اس غرض کے لیے کہ دنیا کی لذتوں اور نعمتوں سے عیش و عشرت حاصل کریں۔ جو باوجود اس قدر سختیوں اور تکلیفوں کے ناپائدار اور بے ثبات ہیں۔ بلکہ اس غرض کے لیے کہ اس فرصت میں کاشتکاری کریں۔ اور نیک عمل کے ایک دانہ

سے وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ کے بموجب بے نہایت ثمرات حاصل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ چند روزہ اعمال صالحہ کی جزا ہمیشہ کا آرام مقرر فرمایا ہے:

وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۔ اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اگر پوچھیں کہ حسنات میں اجر کئی گنا ہے اور برائیوں میں ان کے مثل جزا ہے تو پھر کفار کو چند روزہ برائیوں کے عوض ہمیشہ کا عذاب کیوں ہوگا؟ میں کہتا ہوں کہ عمل کے لیے جزا کا ہم مثل ہونا واجب تعالیٰ کے علم پر موقوف ہے۔ جس کے سمجھنے سے ممکن کا علم قاصر ہے۔

مثلاً قذف محصنات یعنی نیک بیاہی عورتوں کو زنا کی تہمت لگانے میں اس کے ہم مثل جزا اسی کوڑے فرمائی ہے۔ اور چوری کی حد میں چور کا دایاں ہاتھ کاٹ ڈالنا اس کی جزا ہے۔ اور زنا کی حد میں کنوارے کا کنوار کے ساتھ زنا کرنے کی صورت میں سو کوڑے یا ایک سال کی جلاوطنی مقرر کی ہے۔ اور شادی شدہ آدمی کا شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کی صورت میں رجم یعنی سنگسار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ان حدود اور تقدیرات کا علم انسان کی طاقت سے خارج ہے:

ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۔ یہ خدائے عزیز و علیم کا اندازہ ہے۔

پس کفار کے بارہ میں حق تعالیٰ نے کفر موقت کے موافق ہمیشہ کا عذاب جزا فرمائی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ کفر موقت کی ہم مثل جزا یہی ہمیشہ کا عذاب ہے۔ اور وہ شخص جو تمام احکام شرعیہ کو اپنی عقل کے مطابق کرنا چاہے اور عقلی دلائل کے برابر کرنا چاہے، وہ شانِ نبوت کا منکر ہے۔ اس کے ساتھ کلام کرنا بیوقوفی ہے۔

شعر
زاں کس کہ بقرآں خبر زنہ نہ رہی
آن ست جوابش کہ جوابش نہ دہی

وہ جو قرآن و حدیث پر ایمان نہیں رکھتا اس کا جواب یہ ہے کہ تو اس کو جواب ہی نہ دے۔

باقی مطلب یہ ہے کہ حامل رقیمہ ہذا میاں شیخ احمد مغفرت پناہ شیخ سلطان تھانیسری کا بیٹا ہے آپ کی ان مہربانیوں اور احسانوں کو یاد کر کے جو آپ نے اس کے والد بزرگوار کی نسبت کیے تھے، اس فقیر کو وسیلہ بنا کر آپ کی خدمت علیہ میں حاضر ہوتا ہے۔ اور آپ کی مہربانیوں میں سے ایک مہربانی یہ تھی کہ ایک موضع جو پرگنہ اندری میں انعام فرمایا ہوا تھا۔ آگے آپ کا اختیار ہے۔ بلکہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ ۔

اور سلام ہو آپ پر اور ان لوگوں پر جو ہدایت کے راستہ پر چلے اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۱۵

دنیا کی مذمت میں میرزا داراب کی طرف لکھا۔

مکتوب شریف جو طبعی استعداد کی خوبی سے بڑی عاجزی کے ساتھ ان بے سامان فقراء کی طرف ارسال کیا تھا، پہنچا۔ حق تعالیٰ آپ کو اپنے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے جزائے خیر عطا کرے۔

اے فرزند! دنیادار اور دولت مند بڑی بلا میں گرفتار ہیں اور ابتلائے عظیم میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ دنیا کو جو حق تعالیٰ کی مبغوضہ ہے اور تمام نجاستوں سے زیادہ مردار ہے، ان کی نظروں میں آراستہ اور پیراستہ ظاہر کیا ہے جس طرح کہ نجاست کو سونے سے ملمع کریں اور زہر کو شکر میں ملا دیں۔ حالانکہ عقل دور اندیش کو اس کمینی کی برائی سے آگاہ کر دیا ہے اور اس ناپسندیدہ کی قباحت پر ہدایت و دلالت فرمائی ہے۔ اسی واسطے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میرا مال زمانہ کے عقلمند کو دیں تو زاہد کو دینا چاہیے، جو دنیا سے بے رغبت ہے۔ اور اس کی وہ بے رغبتی اس کی کمال عقل سے ہے۔ اس کے علاوہ صرف عقل کے ایک گواہ پر کفایت نہیں کی، نقل کا دوسرا گواہ بھی اس کے ساتھ شامل کر دیا ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے جو اہل جہان کے لیے سراسر رحمت ہیں، اس کھوٹے اسباب کی حقیقت پر اطلاع بخشی ہے، اور اس فاحشہ مکار کی محبت و تعلق سے بہت منع فرمایا ہے۔

ان دو عادل گواہوں کے موجود ہوتے بھی اگر کوئی شکر موہوم کی طمع پر زہر کھا لے اور خیالی سونے کی امید پر نجاست اختیار کرے، تو وہ شخص بڑا ہی بیوقوف اور احمق ہے۔ بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اخبار کا منکر ہے۔ ایسا شخص منافق کا حکم رکھتا ہے کہ اس کا ظاہری ایمان آخرت میں اس کو کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اور اس کا نتیجہ دنیاوی حزن اور مال کے بچاؤ کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ آج غفلت کی روئی کانوں سے نکالنی چاہیے۔ ورنہ کل حسرت و ندامت کے سوا کچھ سرمایہ حاصل نہ ہوگا ——— خبر کرنا ضروری ہے۔

ہمہ اندر زمن بتو این است
کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

میری طرف سے تجھے پوری نصیحت یہ ہے کہ تو بچہ ہے اور گھر بڑا رنگین اور خوبصورت ہے۔

مکتوب نمبر ۲۱۶

میرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا۔

اس بات کے بھید میں کہ بعض اولیاء اللہ سے خوارق بکثرت ظہور میں آتے ہیں اور بعض اولیاء اللہ سے کم۔ اور مقام ارشاد و تکمیل کے اتم ہونے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ وَالصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ اَجْمَعِيْنَ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔ اور سید المرسلین اور آپ کی آل پاک پر صلوٰۃ و سلام ہو۔

دل شکستہ میں آتا ہے کہ جب دوستوں کے درمیان بُعدِ صوری حاصل ہے اور ظاہری ملاقات عنقا ہو گئی ہے، تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی بعض علوم و معارف یاروں کی طرف لکھے جائیں۔ اس واسطے کبھی کبھی اس قسم کی باتیں لکھتا رہتا ہے۔ امید ہے کہ ملال کا باعث نہ ہوں گی۔

میرے مخدوم! چونکہ ولایت کی بحث درمیان ہے اور عوام کی نظر خوارق کے ظاہر ہونے پر لگی ہے اس لیے اس قسم کی بعض باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ذرا غور سے سنیے گا۔

ولایت فنا و بقا سے عبارت ہے کہ خوارق اور کشف خواہ کم ہوں یا زیادہ اس کے لوازم سے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہ جس سے خوارق زیادہ ظاہر ہوں اس کی ولایت بھی اتم ہو۔ بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خوارق بہت کم ظاہر ہوتے ہیں مگر ولایت اکمل ہوتی ہے۔

خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کا مدار دو چیزوں پر ہے۔ عروج کے وقت زیادہ بلند جانا، اور نزول کے وقت بہت کم نیچے اُترنا۔ بلکہ کثرت خوارق کے ظہور میں اصل عظیم قلتِ نزول یعنی بہت کم نزول کرنا ہے۔ عروج کی جانب خواہ کسی کیفیت سے ہو۔ کیونکہ صاحب نزول عالم اسباب میں اُتر آتا ہے۔ اور اشیاء کے وجود کو اسباب سے وابستہ معلوم کرتا ہے اور مسبب الاسباب کے فعل کو اسباب کے پردے کے نیچے دیکھتا ہے۔ اور وہ شخص کہ جس نے نزول نہیں کیا یا نزول کر کے اسباب تک نہیں پہنچا، اس کی نظر صرف مسبب الاسباب کے فعل پر ہے۔ کیونکہ مسبب الاسباب کے فعل پر اس کی نظر ہونے کے باعث تمام اسباب اس کی نظر سے مرتفع ہو گئے ہیں۔ پس حق تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے ظن کے موافق علیحدہ علیحدہ معاملہ کرتا ہے۔ اسباب کو دیکھنے والے کا کام اسباب پر ڈال دیتا ہے۔ اور وہ جو اسباب کو نہیں دیکھتا اس کا کام اسباب کے وسیلہ کے بغیر

مہیا کر دیتا ہے۔ حدیث قدسی

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي

اس مطلب کی گواہ ہے۔

بہت مدت تک دل میں کھٹکتا رہا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ اس امت میں اکمل اولیاء بہت گزرے ہیں، مگر جس قدر خوارق حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ سے ظاہر ہوئے ہیں۔ ویسے خوارق ان میں سے کسی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ آخر کار حق تعالیٰ نے اس معما کا بھید ظاہر کر دیا اور جتلا دیا کہ ان کا عروج اکثر اولیاء اللہ سے بلند تر واقع ہوا ہے۔ اور نزول کی جانب میں مقام روح تک نیچے اترے ہیں جو عالم اسباب سے بلند تر ہے۔

خواجہ حسن بصری اور حبیب عجمی قدس سرہما کی حکایت اسی مقام کے مناسب ہے۔

منقول ہے کہ ایک دن حسن بصری دریا کے کنارے پر کھڑے ہوئے کشتی کا انتظار کر رہے تھے کہ دریا سے پار ہوں۔ اسی اثنا میں خواجہ حبیب عجمی بھی آ نکلے۔ پوچھا آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ عرض کیا کہ کشتی کا انتظار کر رہا ہوں۔ حبیب عجمی نے فرمایا کہ کشتی کی کیا حاجت ہے، کیا آپ یقین نہیں رکھتے؟ خواجہ حسن بصری نے کہا، کہ آپ علم نہیں رکھتے۔ غرض خواجہ حبیب عجمی کشتی کی مدد کے بغیر دریا گزر گئے اور خواجہ حسن بصری کشتی کے انتظار میں کھڑے رہے۔

خواجہ حسن بصری نے چونکہ عالم اسباب میں نزول کیا ہوا تھا اس لیے اس کے ساتھ اسباب کے وسیلہ سے معاملہ کرتے تھے۔ اور حبیب عجمی نے چونکہ پورے طور پر اسباب کو نظر سے دور کر دیا ہوا تھا، اس کے ساتھ اسباب کے وسیلہ کے بغیر زندگانی بسر کرتے تھے۔ لیکن فضیلت حضرت خواجہ حسن بصری کے لیے ہے جو صاحب علم ہیں اور جنہوں نے عین الیقین کو علم الیقین کے ساتھ جمع کیا ہے، اور اشیاء کو جیسی کہ وہ ہیں جانا ہے۔ کیونکہ قدرت کی اصل حقیقت کو حکمت کے پیچھے پوشیدہ کیا ہے۔ اور حبیب عجمی صاحب سکر ہیں اور فاعل حقیقی پر یقین رکھتے ہیں۔ بغیر اس بات کے کہ اسباب کا درمیان میں دخل ہو۔

یہ دید نفس امر کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ اسباب کا وسیلہ واقع کے اعتبار سے ثابت و کائن ہے۔ لیکن تکمیل وارشاد کا معاملہ ظہور خوارق کے معاملہ کے برعکس ہے۔ کیونکہ مقام ارشاد میں جس کا نزول جس قدر زیادہ تر ہوگا، اسی قدر وہ زیادہ کامل ہوگا۔ کیونکہ ارشاد کے لیے مرشد و مسترشد کے درمیان اس مناسبت کا حاصل ہونا ضروری ہے جو نزول پر وابستہ ہے۔

اور جاننا چاہیے کہ جس قدر کوئی اوپر جاتا ہے اسی قدر نیچے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت رسالت

لہ بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ۔

خاتمیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ اوپر گئے، اور نزول کے وقت سب سے نیچے آ گئے۔ اسی واسطے آپ کی دعوت اتم ہوئی، اور آپ تمام خلق کی طرف بھیجے گئے۔ کیونکہ نہایت نزول کے باعث سب کے ساتھ مناسبت پیدا کی، اور افادہ کا راستہ کامل تر ہو گیا۔ اور بسا اوقات اس راہ کے متوسطوں سے اس قدر طالبوں کا فائدہ وقوع میں آتا ہے جو غیر مرجوع منتہیوں سے میسر نہیں ہوتا۔ کیونکہ متوسط غیر مرجوع منتہیوں کی نسبت مبتدیوں کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔

اسی سبب سے شیخ الاسلام ہروی قدس سرہٗ نے کہا ہے کہ اگر خرقانی اور محمد قصاب موجود ہوتے تو میں تم کو محمد قصاب کے پاس بھیجتا اور خرقانی کی طرف نہ جانے دیتا۔ کیونکہ وہ خرقانی کی نسبت تمہارے لیے زیادہ فائدہ مند ہوتا۔ یعنی خرقانی منتہی تھے۔ مرید آپ سے بہت کم فائدہ حاصل کرتے تھے۔ یعنی منتہی غیر مرجوع تھے نہ کہ مطلق منتہی۔ کیونکہ کامل افادہ کا نہ ہونا اس کے حق میں غیر واقع ہے۔ کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ منتہی تھے۔ حالانکہ آپ کا افادہ سب سے زیادہ تھا۔ پس افادہ کے کم یا زیادہ ہونے کا مدار رجوع اور ہبوط پر ہے نہ کہ انتہا اور عدم انتہا پر۔

یہاں ایک نکتہ ہے جس کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ جس طرح نفس ولایت کے حاصل ہونے میں ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا شرط نہیں ہے، جیسے کہ مشہور ہے۔ اسی طرح اس کو اپنے خوارق کے وجود کا علم ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی ولی سے خوارق نقل کرتے ہیں۔ اور اس کو ان خوارق کی نسبت بالکل اطلاع نہیں ہوتی۔ اور وہ اولیاء جو صاحب علم اور کشف ہیں ان کے لیے جائز ہے کہ اپنے بعض خوارق پر اس کو اطلاع دے دیں۔ بلکہ ان کی مثالیہ صورتوں کو متعدد مکانوں میں ظاہر کریں اور دور دراز جگہوں میں ان صورتوں سے ایسے عجیب و غریب کام ظہور میں لائیں جن کی اس صورتوں والے کو ہرگز اطلاع نہیں ہے۔ ع

از ما و شما بہانہ ساختہ اند

ہمارا اور تمہارا تو صرف بہانہ ہے، اصل فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔

حضرت مخدوم قبلہ گاہی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ کہتا تھا کہ عجیب کاروبار ہے کہ لوگ اطراف و جوانب سے آتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں ہم نے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا ہے، اور موسم حج میں حاضر پایا ہے اور ہم نے آپ سے مل کر حج کیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بغداد میں دیکھا ہے۔ اور اپنی دوستی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور میں ہرگز اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا ہوں۔ اور نہ ہی کبھی اس قسم کے آدمیوں کو دیکھا ہے کتنی بڑی تہمت ہے جو ناحق مجھ پر لگاتے ہیں:

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ کُلِّھَا۔ سب امور کی اصل حقیقت کو اللہ ہی جانتا ہے۔

اس سے زیادہ لکھنا طول کلامی ہے۔ ہاں اگر آپ کی طلب اور پیاس زیادہ معلوم کی تو بہت جلدی اس سے زیادہ کچھ لکھا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مکتوب نمبر ۲۱۷

ملا طاہر بدخشی کی طرف لکھا:

اس بیان میں کہ باطنی نسبت جس قدر حیرت و جہالت کی طرف جائے اسی قدر بہتر ہے۔

اور اس بیان میں کہ کیا باعث ہے کہ اولیاء اللہ کے بعض کشف غلط واقع ہوتے ہیں اور ان کے خلاف ظاہر ہوتا ہے۔ اور قضائے معلق اور قضائے مبرم کے درمیانی فرق اور ان میں سے ہر ایک کے حکم میں۔ اور اس بیان میں کہ جو کچھ قطعی اور اعتبار کے لائق ہے وہ کتاب و سنت ہے۔ اور اس بیان میں کہ بعض طالبوں کو طریقہ سکھانے کی اجازت دینا ان کے کمال اور تکمیل کی علامت نہیں ہے، اور اس کے متعلق امور میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ، اَجْمَعِیْنَ۔ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔ اور سید المرسلین اور آپ کی آل پاک پر صلوٰۃ و سلام ہو۔

مدت گزری ہے کہ اپنے اوضاع سے آپ نے اطلاع نہیں دی۔ ہر حال میں استقامت مطلوب ہے۔ کوشش کریں کہ از روئے عمل اور اعتقاد کے سرمو خلاف شریعت سرزد نہ ہو۔ اور باطنی نسبت کی حفاظت نہایت ہی ضروری ہے۔ اور باطنی نسبت جس قدر جہالت کی طرف جائے اسی قدر زیبا ہے اور جس قدر حیرت تک پہنچے اسی قدر بہتر ہے۔ کیونکہ کشوف الہٰی اور ظہورات اسمائی سب راستہ کے درمیان ہیں۔ وصول کے بعد یہ سب کم ہو جاتے ہیں۔ اور جہالت اور مطلوب کے نہ پانے کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ کشوف کونی کی نسبت کیا لکھا جائے۔ کیونکہ ان میں خطا کی مجال بہت ہے اور غلطی کا گمان غالب ہے۔ ان کے عدم و وجود کو یکساں جاننا چاہیے۔ اگر پوچھیں کہ کیا سبب ہے کہ بعض کونی کشوف میں جو اولیاء اللہ سے صادر ہوتے ہیں غلطی واقع ہو جاتی ہے اور ان کے برخلاف ظہور میں آتا ہے۔

مثلاً خبر دی کہ فلاں آدمی ایک ماہ کے بعد مر جائے گا۔ یا سفر سے واپس وطن میں آئے گا۔ اتفاقاً ایک ماہ کے بعد ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی وقوع میں نہ آئی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ چیز جس کا کشف ہوا ہے

اور اس کی خبر دی گئی ہے اس کا حاصل ہونا شرائط پر مشروط تھا کہ صاحب کشف نے اس وقت ان شرائط سے مفصل طور پر اطلاع نہیں پائی، اور مطلق طور پر اس شے کے حاصل ہونے کا کیا حکم ہے۔ یا یہ وجہ ہے کہ لوح محفوظ کے احکام میں سے کوئی حکم عارف پر ظاہر ہوا ہے کہ وہ حکم فی نفسہ محو و اثبات کے قابل ہے۔ اور قضائے معلق کی قسم سے ہے۔ لیکن اس عارف کو اس حکم کے محو و اثبات کی تعلیق اور قابلیت سے کچھ خبر نہیں ہے۔ اس صورت میں اگر اپنے علم کے موافق حکم کرے گا تو اس میں ضرور ہی خلاف کا احتمال ہوگا۔

لکھا ہے کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک شخص کے حق میں یہ خبر دی کہ یہ جوان کل صبح ہوتے ہی مر جائے گا۔ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس جوان کے حال پر رحم آیا۔ اس سے پوچھا کہ تو دنیا سے کیا آرزو رکھتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ دو چیزیں۔ ایک کنواری بیوی، دوسرے حلوا۔ حضور نے دونوں چیزیں مہیا کرنے کا حکم فرمایا۔ وہ جوان اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور وہ حلوے کا طبق ان کے آگے رکھا تھا کہ اسی اثنا میں ایک سائل محتاج نے دروازہ پر آ کر اپنی حاجت کو ظاہر کیا۔ اس جوان نے وہ حلوے کا طبق اٹھا کر اس فقیر کو دے دیا۔ جب صبح ہوئی حضرت پیغمبر علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام اس جوان کے مرنے کی خبر کا انتظار کرنے لگے۔ جب دیر ہوگئی تو فرمایا کہ اس جوان کی خبر لاؤ کہ کیا حال ہے؟ معلوم ہوا کہ خوش و خرم ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حیران رہ گئے۔ اسی اثنا میں حضرت جبرئیل علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس حلوے کے صدقہ نے اس جوان کی بلا کو دفع کیا۔ جب اس کے بستر کو دیکھا تو اس کے نیچے ایک بڑا سانپ مردہ پایا اور اس کے پیٹ میں اس قدر سودا پڑا ہوا دیکھا کہ حلوے کی زیادتی سے جان دے دی۔

لیکن یہ فقیر اس نقل کو پسند نہیں کرتا۔ اور جبرئیل علیہ السلام پر خطا تجویز نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ وحی قطعی کا حامل ہے اور وحی کے حامل پر خطا کا احتمال تجویز کرنا بُرا جانتا ہے۔ ہاں اگر یہ کہیں کہ اس کی عصمت و امانت اور خطا کا احتمال نہ ہونا اس وحی سے مخصوص ہے، جو حق تعالیٰ کی طرف سے صرف تبلیغ پر موقوف ہے۔ اور اس خبر میں اس قسم کی وحی نہیں ہے۔ بلکہ علمی اخبار ہے اور لوح محفوظ سے مستفاد ہے، جو محو و اثبات کا محل ہے۔ تو اس خبر میں خطا کی مجال ہو سکتی ہے۔ برخلاف وحی کے جو مجرد تبلیغ ہے۔ پس دونوں میں فرق ظاہر ہوگیا۔ جیسے کہ شہادت اور اخبار کے درمیان فرق ہے۔ کیونکہ اول شرع میں معتبر ہے اور دوسرا غیر معتبر۔

اے میرے سعادت مند بھائی! آپ کو معلوم کرنا چاہیے کہ قضا دو قسم پر ہے:

(۱) قضائے معلق (۲) قضائے مبرم۔

قضائے معلق میں تغیر و تبدل کا احتمال ہے، اور قضائے مبرم میں تغیر و تبدل کی مجال نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے:

مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ۔ — میرا قول کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔

یہ قضائے مبرم کے بارہ میں ہے۔ اور قضائے معلق کے بارہ میں فرماتا ہے:

یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ۔ — جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔ اور اس کے پاس اُم الکتاب ہے۔

میرے حضرت قبلہ گاہی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ "قضائے مبرم میں کسی کو تبدیلی کی مجال نہیں ہے، مگر مجھے ہے۔ اگر چاہوں تو میں اس میں بھی تصرف کروں"۔ اس بات سے بہت تعجب کیا کرتے تھے، اور بعید از فہم فرماتے تھے۔

یہ نقل بہت مدت تک اس فقیر کے ذہن میں رہی۔ یہاں تک کہ حضرت حق تعالیٰ نے اس دولت سے مشرف فرمایا۔ ایک دن ایک بلیہ کے دفع کرنے کے درپے ہوا جو کسی دوست کے حق میں مقرر ہو چکی تھی۔ اس وقت بڑی التجا اور عاجزی اور نیاز و خشوع کی، تو معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں اس امر کی قضا کسی امر سے معلق اور کسی شرط پر مشروط نہیں ہے۔ اس بات سے بڑی یاس و نا امیدی حاصل ہوئی اور حضرت سید محی الدین قدس سرہٗ کی بات یاد آئی۔ دوبارہ پھر ملتجی اور متضرع ہوا۔ اور بڑی عجز و نیاز سے متوجہ ہوا۔ تب محض فضل و کرم سے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قضائے معلق دو طرح پر ہے۔ ایک وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا لوح محفوظ میں ظاہر ہوا ہے اور فرشتوں کو اس پر اطلاع دی ہے۔ اور دوسری وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا صرف خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ اور لوح محفوظ میں قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے۔ اور قضائے معلق کی اس دوسری قسم میں بھی پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے۔

پھر معلوم ہوا کہ حضرت سید قدس سرہٗ کی بات بھی اسی اخیر قسم پر موقوف ہے جو قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے۔ نہ اس قضا پر جو حقیقت میں مبرم ہے۔ کیونکہ اس میں تصرف و تبدیلی عقلی اور شرعی طور پر محال ہے اور حق یہ ہے کہ جب کسی کو اس قضا کی حقیقت پر اطلاع ہی نہیں ہے، تو پھر اس میں تصرف کیسے کر سکے؟ اور اس آفت و مصیبت کو جو اس دوست پر پڑی تھی، قسم اخیر میں پایا۔ اور معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس بلیہ کو دفع فرما دیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ حَمْدًا كَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَكًا عَلَیْهِ كَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَ یَرْضٰی وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّةُ — اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے ایسی حمد کثیر اور طیب اور مبارک جیسے کہ ہمارا رب چاہتا اور پسند کرتا ہے اور اولین و آخرین کے سردار اور انبیاء و مرسلین کے

عَلٰی سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ خَاتَمِ	ختم کرنے والے پر جس کو اللہ تعالیٰ نے اہل جہان کے
الْاَنْبِیَاۤءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ الَّذِیْ اَرْسَلَہٗ رَحْمَۃً	لیے رحمت بنا کر بھیجا اور ان کی آل و اصحاب اور ان کے
لِّلْعٰلَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَعَلٰی جَمِیْعِ	تمام بھائیوں یعنی نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں
اِخْوَانِہٖ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ	اور نیکوں اور تمام مقرب فرشتوں پر صلوٰۃ وسلام
وَالشُّهَدَاۤءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَالْمَلٰۤئِکَۃِ	و تحیۃ ہو۔ یا اللہ! تو ہم کو ان بزرگواروں کی برکت سے
الْمُقَرَّبِیْنَ اَجْمَعِیْنَ. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ	ان سب کا محب اور ان کے افعال کا تابعدار بنا۔
مُحِبِّیْهِمْ وَمُتَابِعِیْ اٰثَارِهِمْ بِبَرَکَۃِ هٰۤؤُلَاۤءِ	اور اللہ تعالیٰ رحم کرے اس بندے پر جس نے
الْکُبَرَاۤءِ وَیَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ اٰمِیْنًا۔	آمین کہا۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعض اوقات بعض علوم الہامی میں بھی جو خطا ہو جاتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ بعض مسلمہ مقدمات جو صاحب الہام کے نزدیک ثابت اور حقیقت میں کاذب ہیں۔ علوم الہامی کے کے ساتھ اس طرح مل جاتے ہیں کہ صاحب الہام تمیز نہیں کر سکتا، بلکہ تمام علوم کو الہامی خیال کرتا ہے۔ پس ان علوم کے بعض اجزا میں خطا ہونے کے باعث مجموع علوم میں خطا واقع ہو جاتی ہے۔ اور نیز کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کشف اور واقعات میں امور غیبی کو دیکھتا اور خیال کرتا ہے کہ ظاہر پر محمول ہیں اور صورت پر منحصر ہیں۔ تو اس خیال کے موافق حکم کرتا ہے اور خطا واقع ہو جاتی ہے۔ اور نہیں جانتا کہ وہ امور ظاہر کی طرف سے پھرے ہوئے ہیں اور تاویل و تعبیر پر محمول ہیں۔ اس مقام پر تمام کشف غلط واقع ہوتے ہیں۔

غرض جو کچھ قطعی اور اعتبار کے لائق ہے وہ صرف کتاب و سنت ہے جو وحی قطعی سے ثابت ہوئے ہیں اور فرشتہ کے نازل ہونے سے مقرر ہوئے ہیں۔ اور علماء کا اجماع اور مجتہدین کا اجتہاد بھی انہی دو اصلوں کی طرف راجع ہے۔ ان چار شرعی اصول کے سوا اور جو کچھ ہو، خواہ صوفیہ کے علوم و معارف ہوں اور خواہ ان کے کشوف و الہام، اگر ان اصول کے موافق ہیں تو مقبول ہیں ورنہ مردود۔ وہاں وجد و حال کو جب تک شرع کی میزان پر نہ تول لیں، نیم جو سے بھی نہیں خریدتے۔ اور کشوف و الہام کو جب تک کتاب و سنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں نیم دام کے برابر بھی پسند نہیں کرتے۔

طریق صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ کی حقیقت پر جو ایمان کی حقیقت ہیں یقین زیادہ ہو جائے اور احکام شرعیہ کے ادا کرنے میں آسانی حاصل ہو، نہ کچھ اور امر اس کے سوا۔ کیونکہ رویت کا وعدہ آخرت کو ہے اور دنیا میں ثابت نہیں ہے۔

اور وہ مشاہدات اور تجلیات جن پر صوفیہ خوش ہیں وہ ظلال سے آرام اور شبہ و مثال کے ساتھ

تسلی کیے بیٹھے ہیں۔ حق تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر ان مشاہدوں اور تجلیوں کی پوری پوری حقیقت بیان کروں تو اس راہ کے مبتدیوں کی طلب میں فتور پڑ جائے گا اور ان کے شوق میں قصور واقع ہو جائے گا۔ اور اس سے بھی ڈرتا ہوں کہ اگر باوجود علم کے کچھ نہ کہوں تو حق باطل سے ملا رہے گا۔ البتہ اس قدر ضرور ظاہر کرتا ہوں کہ اس راہ کی تجلیات و مشاہدات کو موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہاڑ کی تجلی و شہود کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیے۔ اگر درست نہ ہوں تو ناچار ظلال اور شبہ و مثال پر محمول کرنے چاہییں۔ تو پھر شاید درست ہوں۔ کیونکہ تجلی سے مقصود دک وفک یعنی پارہ پارہ ہونا ہے، اور دنیا میں اس سے چارہ نہیں ہے۔ خواہ باطن پر متجلی ہوں خواہ ظاہر پر، دک وفک ضرور ہے۔

لیکن خاتم الانبیاء علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام اس داغ سے پاک ہیں۔ آپ کو دنیا میں رویت میسر ہوئی اور سر مو اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اور آپ کے کامل تابعداروں کو جو اس مقام سے حصہ رکھتے ہیں وہ رویت ظلال میں سے کسی ظل کے پردہ کے بغیر نہ ہوگی، صاحب تجلی سمجھے یا نہ سمجھے۔ جب کلیم اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام اس حال کے مشاہدے سے بغیر اس بات کے کہ تجلی ہو، بیہوش ہو گئے، تو پھر اوروں کا کیا حال ہے؟

دوسرے یہ ہے کہ جاننا چاہیے کہ بعض مخلصوں کو اجازت دینے سے مقصود یہ تھا کہ اس وجہ سے لوگوں کو گمراہی کے بھنور سے حق تعالیٰ کے راستہ کی طرف رہنمائی کریں۔ اور آپ بھی ان طالبوں کے ساتھ مل کر مشغول رہیں اور ترقیات حاصل کریں۔ اور اس سر رشتہ کو نگاہ رکھ کر کوشش کریں کہ ان کی اپنی بقیہ بری خصلتیں دور ہو جائیں اور مرید و مسترشد بھی اس دولت سے مشرف ہو جائیں۔ نہ یہ کہ اجازت کمال و تکمیل کے وہم میں ڈال دے اور مقصود سے ہٹا رکھے۔

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ قاصد کا کام حکم پہنچانا ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۱۸

پیر طریقت کے آداب کو مد نظر رکھنے کے بیان میں مُلّا داؤد کی طرف لکھا ہے۔

میرے عزیز بھائی! مولانا داؤد کا مکتوب شریف پہنچ کر خوشی کا موجب ہوا۔ حق تعالیٰ اپنے نبی اور ان کی آل پاک علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طفیل آپ کے ظاہر و باطن کو اپنی مرضیات سے آراستہ و پیراستہ کرے۔

باطنی سبق کے تکرار کرنے اور خواجگان قدس سرہم کے طریقہ پر استقامت کرنے میں ایسا نہ ہو کہ پراگندہ

توجہوں سے فتور پڑ جائے۔ اور اگر بالفرض کچھ ظلمت و کدورت طاری ہو جائے۔ تو اس کا علاج یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں التجا اور زاری اور نیاز و شکستگی بجا لائیں اور اپنے مربی یعنی پیر کی طرف جو اس دولت کے حاصل ہونے کا وسیلہ ہے۔ پورے طور پر متوجہ ہوں اور حضور و غیبت میں اس بڑی دولت کے وسیلوں یعنی پیروں کے آداب کو اچھی طرح مدنظر رکھیں اور ان بزرگواروں کی رضا کو حق تعالیٰ کی رضامندی کا وسیلہ بنائیں۔ نجات و خلاصی کا طریقہ یہی ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۲۱۹

میرزا ایرج کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ آدمی اپنی نادانی سے اپنی ظاہری مرض کے دور کرنے کی فکر میں لگا ہے اور باطنی مرض سے جو دل کی گرفتاری سے مراد ہے، غافل پڑا ہے۔ اور اس کے مناسب بیان ہیں۔

عَصَمَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَمَّا یَصِمُکُمْ وَ صَانَکُمْ عَمَّا شَانَکُمْ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا۔

سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہٖ وسلم کی طفیل آپ کو اس چیز سے بچائے جو آپ کو داغدار کرے۔ اور چیز سے محفوظ رکھے جو آپ کو عیب لگائے۔

اے سعادت و شرافت کے نشان والے! آدمی کو جب کوئی ظاہری مرض لگ جاتا ہے اور اس کے کسی عضو کو آفت پہنچتی ہے، تو بہت کوشش اور مبالغہ کرتا ہے تاکہ وہ مرض دفع ہو جائے، اور وہ آفت دور ہو جائے۔ لیکن مرض قلبی نے جو ما سوائے حق کی گرفتاری سے مراد ہے، اس پر اس طرح غلبہ پایا ہوا ہے جو نزدیک ہے کہ اس کو ہمیشہ کی موت تک پہنچا دے، اور ہمیشہ کے عذاب میں اس کو گرفتار کر دے۔ اس کے دور کرنے کا فکر نہیں کرتا، اور اس کے دفع کرنے میں کوشش نہیں کرتا۔ اور اگر اس گرفتاری کو مرض نہیں جانتا تو پرلے درجے کا احمق ہے۔ اور اگر جانتا ہے اور پھر فکر نہیں کرتا تو بڑا ہی بلید ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس مرض کے سمجھنے کے لیے عقل معاد درکار ہے۔ کیونکہ عقل معاش اپنی کوتاہ اندیشی سے ظاہر بینی پر لگی ہوئی ہے۔ اور عقل معاش جس طرح باطنی امراض کو فانی عیش و عشرت کے باعث مرض خیال نہیں کرتی۔ اسی طرح عقل معاد بھی ظاہری امراض کو عاقبت کے ثوابوں کی وجہ سے مرض نہیں جانتی۔ عقل معاش

کی نظر کوتاہ ہے اور عقل معاد کی نظر تیز۔
عقل معاد انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نصیب ہے اور عقل معاش دولت مندوں اور دنیاداروں کا حصہ ہے۔ اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اور وہ اسباب جو عقل معاد کو برانگیختہ کرنے والے ہیں، موت کا ذکر، آخرت کے احوال کا یاد کرنا اور ان لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا ہے جو دار آخرت کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں ؎

وادیم تراز گنج مقصود نشانے ما اگر نہ رسیدیم تو شاید برسی

ہم نے تجھے گنج مقصود کا نشان بتا دیا ہے۔ اگر ہم اس تک نہیں پہنچ سکے تو شاید تو پہنچ جائے

جاننا چاہیے کہ جس طرح ظاہری مرض احکام شرعیہ کے بمشکل ادا ہونے کا باعث ہے، باطنی مرض بھی اسی دشواری کو مستلزم ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ۔ مشرکوں پر وہ بات جس کی طرف تو ان کو بلاتا ہے بہت بھاری ہے۔

اور فرماتا ہے:

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ۔ بے شک نماز بھاری ہے مگر خاشعین پر۔

ظاہری مرض میں قویٰ اور اعضا کی کمزوری اس دشواری کو مستلزم۔ اور مرض باطنی میں یقین کا ضعف اور ایمان کی کمی اس دشواری کا موجب ہے۔ ورنہ تکالیف شرعی میں سراسر آسانی اور سہولت ہے۔ آیت کریمہ:

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا

اور آیت کریمہ:

يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا۔ اللہ تم سے تخفیف کرنا چاہتا ہے اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔

دونوں اس مطلب پر گواہ ہیں۔ ع

خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست

سورج کا کچھ گناہ نہیں اگر کوئی خود ہی نابینا ہے

پس اس مرض کے دور کرنے کا فکر ضروری ہے اور حاذق طبیبوں کی طرف التجا کرنا فرض عین ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ۔ قاصدوں کا کام حکم پہنچا دینا ہے۔

والسلام

مکتوب نمبر ۲۲

صوفیوں کی بعض غلطیوں اور ان غلطیوں کے منشا کے بیان میں شیخ حمید بنگالی کی طرف صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَعَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ۔	تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔ اور حضرت سید المرسلین اور ان کی سب آل و اصحاب پر صلوٰۃ و سلام ہو۔

اس طرف کے فقرا کے احوال و اوضاع دن بدن شکر کی زیادتی کا موجب ہیں۔ اور دور افتادہ دوستوں کے بارہ میں بھی یہی امید رکھتا ہے۔

اے عزیز! اس غیب الغیب یعنی اندھا دھند رستہ میں سالکوں کے قدم بہت پھسلتے ہیں۔ آپ اعتقادات اور عملیات میں شریعت کو مدنظر رکھ کر زندگانی بسر کریں۔ حضور و غیبت میں فقیر کی یہی نصیحت ہے۔ اس میں غفلت نہ ہونے پائے۔

فقیر اس راستہ کی بعض غلطیوں کو لکھتا ہے اور اس غلطی کا منشا ظاہر کرتا ہے۔ امید ہے کہ اعتبار کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں گے اور ان مذکورہ جزئیات کے ماسوا ان کے اندازہ کے موافق کام کریں گے۔

جان لیں کہ صوفیہ کی بعض غلطی یہ ہے کہ کبھی سالک مقامات عروج میں اپنے آپ کو دوسروں سے بلند پاتا ہے جن کی افضلیت علماء کے اجماع سے ثابت ہوئی ہے۔ حالانکہ یقیناً اس سالک کا مقام ان بزرگواروں کے مقامات سے نیچے ہے۔ بلکہ یہ اشتباہ کبھی کبھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت بھی جو قطعی طور پر بہترین خلائق ہیں واقع ہو جاتا ہے۔ عَیَاذًا بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ "اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے"۔

اس باب میں بعض کی غلطی کا منشا یہ ہے کہ انبیاء و اولیاء میں سے ہر ایک کا عروج پہلے ان اسماء تک ہے جو ان کے وجودی تعینات کے مبدء ہیں۔ اور اس عروج سے ولایت کا اسم متحقق ہوتا ہے۔ دوسرے عروج ان اسماء میں اور ان اسماء سے الی ماشاء اللہ۔ لیکن باوجود اس عروج کے ان میں سے ہر ایک کا مقام و منزل وہی اسم ہے جو اس کے وجودی تعین کا مبدء ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مقامات عروج میں جو کوئی ان کو ڈھونڈتا ہے۔ اکثر انہی اسماء میں پاتا ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں کے طبعی مکان مراتب عروج میں وہی اسماء ہیں۔ اور ان اسماء سے عروج و ہبوط کرنا عوارض کے سبب سے ہے۔ پس جب بلند فطرت سالک کا سیر ان اسماء سے بلند تر واقع ہوا تو ضرور

ان اسماء سے بھی بالا تر جائے گا۔ اور اس کو یہ وہم پیدا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے بچائے کہ یہ وہم اُس پہلے یقین کو دور کر دے، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے افضل ہونے اور اولیاء کے اولیٰ بہتر ہونے میں جو اجماع کے ساتھ افضل ہیں، اشتباہ پیدا کرے۔ یہ مقام سالکوں کے قدم پھسلنے کا مقام ہے۔ اس وقت سالک نہیں جانتا کہ ان بزرگواروں نے ان اسماء سے بے نہایت عروج فرمائے ہیں اور فوق الفوق میں پہنچے ہوئے ہیں۔ اور نیز جاننا چاہیے کہ وہ اسماء ان کے عروج کے طبعی مکان ہیں۔ اور اس کا بھی اس جگہ طبعی مکان ہے جو ان اسماء سے بہت نیچے اور پست ہے۔ کیونکہ ہر شخص کا افضل ہونا اس کے اقدم ہونے کے اعتبار سے ہے جو اس کے تعین کا مبدء ہوا ہے۔

اسی قسم سے ہے یہ بات جو بعض مشائخ نے کہی ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عارف کو مقامات عروج میں برزخیت کبریٰ حائل نہیں ہوتی، اور اس کے وسیلہ کے بغیر ترقی کرتا ہے۔

ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ رابعہؒ بھی اسی جماعت سے ہے۔ یہ لوگ چونکہ عروج کے وقت اس اسم سے جو برزخیت کبریٰ کے تعین کا مبدء ہے اوپر گزرے ہیں اس لیے ان کو وہم ہوا ہے کہ برزخیت کبریٰ درمیان میں حائل نہیں رہی۔ اور برزخیت کبریٰ سے ان کی مراد حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت ہے۔ اور اصل معاملہ وہی ہے جو اوپر گزرا۔

اور بعض دوسروں کی اس غلطی کا منشا یہ ہے کہ جب سالک کا سیر اس اسم میں واقع ہوتا ہے جو اس کے یقین کا مبدء ہے۔ اور وہ اسم مجمل طور پر تمام اسماء کا جامع ہے۔ کیونکہ انسان کی جامعیت اسی قسم کی جامعیت کے باعث ہے۔ پس ناچار اس ضمن میں وہ اسماء بھی جو دوسرے مشائخ کے تعینات کے مبدء ہیں مجمل طور پر اس سیر میں قطع کرے گا، اور ہر ایک سے گزر کر اس اسم کے منتہا تک پہنچ جائے گا، اور اپنی فوقیت کا وہم پیدا کرے گا۔ اور نہیں جانتا کہ مقامات مشائخ سے جو کچھ اس نے دیکھا ہے اور ان سے گزر گیا ہے، ان کے مقامات کا نمونہ ہے، نہ کہ ان مقامات کی حقیقت۔ اور جب اس مقام میں اپنے آپ کو جامع معلوم کرتا ہے اور دوسروں کو اپنے اجزاء خیال کرتا ہے تو اپنے اولیٰ ہونے کا وہم پیدا کرتا ہے۔ اسی مقام میں شیخ بسطام قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ:

لِوَائِیْ اَرْفَعُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ — میرا جھنڈا محمد کے جھنڈے سے زیادہ بلند ہے۔

غلبۂ سکر کے باعث نہیں جانتا کہ اس کے جھنڈے کی بلندی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے سے نہیں ہے بلکہ ان کے جھنڈے کے نمونہ سے ہے، جو ان کے اسم کی حقیقت کے ضمن میں مشہود ہوا ہے۔ اور اسی قسم سے ہے وہ بات جو انہوں نے اپنے قلب کی وسعت کے بارہ میں کہی ہے کہ اگر عرش اور ما فیہ کو عارف کے قلب کے گوشہ میں

رکھ دیں تو محسوس نہ ہو۔ یہاں بھی نمونہ کا حقیقت سے اشتباہ ہے۔ ورنہ عرش کے مقابلہ میں جس کو حق تعالے عظیم فرماتا ہے۔ عارف کے قلب کا کیا اعتبار اور مقدار ہے۔ وہ ظہور جو عرش میں ہے اس کا سواں حصہ بھی قلب میں نہیں ہے۔ اگرچہ عارف کا قلب ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ رویت اُخروی عرش کے ظہور پر متحقق ہوگی یہ بات اگرچہ آج بعض صوفیہ کو ناگوار گزرے گی۔ لیکن آخر کار ایک دن ان کی سمجھ میں آجائے گی۔

اس بات کو ہم ایک مثال سے روشن کرتے ہیں کہ انسان چونکہ عناصر و افلاک کا جامع ہے۔ جب اس کی نظر اپنی جامعیت پر پڑتی ہے تو عناصر و افلاک کو اپنے اجزا دیکھتا ہے۔ اور جب یہ دید غالب آجائے تو کچھ دور نہیں کہ اگر وہ یہ بات کہہ دے کہ میں کرہ زمین سے بڑا ہوں، اور آسمان سے فراخ تر ہوں۔ اس وقت عاقل لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کی عظمت و بڑائی اس کے اپنے اجزا سے ہے۔ اور کرہ زمین اور آسمان حقیقت میں اس کے اجزا نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے ان اجزا کا نمونہ بنے ہوئے ہیں۔ اور اس کی بزرگی ان نمونوں سے ہے جو اس کے اجزا ہیں، نہ کہ کرۂ ارضی و سماوی کی حقیقت سے۔ اور اسی وجہ سے کہ کسی شئے کا نمونہ اس کی حقیقت کے متشابہ ہوتا ہے۔

فتوحات مکیہ والے نے کہا ہے کہ جمع محمدی جمع الٰہی سے اجمع ہے۔ کیونکہ جمع محمدی کونی اور الٰہی حقائق پر مشتمل ہے پس اجمع ہوگی۔ اور نہیں جانتا کہ یہ اشتمال مرتبہ الوہیت کے ظلال میں سے ایک ظل سے ہے۔ اور اس کے نمونوں میں سے ایک نمونہ پر ہے۔ نہ کہ وہ اشتمال اس مرتبہ مقدسہ کی حقیقت پر۔ بلکہ اس مرتبہ کے پہلو میں کہ عظمت و کبریائی اس کے لوازم سے ہے۔ جمع محمدی کا کچھ مقدار نہیں ہے۔ مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ

ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

اور نیز اس مقام میں جب کہ سالک کی سیر اس اسم میں جو اس کا رب ہے واقع ہوتی ہے تو بسا اوقات یہ خیال کرتا ہے کہ بعض بزرگوار جو یقیناً اس سے افضل ہیں، اس کے وسیلہ سے بلند مقامات میں پہنچے ہیں اور اس کے وسیلہ سے ترقی کی ہے۔ یہاں بھی سالکوں کے پھسلنے کا مقام ہے۔ اللہ پناہ دے کہ اس کمال سے کوئی اپنے آپ کو افضل جانے اور ہمیشہ کا خسارہ حاصل کرے۔

اچھا، اگر بادشاہ عظیم الشان کسی زمیندار کی مدد سے جو اسی کی سلطنت میں داخل ہے، جائے اور اس زمیندار کے وسیلہ سے بعض مقامات میں پہنچے۔ اور اس کے ذریعے سے بعض جگہوں کو فتح کرے تو اس میں کونسی تعجب کی بات ہے۔ اور اس میں کیا فضیلت ہے ؟

حاصل کلام یہ کہ یہاں جزئی فضیلت کا احتمال ہے، جو بحث سے خارج ہے۔ کیونکہ ہر ایک حجام اور جلاہا اپنی کسی خاص وجہ کے باعث ہر عالم ذوفنون و حکیم پر فضیلت رکھتا ہے۔ لیکن یہ فضیلت اعتبار سے خارج ہے۔ اور وہ جو معتبر ہے وہ فضیلت کلی ہے، جو عالم و حکیم کے لیے ثابت ہے۔

اس درویش کو بھی اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوئے تھے، اور اس قسم کی خیالی باتیں بہت پیدا ہوئی تھیں، اور مدتوں تک یہ حالت رہی۔ لیکن باوجود اس کے فضل خداوندی شامل حال رہا کہ پہلے دائمی یقین میں تذبذب پیدا نہ ہوا اور متفق علیہ اعتقاد میں فتور واقع نہ ہوا:

لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰى ذٰلِكَ وَعَلٰى جَمِيعِ نَعْمَائِهٖ۔ اس نعمت پر اور تمام نعمتوں پر اللہ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔

اور جو کچھ مجمع علیہ کے خلاف ظاہر ہوتا تھا اس کا کچھ اعتبار نہ کرتا تھا، اور اس کو نیک توجیہ کی طرف پھیرتا تھا۔ اور مجمل طور پر یا تنا جاتا تھا کہ اس کشف کے صحیح ہونے پر بھی یہ زیادتی جزئی فضیلت پر ہوگی۔ اگرچہ یہ وسوسہ بھی پیش آتا تھا کہ فضیلت کا مدار قرب الٰہی پر ہے۔ اور یہ زیادتی اسی قرب میں ہے۔ پھر جزئی کیوں ہوگی؟ لیکن پہلے یقین کے مقابلہ میں یہ وسوسہ گرد کی طرح اڑ جاتا تھا اور کچھ اعتبار نہ رکھتا تھا، بلکہ توبہ و استغفار و انابت سے التجا کرتا تھا اور عاجزی اور زاری سے دعا کرتا تھا کہ اس قسم کے کشف ظاہر نہ ہوں۔ اور اہل سنت و جماعت کے معتقدات کے خلاف سر مو منکشف نہ ہو۔

ایک دن یہ خوف غالب ہوا کہ مبادا ان کشفوں پر مواخذہ کریں، اور ان وہمی باتوں کی نسبت پوچھیں۔ اس خوف کے غلبہ نے بڑا بے قرار اور بے آرام کیا۔ اور بارگاہ الٰہی میں بڑی التجا اور زاری کا باعث ہوا۔ یہ حالت بہت مدت تک رہی۔ اتفاقاً اسی حالت میں ایک بزرگ کے مزار پر گزر ہوا[1] اور اس معاملہ میں اس عزیز کو اپنا مددگار بنایا۔ اسی اثنا میں خداوند تعالیٰ کی عنایت شامل حال ہوئی اور معاملہ کی حقیقت کما حقہٗ ظاہر کر دی گئی، اور حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو رحمت عالمیاں ہیں، ان کی روح مبارک نے حضور فرمایا اور غمناک دل کی تسلی کی۔ اور معلوم ہوا کہ بیشک قرب الٰہی ہی فضل کلی کا موجب ہے۔ لیکن یہ قرب جو تجھے حاصل ہوا ہے، الوہیت کے ان مراتب کے ظلال میں سے ایک ظل کا قرب ہے، جو اس اسم سے مخصوص ہیں جو تیرا رب ہے۔ پس فضل کلی کا موجب نہ ہوگا۔ اور اس مقام کی مثالی صورت کو اس طرح پر منکشف کیا کہ کوئی شک و شبہ نہ رہا، اور اس اشتباہ کا محل بالکل دور ہو گیا۔ اور بعض وہ علوم جو اشتباہ کا محل رکھتے ہیں اور ان میں تاویل و توجیہ کی گنجائش ہے۔ اور اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھی تھی، زیادہ منکشف ہوئی۔

اس فقیر نے چاہا کہ ان علوم کے اغلاط کا منشا جو محض فضل خداوندی جل شانہٗ سے ظاہر ہوا ہے لکھے اور شائع کر دے۔ کیونکہ گناہ مشتہر کے لیے توبہ کا اشتہار ضروری ہے تاکہ لوگ ان علوم سے خلاف شریعت نہ سمجھ لیں۔ اور تقلید کر کے گمراہی میں نہ پڑ جائیں۔ یا تکلف و تعصب سے گمراہی و جہالت نہ اختیار کریں۔ کیونکہ اس

[1] استعانت از صاحب مزار۔

انتہا دھند ۔۔۔ میں اس قسم کی عجیب باتیں بہت ظاہر ہوتی ہیں جو بعض کو ہدایت کی طرف لے جاتی ہیں، اور بعض کو گمراہی میں ڈال دیتی ہیں۔

اس فقیر نے اپنے والد بزرگوار قدس سرہٗ سے سنا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بہتر گروہوں میں سے اکثر جو گمراہ ہیں اور سیدھے راستہ سے بھٹک گئے ہیں، ان کا باعث طریق صوفیہ میں داخل ہونا ہے کہ انہوں نے کام کو انجام تک نہ پہنچا کر غلط راہ اختیار کیا اور گمراہ ہو گئے۔

والسلام

اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد و نصرت سے دفتر اول حصہ سوم کا ترجمہ ختم ہوا۔ مولیٰ کریم اسے قبول عام کا شرف بخشے، اور مترجم کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے ــــــــ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ و نور عرشہ محمد وآلہ واصحابہ وسلم

خاکسار

محمد سعید احمد

عفی عنہ